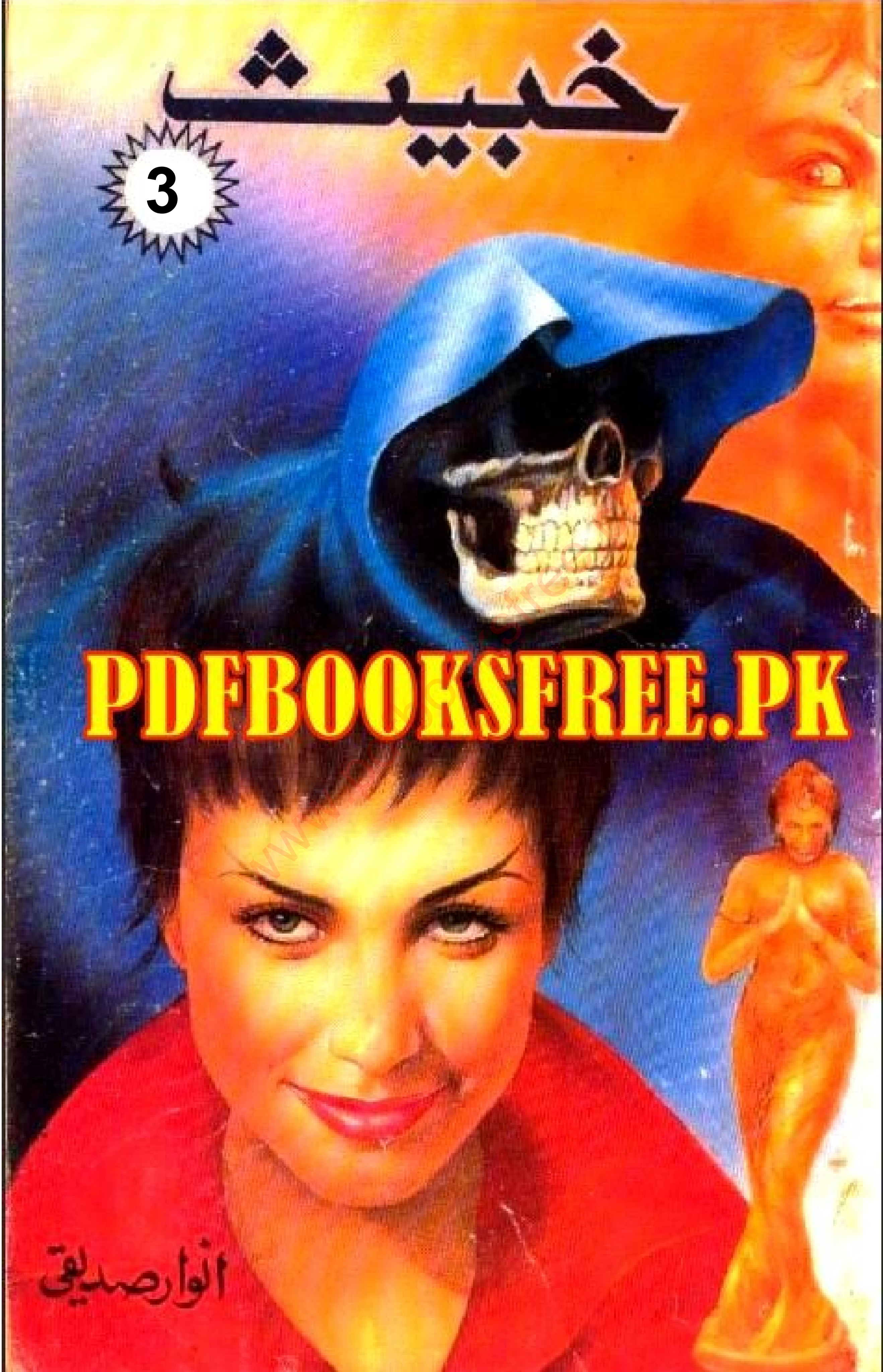


خبیث
3
PDFBOOKSFREE.PK
انوار صدیقی

ایک پراسرار موتی کے حصول کی خاطر ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

خبیث

3

انوار صدیقی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲

وہ سچویشن ہی ایسی تھی جس نے میرے ذہن کی تمام چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ کومل ورما کا ایک ہی وقت میں دو جگہ موجود ہونا میرے لیے حیران کن تھا۔ ایک میرے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی عجیب سے تیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ دوسری نے صبح فون پر بے شنکر پانڈے کے جشن صحت کے لیے ڈنر میں شرکت کی دعوت دی تھی؟

میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھر رہے تھے۔

بے شنکر پانڈے کا ہولناک ایکسیڈنٹ سے بچ جانا تعجب خیز امر تھا۔ وہ کس کی شخصیت تھی جس نے بروقت پانڈے کو گاڑی کے مکمل تباہ ہونے سے پہلے ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا کر باہر فٹ پاتھ پر پھینک دیا تھا؟

شنکر نامی شخص کے پیچھے کس کا ہاتھ کام کر رہا تھا جس نے چتا کی آگ میں جل کر بھسم ہو جانے کے باوجود سراج کو فون کر کے یہ اطلاع دی تھی کہ وہ مرنے کے باوجود زندہ ہے اور اس کی بدروح جو چاہے گی وہی ہو گا؟ یہی بات اس شخص نے بے شنکر پانڈے سے کہی تھی جس نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھایا تھا۔ اس نے بھی پانڈے کو اپنا نام شنکر ہی بتایا تھا اور وہی بات کہی تھی جو فون پر سراج کو کہی گئی تھی۔ وہ شنکر نامی شخص کون تھا؟

کیا شنکر کی بدروح واقعی ابھی تک دنیا میں بھٹک رہی تھی! اس کے پیچھے کوئی پراسرار ہاتھ تھا جو مختلف شخصیتوں سے ایک ہی بات کہلوا رہا تھا؟ وہ کومل ورما کون تھی جس نے اشوک کے فلیٹ پر میرے میک اپ میں جانے کی اطلاع دی تھی؟

کومل ورما کی ماں نے فون پر یہی بتایا تھا کہ اس کی دو جڑواں اور ہم شکل لڑکیاں تھیں جن سے موہنی نامی لڑکی چھت سے گر کر ہلاک ہو گئی تھی لیکن اس نے سراج سے کسی موہنی کے سلسلے میں قطعی انکار کر دیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کچھ ایسی ہی صورت پانڈے کے بیان سے بھی سامنے آئی تھی۔ اس نے سراج کو بیان دیا تھا کہ ایکسیڈنٹ کے بعد شنکر نامی تنوی اس سے ملا تھا لیکن جب میں پانڈے کی خیریت دریافت کرنے ہسپتال گیا تو پانڈے نے سرے سے اس بات سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شنکر نامی کسی شخص کا نام وہ پہلی بار میری زبان سے سن رہا تھا۔ اس کا کون سا بیان درست تھا اور کون سا غلط؟

پانڈے کی گاڑی کو کسی حادثے سے دوچار کرنے اور پھر اسے موت کے منہ میں جانے سے بچا لینے میں کیا مصلحت تھی؟

کیا کومل ورما کی شخصیت محض ایک کھلونے جیسی تھی جسے کوئی پراسرار قوت اپنی مرضی سے چلا رہی تھی؟

وہ پراسرار قوت کون تھی؟ شنکر کا خاکا یا پھر لیڈی مکارنس؟

میرے ذہن میں ایک آخری سوال بڑی تیزی سے ابھرا۔

اگر وہ گاڑی کومل ورما ہی کی تھی جس سے موہنی کو اغوا کیا

ناشر : محمد علی قریشی
بااہتمام : عبدالحفیظ قریشی
مطبع : نیئر اسد پرنٹرز لاہور
بار اول : 1997ء
سرورق : ذاکر
تعداد : ایک ہزار
قیمت : -/40 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

کیا تھا تو پھر کومل ورما کس گاڑی میں دفتر پہنچی تھی؟ میں نے کچھ سوچ کر دوبارہ بے شکر پانڈے سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار کومل ورما کے بجائے کسی مرد کی بھاری آواز سنائی دی۔

"مجھے کومل ورما سے بات کرنی ہے۔"

"سوری..... آج وہ دفتر نہیں آئی۔"

"کیا پانڈے جی موجود ہیں؟"

"جی نہیں۔ وہ ابھی تک گھر پر آرام کر رہے ہیں۔"

"آئی سی۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا کومل ورما نے چھٹی کی کوئی درخواست بھیجی تھی یا دفتر نہ آنے کا فون کیا تھا؟"

"اس نے ایک روز پہلے ہی اپنی چھٹی منظور کرالی تھی۔ ویسے بائی دے وے آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا پھر ماسٹر ٹونی کو علیحدہ بلا کر اس کو ہدایت کی وہ ڈی ایس پی سراج کو فوری طور پر فون کر کے بلا لے۔ ٹونی کو کچھ اور ضروری ہدایت دینے کے بعد میں دوبارہ کومل ورما یا موہنی کے سامنے جا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے مسٹر شباز خان۔ تم کن دچاروں میں گم ہو۔" اس نے بڑی بے پروائی سے دریافت کیا۔

"میں تمہیں کیا سمجھوں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ "کومل ورما یا موہنی؟"

"جو تمہارے من میں آئے۔ میری صحت پر اس کا کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

"میں نے تمہاری حیثیت کی تصدیق کی خاطر بے شکر کمپنی کو پہلا فون کیا تھا اسے کومل ورما ہی نے ریسیو کیا تھا۔"

"پھر..... کیا اب بھی تم مجھے موہنی ماننے کو تیار نہیں۔"

"دوسری بار فون پر مجھے بتایا گیا ہے کہ آج کومل ورما چھٹی پر ہے۔ جس کی منظوری اس نے ایک دن پہلے ہی حاصل کرلی تھی۔" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "کیا تم صاف گوئی سے کام نہیں لے سکتیں؟"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ میں موہنی ہوں۔"

"موہنی نہیں بلکہ اس کی بدروح۔" میں نے تصحیح کی۔ "تمہاری ماں کے ایک بیان کے مطابق تم چھت سے گر کر ہلاک ہو چکی ہو لیکن....."

"جب تمہارے حتر پولیس آفیسر نے میری ماتا جی سے ملاقات کی تھی تو انہوں نے موہنی کے وجود سے ہی انکار کر دیا تھا۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "تم شاید اسی الجھن کا شکار ہو کیوں؟"

"ہاں۔"

"دراصل ماتا جی کو میں نے منع کیا تھا کہ وہ جڑواں بہنوں کا ذکر دوسری بار کسی سے نہ کریں۔ اسی کارن انہوں نے سراج سے کہا تھا کہ موہنی نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتیں۔"

"چلو مانے لیتے ہیں لیکن دو سوال ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ لڑکی کون تھی جس نے میری پہلی کال کو کومل ورما کی آواز میں ریسیو کیا تھا جبکہ کومل ورما چھٹی پر ہے۔"

"تم بچوں جیسی مورکھ باتیں کر رہے ہو۔" اس نے اپنی نہیں بلکہ میری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "جب تم مجھے موہنی کی بھٹکتی ہوئی آتما مان چکے ہو تو پھر یہ بھی جان لو کہ آتماؤں کی شکتی مہان ہوتی ہے۔ وہ جو رنگ جو روپ چاہیں دھار سکتی ہیں۔"

"کیا اشوک اور شیتل کو بھی تمہاری شکتی نے نرلوک سدھارنے کی خاطر گلا گھونٹ کر مارا تھا؟"

"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گی۔" وہ اچانک سنجیدہ ہو گئی۔ "پر تو تم اس کا کارن جاننے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"میرے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟"

"تم بزنس میں آنے سے پہلے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر بھی رہ چکے ہو۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا اشوک سے تمہاری دشمنی تھی یا پھر اس نے تمہارے ساتھ....."

"تم قسمت کے دھنی ہو شباز خان۔" وہ میرا جملہ کاٹ کر بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ایک چھایا ہے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے لیکن جس دن بھی اس چھایا کا جال ٹوٹ گیا وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہوگا۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ اس وقت تم نے کومل ورما کے سندر شریر پر قبضہ جما رکھا ہے؟" میں نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی مجھے سراج کی آمد تک اسے روکے رکھنا تھا تاکہ کومل ورما کے معمے کو حل کیا جا سکے۔

"نہیں مگر میں نے یہ روپ تمہارے ہی کارن دھارا ہے تاکہ ماسٹر ٹونی کو مجھے اغوا کرتے وقت کوئی اچنبھا نہ ہو۔" اس نے تلملا کر کہا۔ "ویسے تم نے ماسٹر ٹونی کو درمیان میں لا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ غریب تو پہلے ہی تمہاری تنگ حالی میں اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم کالکا کی مہان شکتی ہو جو اس بار موہنی کے نام سے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔" میرا لہجہ معنی خیز تھا۔ جواب میں اس نے بس ایک پل کے لیے مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھا پھر سپاٹ آواز میں بولی۔ "کالکا..... میں نہیں سمجھی کہ تم کس کالکا کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جس نے میری خاطر شنکر کو ناگ رانی بن کر ڈس لیا تھا۔"

"نہیں..... میں کسی بھی کالکا کو نہیں جانتی۔"

"کینڈی مارنس کے بارے میں تم کیا جواب دو گی؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر دوسرا رخ اختیار کیا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہی ہوں۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔

"اور پنڈت بنسی دھر۔" میں نے ایک اور داؤ آزمایا۔ "وہی جسے شنکر اپنے گرو دیو سمجھتا تھا۔"

"جب میں شنکری کو نہیں جانتی تو پھر پنڈت بنسی دھر کو کیسے جان سکتی ہوں؟"

"پھر....." میں نے پولیس افسرانہ لہجے میں سوال کیا۔ "تم یہ سب کھیل تماشے کیوں کر رہی ہو؟"

"تمہیں نشٹ کرنے کی خاطر۔" اس کی آنکھوں میں میرے لیے حقارت تھی۔

"میری ذات سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے؟"

"سمے آنے دو۔" اس نے بدستور نفرت کا اظہار کیا۔ "ساری گتھائیں ایک ایک کر کے کھل جائیں گی۔"

"کومل ورما کے سوئس جوائن کرنے سے پہلے بے شکر نام کی کمپنی سے دو چار لوگ ہی واقف تھے لیکن آج ہر سمت اس کی بے کار ہو رہی ہے کیا اس میں بھی تمہارا ہاتھ ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر تمہاری پراسرار مہان آتما اس ٹینڈر کے سلسلے میں پانڈے جی کی سہائتا کیوں نہیں کر سکی۔ جس کی وجہ سے تمہارے منحوس شیخ نے مجھے میرے باپ کے سائے سے محروم کر دیا۔" میں نے اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔

"تم تو ابھی سے پاگل ہو گئے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ "ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے مہاراج۔"

"تمہاری دشمنی اگر مجھ سے ہے تو پھر تم اپنی مہان شکتی کو میرے خلاف استعمال کیوں نہیں کرتیں؟"

"کیا تا بھولے ہاتھ کہ کوئی چھایا ہے جس نے تمہارے چاروں اور ایک منڈل کھینچ رکھا ہے پر تو اب اس کے ٹوٹنے کے دن قریب آ رہے ہیں۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "مہان گھڑیاں ایک نہ ایک دن تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گی۔"

"وہ شبھ دن کب آئے گا؟" میں نے اس کی بات کا مضحکہ اڑاتے ہوئے اپنی سنہلی انگوٹھی کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا۔

"تمہیں زیادہ دیر اس شبھ دن کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "میم اور یدھ میں سب چلتا ہے۔ ہم تمہارے ہاتھ پیر کے اتنے ٹکڑے کر دیں گے کہ تم سارا جیون پاگل رہو گے۔"

"کیا تم دن میں بھی سپنا دیکھنے کی عادی ہو۔" میں نے اس کا مذاق اڑایا پھر اپنی دستی گھڑی کی جانب دیکھا۔ میرے اندازے کے مطابق اتنا وقت گزر چکا تھا کہ سراج وہاں کسی بھی لمحے پہنچ سکتا تھا۔

"تمہیں شاید اپنے حتر سراج کا انتظار ہے۔ کیوں؟" اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ "چتاست کرو۔ وہ بس پل دو پل میں آنے ہی والا ہے۔ اچھا ہے میری شکتی کا چمتکار دیکھ کر اسے بھی کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں گی۔"

موہنی یا کومل ورما نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس کا جملہ پورا ہوتے ہی سراج اپنے دو ماتحتوں اور ماسٹر ٹونی کے ساتھ گودام کے کمرے میں داخل ہوا لیکن کرسی سے بندھی لڑکی کو دیکھتے ہی وہ اس انداز میں چونکا تھا جیسے اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ پھٹی پھٹی نظروں سے وہ کومل ورما یا موہنی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے ماتحتوں کی حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے مسٹر شباز؟" اس نے تعجب خیز انداز میں کہا۔ "کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

"کیا مطلب؟" اس بار میں چونکا تھا۔

"ٹونی کے ذریعے ملنے والی اطلاع کے بعد میں سیدھا کومل ورما سے ملنے اس کے گھر گیا تھا اور ابھی اس سے ملنے کے بعد سیدھا اسی طرف آ رہا ہوں لیکن....."

"میں کومل ورما نہیں ہوں شری سراج۔ میرا شبھ نام موہنی ہے۔"

"موہنی۔" سراج نے حیرت سے اس نام کو دہرایا پھر اچانک اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے موہنی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم موہنی ہو تو پھر یقیناً تم قانون کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم مری نہیں بلکہ زندہ ہو۔"

"تم کس قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی بات کر رہے ہو؟" وہ مسکرا کر بے پروائی سے بولی۔ "قانون تو پہلے ہی اندھا ہوتا ہے۔ دھول جھونکنے سے اسے کیا نقصان ہوگا۔ رہی تمہاری دوسری بات کہ میں زندہ ہوں تو اس بات کو اپنے من اور دھیان دونوں سے کھرچ کر نکال دو اس لیے کہ میں ایک بھٹکتی ہوئی آتما ہوں جس نے کومل ورما کا روپ دھار رکھا ہے۔"

"لیکن تمہاری ماں کا بیان ہے کہ....."

"اس بیان کے چکر میں اپنا سمے مت برباد کرو۔" اس نے سراج کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم قانون کی رکشا (حفاظت) کرتے ہو تو اپنے حتر شباز خان سے پوچھو کہ مجھے کس جرم میں اغوا کرایا گیا ہے؟"

"تمہاری اصلیت جاننے کے لیے۔" میرے بجائے سراج نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اور اب تم قانون کے قبضے میں آ چکی ہو تو ہم اس بات کی تصدیق بہ آسانی کر سکیں گے کہ کومل ورما اور تمہارے ہم شکل ہونے کا اصل چکر کیا ہے اور تمہاری

ماں نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔"

"اچھا۔۔۔" وہ عجیب پراسرار انداز میں مسکرائی۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"اسے ہتھکڑی پہنا دو۔" سراج نے اپنے ایک ماتحت سے جس کی وردی پر دو ستارے چمک رہے تھے تحکمانہ انداز میں کہا پھر جو کچھ ہوا اسے دیکھ کر سب ہی حیرت زدہ رہ گئے۔ جن رسیوں سے موہنی یا کومل ورما کو جکڑ کر رکھا گیا تھا وہ کچے دھاگے کے مانند تڑتڑا کر ٹوٹ گئیں۔ وہ مسکراتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور سراج کے قریب جا کر بولی۔

"اگر لوہے کے کنگن میرے ہاتھ میں پہنانے ہیں تو پھر میں اسے تمہارے ہاتھوں سے پہننا پسند کروں گی۔"

سراج جس کی آنکھوں سے حیرت اور تعجب کے ملے جلے تاثرات عیاں تھے۔ اس نے بمشکل تمام سب انسپکٹر کے ہاتھ سے ہتھکڑی لے کر اسے موہنی کے ہاتھوں میں ڈال کر بند کر دیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ سراج نے وہ حرکت کسی معمول جیسے انداز میں کی تھی۔

"اب تم مجھے کہاں لے چلو گے؟" اس نے سراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"سرکاری مہمان خانے میں۔" سراج سنبھل کر بولا لیکن اس کے چہرے پر اس وقت بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

"کیا یہیں کچھ لے دے کر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" وہ عجیب انداز میں مسکرا کر بولی۔

"شٹ اپ۔" سراج نے گرج کر کہا۔

"زیادہ اونچا بولنے کی کوشش مت کرو مسٹر سراج۔" یکلخت اس کا لہجہ بڑا سرد اور سفاک ہو گیا۔ "جب تمہارے مخبر شہباز خان نے ماسٹر ٹونی کو دور لے جا کر اس سے باتیں کی تھیں میں نے اپنی شکتی کے زور سے ان باتوں کو سن لیا تھا۔ مجھے بھی تمہارے یہاں پہنچنے کا اتنا ہی انتظار تھا جتنا مسٹر شہباز کو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے آخری جملہ پھر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" سراج کے لب و لہجے میں اب وہ گھن گرج نہیں تھی جو شٹ اپ کہتے وقت پیدا ہوئی تھی۔

"کومل ورما سے دور ہی رہو۔ موہنی کا چکر من سے نکال دو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔" اس کی آواز میں ایک طرح کی تنبیہ تھی۔

"تم۔۔۔ مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"سوچ لو۔۔۔ ابھی سمے تمہارے ہاتھ میں ہے اور اگر یہ نکل گیا تو پھر مجھے دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں ایک اور بھینٹ اور چڑھانی پڑے گی۔ پر تمہیں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ابھی تمہارے بھینٹ چڑھ جانے کا نمبر نہیں آیا۔"

"میں تمہاری یہ شرط مان سکتا ہوں۔" سراج نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں مجھے یہ بتانا ہو گا کہ ان سب تمثیل تماشوں میں تم کس حیثیت سے اپنا پارٹ ادا کر رہی ہو۔"

"جس کہانی میں سسپنس ہو اگر اس کا بھید پہلے کھل جائے تو پھر اس کے انت (آخر) کا سارا سواد جاتا رہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"گھبراؤ نہیں۔ میری باتوں کا مطلب بہت جلد تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔" اس نے ٹونی کی سمت ایک نظر ڈال کر سراج سے کہا پھر چکرا کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز تھا۔

زمین پر گرتے ہی اس کے بدن سے آگ کے خوفناک شعلے بلند ہونے لگے۔ ان شعلوں کی لپیٹ میں ہونے کے باوجود اس کے بھیانک قہقہوں کی آوازیں پورے گودام میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں پھر آگ سرد پڑ گئی۔ وہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں تھا جس کے درمیان لوہے کی مضبوط ہتھکڑی پڑی تھی۔ ہم سب جیسے گنگ ہو کر رہ گئے تھے پھر اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور راکھ کو اپنے ساتھ اڑا کر لے گیا۔

سراج کچھ ایسے ہی انداز میں ایک کرسی پر بیٹھا جیسے اگر وہ کچھ دیر اور کھڑا رہتا تو چکرا کر گر بھی سکتا تھا۔ اس کے دونوں ماتحتوں کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ماسٹر ٹونی جو بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس وقت وہ بھی اپنی جگہ کھڑا بید مجنوں کے درخت کی طرح کانپ رہا تھا۔ میری کیفیت بھی دوسروں سے کم نہیں تھی۔

خاصی دیر تک ہر شخص گم صم اور تصویر حیرت بنا رہا پھر سراج ہی نے گفتگو کی پہل کی۔

"مسٹر شہباز۔۔۔ آپ بھی ایک پولیس آفیسر رہ چکے ہیں کیا قانون ایسے شعبدوں کا کوئی حل نکال سکتا ہے؟"

"مسٹر سراج۔" میں نے سراج کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کومل ورما کے گھر ہوتے ہوئے یہاں پہنچے تھے؟"

"ہاں۔ اس وقت وہ گھر پر ہی تھی اور بڑی گرم جوشی اور ملنساری کے انداز میں اس نے ہمارا استقبال کیا تھا۔"

"آپ نے اس سے موہنی کے بارے میں بھی کوئی سوال کیا تھا؟"

"کیا تھا۔" سراج نے کہا۔ "لیکن اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی خوبصورتی سے بات ٹال گئی تھی۔"

"ایک حیرت انگیز بات اور بھی ہے باس۔" ماسٹر ٹونی سنجیدگی سے بولا۔ "اس کی وہ گاڑی بھی گھر پر ہی کھڑی تھی جسے میرے دوسرے ساتھی نے ہوا نکلوانے کے بعد بے شکر گنجی کے باہر چھوڑا تھا۔"

"کیا آپ مجھے حالات کی تفصیل بتانا پسند کریں گے؟" سراج نے سہمی ہوئی سی آواز میں مجھ سے کہا اور جب میں نے پوری تفصیل دہرائی اور ہوا بے شکر گنجی کے نمبوں پر گفتگو کرنے کا ذکر کیا تو سراج کی بے چینی اور حیرت دو چند ہو گئی۔

"آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔" سراج نے بڑی بے بسی سے مجھ سے سوال کیا۔ "کیا ان تمام باتوں کو جو اس وقت رونما ہوئی ہیں ضابطے کے تحت تحریر میں لانا پسند کرتے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"پھر۔۔۔ میں کیا کروں؟" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"سوائے صبر کے اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "جو کچھ ہوا ہے اسے صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں ورنہ اوپر والے بڑے افسران بھی آپ کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن نادر خان صاحب کی موت کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ راکھ بن کر غائب ہو جانے سے پہلے وہ یہ بھی کہہ گئی ہے کہ اس بدبخت کو اپنے دیوتاؤں کے قدموں میں وہ چار قربانیاں اور پیش کرنی ہیں۔"

"اس نے غلط نہیں کہا۔" میں ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں آپ سے پہلے بھی اس اندیشے کا اظہار کر چکا ہوں کہ والد صاحب کے بعد اب گندی اور طاغوتی قوتیں میری ماں کو اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کریں گی اور اگر ایسا ہوا تو پھر شاید۔۔۔"

میں نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ اپنے ہونٹ کو بڑی سختی سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ قانون کے محافظوں کی موجودگی میں اگر میں یہ کہہ جاتا کہ ماں کے انتقال (خدانخواستہ) کے بعد میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھے گا اور انتقام کی آگ مجھے انتہا کی جوابی کارروائی پر مجبور کر دے گی۔ میں بھی اپنے دشمنوں کو چن چن کر ماروں گا جس میں ہو سکتا ہے بے گناہ بھی لپیٹ میں آ سکتے تھے تو سراج اور اس کے دونوں ماتحت میری بات کے گواہ بن جاتے۔ میں بڑے ضبط سے کام لیتا تھا ورنہ اس بات کا خطرہ مجھے پہلے بھی تھا کہ وہ قوتیں میرے بے کنار باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھا چکی تھیں وہ مجھ سے میری ماں کی ممتا چھین لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔ کمال پاشا اور سعید بنگلہ بزرگ نے بھی کچھ ایسی باتیں مجھے اشارے کنایوں میں بتانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے [illegible] پر اس بات کی دھمکی بھی مل چکی تھی کہ وہ ناپاک قوتیں مجھے [illegible] کرنے کی درپے تھیں۔ شاید وہ زریں والی کی موت کا انتقام لینے کی خاطر میرے خلاف برسر پیکار ہو گئی تھیں لیکن حیرت صرف اس بات کی تھی۔ ابھی تک ان قوتوں نے خود کو اندھیرے میں رکھا ہوا تھا۔ صرف کومل ورما کی واحد ذات پراسرار دکھنے میں نظر آ رہی تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا وہ بذات خود کچھ بھی نہیں۔ اسے پراسرار قوتیں محض ایک کھلونے کی طرح استعمال کر رہی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی قوتیں اور ان کے مکروہ چہرے ابھرنے لگے جن کا ذکر میں اپنی داستان حیات میں کرتا رہا ہوں۔"

دو روز بعد سراج مجھے لے کر بے شکر گنجی پہنچ گیا۔ میں نے اسے منع کرنے کی کوشش بھی کی۔ میرا خیال تھا کہ پانڈے کا پیش آنے والے واقعات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ سراج کا کہنا تھا کہ خانہ پری کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ وہ پولیس کے نکتہ نگاہ سے اس بات کو جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ اگر پانڈے ان معاملات میں ملوث ہے تو کسی حد تک وہ کومل ورما کے بارے میں بھی ایسی معلومات ضرور رکھتا ہو گا جس کا ذکر اس نے پہلے بھی نہیں کیا تھا بہرحال میں سراج کے بے حد اصرار پر اس کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گیا۔ اس بہانے میں کومل ورما کو ایک بار پھر قریب سے دیکھنے کا خواہشمند تھا۔

پانڈے اسی روز دفتر آیا تھا۔ ہم نے اسے اپنی آمد کی اطلاع دلوائی تو وہ خود ہی دروازے پر ہمارے استقبال کے لیے آ گیا۔ اس نے ہم دونوں کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ سراج کے کہنے پر کافی منگوائی گئی جسے ایک ملازم کومل ورما کے ساتھ لے اندر داخل ہوا تھا۔ میں نے کومل ورما کو غور سے دیکھا وہ ہو بہو اس لڑکی سے ملتی جلتی تھی جسے ماسٹر ٹونی نے میرے کہنے پر اغوا کیا تھا۔ کومل ورما کے چہرے پر بلا کی شگفتگی اور تازگی تھی۔ چہرہ بہت معصوم نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت موجود نہیں تھی جس کی بنا پر اس کے بارے میں یہ تصور بھی کیا جا سکتا کہ اسے اصل معاملات سے دور کا بھی کوئی تعلق ہو اور اگر واقعی خود کو دیدہ و دانستہ معصوم ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو یقیناً ایک کامیاب اداکارہ کہی جا سکتی تھی۔

کافی خود کومل ورما نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر تیار کی تھی پھر وہ پیالیاں ہماری سمت بڑھانے کے بعد جانے کی خاطر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سراج نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"آپ کچھ دیر کے لیے تشریف رکھیں مجھے آپ سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"فرمایئے۔" وہ دوبارہ اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ کی کوئی جڑواں بہن بھی تھی جو چھت سے گر کر ہلاک ہو گئی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"کیا آپ موہنی نامی کسی ایسی لڑکی سے واقف ہیں جس کی شکل آپ سے حیرت انگیز طور پر ملتی ہے۔"

"جی نہیں۔" کومل ورما نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ "میں موہنی نامی کسی لڑکی سے واقف نہیں ہوں۔"

"ذرا سوچ کر بتائیے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا محسوس کیا ہے کہ آپ کوئی ایسا کام کر رہی ہیں، جس میں آپ کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہ ہو۔"

"میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"دو روز پہلے آپ قانوناً" چھٹی پر تھیں؟" سراج نے اگلا سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"چھٹی لینے کی کوئی خاص وجہ؟"

"چھٹی کیول آرام کرنے یا کسی ذاتی کام کے لیے ہی لی جا سکتی ہے۔" وہ ایک مخصوص مگر دلفریب انداز میں مسکرا کر بولی۔ "لیکن میں نے پرسوں ماتا جی کے جنم دن کے کارن چھٹی لی تھی۔ کیوں؟ کیا آج مجھے کسی قانون کے تحت آپ سے پرمشن لے کر چھٹی کرنی ہو گی۔"

"جی نہیں۔" سراج نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کمرے سے چلی گئی تو پانڈے نے براہ راست سراج کو مخاطب کیا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ لوگ یہاں صرف مجھ سے میری خیریت دریافت کرنے آئے ہوں گے۔"

"اصل وجہ یہی تھی مسٹر پانڈے لیکن میں نے سوچا کہ اسی بہانے آپ کی لیڈی سیکرٹری سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں۔"

"ایک بات پوچھوں مسٹر سراج؟"

"فرمایئے۔"

"کیا آپ میری سیکرٹری پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں؟" پانڈے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ اگر میری جگہ آپ ہوتے تو شاید مجھ سے زیادہ پریشان ہو جاتے۔" سراج نے موہنی کے بارے میں مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"آئی سی۔" پانڈے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے تو یہ کوئی پراسرار فلمی کہانی جیسی باتیں لگتی ہیں۔"

"حالانکہ اس کہانی کا ایک کردار آپ خود ہیں۔"

"کیا مطلب؟" پانڈے نے چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"فیئر مسٹر پانڈے۔" سراج نے بے تکلفی سے کہا۔ "کیا یہ درست نہیں ہے کہ کومل ورما کے آنے سے پہلے آپ کی کمپنی خسارے میں جا رہی تھی جبکہ اب آپ کا نام ہر جگہ جانا پہچانا جا رہا ہے۔"

"ہاں میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا۔" پانڈے نے کہا۔ "اس کے قدم ہماری کمپنی کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئے ہیں۔"

"اسی لیے شاید آپ نے اپنی سیکرٹری کو خوش کرنے کے لیے اپنی اسپورٹس کار بھی بطور تحفہ دے دی تھی۔"

"ہاں۔ یہ بھی درست ہے۔" پانڈے نے ایک بار پھر اقرار کیا۔ "اس کے قدم ہماری ساکھ بنانے میں بڑے ہی بھاگوان ثابت ہوئے ہیں۔"

"ضرور بتایئے پانڈے جی آپ کی طبیعت کیسی ہے۔" میں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بھگوان کی دیا ہے۔ اسی کی کرپا سے بچ گیا ورنہ اب تک تو میری چتا کی راکھ بھی دریا میں بہائی جا چکی ہوتی۔"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ابھی تو آپ کو میرے لیے بھی زندہ رہنا ہو گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔ اگر میں آپ کی کوئی سیوا کر سکا تو میری بڑی خوش قسمتی ہو گی۔"

"آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ اس لیے خدمت تو مجھے آپ کی کرنی چاہیے۔ میں تو صرف اپنے کاروبار کے اچھے بھلے کی خاطر آپ سے مشورہ حاصل کر سکتا ہوں۔"

"میں اس کے لیے بھی ہر وقت حاضر ہوں۔"

کچھ دیر بعد میں اور سراج پانڈے سے اجازت لے کر واپس ہونے کے ارادے سے اٹھ گئے۔

"میرا خیال پہلے بھی یہی تھا کہ پانڈے کا ان حالات سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" میں نے سراج سے کہا۔

"لیکن میرا نظریہ کچھ اور ہی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"پانڈے اور کومل ورما کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ایسا ضرور ہے جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"اسپورٹس کار ہی کیوں؟" سراج نے بال کی کھال نکالتے ہوئے کہا۔ "پانڈے اگر اس لڑکی سے متاثر ہو گیا تھا یا دولت کی کمی سمجھ رہا تھا تو اس کی تنخواہ یا عہدے میں بھی خاطر خواہ اضافہ کر سکتا تھا۔ اسپورٹس کار جیسی قیمتی چیز کا تحفے میں دے دینا کوئی نہ کوئی معنی ضرور رکھتا ہے۔"

"تو؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں اس کی وجہ معلوم کرنے کی خاطر ابھی کچھ اور بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے ڈیئر۔" (جیسی آپ کی مرضی) میں نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

تمام راستے اسپورٹس کار ہی سراج کے ذہن میں رہ رہ کر ابھرتی رہی پھر جب اس نے مجھے میرے دفتر کے سامنے پہنچ کر خدا حافظ کہا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ دفتر پہنچتے ہی مجھے لیڈی ملارنس کی کال ریسیو ہوئی تھی۔

"اب آپ کیسی ہیں؟" میں نے اردو میں روایتی ایک عام سا سوال کیا۔

"میں خیریت سے ہوں لیکن تمہاری خیریت سے زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں تمہیں فون پر نہیں سمجھا سکتی۔" لیڈی ملارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میرا مشورہ مانو تو اپنی مدر (ماں) کو لے کر جتنی جلدی ممکن ہو لندن واپس آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "والد صاحب کے بعد اب گندی قوتیں میری ماں کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہوں گی۔"

"میں فی الحال کوئی پیش گوئی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"آپ جیسی پراسرار اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک اور مجبوری۔" میں نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بات مجھے عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں میرے عزیز۔" لیڈی ملارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "تم اور مسٹر سراج دونوں کومل ورما یا موہنی سے دور ہی رہو تو بہتر ہے۔ دوسری شکل میں تمہیں بھاری نقصانات برداشت کرنے ہوں گے۔ اس وقت بھی تم دونوں نے پانڈے کے دفتر جا کر اور اس کی سیکرٹری کو کریدنے کی جو کوشش کی وہ بھی نامناسب تھی۔"

"آئی سی۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "گویا آپ کو ہماری ایک ایک منٹ کی خبریں مل رہی ہیں۔"

"ہاں۔ میں شاید تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میرے لیے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں اپنی حیرت انگیز قوتوں سے جو مجھے گاڈ گفٹڈ (خدا کی طرف سے تحفہ میں ملی ہیں) ہیں خلا کے اس پار بھی سب کچھ دیکھ اور سن سکتی ہوں لیکن تمہارے دل کے اندر نہیں جھانک سکتی۔"

"میں کومل ورما یا موہنی کے چکر میں نہیں پڑا میڈم۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "پہل ان ہی لوگوں نے کی تھی۔"

"اس کے باوجود میں تمہیں خاص طور پر ان سے دور رہنے کا مشورہ دوں گی۔"

"دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ بھی انہیں قوتوں کو فیور (Favour) کر رہی ہیں جو میرے خلاف ہیں۔"

"اس کا ایک مطلب اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم شاید حالات کے تحت میری ذات پر بھی شبہ کر رہے ہو؟"

"میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ کیا کرتیں؟" میں نے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

"اے گاڈ ہیلپ یو مائی پور چائلڈ۔ (میرے غریب بچے خدا تمہاری مدد کرے) اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے تمہیں ایک نیک مشورہ دیا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔" اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ غالباً" لیڈی ملارنس نے میرے آخری جملوں کا برا منایا تھا۔

"ابھی میں لیڈی ملارنس کے بارے میں کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنے کی خاطر اس کی شخصیت کو مختلف زاویوں سے پرکھنے میں مشغول تھا کہ میری ڈائریکٹ لائن والے فون کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ میں نے صرف اپنے بہت ہی قریبی دوستوں اور خاص واقف کاروں کو وہ نمبر دے رکھا تھا اس لیے میں یہی سمجھا کہ دوسری جانب سے میرا کوئی قریبی جاننے والا ہو گا ورنہ عام طور پر میری کالیں دوسرے نمبروں پر عارفہ ریسیو کرتی تھی بہرحال میں نے ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہا تو دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز کومل ورما یا موہنی کی مانوس آواز سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"شہباز خان۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کیا تم شرافت سے باز نہیں آؤ گے۔" اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"میرا خیال ہے تم کسی وہم میں مبتلا ہو گئی ہو ورنہ......"

"نہیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرو۔ پہلے تم نے مجھے ماسٹر ٹونی کے ذریعے اغوا کرایا اور آج تم اپنے متر کے ساتھ بے تکلف پانڈے سے بھی ملے ہو۔"

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"اگر کشل چاہتے ہو تو جتنی ترنت (جلدی) ممکن ہو اپنی ماتا کو لے کر اس دیش سے دور چلے جاؤ۔ دوسری شکل میں تم کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

میں اس جواب پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ صرف چند لمحے قبل کم و بیش یہی مشورہ مجھے لیڈی ملارنس نے فون پر دیا تھا۔

"تمہارا اشارہ لندن جانے کی طرف ہے۔" میں نے اسے آزمانے کی خاطر پوچھا۔

"تمہارے لیے لندن ہی زیادہ مناسب جگہ ہو گی اس لیے کہ وہاں ایک انگریز کنیا کی شکتی بھی تمہاری سہاتا کر سکتی ہے۔"

"کہیں وہ انگریز کنیا تم خود ہی تو نہیں ہو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"مجھے وشواس تھا کہ تم میرے اوپر اس کا دوسرا روپ ہونے کے سلسلے میں ضرور وچار کرو گے جس نے ابھی تم سے فون پر بات کی تھی۔"

"کیا تم لیڈی ملارنس سے واقف ہو؟" میں نے بھنچے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سے برباد مت کرو شہباز خان۔ میں تمہیں صرف دو دن کی مہلت اور دے سکتی ہوں ان کے بعد جو بھی ہو گا اس کی ذمے داری تمہارے اوپر ہو گی۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں پانڈے جی کے لیے میدان خالی چھوڑ دوں؟"

"میں شاید پہلی بات تم نے ایک عقل مندی کی بات کی ہے۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"کیا تم نرنجن لال کا انتقام لینا چاہتی ہو۔ کیوں؟"

"چلو یہی سمجھ لو۔"

"ایک بات میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمہاری گندی آتما نرنجن لال کا بدلہ لینا چاہتی ہے تو تم براہ راست مجھے اپنی مہان شکتی کا نشانہ بنانے سے کیوں کترا رہی ہو؟"

"کیول وہ چھایا ہے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے۔ پرنتو گھبراؤ مت۔ اس چھایا پر قابو پالینے کے بعد پہلا نمبر تمہارا ہی ہو گا۔"

"تم مہان شکتی کے مالک ہو تو بے گناہوں کے خون کیوں بہا رہی ہو۔"

"تمہارا گھمنڈی سر اپنے چرنوں میں جھکانے کے کارن۔" وہ حقارت سے بولی۔

"میرا خیال ہے تم جو کچھ کر رہی ہو اسے کمینگی کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔" میں نے بھی نفرت کا اظہار کیا۔

"شہباز خان۔ تم ابھی بالک ہو۔ زیادہ اونچے سروں میں بات نہ کیا کرو۔"

"اور میں سمجھ رہا ہوں کہ تم اپنی اوقات سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہی ہو۔" مجھے غصہ آ گیا۔ "جو لوگ بے قصور ہیں کیا انہیں کوئی نقصان پہنچانا تمہاری شکتی کو زیب دیتا ہے۔"

"مجھے اور برے، دوشی اور نردوشی کے چکروں میں مت پڑو۔ میں پیچھا رہے تو ہمارا کہا مان لو۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "کیول دنیا سے الگ رہو اور یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ ورنہ-----"

"تمہیں ہے۔" میں نے سخی خیز آواز میں جواب دیا۔ "کیا تمہاری چھایا آتما نے کومل دنیا کے سندر شریر کو اپنا کھلونا بنا رکھا ہے۔ کیا تم اتنی خوف زدہ ہو کر کھل کر میرے سامنے آنے سے ڈرتی ہو۔" میں نے اسے اکسا کر اس کا بھید معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہی۔

"میرے ہزاروں روپ ہیں شہباز خان۔ تم کون کون سے روپ دیکھو گے؟"

"کوئی سندر اور کومل جیسے تازہ پھول کے روپ میں آ کر تمہیں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو سکیں۔" میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم آسانی سے سیدھا راستہ اختیار نہیں کرو گے۔" اس نے مجھے چیلنج کیا۔ "سوچ لو۔ تمہاری وجہ سے دوسروں کو کشٹ اٹھانا پڑے گا۔ کیا تم اسے پسند کرو گے؟"

"ایک بات میری بھی سن لو۔" میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ "میں اب تک خاموش تھا لیکن شاید اب چپ نہ رہ سکوں مجھے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا آتا ہے۔"

"کیا تمہیں ماسٹر ٹونی پر بھی کوئی دیا نہیں آئے گی جس کو تمہاری وجہ سے ایک ہاتھ کھونا پڑا تھا۔" اس کا جواب سنسنی خیز تھا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تیز آواز میں دریافت کیا۔

"اتنی جلدی بوکھلا گئے۔ چنتا مت کرو۔ تمہیں کچھ دیر بعد ہی ایک اطلاع ملے گی جسے سن کر تم ہاتھ ملنے کے سوا کچھ اور نہیں کر سکو گے۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا پھر فون بند کر دیا گیا۔

میں نے بھی ریسیور رکھا نہیں تھا کہ انٹر کام کا بزر جاگ اٹھا۔

"یس میں نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔"

"سر" عارف نے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ کے لیے گوداموں کے چیف فورمین دانش کی کال ہے۔ وہ بہت بوکھلایا ہوا لگ رہا ہے۔"

"جلدی ملاؤ۔" میں نے تیزی سے کہا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"سر۔ میں گودام سے دانش بول رہا ہوں۔" رابطہ قائم ہونے کے بعد دوسری جانب سے دانش کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہم لوگ ماسٹر ٹونی کو لے کر ریڈ کراس ہسپتال جا رہے ہیں۔ وہ ایک حادثے سے دوچار ہو گیا ہے۔"

"حادثہ!" میں چونکا۔ "تفصیل کیا ہے؟"

"سوری سر" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میں نے اس وقت صرف آپ کو اطلاع دینے کی خاطر فون کیا تھا۔ تفصیل سنانے کا وقت نہیں۔ خون زیادہ بہ جانے کے سبب اگر فوری طبی امداد نہ پہنچائی گئی تو جان جانے کا خطرہ ہے۔ آپ ریڈ کراس ہسپتال پہنچیے۔"

دوسری جانب سے فون کی لائن ڈیڈ ہو گئی۔ دانش کے پاس واقعی" تفصیل سنانے کا وقت نہیں تھا۔ اس کی آواز سے ہی پتا

چل رہا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔ ماسٹر نوئی کی حالت خطرے میں تھی۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی ورنہ اس کی جان خطرے میں تھی۔ دانش کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک لمحہ پہلے ملنے والی کال کے آخری جملے گونج اٹھے۔ "چپ چاپ مت کرو تمہیں کچھ دیر بعد ہی ایک اطلاع ملے گی جسے سن کر تم ہاتھ ملنے کے سوا کچھ اور نہ کر سکو گے۔"

میں تیزی سے اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب لپکا اور دانش کو ساتھ لے کر ریڈ کراس ہسپتال کی جانب گاڑی دوڑانے لگا۔ میں اس وقت جس برق رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا اس سے دانش کو بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ میری تیز رفتاری کسی حادثے کا سبب بھی بن سکتی تھی لیکن اس وقت مجھے صرف ماسٹر نوئی کی جان کی فکر تھی۔ وہ خطرے میں تھا۔ میں نے اسی کے ذریعے کومل ورما یا موہنی کو اغوا کرایا تھا۔ اس لیے شاید نادیدہ قوتوں نے اس کو سزا دی تھی۔

ریڈ کراس ہسپتال کے اندر پہنچتے ہی میں نے گاڑی سے اتر کر کار کی چابی دانش کی جانب اچھالی تاکہ وہ اسے پارکنگ لاٹ تک لے جا سکے اور خود تقریباً دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر مجھے اپنے گوداموں میں کام کرنے والے بہت سارے جانے پہچانے چہرے نظر آ رہے تھے جن میں دانش بھی شامل تھا۔ میں اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

"کیا ہوا ماسٹر نوئی کو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"وہ آرا مشین کا سوئچ آن کرنے کے بعد اس کے سامنے لیٹ گیا تھا۔" دانش نے مجھے تفصیل بتائی۔ "اتفاق ہی سمجھیں کہ میں اس وقت راؤنڈ لیتا ہوا گودام نمبر چار میں داخل ہوا تھا۔ آرا مشین کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین ہی تھا۔ ماسٹر نوئی بڑے اطمینان سے چت لیٹا تھا۔ میں نے لپک کر مشین کا سوئچ تک کیا لیکن اتنی دیر میں اس کی سیدھی ران بدن سے جوڑ کے فاصلے سے تین جگہ سے تو مجھے کے قریب کٹ چکی تھی۔ مجھے ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو شاید ——" دانش اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔"

"وہ اسے یہاں پہنچتے ہی آپریشن تھیٹر میں لے گئے ہیں۔ بڑا ڈاکٹر اور ایک سرجن بھی اندر موجود ہے۔" دانش نے بدستور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماسٹر نوئی کو خون کی ضرورت ہو گی۔" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ہم چھ بوتل خون دے چکے ہیں۔ ضرورت پڑی تو اور بھی دیں گے لیکن۔"

"لیکن کیا؟" میری حالت غیر ہونے لگی۔

"آپ شاید میری بات پر یقین نہیں کریں گے سر۔ ماسٹر نوئی اس قدر آرام سے آنکھیں کھولے لیٹا تھا جیسے آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا ہو۔ اس کی دونوں آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس نے ران پر آرا چلتے وقت بھی کسی قسم کا شور و غل نہیں کیا تھا۔"

"مشین آپریٹر اس وقت کہاں مر گیا تھا۔" میں نے جھلا کر پوچھا۔

"اس کا بیان ہے کہ خود ماسٹر نوئی نے اسے ایک ضروری کام سے باہر بھیج دیا تھا۔" دانش نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "سر اگر مجھے ذرا دیر اور ہو جاتی تو شاید نوئی کا جسم دو حصوں میں کٹ چکا ہوتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں تیز آندھی کے گرم جھکڑ چل رہے تھے۔ دانش کے بیان کے بعد سمجھ رہا تھا کہ ماسٹر نوئی نے وہ حرکت کس کے اشارے پر کی ہو گی اور اس نے شاید فون پر ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس وقت میں پچھتانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دولت کی ریل پیل دنیا کی ہر شے کو بہ آسانی خرید سکتی ہے لیکن موت سے کوئی سودے بازی نہیں کی جا سکتی۔ دانش کا بیان میرے ذاتی بچاؤ کے لیے بہت کافی تھا لیکن میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔ میں نے یقیناً ماسٹر نوئی کے ذریعے کومل ورما یا موہنی کو اغوا کرانے کی حماقت کی تھی۔ طاغوتی قوتیں ایک بار پہلے بھی اس غریب کو میری وجہ سے ایک ہاتھ سے محروم کر چکی تھیں۔ اس بار اسے چیر ڈالنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یقینی طور پر ان ہی نادیدہ اور گندی طاقتوں نے ماسٹر نوئی کے ذہن کو ماؤف کر دیا ہو گا ورنہ وہ ہوش مندی کی کیفیت میں ایسی حرکت کبھی نہ کرتا۔

میں آپریشن کے تھیٹر کے باہر دیوانوں کی طرح ٹہل رہا تھا اور اندر میرا ایک جاں نثار ساتھی موت اور زیست کی کشمکش سے دوچار تھا۔ باقی ورکروں کی نگاہیں آپریشن تھیٹر کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جس کے دھندلے شیشے پر سرخ رنگ سے جلی حرفوں میں نو انٹری (NO ENTRY) درج تھا اور باہر ہسپتال کے دو باوردی ملازم بھی تعینات تھے تاکہ کوئی جذبات کا شکار ہو کر دیوانگی کی صورت میں اندر گھسنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک کوئی ایک بندہ بشر بھی باہر نہیں نکلا تھا جس سے اندر کا احوال دریافت کیا جا سکتا۔ پھر میں نے اچانک سراج کو آتے دیکھا تو میرے اعصاب میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"کیا ہوا مسٹر شہباز۔" سراج نے میرے قریب آ کر سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"آپ کو اس حادثے کی اطلاع کس طرح ہوئی۔" میں نے

سراج سے پوچھا۔ "کیا میرے کسی ورکر نے۔"

"نہیں۔" سراج نے جلدی سے کہا پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد الجھے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس بار بھی مجھے موہنی نے اس حادثے کی اطلاع دی تھی۔"

"آپ کو کس طرح اندازہ ہوا؟"

"میں ایک دو بار پہلے بھی اس کی آواز سن چکا ہوں اور پھر مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اس روز موہنی کو آپ کے گودام تک پہنچانے والا بھی ماسٹر نوئی ہی تھا۔ شاید اسی لیے اس غریب کو نشانہ بنانے کی دوسری کوشش کی گئی ہے۔"

"اسے اغوا کرانے کا پروگرام میں نے بنایا تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ چاہیں تو میرے خلاف اغوا اور تحویل بیجا میں رکھنے کا کیس بنا سکتے ہیں۔ میں اپنا تحریری بیان بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"خود کو سنبھالیے مسٹر شہباز۔" سراج نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "میں اس وقت یہاں حادثے کی چھان بین کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ سے آپ کا ہاتھ بٹانے آیا ہوں۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے اس میں تمہاری ہمدردیاں بھی ایک دوسرے کے لیے بے سود ہیں۔" میں نے تلخ آواز میں جواب دیا۔ "آپ نہ سہی لیکن متعلقہ تھانے کے افسران تو اس کی تفتیش ضرور کریں گے۔"

"آپ اس سلسلے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔" سراج نے کہا۔ "اسے ایک اتفاقی حادثے کا رنگ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے حادثات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ متعلقہ تھانے کا ایس۔ ایچ۔ او۔ میرے نیچے رہ چکا ہے۔ میں اسے ہدایت کر دوں گا کہ وہ بلاوجہ کیس کو الجھانے کی کوشش نہ کریں بلکہ ایک دو افراد کے بیان لے کر کیس کو داخل دفتر کر دے۔"

میں کوئی جواب دینا نہیں چاہتا تھا لیکن اسی وقت بڑا ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلا۔ میرے علاوہ سراج اور دانش بھی اس کی جانب تیزی سے لپکے تھے۔

"اوہ۔ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔" ڈاکٹر نے سراج کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ "مریض کی حالت چونکہ تشویشناک تھی اس لیے ایمرجنسی کی وجہ سے ہم متعلقہ تھانے کو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سراج نے جواب دیا۔ "اب میں خود ہی اس حادثے کی کارروائی مکمل کروں گا۔"

"مریض کی کیا حالت ہے۔" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"آپ میں سے مسٹر شہباز کون ہیں۔"

"میں ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔

وہاں چونکہ میرے ورکروں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی اس لیے ڈاکٹر مجھے اور سراج کو ایک ملحقہ کمرے میں لے گیا جہاں آکسیجن کے سلنڈر رکھے ہوئے تھے۔

"مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سرجن وحید کا خیال ہے کہ مریض کی زندگی بچانے کی خاطر اس کی سیدھی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔"

"کیا۔ کیا کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔ "ہم نے دوسرے تمام امکانات پر غور کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"اگر مجبوری ہے تو پھر۔" میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ میری آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

"ہمت سے کام لیں مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "زخم بھر جانے کے بعد مصنوعی ٹانگ بھی لگائی جا سکتی ہے۔"

"آپ نہیں جانتے ڈاکٹر۔" میں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ "وہ مریض میرے لیے کتنا قیمتی ہے۔"

"وہ یقیناً بڑے مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔" ڈاکٹر نے قدرے حیرت سے کہا۔ "اس سے پہلے میں نے ایسا مریض کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا مطلب۔" سراج نے پوچھا۔

"اس حادثے کے بعد اسے بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ جس وقت یہاں لایا گیا اس وقت بھی پوری طرح ہوش میں تھا اور بے ہوش کرنے کے عمل سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے اپنی مٹھی پوری شدت سے بھینچ رکھی ہے اور اپنی ساری توجہ چھت کی جانب مرکوز کر رکھی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس نے خود کو بے تاثر کر رکھا ہو۔"

"کیا وہ بات چیت بھی کر رہا ہے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ہم نے اسے کئی مرتبہ مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔"

"ڈاکٹر۔ کیا آپ اسی حالت میں اس کی ٹانگ ——"

"مجبوری ہے مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے تشویش کا اظہار کیا۔ "ہم نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لیا ہے۔ ضروری انجکشن کے علاوہ اور خون روکنے کی کوشش بھی جاری ہے لیکن اس کے باوجود اگر فوری طور پر اس کی ٹانگ کاٹی نہ گئی تو سیپٹک پورے جسم میں پھیل کر موت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔"

"نہیں۔ اسے مرنا نہیں چاہیے ڈاکٹر۔" میں جذباتی ہو گیا۔ "اگر ٹانگ کاٹنے سے اس کی زندگی بچ سکتی ہے تو پھر آپ اس میں دیر نہ کریں۔"

ڈاکٹر دوبارہ آپریشن تھیٹر میں چلا گیا تو سراج نے سرگوشی کی۔

"میرا خیال ہے کہ مافوق الفطرت قوتوں نے ابھی تک اس کے اعصاب پر قبضہ جما رکھا ہے۔"

"حالانکہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر انہیں ماسٹر ٹونی کو اذیت ناک کیفیت سے دوچار کرنا مقصود تھا تو پھر اس کے اعصاب کو پرسکون رکھنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

میں اور سراج کمرے سے باہر آئے تو دانش لپک کر میرے قریب آگیا۔

"سر کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے۔" دانش مجسم سوال بن گیا تھا۔

"ماسٹر ٹونی کی سیدھی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔"

"اس کی زندگی تو بچ جائے گی نا سر۔"

"ہاں۔" میں نے بجھے ہوئے دل سے جواب دیا۔ "ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے۔"

سراج مجھے ایک طرف لے گیا۔ اس وقت وہ خلاف توقع ایک بااصول پولیس افسر کے بجائے بڑی ہمدردی اور انسان دوستی کا ثبوت دے رہا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ آنے کے بعد اس نے دبی زبان میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بھی جوابی کارروائی کرنا پڑے گی۔"

"کیا پولیس فورس نادیدہ قوتوں کے خلاف بھی جدید اور خود کار اسلحے سے کوئی موثر کارروائی کر سکتی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اب اس ناپاک قوت کو سامنے لانے کی خاطر صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"وہ کیا۔"

"کومل ورما یا موہنی کی موت۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں میری چھٹی حس بھی اب آپ کی طرح کام کرنے لگی ہے۔" سراج نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں بھی ان ہی لائنوں پر غور کر رہا ہوں۔" میں بے حد سنجیدہ تھا۔

"یہ کام آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں آپ کو قانون ہاتھ میں لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"قانون۔" میں نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا پھر قدم اٹھاتا اپنے ورکروں کے قریب چلا گیا جن کے چہرے ستے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ سب ہی ماسٹر ٹونی سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ میں ان کا دکھ بانٹنے کی خاطر ان کو تسلی دینے لگا لیکن خود میری حالت بھی ان سے مختلف نہیں تھی۔ بظاہر میں ان سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرے ذہن کے ہر گوشے میں بس ایک ہی لفظ گونج رہا تھا۔ "انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔"

کومل ورما یا موہنی کی ذات ہی تمام فساد کی جڑ تھی۔ حالات کی روشنی میں میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ موہنی کی بدروح نے کومل ورما کے جسم کو اپنے لیے انتخاب کر لیا تھا ورنہ کومل ورما بذات خود کسی جرم میں ملوث نہیں تھی۔ کوئی ناپاک قوت موہنی کے فرضی نام سے موت اور زندگی کا کھیل کھیل رہی تھی۔

اس وقت رات کے دس کا عمل تھا جب میں نے اپنی گاڑی جمیل پارک کے قریب روکی اور اتر کر پیدل ہی ٹہلتا ہوا اس مکان کی سمت چل پڑا جو کومل ورما کی قیام گاہ تھی۔ جمیل پارک سے اس کا فاصلہ کم از کم تین فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ میں اس وقت بھی میک اپ میں تھا۔ میں نے اس وقت اپنی ذاتی گاڑی کے بجائے کرائے کی حاصل کردہ وہ گاڑی جو میں نے اشوک کے نام سے حاصل کی تھی استعمال کی تھی۔ میرے چہرے پر بھی اشوک ہی کا میک اپ تھا اس میک اپ میں میں نے ایک تھری اسٹار ہوٹل میں دو روز پہلے ایک کمرا حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے وہ گاڑی حاصل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

کومل ورما کی رہائش دو سو چالیس گز کے ایک سنگل اسٹوری بنگلے نما مکان میں تھی جو کارنر میں واقع تھا۔ میں نے پوری لائن کا ایک چکر لے کر اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ اس وقت وہاں چوکیدار ٹائپ کا کوئی فرد اپنی ڈیوٹی کے فرائض انجام نہیں دے رہا تھا۔ چنانچہ میں نے مکان کے عقبی حصے سے مکان میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا۔ وہ تمام مکانات جو اس لائن میں واقع تھے ایک ہی ستاہی کمپنی نے بنائے تھے اس لیے عقبی دیوار اتنی بلند بھی نہیں تھی کہ مجھے اندر داخل ہونے میں کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں نے دیوار پھلانگنے سے قبل اس بات کی بھی تسلی کر لی تھی کہ کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا پھر مطمئن ہو کر میں نے بغلی ہولسٹر سے دیسی ساخت کا وہ پستول نکال لیا جو لائسنس یافتہ نہیں تھا اور اس پر سائیلنسر بھی فٹ تھا۔

دبے قدموں چلتا ہوا میں ایک کمرے کے قریب پہنچ گیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ دوسرے کمرے کے اندر مکمل اندھیرا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا تو میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ میرا ہونے والا شکار کومل ورما اس وقت نائٹ گاؤن میں ملبوس، مدھم لیمپ کی روشنی میں کسی انگریزی ناول کے مطالعے میں مصروف تھی۔ اس کا نائٹ گاؤن خاصا بے ترتیب ہو رہا تھا اس لیے اس کے جسم کے اکثر حصے عیاں نظر آ رہے تھے۔ وہ بلاشبہ جسمانی اعتبار سے بے حد حسین اور خوبصورت کہی جا سکتی تھی۔ جو شکر کمپنی جوائن کرنے سے پیشتر

یقیناً ایک کامیاب ماڈل رہی ہوگی۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز بھی اتنے ہی پرکشش تھے کہ اس حالت میں کسی پارسا کو بھی دیوانہ بنا سکتے تھے لیکن میں نے چونکہ اپنے ذہن میں پہلے ہی سے ایک خطرناک منصوبہ بنا رکھا تھا اس لیے اس کے جسم کی عریانیت بھی میرے دل میں رحم کا کوئی جذبہ پیدا نہ کر سکی۔ کھڑکی کے اندر گرل لگی ہوئی تھی اور پردہ بھی موجود تھا لیکن اس میں اتنی جھری موجود تھی جس کے ذریعے میں مکینوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔ کومل ورما کے بیڈ روم کا فرنیچر اور دیگر تمام چیزیں بھی نہ صرف قیمتی اور دیدہ زیب تھیں بلکہ اس کے اعلیٰ ذوق کی ترجمان بھی تھیں مگر اس وقت میں کومل ورما کے جسم کو سراہنے یا اس کے اعلیٰ ذوق کی داد دینے کے لیے نہیں گیا تھا۔

ایک بار پھر میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ میں پورے طور پر لیس تھا۔ پولیس کی ملازمت نے مجھے ان ذرائع سے بھی باخبر کر دیا تھا جو ایسے موقعوں پر کسی مجرم کے لیے جرم کے ارتکاب میں آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ کسی طرح اس کے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اندرونی جیب سے میں نے شیشہ کاٹنے والا قلم نکالا اور بڑی آہستگی سے شیشے پر چلانے لگا۔ کومل ورما اپنے مطالعے میں اس قدر منہمک تھی کہ اسے شیشے پر چلنے والے قلم کی آواز کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ وہ چہرے کو دیوار کی جانب کیے مطالعے میں مصروف رہی۔ میں نے شیشے کے ایک حصے پر نشان لگانے کے بعد اس پر ہتھیلی جما کر اندر کی طرف دباؤ ڈالا تو وہ "چٹ" کی ایک مدھم آواز سے ٹوٹ کر اندر بچھے ہوئے قالین پر گرا جس کی وجہ سے کوئی آواز نہیں پیدا ہوئی پھر میں نے اس پیدا ہونے والی خلا سے اپنا الٹا ہاتھ اندر ڈال کر تیزی سے پردے کو ایک جانب کھسکا دیا۔ پردہ کھنچنے کی آواز پر کومل ورما نے یکدم چونک کر کھڑکی کی جانب دیکھا پھر وہ پستول دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کے سائے پھیل گئے جس نے اس کا نشانہ لے رکھا تھا۔ قبل اس کے وہ کمرے سے فرار ہونے یا شور کرنے کا ارادہ کرتی میں نے تیزی سے مدھم مگر سفاک آواز میں کہا۔ اس وقت میری آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ میں نے گفتگو شروع کرنے سے قبل چھوٹا سا نیپ ریکارڈر آن کر لیا جو بے حد حساس واقع ہوا تھا۔ "خبردار اگر تم نے بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو میں تمہارے اس حسین جسم کو بے شمار گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گا۔ بھی چاہتی ہو تو اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"کک۔۔۔ کون۔۔۔ ہو تم؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "کک۔۔۔ کیا۔۔۔ چاہتے ہو۔"

"انتقام۔" میں نے سرد آواز میں جواب دیا۔ "اپنے ذہن پر زور دے کر سوچنے کی کوشش کرو میں وہی ہوں جس کی پیاس کو تم نے اس وقت بجھانے سے انکار کر دیا تھا جب تم ماڈلنگ کیا کرتی تھیں۔"

"گگ۔۔۔ گردھاری۔" وہ اندر روشنی اور باہر اندھیرا ہونے کے سبب میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اس کے ہونٹوں پر وہی نام ابھر آیا۔ جو اس کے ماضی سے منسلک تھا۔

"ٹھیک پہچانا تم نے۔" میں نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میں وہی گردھاری ہوں لیکن پہلے تمہاری بدھی (عقل) میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ تم میری منوکامناؤں کو پورا کرتیں۔ تم اپنی سندرتا کی وجہ سے بہت مغرور ہو گئی تھیں۔ تم نے یہ بھی بھلا دیا تھا کہ گردھاری اگر کسی کومل اور دہکتے ہوئے سندر شریر سے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا تو پھر اسے دھرتی میں ملا دیتا ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ تمہاری چتا کی اگنی (آگ) دیکھ کر میرے بے کل من کو کچھ سکون اوش مل جائے گا۔"

"نہیں مجھے کوئی مت مارنا۔" اس نے سہمی ہوئی آواز سے کہا۔ "میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ اگر میں مر گئی تو میری ماں کا آخری سہارا بھی چھن جائے گا۔"

"اور اگر تم گردھاری سے دور رہ کر زندہ رہیں تو پھر گردھاری مر جائے گا۔" میں نے کسی اوباش آدمی کے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوچ لو کیا تم اپنی ماتا کے لیے اپنا جیون بچانا چاہتی ہو یا پھر؟"

"میں تمہارے آگے ہاتھ باندھ کر بنتی کرتی ہوں گردھاری۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بے بسی سے بولی۔ "مجھے اور میری پوتر آتما کو برباد کرنے کا خیال اپنے من سے نکال دو۔"

"سمجھ گیا۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ "گویا تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے۔"

"اتنے کٹھور دل مت بنو۔ تمہارے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ تم اب تک نہ جانے کتنے کومل شریر کو روندنے کا پاپ کر چکے ہو۔ کیا تم اپنے جیون میں مجھے شمار کر کے پن کا ایک کام نہیں کرو گے۔"

"گردھاری پاپ کا دوسرا روپ ہے اور تم اس سے پن (ثواب کا کام) کی آس لگائے ہو۔ کیوں فضول کر رہی ہو۔"

"گردھاری پلیز میں تم سے بھگوان کے نام پر رحم کی بھکشا مانگتی ہوں۔"

"میرے پاس سمے کم ہے۔" میں نے خوفناک آواز میں جواب دیا۔ "اگر درمیان میں یہ لوہے کی گرل نہ ہوتی تو شاید اب تک میں تمہارے سندر شریر پر گردھاری کی چھاپ لگا چکا ہوتا۔"

"ٹھہرو۔" وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میں تمہارے لیے دروازہ کھولتی ہوں لیکن۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ تم گردھاری کے ساتھ اب کسی چھل کپٹ سے

کام نہیں لے سکتیں۔" میں جو اشوک کے میک اپ میں ہوتے ہوئے بھی کومل ورما کے لیے کسی گردھاری کا روپ اختیار کر چکا تھا بڑی حقارت سے بولا۔ "اب تم گردھاری سے کہیں اپنی کوئی آخری اچھا (خواہش) پوری کرا سکتی ہو بشرطیکہ اس شرط پر کہ تم میری آنکھوں سے دور رہنے کی کوئی شرط نہیں لگاؤ گی۔ نہ ہی جیون دان کرنے کی مکشا (بھیک) مانگو گی۔

میں تمہیں وچن دیتی ہوں۔"

"نہیں... اب ان باتوں کا سمے بیت چکا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہاں اگر تم لوک سدھارنے سے پہلے اگر تم گردھاری کو اپنے کومل شریر کا درشن کرا دو تو تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" میں جان بوجھ کر ایسی باتیں دہرا رہا تھا جو بحیثیت شہباز خان کے میری بے گناہی کا ثبوت فراہم کر سکتیں۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ ابھی تک موہنی کا پارٹ پلے کرنے والی بدروح نے کومل ورما کی کوئی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم مجھے مار ڈالو لیکن تمہاری اس گندی خواہش کو کبھی پورا نہیں کروں گی۔" اس بار اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے یکے بعد دیگرے چار فائر کیے۔ ہلکی ہلکی ٹھک ٹھک کی آواز ابھری اس کے ساتھ ہی کومل ورما کے جسم سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ وہ کسی کٹی ہوئی پھولوں کی مسکتی شاخ کی طرح اپنے وجود سے علیحدہ ہو کر فرش پر گر پڑی تھی۔ اس کے بعد میں نے ٹیپ آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔ میرا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اس لیے میں نے بڑی برق رفتاری سے پلٹ کر عقبی دیوار پھلانگی اور باہر سڑک پر آ گیا۔ باہر آ کر میں نے پستول کے دستے سے اپنی انگلیوں کے نشانات رومال سے صاف کیے اور اسے مکان کے اندر اچھالتا ہوا تیزی سے پلٹا۔ واپسی کے لیے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میں نے جلدی جلدی اپنا ریڈی میڈ میک اپ اتار کر پچھلی سیٹ پر اچھال دیا لیکن اس سے پہلے بھی اپنے فنگر پرنٹس صاف کرنا نہیں بھولا تھا۔ فوری اسٹارٹ کے اس ہوٹل سے جہاں میں نے اشوک کے نام سے کمرا بک کیا تھا۔ بہت دور گاڑی ایک کنارے روک کر نیچے اترا اور اطمینان سے چلتا ہوا دوسری سڑک پر آ گیا جہاں سے ایک ٹیکسی پکڑ کر اس میں بیٹھا اور گھر کی سمت روانہ ہو گیا۔ یہاں یہ بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہوٹل کے کمرے سے نکلتے وقت اور کرائے کی گاڑی سے اترنے سے پہلے اپنے تمام نشانات مٹانا نہیں بھولا تھا جو پولیس کے لیے میرے سلسلے میں کوئی ثبوت فراہم کر سکتے۔ ٹیکسی بھی میں نے اپنی رہائش گاہ سے سو گز دوری چھوڑ دی تھی جہاں سے گھر تک پہنچنے کا سفر میں نے پیدل ہی طے کیا تھا۔ مجھے اپنی اس حرکت پر کوئی ندامت یا افسوس نہیں تھا۔ اس لیے کہ میں نے ماسٹر ٹونی کا حساب برابر کر دیا تھا۔ شاید حالات نے مجھے باغی بنا دیا تھا۔

دوسری صبح میں نہا دھو کر حسب معمول تازہ دم ہو کر دفتر پہنچا تو سراج وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش کے تاثرات موجود تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھا پھر ہاتھ ملا کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ جن نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا وہ ایک دوست یا پرانے واقف کار کی نہیں بلکہ قانون کی نگاہیں تھیں۔

"خیریت...؟" میں نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ "آج صبح ہی صبح ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟"

"مسٹر شہباز... آپ کو شاید یاد ہو گا کہ ہم نے کل ہسپتال میں ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک پلان پر غور کیا تھا۔"

"جی... جی ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر سراج کو بڑی معصوم نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ کومل ورما یا موہنی جیسی خوبصورت عورت کو ٹھکانے لگانے کا کام سر انجام دے سکتے ہیں۔ میرے خیال سے نہیں۔"

"میں اس وقت بہت سنجیدہ ہوں، مسٹر شہباز۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں لیکن...؟"

"میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ کسی صورت میں بھی قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی جذباتی حرکت سے باز رہیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"گزشتہ رات کسی نے کومل ورما کو قتل کر دیا ہے۔" سراج نے مجھے وہ تمام تفصیل بتائیں جس سے میں پہلے ہی واقف تھا۔

"نہیں۔" میں نے سب کچھ سننے کے بعد چونکتے ہوئے پوچھا۔ "یہ حرکت کون کر سکتا ہے جبکہ موہنی نامی کوئی پراسرار قوت کومل ورما کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ویسے بائی دی وے آپ کو اس قتل کی واردات کی اطلاع کہاں سے ملی۔"

"موہنی کے ذریعے۔" سراج نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "اس کے علاوہ میں خود اس قتل کی واردات کو دیکھ کر آ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"موہنی کا فون ریسیو کرنے کے بعد میں سیدھا کومل ورما کے گھر گیا تھا جہاں اس کا جسم خون میں لت پت پڑا اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا۔" سراج نے کہا۔ "مسٹر پانڈے بھی اسی خبر کی اطلاع ملتے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ کومل ورما کی ماں کے بیان کے مطابق اسی نے مسٹر پانڈے کو اس حادثے کی اطلاع دی تھی۔ ہم نے فوری طور پر کومل ورما کو طبی امداد فراہم کرنے کی غرض سے ہسپتال روانہ کیا لیکن خون زیادہ بہہ جانے کے سبب وہ جانبر نہیں

ہو سکی۔ اس نے میڈیکل ایڈ ملنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا تھا۔"

"لیکن... یہ قتل کون کر سکتا ہے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"یہی بات تو میں آپ سے دریافت کرنے کی غرض سے یہاں موجود ہوں۔" سراج کے جملے کے اندر ایک ہلکا سا تجسس بھی شامل تھا۔ وہ میرے اوپر شک کرنے میں حق بجانب تھا لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بغیر ثبوت کے مجھے ہراساں نہیں کر سکتا۔ دفتر آتے وقت میں گردھاری کے فرضی نام پتے سے ٹیپ شدہ کیسٹ بھی سراج کے نام پر ایک پارسل کی صورت میں پوسٹ کر چکا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ موہنی کی بدروح اب کومل ورما کو درمیان سے ہٹانے کے بعد کوئی نیا روپ اختیار کرے گی۔"

"کیا آپ کی رائے میں اسے موہنی کی بدروح کی پراسرار قوت نے مارا ہو گا۔"

"اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کل اس کی نادیدہ طاقت نے ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہو اور اس کے بعد اس نے کومل ورما کو راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا کر ہمیں کسی نئی الجھن میں ڈالنے کی چال چلی ہو؟"

"کیا بدروحیں گولی بھی چلا سکتی ہیں؟" سراج نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پراسرار قوت کو کھڑکی کا شیشہ کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سامنے کھڑے ہوئے پستول کے استعمال کے بغیر بھی اسے ٹھکانے لگا سکتی تھی۔"

"میں نے ابھی یہی اظہار کیا تھا مائی ڈیئر مسٹر سراج کہ حالات کو الجھا کر وہ پراسرار قوت ہمیں کسی الجھن میں ڈالنا چاہتی ہے۔"

"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو کیا میں ضابطے کی کارروائی کی خاطر آپ سے ایک دو سوالات کر سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں۔" میں نے بدستور بے پروائی سے کہا۔ "آپ جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں؟"

"کل رات نو اور گیارہ کے دوران آپ کہاں تھے؟"

"اوہ! آپ شاید میری ذات پر شبہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں سنجیدہ ہو گیا۔ یہ حرکت میں نے جان بوجھ کر اپنی ناگواری کے اظہار کے طور پر کی تھی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا۔"

"ہاں کل رات سات بجے کے بعد سے گھر پر ہی تھا۔" میں نے بلا جھجک کہا۔ "آپ اگر چاہیں تو میری ماں اور گھریلو ملازموں سے بھی دریافت کر سکتے ہیں۔"

"آئی ایم سوری مسٹر سراج لیکن آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں؟" میری بات پر یقین کر لینے کے بعد اس نے بڑی بے بسی سے کہا۔ "وہ پستول جس سے کومل ورما پر چار فائر کیے گئے تھے ہمیں کومل ورما کے کمرے کے باہر عقبی دیوار کے پاس پڑا ملا تھا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ موہنی کی پراسرار قوت نے یہ کام کسی اور کے ذریعے اس کا دماغ ماؤف کرنے کے بعد کرایا ہو۔ آپ ٹونی کو پیش آنے والے حادثے کو کیوں فراموش کر رہے ہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے لیکن ہم اوپر والوں کے سامنے کیا جواز پیش کریں گے۔"

"پانڈے جی کا اس قتل کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پر تجسس انداز میں کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ ان ہی کے دفتر کے کسی ناکام عاشق نے کومل ورما کی شرافت سے مایوس ہو کر اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔" آخری جملہ میں نے دیدہ و دانستہ ادا کیا تھا۔ بے شکر کچھی سے ارجن نامی ایک شخص کو جو بہت کام کا آدمی تھا محض اس لیے برطرف کر دیا گیا تھا کہ اس نے کومل ورما کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے اس نکتے پر بھی غور کیا تھا لیکن مسٹر پانڈے کا خیال ہے کہ قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب ان کے کسی ملازم سے سرزد نہیں ہوا ہو گا۔ البتہ انہوں نے اپنے ارجن نامی ایک ملازم کے بارے میں اتنا ضرور کہا تھا۔ اسے کچھ عرصہ پیشتر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔"

"کیا ارجن پر شک نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "چونکہ اس کی برطرفی کا سبب کومل ورما کی شخصیت تھی اس لیے اس نے انتقام کے طور پر ایک انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔"

"میں نے اس کا نام بھی مشتبہ اشخاص کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ اب وہ بری طرح نروس دکھائی دے رہا تھا۔

"کومل ورما کی ماں کا کیا بیان ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا اس نے کسی پر اپنے شبہے کا اظہار کیا ہے؟"

"نہیں... اس کا کہنا ہے کہ اس کی لڑکی بے داغ کردار کی مالک تھی۔"

"ایسی صورت میں صرف موہنی کی ناپاک قوت اور ارجن کی ذات پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

"میں بار بار آپ کو پریشان کرنے کی خاطر آپ کے دفتر چلا آتا ہوں۔" سراج نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ناگوار تو محسوس نہیں ہوا؟"

"جی نہیں۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ "میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں۔"

سراج نے میرا شکریہ ادا کیا پھر میرے اصرار پر کافی پی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میرے ہونٹوں پر بڑی پراسرار اور معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری باتوں نے اس کے ذہن سے میرا نام ضرور کھرچ دیا ہو گا۔

سراج کے جانے کے بعد میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر واثق کو طلب کر کے پوچھا۔

"ماسٹر نوفی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں آپ کے حکم کے مطابق صبح اسے دیکھنے ہسپتال گیا تھا۔" واثق نے اداس لہجے میں اپنے غم کا اظہار کیا۔ "اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی لیکن ابھی کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ملی۔ وہ ابھی آئی سی یو میں انڈر آبزرویشن ہے۔ ہو سکتا ہے کل یا پرسوں تک اسے کسی وارڈ میں شفٹ کروا جائے۔"

"کسی وارڈ سے آپ کی کیا مراد ہے؟" میں اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ ابھی فون کر کے اس کے لیے اسپیشل وارڈ میں ڈی لکس روم بک کرا لیں۔"

"بہتر ہے۔"

"نوفی کو ہمارے کچھ ورکروں نے اپنا خون بھی بطور عطیہ بروقت فراہم کرنے کا نیک فرض ادا کیا تھا۔ کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟"

"ایک دو کو تو میں جانتا ہوں۔ ویسے ان لوگوں کے نام دانش کے علم میں ضرور ہوں گے۔" واثق نے کہا۔ "خود دانش نے بھی ایک بوتل خون دیا تھا۔"

"بروقت، محبت اور بھائی چارے کی بنیاد پر جو چیز فراہم کی جائے اس کی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی پھر بھی آپ ان تمام ورکروں کو کمپنی کی طرف سے نام بنام شکریے کا لیٹر ایشو کر دیں۔ ہر ایک کو دو دو ہزار روپے بھی۔ یہ تمام اخراجات کمپنی کے کھاتے سے ادا ہوں گے۔"

"میں سمجھ گیا سر اور آپ کے اس جذبے کی قدر بھی کرتا ورنہ اس دور میں کون کسی کا۔"

"ڈاکٹروں نے نوفی کی صحت کے بارے میں کیا کہا ہے۔" میں نے واثق کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"وہ سب پر امید ہیں۔" واثق نے میرے جملے کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "لیکن نوفی شاید اب آؤٹ ڈور ڈیوٹی کا کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ یوں بھی اسے دو تین مہینے تک مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہو گی۔"

"دانش کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"کس سلسلے میں سر؟"

"کیا وہ آؤٹ ڈور کا کام سنبھال سکتا ہے؟"

"جی ہاں۔ نوفی اکثر اسے اپنے ساتھ سائٹ پر لے جاتا تھا۔ میرے خیال میں نوفی کی جگہ کسی نئے آدمی کے بجائے دانش زیادہ بہتر طور پر ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو آج ہی دانش کی ترقی کر کے اسے نوفی کی جگہ تعینات کر دیں اور دانش کی جگہ نوفی کو چیف فورمین کے اضافی کام کا لیٹر بھی تنخواہ میں معقول اضافے کے ساتھ جاری کر دیں۔"

"جیسا آپ کا حکم سر لیکن ۔۔۔" واثق نے کچھ کہتے کہتے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"نوفی کو اپنی جگہ چھن جانے کا ضرور دکھ ہو گا۔" واثق بولا۔ "کیا آپ اپنے فیصلے کو کچھ دن کے لیے موخر نہیں کر سکتے اس وقت تک جب تک نوفی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتا۔"

"نہیں۔ میں جو قدم اٹھا رہا ہوں بہت کچھ سوچ سمجھ کر اٹھا رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "نوفی کو میں نے اپنے اور والد صاحب کی کمپنی کے تمام کاموں کا چیف سپروائزر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کام کے لیے اسے کمپنی کی طرف سے ایک گاڑی اور ڈرائیور فراہم کیا جائے گا جو کلی طور پر اس کے ڈسپوزل پر ہو گا۔ اس کے علاوہ نوفی روبہ صحت ہونے کے بعد ہمارے ساتھ اسی بلڈنگ میں ایک ایسے آفس میں بیٹھا کرے گا جس میں اس کی ضرورت کے مدنظر تمام ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے صحت مند ہونے کے بعد کسی بے بسی کا احساس ہو اس لیے آپ آج ہی تمام لیٹرز تیار کر لیں اور نوفی کے ہوش میں آتے ہی اسے میرے فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ فی الحال میں نوفی کی تنخواہ میں سہولتوں کے علاوہ پانچ ہزار کا اضافہ بھی کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں سر لیکن کہیں نوفی اس ترقی کو بھی اپنے اوپر اثر انداز نہ کر لے۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں نوفی کے ہوش میں آنے کے بعد اس کا لیٹر خود اپنے ہاتھوں سے سروس کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

"یہ زیادہ مناسب ہو گا۔"

واثق کے جانے کے بعد میں روز مرہ کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ شام کو دفتر سے اٹھنے کے بعد میں سیدھا ہارڈ کراس ہسپتال نوفی کی خیریت دریافت کرنے گیا۔ دانش کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ وہاں کھڑے تھے اور آنے جانے والے محلے کے افراد سے اس کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ دانش میرے قریب آتے ہوئے بولا۔

"ماسٹر نوفی کی حالت اب پہلے سے بہتر ہے لیکن شاید ابھی اسے دو تین دن اور انتہائی نگہداشت میں رکھا جائے گا۔"

میں نے دانش سے خیریت دریافت کرنے کے بعد وہاں کے ڈاکٹر انچارج سے ملاقات کی۔ وہ غالباً مجھے جانتا تھا۔

"آیئے۔ میں آپ کو اندر لیے چلتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے خندہ پیشانی سے کہا۔ "مریض کو ہم نے نیند کا انجکشن دے رکھا ہے تاکہ اسے درد کی شدت نہ ہو سکے۔ آپ اسے صرف دور سے دیکھ سکتے ہیں۔"

"اس کی اوور آل کنڈیشن اب کیسی ہے؟"

"پہلے سے بہتر ہے۔ خاص طور پر اس کا بلڈ پریشر اور پلس (pulse) کی رفتار دونوں نارمل ہیں ورنہ عام طور پر یہ چیزیں بڑھ جاتی ہیں جس سے مریض کی حالت کو قطعی طور پر اسٹیبل (Stable) نہیں کیا جا سکتا۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ باہر آیا تو دانش کی نگاہوں کی خاموش درخواست کو نظرانداز نہیں کر سکا۔ میری سفارش پر ڈاکٹر نے اسے بھی اجازت دے دی۔ ہم نوفی کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں وہ بے خبری کی حالت سے دوچار تھا۔ وہ سیدھے ہاتھ سے پہلے ہی محروم تھا اب اس کی سیدھی ٹانگ گھٹنے کے قریب سے کاٹ کر علیحدہ کر دی گئی تھی جس پر موٹی موٹی پٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ دانش کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر بعد باہر آ گئے۔ میرے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی پھر بھی میں نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔ دانش اور اس کے ساتھیوں کو تسلی دی اور پھر باہر آ کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ میری حالت نوفی کی کیفیت دیکھ کر دگرگوں ہو گئی تھی۔ میرے دل کی ہر دھڑکن پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔

"تم ہی نوفی کی بربادی کے ذمے دار ہو۔ اسے اب تمہاری ہی وجہ سے اپاہجوں جیسی زندگی گزارنی پڑے گی۔ تم ہی اس کی حقیر کیفیت کے ذمے دار ہو۔ تم نے خود کو بچانے کی خاطر کالی دیوا کو اغوا کرنے کا فرض اس کے سپرد کر کے بڑی خود غرضی کا ثبوت دیا ہے۔ تمہارے اوپر تو ہر دور گار کا سایہ ہے۔ ہاتھ میں سنہری انگوٹھی بھی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے کالی اور گندی قوتیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ اس کے باوجود تم نے اپنے سب سے قیمتی آدمی کی زندگی داؤ پر لگا کر اچھا نہیں کیا۔ تم اس کے ساتھ خواہ کچھ بھی کر لو کتنی ہی مراعات دے دو لیکن پھر بھی تم اس کے درد کا مداوا نہیں کر سکتے اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ اگر وہ مر گیا تو تم ہی اس کے قاتل ہو گے۔ دولت سے دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے لیکن زندگی اور موت سے کسی قسم کی کوئی سودے بازی نہیں کی جا سکتی۔"

میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا۔ میں گھر پہنچا تو ماں میری راہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس وقت والد صاحب کی یاد آ گئی۔ وہ بھی میری ہی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ میرے اندر ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اعصاب بری طرح کھنچ رہے تھے لیکن میں نے ماں کو دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ سجا لی۔ یہ ایک فریب تھا جو میں خود اپنے آپ کو دے رہا تھا۔

رات کے کھانے کے دوران میں چپ چاپ سا تھا۔ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے اس نے میرے اندر چھپے ہوئے غم کو بھانپ لیا تھا۔

"کیا بات ہے شہباز؟ تم مجھے آج کچھ افسردہ نظر آ رہے ہو۔"

"یوں ہی دفتر میں کام زیادہ تھا اس لیے تھکان ہو گئی ہے۔" میں نے امی کو دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"میری طرف دیکھو۔" امی نے کہا میں نے ان کی طرف نظریں گھما کر دیکھنے کی کوشش کی تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ سے گئے۔ یہ ایک فطری عمل تھا انسان اگر اپنے دکھ درد کا حال احوال کسی سے بیان کر دے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ میری نم آنکھیں دیکھ کر امی تڑپ اٹھیں۔

"شہباز۔ کوئی بری خبر تو نہیں ہے۔" انہوں نے تیزی سے دریافت کیا۔

میں نے ماسٹر نوفی کو پیش آنے والے حادثے کو ایک اتفاقیہ حادثہ قرار دے کر کہانی کو کچھ توڑ موڑ کر بیان کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اس کے پاس سے آ رہا ہوں وہ میرا سب سے دلیر، مخلص اور جانثار ورکر تھا۔ ٹانگ کٹ جانے کے بعد اس کی حالت کچھ مخدوش سی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق اس کی زندگی بچ جائے گی لیکن نہ جانے کیوں دل کو چین نہیں آ رہا ہے۔"

"خدا پر بھروسہ رکھو بیٹے۔ وہ بہتر کرے گا۔" ماں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "جو لوگ سچے اور مخلص ہوتے ہیں۔ ایمانداری اور دیانت سے زندگی گزارتے ہیں خدا ان کی مدد ضرور کرتا ہے۔"

کھانے کے بعد بڑی دیر تک امی سے باتیں کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے ایک بار پھر میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کون جانے اگلی سانس زندگی کی آخری سانس ہو۔"

"پلیز امی۔۔۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔"

"میری خواہش ہے کہ اپنی زندگی ہی میں تمہارے سر پر سہرا دیکھ لوں۔" امی کے لہجے میں حسرت تھی۔ ایک ماں کی آرزوؤں کی تڑپ شامل تھی۔

"آپ جہاں چاہیں جب چاہیں میری شادی کر دیں لیکن ابھی آپ کی تو عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے۔"

"ایک بات پوچھوں شہباز۔"

"جی۔" میں نے اماں کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"کیا تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟ اگر ہے تو مجھے بتا دو۔ مجھے تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"لڑکیاں تو بہت ساری دیکھی بھالی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی سے شادی کر سکتا ہوں اس لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ذرا مشکل ہے۔" میں نے امی کی دلجوئی کی خاطر کہا۔

"کیوں مذاق کر رہا ہے؟ میں اس وقت سنجیدگی سے بات کر رہی ہوں۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کہیے تو آپ کو بہت ساری لڑکیوں کی تصویریں لا کر پیش کر دوں۔ آپ جس پر انگلی رکھ دیں گی میں بلا کسی چوں و چرا کے اس سے شادی کر لوں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تو مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔" ماں نے بڑی محبت سے دیکھا پھر پیار بھرے لہجے میں بولیں۔ "میری عدت کے دن پورے ہو لینے دو۔ پھر دیکھتی ہوں تم کیسے میری باتوں سے انکار کرتے ہو۔"

امی میری شادی کے موضوع پر خاصی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ میں ان کی خوشی کی خاطر ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر جب رات کے ساڑھے دس بج گئے تو اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا تاکہ لباس تبدیل کر سکوں۔ جب سے والد صاحب کا انتقال ہوا تھا میں ماں کی تنہائی کے احساس کو ان کے وجود سے دور رکھنے کی خاطر انہیں کے کمرے میں سوتا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے میں خواب گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں سوہنی بول رہی ہوں۔" دوسری جانب سے سوہنی کی آواز سنائی دی۔ "وہی سوہنی جس کی وجہ سے تم نے کومل دوما کو راستے سے ہٹا دیا۔"

"لیکن تم اس کے باوجود اپنی گندی قوتوں کے ذریعے اسے بچا نہیں سکیں۔"

"موقع ہی نہیں ملا۔ سمجھو جو اس وقت میں تمہارے ماسٹر ٹونی کی سازش کرنے میں مصروف تھی ورنہ۔"

"تم اور ٹونی کی مدد کرو گی۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "کیوں مجھے ہنسانا چاہتی ہو؟"

"تمہاری ہی کمینگی کی وجہ سے وہ غریب ایک ٹانگ سے محروم ہوا ہے اور تم ہی اس کی زندگی بچانے کی کوشش کرو گی؟"

"ہاں.... میں تمہارے ایک ایک آدمی کو تڑپا تڑپا کر اور سسکا سسکا کر مارنا چاہتی ہوں۔"

"اب تم کس روپ میں سامنے آؤ گی؟" میں نے نفرت سے پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ تم مجھ سے خوف زدہ ہو اس لیے کھل کر اپنے اصلی روپ میں درشن نہیں دو گی۔"

"چنتا مت کرو۔ اس کا سمے بھی جلد آنے والا ہے۔"

"اس وقت فون کرنے کا کیا مقصد ہے؟"

"میں تمہیں ایک موقع اور دے رہی ہوں۔ سوچ لو اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو ہو سکتا ہے کہ اس بار میں تمہیں سبق دینے کے کارن تمہاری ماتا کو اپنی مہان شکتی سے نرکھ میں جھونک دوں۔"

"بکواس بند کرو۔" میں نے سوہنی کو ایک گندی گالی دیتے ہوئے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے میری ماں کی جانب اپنی گندی نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی تو میں ان تمام سپولوں سے اپنے انتقام کی آگ بجھانے سے دریغ نہیں کروں گا جن کی خاطر تم بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہو۔ کومل دوما کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ اسے نہ بھولنا۔"

"ٹھیک ہے شری شہباز خان۔ اب مجھے تمہیں کوئی ایسا سبق دینا ہوگا کہ تم میرے آگے ہاتھ باندھ کر بنتی کرو گے دیا کی بھیک مانگو گے۔ پرنتو اس بار میں تمہیں شما نہیں کروں گی۔ ہمارے بیچ اب کوئی سمجھوتا بھی نہیں ہوگا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی کفر کی طاقت کے آگے سرنگوں نہیں ہوتا۔" میں نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنے کمرے سے نکل کر ماں کی خواب گاہ کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

اچھا ہی ہوا جو اس وقت امی کسی وظیفے کے ورد میں مصروف تھیں ورنہ میرے چہرے کی کیفیت دیکھ کر میرے دل کی کیفیت ضرور بھانپ لیتیں۔ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے۔ اولاد کا چہرہ ایک ماں کے لیے وہ آئینہ ہوتا ہے جو دل کی چغلی کھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ وہ وظیفہ ایک ماں اپنی جوان اولاد کے لیے اسے ہر قسم کے شر اور شیطانی قوتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پڑھ رہی تھی۔ اس کی زندگی اور سلامتی کے لیے خدا کے حضور دعا مانگ رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ والد صاحب کی موت کے بعد سے امی کو اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ کچھ نادیدہ قوتیں برسرپیکار ہیں جس کی وجہ سے ایک دکھے دل کی مانند تھا۔ یہ سوچ کر ہی تڑپ اٹھی تھی کہ اگر اس کے سہاگ کے بعد اس کی گود بھی اجڑ گئی تو وہ کیا کرے گی۔ کس کے سہارے جیے گی۔ اس وقت بھی وہ اسی اولاد کی خاطر اپنے پروردگار سے لو لگائے ہوئے تھی۔

میں نے نائٹ بلب روشن کیا اور ٹیوب بند کر کے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ والد کا سایہ سر سے اٹھے ابھی چند ہی دن گزرے تھے اور اب سوہنی کی بدروح نے مجھے فون پر ماں کی موت کی دھمکی دی تھی۔ میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ میری پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے میں نے کروٹ بدل لی۔ میں کاروبار کے ہر پہلو سے بچے

خسارے کو برداشت کر سکتا تھا۔ ہر نقصان کو سہہ سکتا تھا لیکن ماں کی جدائی کا تصور ہی میرے لیے بڑا المناک اور ناقابل برداشت تھا اگر میرا دشمن طوفان یا کسی آہنی چٹان کی صورت میں بھی میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی زندگی کی پروا کیے بغیر اس سے ٹکرا جاتا لیکن ہواؤں سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ موہنی ایک فرضی نام ہے۔ اس نام کے پیچھے ان ہی ناپاک اور گندی قوتوں میں سے کوئی ایک کام کر رہی تھی جس نے روپ نگر سے والد صاحب کی موت تک سائے کی طرح میرا تعاقب جاری رکھا تھا۔ وہ کوئی بھی قوت ہو سکتی تھی۔ شنکر پنڈت بنسی رام' کالکا یا پھر لیڈی مکلارنس۔ یہ تمام پراسرار قوتیں ناقابل یقین حد تک مجھے مختلف موقعوں پر چونکا چکی تھیں۔ میں ان ہی کے بارے میں غور کرتا۔ ان کی ارواح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی کسی اور کے دل و دماغ پر قبضہ جما سکتی تھیں۔ ان کے یہاں زندگی اور موت کا تصور بھی کچھ عجیب تھا' بہرحال موہنی میرے لیے ایک نام تھا۔ وہ قوت کسی نامعلوم وجہ سے کھل کر میرے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی پھر اچانک میرے ذہن میں جمنا کا نام ابھرا جو شنکر کی ناجائز محبوبہ تھی۔ جمنا کے سلسلے میں روپ نگر میں ملازمت کے دوران میں خود ایسی باتیں دیکھ چکا تھا جس کو انسانی ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نادیدہ قوتوں نے بھی حیرت انگیز طور پر ترقی کی تھی جس کی مثال لندن میں لیڈی مکلارنس کی صورت میں میرے سامنے آ چکی تھی۔ لوگ اس کے سائے سے بھی دور رہتے تھے۔ اس کی پیش گوئی جگہ جگہ سچ ہوتی تھی۔ اس نے پنڈت بنسی دھر کو جس انداز میں ایک کٹے ہوئے سر کی صورت میں اپنی خواب گاہ میں طلب کر کے گفتگو کرائی تھی وہ میرے لیے حیران کن تھی پھر اس کی زیر زمین لائبریری دیکھ کر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ روحوں کو بھی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے زندہ انسانوں کی طرح باتیں کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

پنڈت بنسی دھر کو شنکر نے اپنے گرو کا درجہ دیا تھا جبکہ وہ بذات خود حیرت انگیز سفلی قوتوں کا مالک تھا۔ لیڈی مکلارنس کی خواب گاہ میں اس کے ہوا میں معلق کٹے ہوئے سر نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ بہت جلد اس کی قید سے آزاد ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ اپنے انتقام کو دشمنوں کے خون سے سرد کرے گا۔ ہو سکتا تھا کہ اس کی روح لیڈی مکلارنس کے جال توڑ کر آزاد ہو گئی ہو؟ وہ شنکر کی بدروح بھی ہو سکتی تھی جس نے کومل ورما کو اپنا معمول بنا رکھا تھا؟ ممکن تھا کہ اس نے اپنی گندی روح کے ساتھ جمنا کی آتما کو بھی شامل کر لیا ہو جو موہنی کا پارٹ پلے کر رہی تھی؟ لیڈی مکلارنس اور موہنی نے محض دو منٹ کے اندر اندر مجھے ایک ہی مشورہ دیا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو میں ماں کو لے کر لندن چلا جاؤں۔ ایسی صورت میں لیڈی مکلارنس کے اوپر بھی میرا شبہ کرنا حق بجانب تھا۔ کالکا کی طرح اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں نہیں جھانک سکتی لیکن وہ اس سحر کو توڑنے کے لیے بے چین تھی جس نے ان قوتوں کو میرے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے سے روک رکھا تھا۔ اس زاویے سے لیڈی مکلارنس اور کالکا کو ایک ہی شخصیت کے روپ بھی دیے جا سکتے تھے؟

"لیکن حقیقت کیا تھی؟"

"وہ قوتیں کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھیں؟"

"کیا وہ صرف نرنجن کی موت کا انتقام لینا چاہتی تھیں؟"

"اگر وہ انتقام تھا تو اس کی حد کہاں تک تھی۔ میرے پورے خاندان کی عبرتناک موت' یا پھر وہ محض اپنوں کی خاطر ایک مسلمان کو اپنے درمیان سے ہٹا کر کے شنکر پانڈے اور دوسروں کے لیے میدان صاف کرانا چاہتی تھیں؟" مجھے بار بار لندن جانے کا مشورہ میرے آخری سوال کو تقویت دینے کے لیے بہت کافی تھا۔

میں خاصی دیر تک ان ہی خیالات کے الجھے ہوئے تانے بانوں کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ کب مجھے نیند آئی اور کب میرا ذہن گھپ اندھیروں میں اترتا چلا گیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں پھر میری آنکھیں بند ہی رہیں لیکن ذہن لوبان اور صندل کی ملی جلی تیز خوشبو سے جاگنے لگا۔ میرے اندر کیف و مستی کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا پھر میں نے کمبل پوش سفید ریش دراز بزرگ کو دیکھا جو میرے سامنے آڑی ترچھی لکڑی تھامے کھڑے تھے۔ ان کی نگاہیں شعلہ بار ہو رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں آج پہلی بار ان کی نظروں میں جاہ و جلال کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں کی گرمی میرے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہی تھی۔ میرا پورا وجود جیسے اس وقت بھڑکتے شعلوں کی زد میں تھا۔ میرے اندر ایک تلاطم سا برپا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میں تازگی کی کیفیت سے دوچار تھا۔ کوئی پراسرار قوت میرے وجود کو استحکام بخش رہی تھی۔ مجھے اپنے قدم زمین پر نہایت مضبوطی سے جمے محسوس ہو رہے تھے۔ میرے خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر سفید ریش بزرگ کی نگاہوں میں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ یہ سلسلہ کافی دیر قائم رہا پھر بزرگ کی آنکھوں کی گرمی اور میرے وجود کے اندر پیدا ہونے والی حدت بتدریج کم ہونے لگی۔

"ہا..." کمبل پوش بزرگ نے اپنی ٹیڑھی میڑھی لکڑی کو زور سے زمین پر مارتے ہوئے کہا۔ "عمارت کی چھت پر چڑھ کر ڈنک میں چھلانگ لگا دے۔"

"مجھے اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے انکساری سے کہا۔ "وہ مجھے والد صاحب کے سائے سے محروم کر چکی ہیں اور اب مجھے ماں کی شفقت سے بھی محروم کرنے کے

خواب دیکھ رہی ہیں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ دم دبا کر دوڑ لگا دے لیکن اس وقت تو آسمانوں پر اڑ رہا تھا۔ کبڈی کھیل رہا تھا۔" بزرگ نے اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ "اب بھی وقت ہے۔ کسی برگد کے درخت کی مضبوط شاخ کو تھام کر الٹا لٹک جا۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

"مجھے مایوس نہ کریں میرے بزرگ۔ آپ کی ایک نظر کرم میرے بگڑتے حالات کا رخ بدل سکتی ہے۔" میرے لہجے میں عاجزی تھی۔

"کبوتر کی طرح پلٹیاں کھانی چھوڑ دے۔ لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں دھوبی پاٹ لگانے کے گر سیکھ لے ورنہ لاد چلے گا بنجارہ۔"

"میں ہواؤں سے نہیں لڑ سکتا۔ جن قوتوں نے میرے اطراف موت کا جال بن دیا ہے۔ وہ اپنا گھیرا روز بروز تنگ کرتی جا رہی ہیں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں' لیکن میری ماں بے قصور ہے بڑے صاحب۔ اس پر ایک نظر کرم ہو جائے۔"

بزرگ نے بس ایک نظر پلٹ کر ماں کی جانب دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی پھر میری طرف گھور کر بولے۔

"تبدان کے کیڑے۔ مجھ پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔"

"رحم کریں بڑے صاحب۔ آپ کے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے۔" میری آواز بھرا گئی۔

"بھینس والے غبارے کی دم پکڑ کر آسمان کی طرف اڑ جا یا پھر لات پکڑ کر سمندر میں غوطہ لگا دے۔"

"مجھے اپنی یہ لکڑی دے دو میاں صاحب۔" میں نے درخواست کی۔ "میرے لیے بڑی ہمت ہوگی۔"

"کیا کرے گا اس کا۔ کتے بھگائے گا۔"

"ہاں۔" میں تیزی سے بولا۔ "ان کتوں کو آپ کی کراماتی لکڑی سے مار بھگاؤں گا جو میری بوٹیاں نوچنے کی خاطر میری سمت لپک رہے ہیں مجھے کامل یقین ہے کہ میرے پاس یہ لکڑی ہوگی تو وہ میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ دور دور بھونکتے رہیں گے۔"

بزرگ نے آنکھیں پٹ پٹانا شروع کر دیں۔ اس طرح آنکھیں پھاڑے میری جانب دیکھ رہے تھے جیسے میری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں پھر یکلخت قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ "میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلے گا۔"

"نہیں۔ میں ابھی اتنا قد آور نہیں ہوا ہوں۔"

"ٹوٹا جھنگ لگانی شروع کر دے۔ طوفانوں کے ساتھ پنجہ لڑانے کی عادت ڈال لے ورنہ مرغی کڑکڑاتی ہوئی ڈربے سے نکل بھاگے گی۔"

"مجھ پر رحم کریں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں التجا کی۔ "آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔"

"سن۔ میری ایک بات مانے گا؟" بزرگ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں... ہاں... میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"اگر مجرم ہے تو ہو کی تان لگانی شروع کر دے۔ چور نکل کر بھاگ لے گا۔"

"میں الجھ گیا ہوں صاحب۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔"

"ایک طریقہ اور بھی ہے۔" سفید ریش بزرگ نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا۔" میرے وجود میں امید کی کرن دوڑ گئی۔

"آگ بجھانے کے لیے پانی نہ ملے تو پاجامہ اوپر چڑھا لے اور ٹانگ اٹھا کر فارغ ہو جا۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں حضرت۔" میں نے پھر التجا کی۔ "میری ماں کو بچا لیجیے۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتا۔"

بزرگ نے پھر میری جانب غور سے دیکھا پھر دبے قدموں آگے بڑھ کر پانی کا وہ گلاس اٹھا لیا جو میرے سرہانے رکھا تھا۔ کچھ دیر تک پانی کو سونگھتے رہے پھر ایک چلو پانی ہاتھ میں لے کر ماں کی طرف اچھال دیا اور باقی میرے منہ پر زور سے مارا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ لوبان اور صندل کی خوشبو ابھی تک کمرے میں مہک رہی تھی لیکن بزرگ کا کوئی اتا پتا نہیں تھا پھر میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ پانی سے شرابور ہو رہا تھا۔ میں ابھی گزرے ہوئے لمحات پر غور کر رہا تھا کہ ماں بھی جاگ اٹھی۔

"کیا بات ہے شہباز۔" انہوں نے مجھے جاگتا دیکھ کر بے چینی سے پوچھا۔ "تم ابھی تک سوئے نہیں۔"

"نیند نہیں آ رہی ہے۔" میں نے ان کو ٹالنا چاہا۔

"تمہارا چہرہ یہ کیسے بھیگ رہا ہے؟" وہ میرے قریب آ کر بولیں۔ "سب خیریت تو ہے۔"

میں نے ان کی جانب غور سے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ سفید ریش بزرگ نے چلو بھر کر جو پانی پھینکا تھا اس کے چھینٹے ان کے لباس پر بھی نظر آ رہے تھے۔

"گرمی لگ رہی تھی اس لیے ابھی منہ دھو کر آیا ہوں لیکن آپ کی آنکھ کیسے کھل گئی۔" میں نے ایک معقول بہانہ تراشتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہارے کپڑوں میں آگ لگ رہی ہو۔ شاید میں نے خواب دیکھا تھا۔ اسی خواب کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کا جملہ سننے کے بعد ہی

مجھے احساس ہوا تھا جیسے میرا وجود اندر ہی اندر تپ رہا ہو۔

"سچ سچ بتا شہباز۔ تو کچھ پریشان تو نہیں ہے۔" امی نے کہا۔ "میں تمہارا سر دبائے دیتی ہوں۔"

میں نے امی کی طرف دیکھا پھر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ ہولے ہولے میرے سرہانے لگیں۔ ماں کے ہاتھوں کا لمس پا کر میرے اندر جیسے پھر ٹھنڈک پڑ گئی ہو۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کب میری آنکھ دوبارہ لگی مجھے کچھ یاد نہیں۔

تین روز بعد ماسٹر ٹونی کو آئی سی یو سے پرائیویٹ وارڈ کے ڈی لکس روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ بڑی تیزی سے زندگی کی طرف واپس لوٹ رہا تھا لیکن ایک ایسے شخص کی شکل میں جو اپنے سیدھے ہاتھ کے ساتھ ساتھ اپنی سیدھی ٹانگ سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ ہرچند کہ ڈاکٹروں اور ماہرین نے مجھے یقین دلایا تھا کہ مصنوعی ٹانگ لگ جانے کے بعد ٹونی اپنے روزمرہ کے معمول کو بہ آسانی انجام دے سکتا ہے لیکن مجھے اس بات کا احساس تھا کہ اس غریب کو میری ہی وجہ سے اتنا بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

میں دارثی کے ہمراہ جس وقت ٹونی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ دانش وہاں پہلے سے موجود تھا۔ مجھے چاروں طرف پھول کے گلدستے نظر آ رہے تھے جن سے پورا کمرا مہک رہا تھا۔ وہ گلدستے اس عقیدت اور محبت کا اظہار تھے جو دوسرے ورکروں کے دلوں میں ٹونی کے لیے موجود تھا۔ دانش مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹونی نے میری جانب دیکھا تو اس کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ شاید وہ اپنے اندر سر ابھارنے والے طوفانی جذبوں کو پوری شدت سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر ٹونی کو گلدستہ پیش کیا تو اس نے اسے قبول کرتے ہوئے مجھے کچھ عجیب نظروں سے دیکھا جس میں حسرت اور عقیدت کا ملا جلا تاثر موجود تھا۔

"کیسے ہو ٹونی۔" میں نے اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں گریٹ باس۔" ٹونی نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "آپ کی مہربانی سے زندہ ہوں لیکن۔"

"لیکن کیا۔" میں نے آہستہ سے پوچھا۔ میں محسوس کر رہا تھا اس وقت ٹونی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ مجھ سے اپنی بے بسی کا شکوہ کرے گا اس لیے کہ طاغوتی قوتوں نے اسے میری ہی وجہ سے اس حال تک پہنچایا تھا۔ میں اپنے آپ کو ٹونی کا مجرم سمجھ رہا تھا چنانچہ میں نے جلدی سے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ٹونی مجھے احساس ہے کہ میں نے شاید ایک غلط فیصلہ کیا تھا۔"

"باس۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"مجھے وہ کام تمہیں نہیں سونپنا چاہیے تھا۔" میں دبی زبان میں بولا۔

"آپ غلط سمجھے باس۔" اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ "ٹونی کو اپنی ٹانگ کٹ جانے کا غم نہیں ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے اب میں آپ کے کسی قابل نہیں رہا۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔ تم کل بھی میرے دست راست تھے اور آیندہ بھی شاید تمہارا مقام کوئی اور نہیں لے سکے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں باس آپ کی بات کا مطلب لیکن اب تو میری قوت صرف اس شیر جیسی ہو گئی ہے جو کچھار میں بیٹھ کر ہی کسی قسمت کے مارے شکار کو ہی شکار کرتا اپنی بہادری سمجھ سکتا ہے۔" ٹونی نے حسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "شکار پر جھپٹنے اور پلٹنے کے بعد اس کی گردن دبوچنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"شیر ہر حال میں شیر ہی کہلاتا ہے۔ چاہے اپنی کچھار میں ہو یا کہیں اور۔" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"شکریہ باس۔" ٹونی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

میرے اشارے پر دانش اور دارثی اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے تو میں نے کہا۔

"میں نے تمہارا انتقام لے لیا ہے ٹونی۔ کومل ورما اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

باس۔" ٹونی چونکا۔ "کیا آپ نے اسے خود۔۔۔"

"ہاں میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔" میں نے ٹونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "مجھے ابھی کچھ قرض اور بھی ادا کرنے ہیں جو تمہاری طرف سے میرے اوپر واجب ہیں۔"

"اوہ۔ نو باس نو۔" ٹونی نے کہا۔ "آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ٹونی اب حد سے گزر چکا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "موہنی کی گندی آتما نے اب میری ماں کی طرف آنکھ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کاش میں اب بھی آپ کے کسی کام آ سکتا۔" ٹونی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"تم اب بھی میرے لیے بہت کارآمد ہو۔ شاید پہلے سے بھی زیادہ۔" میں نے موقع غنیمت جان کر جیب سے ٹونی کا لیٹر والا لفافہ نکال کر ٹونی کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کیا ہے باس۔" ٹونی نے حیرت سے دریافت کیا۔

"میری مشکلات کا حل۔"

جواب دینے کے بجائے ٹونی نے لفافہ کھول کر اپنا پروموشن لیٹر پڑھا تو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ کچھ دیر چپ چاپ لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔

"مجھے خوشی ہے باس کہ آپ نے ٹونی کو کسی قابل سمجھا لیکن اب شاید میں آپ کی پہلی جیسی خدمت نہ کر سکوں گا۔ آپ مجھے جس اعزاز سے نوازنا چاہتے ہیں ٹونی اب اس کے قابل نہیں رہا۔"

"تم شاید اس پیشکش کو اپنی سابقہ خدمات کا کوئی معاوضہ سمجھ رہے۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم نے میری خاطر جو کچھ کیا ہے مجھے اس پر ناز ہے۔ فخر ہے۔ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ تم پہلے بھی میرے لیے سب سے قیمتی تھے اور آج بھی ہو۔"

"لیکن باس۔"

"مجھے مایوس نہ کرو ٹونی۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ تم کو اپنی ذمے داریاں سونپنے کے بعد میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ آزادی سے اپنے دشمنوں سے ٹکرا سکوں گا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے صرف تمہیں اپنی سیٹ نہیں دی کہ تم تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے اس طرح ذمے داریوں کا بوجھ میرے شانوں سے اتر جائے گا۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں باس کہ آپ نے ماسٹر ٹونی کو اس قابل سمجھا لیکن۔"

"لیکن اگر مگر نہیں۔ اب تم نے انکار کیا تو مجھے دکھ ہوگا۔"

"میں آپ کی ذمے داریوں کو زندگی کی آخری سانس تک سنبھالنے کا وعدہ کرتا ہوں باس لیکن ایک شرط پر۔"

"کون سی شرط؟"

"آپ بذات خود آگ میں جمپ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے۔" ٹونی نے تیزی سے کہا۔ "ایک ٹونی اپاہج ہو گیا تو کیا۔ آپ کے پاس تو ابھی کئی ٹونی موجود ہیں جنہیں تھوڑا سا تراش کر کندن بنایا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے۔"

"دانش کی طرف۔" ٹونی نے جواب دیا۔ "وہ صرف ملازمت کے دوران ہی میرا دست راست نہیں رہا ہے بلکہ عام زندگی میں بھی ہم دونوں نے شانہ بشانہ ہو کر بہت سارے تیز اور تیر شکار کیے ہیں۔"

"تم نے یہ بات مجھے پہلے کبھی نہیں بتائی۔"

"اس کا موقع پہلے کبھی آیا ہی کب تھا۔" ٹونی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ دانش کو کوئی خدمت کا موقع دے کر دیکھیے۔ وہ بھی میری طرح آپ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔"

"اچھا ہوا جو تم نے مجھے دانش کی صلاحیتوں سے آگاہ کر دیا۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر مجھے اس کی ضرورت بھی درپیش آ جائے۔"

"ایک بات کہوں باس۔"

"کہو۔"

"آپ نے کومل ورما کو شکار کھیل کر اچھا نہیں کیا۔" ٹونی نے کہا پھر بڑی حقارت سے بولا۔ "یہ بلیک میجک کرنے والے لوگ ایک نمبر کے باسٹرڈ ہوتے ہیں موت اور زندگی کی حقیقت ان کے لیے کیڑے کی طرح ہوتی ہے۔ جب چاہا۔ جسے چاہا گردن موڑ کر زندگی سے آزاد کر دیا۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ دانش نے مجھے ان حالات کی تفصیل بتائی ہے جو ہوش میں ہونے کے بعد سوچ بھی نہیں سکتا لیکن شاید اس وقت میرے مائنڈ کو بھی ہپناٹائز کر دیا گیا تھا۔"

"اسی لیے تو میں نے تمہارا قرض چکتا کر دیا اور میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے ذرا بھی پچھتاوا نہیں ہے۔ اس لیے کہ دامن جل جانے کی فکر کرنے والے خود کو آگ کی لپیٹ سے بھی نہیں بچا سکتے۔"

"وہ ٹھیک ہے باس لیکن میری طرح وہ آپ کو بھی۔"

"نہیں۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "وہ میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اگر وہ ایسا کرنے کے قابل ہوتے تو شاید اب تک سیکڑوں بار مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے موت کی نیند سلا چکے ہوتے۔"

"میں سمجھا نہیں باس۔" ٹونی نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ آپ کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھا سکتے۔"

"سوری ٹونی۔ فی الحال میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں بتا سکتا۔"

ٹونی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عجیب نظروں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اسی وقت ایک نرس نے داخل ہو کر کہا۔

"سر۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔" وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"کیوں۔ کیا آپ کو مریض سے کوئی پرائیویٹ بات کرنی ہے۔" میں نے ازراہ تفنن پوچھا۔

"جی نہیں۔ فی الحال تو صرف ان کی تیمارداری کا عمل جاری ہے۔" اس نے برجستہ کہا پھر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے مریض کو اسپنج باتھ دینا ہے۔ آپ کو دس پندرہ منٹ کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"میں پھر کسی وقت آؤں گا ٹونی۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرو بس ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"وہ کیا باس۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے تم صحت مند ہو کر اپنے عہدے کا چارج سنبھال لو تاکہ میں مکمل آزادی کے ساتھ دوسرے کام

انجام دے سکوں۔"

"(MAY GOD BLESS YOU)" ٹونی کی آنکھیں پھر اظہار عقیدت کی خاطر نمناک ہونے لگیں تو میں نے مسکرا کر اسے وش کیا اور کمرے سے باہر آگیا جہاں دانش اور دوانی کے علاوہ دو تین ورکر اور بھی موجود تھے۔

اس روز میں نے دانش کو پہلی بار بہت توجہ سے دیکھا وہ بلاشبہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بالکل ویسی ہی چمک تھی جیسی کسی چیتے کی نگاہوں میں اس وقت ابھرتی ہے جب وہ اپنے شکار کی تلاش میں جنگل میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔

"مسٹر دانش۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میری طرف سے پروموشن مبارک ہو۔"

"مجھے خوشی ہے سر' لیکن اصلی خوشی اس دن ہوگی جس دن ٹونی کو صحت مند ہونے کی نوید دے کر ہسپتال سے گھر جانے کی اجازت دے گی۔"

"ٹونی تمہیں بہت عزیز ہے؟"

"اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔" دانش نے بڑے وثوق اور یقین بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "ماسٹر ٹونی کے میرے اوپر بے شمار احسانات ہیں سر۔ شاید میں اپنی جان دے کر بھی ان احسانوں کا بدلہ نہ چکا سکوں گا۔"

"ٹونی نے آج پہلی بار مجھے تمہارے بارے میں کھل کر کچھ بتایا ہے۔" میں ایک مخصوص انداز میں مسکرایا۔ "میں تمہارا نام یاد رکھوں گا۔"

"شکریہ سر۔" دانش کے جواب میں بھی ایسا ہی اعتماد موجود تھا جیسے وہ مجھے یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ اگر میں نے اسے خطرناک سے خطرناک کام کا بھی موقع دیا تو وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

میں نے دانش اور دوسرے لوگوں سے ہاتھ ملایا پھر ہسپتال سے باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گیا' دوانی میرے ساتھ ہی تھا۔

"آپ نے ٹونی والا لیٹر اسے دے دیا۔" دوانی نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"میرا پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ کیا ٹونی نے ہمارے خلوص کو اپنی خدمات کا بدل تو نہیں سمجھا۔"

"آپ کا اندازہ درست تھا۔" میں نے کہا۔ "لیٹر دیکھ کر ٹونی کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھرے تھے جیسے ہم اس پر رحم کھا رہے ہوں لیکن میں نے اسے باتوں سے مطمئن کر دیا۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید یہ اقدامات مجھے بہت پہلے کر لینے چاہیے تھے جو میں اب کر رہا ہوں۔ ٹونی کے ذمے داریاں سنبھال لینے کے بعد میں اپنے کام بہ آسانی کر سکتا تھا۔"

"متے سارے آؤٹ ڈور ان ڈور ملازموں کے ہوتے ہوئے آپ خود کوئی کام انجام دیں۔ یہ عجیب سا لگتا ہے۔" دوانی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "اگر کوئی ضروری کام ہو تو مجھے حکم دیں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"میں جانتا ہوں مسٹر دوانی' لیکن کچھ کام اتنے اہم اور ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں کسی اور کو نہیں سونپا جا سکتا لیکن اس کے باوجود اگر ضرورت پیش آئی تو آپ ہی لوگوں سے ہاتھ بٹانے کی درخواست کروں گا۔"

دوانی سے کاروباری گفتگو کرتے ہوئے میں دفتر پہنچا تو عارفہ نے بتایا کہ میری غیر موجودگی میں بے شکر پانڈے کے میرے لیے دو تین فون آچکے ہیں۔ انہیں کوئی اہم کام ہے۔ میں نے عارفہ سے کہا کہ وہ بے شکر پانڈے سے میرا رابطہ کرادے۔ دو منٹ بعد ہی میں پانڈے سے ہمکلام تھا۔

"آپ کہیں گئے تھے شاید؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا "ٹونی کی صحت کے بارے میں معلوم کرنے کی خاطر ہسپتال گیا تھا۔ ویسے مجھے میری سیکرٹری نے بتایا ہے کہ آپ دو تین بار مجھے کال کر چکے ہیں۔ کوئی خاص بات۔"

"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" پانڈے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "آپ ابھی دفتر میں کتنی دیر ہوں گے۔ دراصل میں آپ سے وہ باتیں آمنے سامنے بیٹھ کر کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے لیے آپ کیوں زحمت کرتے ہیں' میں آجاتا ہوں آپ کی طرف۔"

"بڑی کرپا آپ کی' لیکن یہ میری اچھا (خواہش) ہے کہ میں آپ کے دفتر میں بیٹھ کر باتیں کروں۔"

"میں اسے اپنے لیے اعزاز سمجھوں گا۔"

"میرا انتظار کیجئے گا پلیز۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر اندر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر آدھے گھنٹے بعد ہی بے شکر پانڈے میرے دفتر میں موجود تھا۔ میں نے پہلے ہی سے عارفہ اور دیگر افراد کو ہدایت کر دی تھی کہ کسی بہت ہی اہم کام کے علاوہ ہمیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ پانڈے نے کمرے میں قدم رکھا تو میں نے بڑی گرمجوشی سے آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ پانڈے اس وقت کچھ سہا سہا اور خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا پھر کافی سرو ہونے کے بعد میں نے پانڈے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ اس وقت کسی بات کی وجہ سے بری طرح نروس ہیں۔"

"آپ کا اندازہ صحیح ہے۔" پانڈے نے مردہ سی آواز میں جواب دیا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "کچھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔"

پانڈے کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یقیناً کوئی بہت اہم اور خاص بات ہوگی جو اس نے فون پر کرنے سے گریز کیا تھا۔ خاموش تو تھیں میرے تعاقب میں تھیں' چنانچہ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھ کر اشارے سے حصار کھینچا پھر بولا۔

"پانڈے جی۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔"

"آپ پر وشواس نہ ہوتا تو یہاں تک کیوں چلا آتا لیکن۔"

"آپ کھل کر کہیں۔ یہاں دنیا کی کوئی قوت آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نے کچھ پڑھ کر پھونک دیا ہے' جس کے بعد کالی اور گندی قوتیں بھی ہمارے قریب نہ آسکیں گی۔"

"میں نے آپ کے متر سراج صاحب کو وچن دیا تھا کہ اگر کوئی ان ہونی بات پیش آئی تو انہیں ضرور اطلاع دوں گا۔" پانڈے نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پر میرا من کہتا ہے کہ پہلے آپ سے بات کرلوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"بات کیا ہے؟"

"بات عجیب بات ہے۔ میرا ماتھا تو کام نہیں کر رہا۔"

"کوئی مشکل درپیش آگئی ہو تو میں ہر طرح آپ کی سیوا کرنے پر تیار ہوں۔"

"نہیں۔ ایسی بات ہوتی تو میں فون پر بھی آپ سے کہہ سکتا تھا۔"

"پھر؟"

"آپ شاید میری بات پر وشواس نہ کریں گے لیکن میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ کومل ورما دو گھنٹے پہلے میرے دفتر میں میرے سامنے زندہ موجود تھی۔"

"نہیں۔" میں چونک اٹھا پھر اپنے دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "لیکن سراج نے مجھے بتایا تھا کہ جس رات کومل ورما کو قتل کیا گیا تھا اس رات آپ بھی وہاں موجود تھے۔"

"یہی تو تعجب کی بات ہے۔" پانڈے نے مردہ سی آواز میں کہا۔ کیا آپ وشواس کریں گے کہ قتل ہونے والی رات بھی کومل ورما ہی نے مجھے ایک ضروری کام سے گھر آنے کی بنتی کی تھی لیکن جب میں وہاں پہنچا تو سراج صاحب وہاں پہلے سے موجود تھے۔"

"کیا آپ نے سراج کو یہ بتایا تھا کہ کومل ورما نے آپ کو گھر آنے کو کہا تھا؟"

"نہیں۔" پانڈے نے بدستور سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "وہاں کچھ پوزیشن ہی ایسی تھی کہ میں نے کومل ورما کے فون کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اس رات کومل ورما کی لاش آپ کی موجودگی ہی میں پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دی گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"پھر کومل ورما کی آپ کے دفتر میں موجودگی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ موہنی کی پلید آتما ہو جس نے مرنے والی کے شریر پر قبضہ جمالیا ہو بہرحال اس نے مجھ سے کومل ورما کی حیثیت سے بات کی تھی۔"

"کوئی اہم بات۔"

"ہاں۔ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ جس لڑکی کا مرڈر ہوا ہے وہ اس کی جڑواں بہن موہنی تھی۔"

"خود کومل ورما کہاں تھی؟ اس سلسلے میں اس کا کیا بیان ہے۔"

"اس کا بیان ہے کہ چونکہ اگلے دن چھٹی تھی اس لیے وہ اپنی موسی سے ملنے ایک قریبی شہر گئی ہوئی تھی۔"

"لیکن اس نے کومل ورما کی جڑواں بہن ہونے کے باوجود اس کے کریا کرم میں کوئی حصہ نہیں لیا آخر کیوں؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"یہی بات میں نے اس سے پوچھی تھی۔" پانڈے نے تیوری سے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ موہنی نے اپنے لیے جو راستہ چنا تھا وہ اتنا گندہ تھا کہ وہ اسے اپنی بہن کہتے ہوئے شرم آتی تھی۔"

"پھر اب وہ سامنے کیوں آگئی؟ میرا مطلب ہے کہ اس طرح سامنے آجانے کے بعد تو قانون پولیس کی کھال نکالنے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"اس کا جواب بھی میرے پوچھے بغیر ہی اس نے دیا تھا۔ وہ کومل ورما ہو یا موہنی لیکن اس کا کہنا یہی ہے کہ مرنے سے پہلے اس کی بہن نے اپنی تمام شکتی اسے دان کر دی تھی اور اب" پانڈے نے ایک بار پھر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "اب وہ سامنے ہوتے ہوئے بھی کیول اسی کو نظر آسکے گی۔ جسے وہ چاہے گی۔"

"پھر تو اسے آپ کے پاس آتے اور جاتے ہوئے بھی کسی اور نے نہ دیکھا ہوگا۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے پانڈے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا لیکن کوئی ایسی علامت تلاش نہیں کر سکا جس کی بنیاد پر اس کی کہانی کو من گھڑت کہا جا سکتا۔ دوسری صورت میں بھی اگر وہ کومل ورما یا موہنی سے ملا ہوا تھا تو اس طرح کھل کر مجھ سے ان باتوں کو نہیں کہنا چاہیے تھا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ پانڈے نے کومل ورما کے اشارے پر ہی مجھ سے

ملاقات کر کے ایک ناقابلِ یقین داستان سنانے کی زحمت گوارا کی ہو۔ ابھی میں اسی قصے میں گرفتار تھا کہ ایک آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"یہ شخص پانڈے جو کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے۔" وہ آواز بڑی نحوست اور جان دار تھی۔ میں نے اس سے پہلے وہ آواز کبھی نہیں سنی تھی۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" پانڈے نے میری بات کا جواب دیا۔ "میں نے اس کی تصدیق اپنے ملازموں سے کی لیکن ان کا کہنا ہے وہاں کوئی بھی نہیں آیا۔"

"کیا آپ نے پوچھ گچھ کے درمیان کومل ورما کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں۔"

"اچھا کیا۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی اس بارے میں کسی اور سے کوئی ذکر نہ کیجئے گا۔ سراج سے بھی نہیں۔ وہ ایک اچھا دوست ہے لیکن قانونی معاملات میں کسی کے ساتھ رعایت کرنا اس کے اصول کے خلاف ہے۔"

"پھر آپ ہی بتایئے۔" پانڈے نے بڑی بے چارگی سے پوچھا۔ "میں کیا کروں۔"

"کومل ورما نے آپ سے کس مقصد کے تحت ملاقات کی تھی۔"

"اس کا کہنا ہے کہ اس کی سیٹ پر کسی اور کا اپوائنٹ منٹ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بدستور اپنا کام کرتی رہے گی اور اسے میرے علاوہ کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا۔" پانڈے نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "بھلا آپ ہی سوچیں۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔"

"ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہاں کسی بات کو بھی ناممکن نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کل تک ہم جن باتوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے وہ آج کھلے عام ہمارے سامنے ہیں۔ اسی طرح آج ہم جن باتوں کو ناممکن سمجھ رہے ہیں وہ کل ممکن بھی ہو سکتی ہیں بلکہ مغربی ممالک میں تو اس قسم کے واقعات کا چرچا عام ہے اور آئے دن اخبارات میں اسی قسم کی خبریں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" پانڈے نے اس طرح غور سے مجھے دیکھا جیسے اسے اس وقت میرے کج الدماغ ہونے پر شبہ ہو رہا ہو۔

"جی ہاں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں اور اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس قسم کی ناقابلِ یقین باتیں میرے ساتھ بارہا پیش آ چکی ہیں۔" میں نے بڑے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ موہنی یا کومل ورما بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو وہ یقیناً ہماری باتیں بھی سن سکتی ہیں۔" پانڈے کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔ "اس وقت بھی شاید وہ ہماری گفتگو۔۔۔"

"نہیں۔" میں نے پورے وثوق سے کہا۔ "اس وقت میں نے اپنی مقدس کتاب قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ کر ایک حصار اس کمرے کے اطراف کھینچ دیا تھا جس کے اندر کوئی طاقت بھی داخل نہیں ہو سکتی۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے۔" پانڈے نے پوچھا۔

"فی الحال کومل ورما یا موہنی جس طرح کر رہی ہے اسی طرح کریں۔ میں سوچوں گا کہ بعد میں اس سلسلے میں کیا قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اس بات کا خاص خیال رہے کہ آپ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے ورنہ وہ ہستی آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

پانڈے کچھ دیر بات کرنے کے بعد چلا گیا اور میں اس آواز کے بارے میں سوچنے لگا جس نے پانڈے کی داستان کی تائید کی تھی۔ وہ میرا وہم نہیں تھا۔ میں نے بڑے واضح طور پر اسے سنا تھا لیکن وہ آواز کس کی تھی؟

"حیران مت ہو میرے عزیز۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ "تمہاری طرح میں بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہوں۔ مجھے تمہاری حفاظت اور مدد کرنے کا حکم ملا ہے لیکن خاص خاص صورتوں اور حالات میں۔"

"اگر تم کوئی مخلوق ہو تو تمہارا کوئی نام بھی ضرور ہوگا۔" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ "مجھے اپنا نام بتا دو تاکہ مصیبت کے وقت تمہیں آواز دے سکوں۔"

"نہیں، مجھے اس کی اجازت نہیں ملی۔"

"کومل ورما اور موہنی کی پشت پر کس کی طاقت کام کر رہی ہے۔" میں نے تیزی سے سوال کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید وہ مخلوق جنات کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جسے کسی گوشہ نشین درویش بزرگ نے میری حفاظت پر مامور کر رکھا تھا۔ وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ اب مجھے اپنے اندر ایک نئی قوت ابھرنے کا احساس بھی ہو رہا تھا۔

✦

شام کو میں دفتر سے اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا کہ سراج آ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"کیا بات ہے مسٹر سراج، آپ کچھ الجھے الجھے سے نظر آ رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ دراصل دوپہر کی ڈاک سے مجھے ایک ٹیپ کا پارسل ملا ہے۔"

"ٹیپ کا پارسل؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "بھلا ٹیپ کوئی پارسل کرنے کی چیز ہے۔ یقیناً کسی نے آپ کے ساتھ

کیا ہو گا۔"

"وہ ٹیپ مجھے گردھاری نامی ایک غنڈے کی طرف سے ملا ہے جو پولیس کو متعدد ڈکیتی اور اغوا کی وارداتوں میں مطلوب ہے۔"

"کیا پارسل پر بھیجنے والے کے نام اور پتا درج نہیں تھا۔" میں نے انجان بنتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اس وقت اسی پتے پر تفتیش کرنے کے بعد آ رہا ہوں۔" سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرے نتیجے کے مطابق وہ ایک فرضی پتا تھا۔ جس مکان کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں ایک ریٹائرڈ پروفیسر رہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ پھر نام بھی غلط ہو۔" میں نے اپنی تمام تر اداکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا نام بتایا تھا آپ نے اس بدمعاش کا۔"

"گردھاری۔"

"ٹیپ میں کیا کام کی چیز موجود ہے۔"

"وہ ٹیپ کومل ورما کے پراسرار قتل کو بے نقاب کرنے کے لیے ایک اہم ثبوت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس میں گردھاری اور کومل ورما کے وہ مکالمے موجود ہیں جو کومل ورما کے قتل سے پیشتر ان کے درمیان بولے گئے تھے۔" سراج نے کہا۔ "گویا جس زمانے میں وہ ماڈلنگ کرتی تھی گردھاری نے اسے اپنی داشتہ بنانے کی کوشش کی تھی جسے کومل ورما نے سختی سے رد کر دیا تھا۔ گردھاری چونکہ پولیس کو مطلوب تھا اس لیے اس نے فوری کارروائی سے گریز کیا اور اب موقع ملتے ہی کومل ورما کو ٹھکانے لگا دیا۔ ٹیپ میں گردھاری اور کومل ورما کے درمیان ہونے والی گفتگو موجود ہے۔"

"ون منٹ مسٹر سراج۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ اس طرح گردھاری کے نام پر کسی اور نے پولیس کی توجہ اصل مقصد سے ہٹانے کی خاطر کوشش کی ہو۔"

"لیکن خاص طور پر گردھاری ہی کا نام کیوں استعمال کیا گیا۔" سراج نے سوال کیا۔

"محض اس لیے کہ وہ پولیس کو مطلوب ہو۔" میں نے جواب دیا پھر تیزی سے پوچھا۔ "کیا آپ کے ریکارڈ پر گردھاری کی آواز کا کوئی ٹیپ موجود ہے۔"

"جی نہیں۔" سراج نے قدرے جھکتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"پھر؟ آپ کس طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ آواز گردھاری کی ہے۔" میں نے کسی ماہر وکیل کی طرح جرح کی۔ "ہو سکتا ہے کہ کومل ورما کے قاتل یا قاتلوں نے اپنا سراغ مٹانے کے ساتھ ساتھ پولیس کو بھی غلط ٹریک پر ڈالنے کی کوشش کی ہو۔ ہاں، یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ قاتل کا تعلق بھی گردھاری کے گروہ سے رہا ہو جس نے اس کی آواز کی نقل کر کے پھانسی کا پھندہ اس کے گلے میں ڈلوانے کی سازش کی ہو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ فنگر پرنٹس تو کسی کے مجرم یا بے گناہ ہونے کا قانونی ثبوت مانے جا سکتے ہیں لیکن محض آواز کی ہوئی ٹیپ پولیس کے لیے کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"اتنا قانون میں بھی جانتا ہوں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قاتل یا قاتلوں نے انتہائی ہوشیاری سے کومل ورما کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور اپنے پیچھے کوئی ثبوت بھی نہیں چھوڑا تھا تو پھر گردھاری کا نام خاص طور پر درمیان میں لانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے اسے گردھاری سے کوئی ذاتی پرخاش رہی ہو۔"

"بہرحال۔" سراج نے گردھاری کے نام کو ذہن سے نکالتے ہوئے کہا۔ "کومل ورما کی موت کے سلسلے میں اب موہنی کی قوت کو ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"کوئی خاص وجہ۔"

"قتل کے سلسلے میں جو شواہد سامنے آئے ہیں اور جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا وہ کسی مافوق قوت کی ذہنی اختراع نہیں ہو سکتی۔" سراج نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اب اس ٹیپ کا پارسل ملنے کے بعد۔۔۔۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ کومل ورما کے قتل ہونے کی اطلاع بھی آپ کو موہنی کے فون کال سے ہوئی تھی۔" میں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔

"جی ہاں۔"

"آپ جانتے ہیں مسٹر سراج کہ وہ میرے ساتھ دشمنی پر کمربستہ ہے۔" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ایسی صورت میں وہ موہنی کے قتل کا الزام بھی میرے سر تھوپ سکتی تھی پھر گردھاری کا نام درمیان میں کس طرح آگیا؟"

"اگر میں آپ کی باتوں کو تسلیم کر لوں تو پھر پارسل کے ذریعے موصول ہونے والے ٹیپ کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ڈائرکٹ لائن والی فون کی گھنٹی بجی اور میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم واقعی ایک کامیاب اداکار بھی ہو مسٹر شہباز خان۔" دوسری جانب سے موہنی کی آواز ابھری۔ "گردھاری کا نام درمیان میں لا کر تم نے سراج کو اچھا دھوکا دیا ہے لیکن میں چاہوں تو اب بھی تمہیں کومل ورما کے قاتل ہونے کے جرم میں پھنسوا سکتی ہوں۔ ایک نہیں بلکہ ہزاروں ثبوت تمہارے خلاف پیش کیے جا سکتے ہیں۔ تم خود اس قتل کا اعتراف بھی کر لو گے۔"

"مگر دیر کس بات کی ہے بے بی۔" میں نے بے پروائی سے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "مسٹر سراج اس وقت میرے سامنے ہی ہیں۔ تم کو میری طرف سے پوری اجازت ہے زہر اگلنے کی لیکن ایک بات میری بھی دھیان سے سن لو۔ تم کیا اگر تمہاری جیسی ہزاروں گندی قوتیں بھی آپس میں گٹھ جوڑ کرلیں تو بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"یہ بھی تمہاری بھول ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "ہم نے اس چھلاوا کا بھید پا لیا ہے جو تمہاری رکھشا کر رہی ہے۔ ہماری مہان قوتیں بہت جلد اس جال کو کاٹ ڈالیں گی جس نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے۔"

"کس کا فون ہے؟" سراج نے چونکتے ہوئے سوال کیا لیکن میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے موہنی کو تیکھے لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تمہیں اپنے دیوی دیوتاؤں پر اتنا ہی گھمنڈ اور مان ہے تو پھر تم چوہوں کی طرح چھپ کر کیوں وار کر رہی ہو۔ کھل کر سامنے آؤ تاکہ اس بات کا فیصلہ بھی ہو جائے کہ کون بلوان ہے اور کون کمزور (نربل)۔"

"چنتا مت کرو، تمہاری یہ اچھا بھی بہت جلد پوری ہوگی۔" موہنی نے اس بار بڑے سپاٹ اور سفاک لہجے میں کہا۔ "میرا ایک اشارہ ہی بہت ہوگا۔ تمہارا کوئی اپنا آدمی بھی تمہیں گولی مار کر ختم کر سکتا ہے، لیکن نہیں میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔ چوہے اور بلی کا کھیل دیکھا ہے کبھی؟ میں تم سے اور تمہاری بے بسی سے اسی طرح کھیلوں گی پھر جب من بھر جائے گا تو تمہیں کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دوں گی۔"

"تم شاید مجھے ہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔

"ایک دو حملے اور ہی کھیل کر دیکھ لو پھر تمہیں رونا بھی پڑے گا۔"

"شٹ اپ۔"

"زیادہ اونچے سروں میں بولنا چھوڑ دو بالک، تم ابھی نادان ہو۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "فون ذرا سراج کے حوالے کردو۔ مجھے انہیں تمہارے سلسلے میں ایک خاص اطلاع دینی ہے، جس کے بعد تم سچ مچ رونے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

میں نے خاموشی سے فون سراج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "موہنی لائن پر موجود ہے۔"

"ہیلو، ای ایس پی سراج اسپیکنگ۔" سراج نے ریسیور ہاتھ میں لے کر خاصی رعب دار آواز میں کہا لیکن دوسری جانب سے جو کچھ کہا گیا اسے سن کر اس کے چہرے کا کھچاؤ اور رنگ کم ہوتا گیا، پھر کچھ دیر بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے میری سمت غور سے دیکھا۔ "آپ کے لئے ایک بری خبر ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"شہر کے تمام گوداموں میں آگ لگ گئی ہے۔ شہر کے دو تین فائر اسٹیشن کے عملے کے افراد آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھ کر تیزی سے باہر کی سمت لپکا۔ سراج نے بھی برق رفتاری سے میری پیروی کی تھی۔

❖

گودام کے پورے احاطے میں ہر طرف آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ علاقہ سڑک سے ہٹ کر دور واقع تھا لیکن پھر بھی وہاں ابھی خاصی بھیڑ اکٹھی ہو چکی تھی۔ اس میں میرے عملے کے افراد کی تعداد بھی شامل تھی لیکن اکثریت ان تماشائیوں کی تھی جو میری تباہی کا تماشا دیکھنے کے لیے وہاں اکٹھا ہو رہے تھے۔ متعلقہ تھانے کی پولیس اور دوسرے کارندے بھی ہجوم میں شامل تھے لیکن وہ بھی بے بس نظر آ رہے تھے البتہ فائر بریگیڈ کے عملے کے کارندے پوری جانفشانی کے ساتھ آگ پر قابو پانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کر رہے تھے۔ سراج پولیس والوں سے واقعے کی تفصیل دریافت کرنے کی خاطر ان کی طرف چلا گیا۔ ہجوم اتنا زیادہ بڑھ چکا تھا کہ میرا آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی بے حسی پر شدید غصہ آ رہا تھا جنہوں نے اپنی گاڑیاں بے ترتیب طریقے سے باہر میدان میں پارک کر دی تھیں اور خود قریب تر ہو کر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو محض ایک تماش بین کی حیثیت سے دیکھنے کی خاطر ایک دوسرے سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ اتنے بے حس اور خود غرض تھے یہ لوگ جو دوسرے کے نقصان پر قہقہے لگانے اور دلچسپی کا تماشا دیکھنے کی خاطر رک گئے تھے۔ کسی کا گھر اجڑ رہا تھا اور اس کی مدد کرنے کے بجائے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کے دل، دل نہیں بلکہ پتھر بن چکے تھے۔ اپنے جسم پر ایک خراش آجائے تو انسان تڑپ اٹھتا ہے۔ اس کا موثر علاج کرانے میں بھی دیر نہیں کرتا لیکن یہاں دوسرا معاملہ تھا۔ نقصان ان کو نہیں میری ذات کو پہنچا تھا۔ ان کا کام تو صرف دور رہ کر تماشا دیکھنا تھا۔

شہر میں آئے دن کھیلی جانے والی خون کی ہولی ہنگامے اور ہنگاموں میں ان گنت جانوں کا زیاں ان کے لیے روز مرہ کا معمول بن گیا تھا۔ وہ گھر سے سر پر کفن باندھ کر باہر نکلنے کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں ہر پل یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ بس اچانک ہی تڑ تڑاتی ہوئی گولیوں کی آوازیں ابھریں گی۔ بھگدڑ مچے گی۔ جن کے مقدر میں موت لکھی ہے وہ گولیوں کی زد میں آکر موت کا شکار ہو جائیں گے۔ کچھ زخمی ہو کر سڑک یا فٹ پاتھ پر خون میں لت پت

پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہوں گے اور دوسرے اپنی جان بچانے کی خاطر ان زخمیوں کو پھلانگ پھلانگ کر اور روند روند کر کسی محفوظ پناہ گاہ میں سر چھپانے کی خاطر دیوانگی کا شکار نظر آ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر کی چیخ و پکار کے بعد دوسرا برسٹ مارا جائے گا۔ فضا ایک بار پھر ان گولیوں کی آواز سن کر کانپ اٹھے گی۔ ان گنت لوگ موت کی نیند سو جائیں گے۔ کسی کا گھر اجڑ جائے گا کوئی باپ اور بھائی کی شفقت سے محروم ہو جائے گا۔ کوئی والدین کے سہارے اور کچھ معذور لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کا کمانے والا صرف ایک ہو گا۔ ان کے دکھ درد میں ساتھ آنے والا لیکن اس وقت ممکن ہے کہ وہ بھی بیچ سڑک پر دم توڑ رہا ہو۔

گولیوں کی زبان صرف گولیاں چلانے والے شقی القلب انسان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ گولیوں کی بوچھار رشتے ناتے 'اپنے اور پرائے کی تمیز کھو بیٹھتی ہے۔ اس کا کام تو صرف ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ شہر کی پرسکون فضا میں دہشت گردی کے جراثیم پھیلانے والے درندوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کون جیا اور کون مرا' شاید انہیں زمین پر اتارا ہی اسی مقصد کے لیے گیا ہے کہ وہ دوسروں کے امن اور سکون کو برباد کرتے رہیں اور شہر میں سینہ تانے دندناتے پھریں اور حکومت کی جانب سے ہر دفعہ ایک ہی گھسا پٹا بیان جاری ہو کہ بد امنی پھیلانے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔

کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت گودام کے باہر نظر آ رہی تھی۔ جس میں آگ بجھانے والوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن بھاری کا تماشا دیکھنے والے بے پناہ لوگ موجود تھے۔ میں ابھی پوری طرح حالات کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ گودام چونکہ کھلے میدان میں تھا اس لیے اس میں جا بجا مختلف شیڈ بنے ہوئے تھے۔ ان شیڈ کو محفوظ رکھنے کی خاطر ان کے اطراف لوہے کی جالیاں موجود تھیں جو عام چار دیواری کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور پائیدار تھی۔ ان میں صرف دروازے تھے۔ داخلی اور خارجی جہاں ہر وقت گارڈز تعینات رہتے تھے اور شناخت کے بغیر کسی کو اندر قدم نہیں رکھنے دیتے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ 'بلدیہ' پراسرار کالی قوتوں کے لیے ان گارڈز کی موجودگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ آہستہ آہستہ واقعات کی ترتیب میرے ذہن میں ابھر رہی تھی۔

کومل ورما یا۔ موہنی کا اغواء اس [illegible]م کو میرے لیے ماسٹر ٹونی نے انجام دیا تھا۔

پھر۔ ماسٹر ٹونی کو اس کی سیدھی ٹانگ سے محروم کر دیا گیا۔ میں نے انتقام لینے کی خاطر کومل ورما کے خوبصورت جسم کو خاک میں ملا دیا۔

اور۔ اب اس کے جواب میں مجھے ایک بھاری نقصان سے دوچار کیا جا رہا تھا۔

مگر پہل میری جانب سے نہیں' دوسری جانب سے شروع ہوئی تھی۔ سب سے پہلے ان گندی قوتوں نے مجھے باپ کے سائے سے محروم کیا تھا۔ ان کا صرف ایک مطالبہ تھا کہ اپنے شہر کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں جا کر پناہ لوں ورنہ مجھ پر زندگی کا حلقہ اتنا تنگ کر دیں گی کہ میں سانس بھی مشکل سے لے سکوں گا۔

موہنی اور لیڈی سلارنس دونوں نے مجھے حکم نہ ماننے کی صورت میں بھاری نقصان سے دوچار ہونے کی پیش گوئی کی تھی جس کی تکمیل میں اس وقت جاگتی آنکھوں سے گودام سے اٹھنے والے بھیانک شعلوں کی شکل میں دیکھ رہا تھا۔

اچانک میں نے دانش کو دیکھا جو بھیڑ چیرتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ پہلی نظر میں میں اسے پہچان نہیں سکا۔ اس کا چہرہ جھلس کر کالا پڑ چکا تھا۔ کپڑے بھی تار تار نظر آ رہے تھے۔ سر کے بالوں کا کچھ حصہ بھی جل گیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپتا ہوا میری سمت بڑھ رہا تھا۔ میں لپک کر اس کے قریب چلا گیا۔

"دانش۔" میں نے اسے اپنے بازوؤں کا سہارا دیتے ہوئے آواز دی۔ "تم ٹھیک تو ہو؟"

"سر۔" وہ بڑی نحیف سی آواز میں بولا۔ "میں نے اپنی جانب سے کوئی غفلت نہیں برتی' آخری وقت تک آگ سے لڑتا رہا لیکن۔۔۔۔"

"یہ سب کچھ ہوا کس طرح؟"

"میں اس وقت گودام نمبر چار میں ہی تھا جب وہی خوبصورت ناگن مجھے وہاں نظر آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شاید کوئی بم وغیرہ قسم کی چیز تھی۔" دانش کا سانس بے ترتیب ہو رہا تھا۔ کچھ توقف سے بولا۔ "اس نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ اگر زندگی عزیز ہے تو گودام کے احاطے سے باہر نکل جاؤ۔۔۔ آپ یقین کریں سر میں آپ کا نمک خوار ہوں۔ میں نے اس چیلنج کا جواب دینے کے بجائے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا اور پھر۔ پھر جیسے قیامت آ گئی۔ اس خوبصورت ناگن نے بم نما وہ شے ایک جانب اچھال دی۔ ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا گودام آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ خوبصورت ناگن فلک شگاف قہقہے لگا رہی تھی پھر یکے بعد دیگرے کئی ہولناک دھماکوں کی آوازیں میرے کان میں گونجیں۔ میں نے تیزی سے باہر نکل کر دیکھا تو ہر طرف آگ کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کی چیخ و پکار حشر کا سماں پیش کر رہی تھی۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ وہ باہر نکلنے کی خاطر داخلی اور خارجی دروازوں کی جانب سرپٹ دوڑے جا رہے تھے لیکن میں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ سب سے پہلے مجھے فوری طور پر فائر بریگیڈ کو اس حادثے کی [illegible] تھی۔ میں آگ کے درمیان سے گزر کر آفس شیڈ میں گیا [illegible] زیادہ تر فون خراب ہو [illegible] محض اتفاق ہے

گیارہ نمبر شیڈ کا فون میرے کام آ گیا۔ اسی فون کے ذریعے میں نے فائر بریگیڈ کو صورت حال سے آگاہ کیا پھر میں بھی دوسروں کی طرح باہر کی سمت بھاگا لیکن اس وقت یہاں لوگوں کی اتنی بھیڑ اکٹھا ہو چکی تھی کہ باہر نکلنا دشوار ہو رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے آدمیوں کے اس سمندر کو چیرتا ہوا باہر نکل سکا ہوں۔ اچھا ہوا جو آپ مل گئے ورنہ۔۔۔۔"

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

"تو سر۔" دانش کچھ عجیب امید وبیم کی کیفیت میں بولا۔ "آپ آ گئے یہی میرے لیے بہت ہے۔"

"دانش۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "کیا تم اس عورت کا حلیہ دہرا سکتے ہو جو تمہاری بربادی کا سبب بنی تھی۔"

"وہ۔ وہ موہنی یا کومل ورما ہی تھی سر۔"

"تم نے یہ نام کہاں سے سنے؟"

"ماسٹر ٹونی نے بتائے تھے۔" دانش نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "ماسٹر ٹونی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کو ہر قیمت پر جان پر کھیل کر بچانے کی کوشش کروں۔ اس نے مجھ سے بہت بڑی قسم لی تھی سر۔"

میری آنکھوں میں عقیدت سے آنسو آ گئے۔ میرے ورکر مجھ سے اتنا پیار کرتے تھے۔ ٹونی کے بیمار ہونے کے بعد اب دانش نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔ میں نے فوری طور پر ایک دوسری گاڑی کے ذریعے دانش اور دوسرے ایسے تمام ورکر کو جن کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی ہسپتال بھیجنے کا ناخوشگوار فرض ادا کیا۔ اسی اثناء میں سراج نے دوبارہ میرے پاس آتے ہوئے کہا۔

"میں فائر آفیسر سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ گودام کے اندر چونکہ رنگ روغن اور دوسرے کیمیکل موجود تھے اس لیے آگ نے بڑی تیزی سے گودام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے لیکن وہ مایوس نہیں ہے۔ اس کا خیال ہے آج رات تک آگ پر پوری طرح قابو پا لیا جائے گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے سپاٹ اور خشک لہجے میں کہا۔ "جو آگ لگتی ہے وہ جلدی یا دیر میں بہرحال بجھ ہی جاتی ہے۔"

"آپ کا شبہ کس کی طرف ہے۔" سراج نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا۔

"شارٹ سرکٹ۔" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ "پولیس کے لیے کاغذات کی خانہ پری کے لیے یہی ایک جواز زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔"

"آپ کا کیا مشورہ ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اتنے بڑے نقصان پر کھڑے ہو کر قہقہے لگانا شروع کر دوں۔"

"پلیز مسٹر شہباز۔ کام یور سلف ڈاؤن (CALM YOUR SELF DON)" سراج نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "مجھے آپ کو ہونے والے نقصان کا اندازہ ہے اور میں یہ بھی سمجھ سکتا ہوں کہ اس کے پیچھے کس کی نادیدہ قوت کام کر رہی ہے۔"

"کس کی؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"موہنی کی۔" سراج نے بلا کسی جھجک جواب دیا۔ "کومل ورما کی موت کے بعد یہ انتقامی کارروائی وہی کر سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا پھر دانش کے ایک ماتحت کو بلا کر ہدایت کی وہ آگ بجھ جانے تک وہیں رکے۔"

میں ضروری ہدایت دینے کے بعد واپسی کے ارادے سے مڑا ہی تھا کہ اچانک موہنی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"کیوں ٹھری شہباز خان؟" کیا تم اب بھی مجھ سے پنجہ لڑانے کی کوشش کرو گے۔"

"پنجے ہواؤں سے نہیں لڑایا جاتا' اگر تم واقعی کسی ناقابل شکست قوت کا کوئی روپ ہو تو کھل کر سامنے آؤ۔ میں تم سے پنجہ لڑانے سے دریغ نہیں کروں گا۔"

"بالکوں کی طرح ضد نہ کرو۔ اب بھی میرا کہا مان لو اور اپنی ماتا کو لے کر ہماری اس پوتر دھرتی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جاؤ۔ صرف اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"تم بہت زیادہ گرج چکی ہو۔" میں نے سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "اب میرے برسنے کا تماشا بھی دیکھ لینا۔"

"کیا تمہیں اپنی ماں سے بھی پیار نہیں رہا۔"

"شٹ اپ۔" میں چیخ اٹھا۔ "میری ماں کا نام اپنی گندی زبان پر دوبارہ کبھی نہ لانا۔"

"سوچ لو شہباز خان اگر گودام کی طرح تمہارا باقی سب کچھ بھی جل کر راکھ ہو گیا تو تمہاری کیا حیثیت رہے گی۔ کہاں سر چھپاتے پھرو گے۔ کس کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤ گے۔ کنگال ہو گئے تو کوئی کوڑیوں کے دام بھی نہیں پوچھے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے اندر انتقام کا جذبہ رہ رہ کر سر ابھار رہا تھا پھر یکلخت مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا۔ مجھے وہ دن یاد آ گیا جب میں نسیم کی بیمار ماں کی مزاج پرسی کے بعد سینی ٹوریم سے واپس آ رہا تھا اور راستے میں میرے دشمنوں نے مجھے اپنے جال میں پھانس کر ایک زمین دوز تہ خانے میں ڈال دیا تھا جہاں میں نے کالکا کو پہلی بار ایک ایسی حسین عورت کے روپ میں دیکھا جس کو دیکھ کر قید ہونے کے باوجود میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے چھونے کی

خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن کالکا نے مجھے سختی سے منع کر دیا تھا پھر میرے بے حد استفسار پر اس نے کہا تھا کہ جب دو قوتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کوئی ایک جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن پھر وہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی اگر مجھے صندلی انگوٹھی کی اس کرامت کا خیال نہ ہوتا تو موہنی کو اسی دن جلا کر ہمیشہ کے لیے راکھ کا ڈھیر بنا دیتا جس روز وہ گودام نمبر چار میں میرے قریب کرسی سے بندھی بیٹھی تھی، لیکن وہ وقت اب گزر چکا تھا اور موہنی کے روپ میں نظر آنے والی پراسرار مگر گندی طاقت شاید اسی انگوٹھی کی وجہ سے کھل کر میرے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔

گودام جل جانے کی صورت میں مجھے جو بھاری نقصان ہوا تھا وہ میری بزنس کی ساکھ کو خراب بھی کر سکتا تھا۔ میرے پاس بینک میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میں گودام جل جانے کے باوجود وقتی طور پر ان کاموں کو مکمل کر سکتا تھا جن پر اس وقت کام ہو رہا تھا لیکن اگر میں گوداموں کی تباہی کے بعد خاموشی اختیار کر لیتا تو میرے دشمن اسے میری بزدلی سے تعبیر دے کر کوئی دوسرا قدم بھی اٹھا سکتے تھے حالات کے پیش نظر میرے لیے اب اینٹ کا جواب پتھر سے دینا لازمی ہو گیا تھا۔

واپسی کے راستے میں میں نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب گاڑی روک کر بے شکر پانڈے کے نمبر ڈائل کیے۔ کچھ دیر بعد ہی دوسری جانب سے پانڈے کی آواز سنائی دی تو میں نے ماؤتھ پیس پر رومال کی دوہری تہہ جمانے کے بعد بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"پانڈے جی۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے دشمن کو ہونے والے نقصان کی اطلاع مل چکی ہوگی۔"

"کون بول رہے ہو تم؟"

"گھبراؤ مت سیٹھ۔" میں نے پانڈے کو آزمانے کی خاطر کہا۔ "میں وہی بول رہا ہوں جسے تم نے شہباز خان کے گوداموں کو آگ لگانے کے کارن منہ مانگے دام چکا کر خریدا تھا۔ تمہیں میری بات پر وشواس نہیں آتا تو خود کسی طرح معلوم کر لو۔ تمہارے دشمن کا پوری طرح سروناش ہو گیا ہے۔ میں نے جو آگ لگائی تھی اس سے گودام کا ایک تنکا بھی نہیں بچا ہوگا۔"

"لیکن......"

"دھیرج سے کام لو سیٹھ۔" میں نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر ابھی سے تمہارے ہاتھ پیر پھول گئے تو پولیس کو کیا بیان دو گے۔"

"مگر میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس قسم کی بکواس کر رہے ہو۔" پانڈے کے لہجے میں سادگی عیاں تھی۔

"یہی بیان تم پولیس کو دینا۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"شٹ اپ۔" پانڈے کی گرجدار آواز ابھری۔ "تم نے شاید پینے میں کسی کے ساتھ سودے بازی کی ہوگی ورنہ میں نے تم سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"آئی سی۔" میں نے ایک بار پھر اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔ "تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری آواز ٹیپ کر کے بعد میں بلیک میل کروں گا۔ نہیں سیٹھ، اس دبدھا کو من سے نکال دو۔ بدمعاشوں اور ٹھگوں کے بھی اپنے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔" پانڈے نے نفرت کا اظہار کیا۔ اس کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ بری طرح جھلا رہا ہوگا۔

"ٹھیک ہے پانڈے جی۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر کے دوبارہ بوتھ سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔

مجھے یقین آ گیا تھا کہ پانڈے کا تعلق میرے گوداموں میں لگنے والی آگ سے نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میرے اندر بھڑکنے والی آگ کے شعلے سرد نہیں پڑے تھے۔

گاڑی میں اس وقت میرے اور دانش کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ میری گاڑی سول لائنز جانے والی کشادہ روڈ پر فراٹے بھر رہی تھی۔ میرے ذہن میں موہنی کے کہے ہوئے جملے لاوا بن کر ابل رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ "میرے لیے ایسے حالات پیدا کر دے گی کہ میں اس کے سامنے جھولی پھیلا کر رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاؤں گا لیکن اس وقت وہ مجھے بھیک دینے سے بھی انکار کر دے گی۔" اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ دیوی دیوتا اور کالی قوتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ وہ طاقت کے گھمنڈ میں جو منہ میں آیا کہہ گئی تھی لیکن شاید وہ بھول گئی تھی کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان شہادت کا گھونٹ تو پی سکتا ہے لیکن کافروں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔

مجھے سو فیصد یقین تھا کہ گوداموں میں بھڑکنے والی آگ اسی موہنی کے شیطانی عمل کا نتیجہ تھا۔ جس کی تصدیق دانش نے بھی کی تھی۔ گودام کے بلند ہونے والے شعلے میرے اوپر موہنی کا قرض بن گئے تھے جسے میں جلد از جلد بے باق کر دینا چاہتا تھا۔ ابھی تک دانش بھی پورے وثوق سے نہیں بتا سکا تھا کہ اس آگ نے ہمارے کتنے بے قصور ملازموں کو اپنے لیے بطور ایندھن استعمال کیا تھا۔ اسے علم بھی ہوتا تو شاید وہ انہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جنگ اور محبت میں تمام حربوں کا استعمال جائز سمجھا جاتا ہے۔ گیہوں کے ساتھ اکثر گھن بھی پس جاتا ہے۔ ایک دشمن جب کسی پر گولی چلاتا ہے تو نشانہ چوک جانے سے وہی گولی کسی بے گناہ کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیتی ہے۔ موت اور زندگی کا یہ کھیل تو ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

لوگ اب اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ وہ کہیں داد فریاد لے کر نہیں جاتے۔ مرنے والے کے غم میں آنسو بہاتے ہیں پھر اسے دفن کر کے اپنے آنسو پی لیتے ہیں اور زندگی کی ضرورتوں کا احساس پھر انہیں کام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ صبح گھر سے نکلتا ہے اپنی روزی کمانے کی خاطر لیکن اس بات کا کوئی یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شام کو زندہ و سلامت گھر بھی پہنچے گا۔

امن کمیٹیاں آئے دن انسانیت کا درس دینے کے لیے ترتیب دی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے دانشور اپنی دھواں دھار تقریروں سے امن اور بھائی چارے کا پیغام دیتے ہیں۔ مساوات کے مطلب سمجھاتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو دہشت گرد چاہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اب دہشت گردی بھی مستقل روزی کمانے کا ایک ذریعہ بن چکی ہے۔ جس کی پشت پناہی وہ ہاتھ کرتے ہیں جو قانون کی بالادستی سے بھی زیادہ مضبوط اور بلند ہوتے ہیں۔

"کیا بات ہے سر، آپ بہت خاموش ہیں۔" دانش نے میری خاموشی کا سبب پوچھا تو میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔

"دانش۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا تمہیں ان ورکروں کی تعداد کا علم ہے جو گوداموں میں لگنے والی آگ میں اپنی اصلیت کھو کر کوئلے کی شکل اختیار کر چکے ہوں گے۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ کچھ مزدور ضرور کام آ گئے ہوں گے۔" دانش نے جواب دیا۔ "آگ تمام گوداموں میں ایک ساتھ لگائی گئی اور پھر اتنی تیزی سے پھیلی تھی کہ ہر شخص دم بخود ہو کر رہ گیا تھا پھر بھگدڑ مچ گئی۔ وہ زندگی بچانے کی خاطر ایک دوسرے کو روندتے ہوئے زندگی کی جانب اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ میں بھی بڑی مشکلوں سے باہر نکل سکا تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ [illegible] کو اپنے سیدھے ہاتھ اور پھر سیدھے پیر سے کیوں محروم ہونا پڑا۔ اس نے ان کالی طاقتوں سے مقابلہ کرنے میں میری مدد کی تھی جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑ رہا ہے۔"

"مجھے علم ہے سر۔"

"سوچ لو اچھی طرح۔" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "میرا ساتھ دے کر تم بھی خسارے میں رہ سکتے ہو۔"

"میں ماسٹر لی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا سر لیکن آپ مجھے کسی بھی محاذ پر اپنے سے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"پھر غور کر لو۔" میں نے اس بار نرمی سے کہا۔ "ہم اس وقت کسی شادی میں شرکت کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں۔ مجھ پر میرے ساتھیوں کا جو قرض ہے میں اسے اتارنے کی خاطر ایک خطرناک پلان پر عمل کرنے جا رہا ہوں۔ تم چاہو تو کسی محفوظ مقام پر اتر سکتے ہو۔ میں برا نہیں مانوں گا۔"

میں کچھ دیر خاموش رہا پھر میں نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔ "دانش۔ تمہیں شاید علم ہو گا کہ بے شکر پانڈے سول لائنز کے علاقے میں ایک چار منزلہ رہائشی پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے۔"

"یس سر۔" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میری اطلاع اگر غلط نہیں ہے تو اس عمارت کا ڈھانچہ قریب قریب تیار ہو چکا ہے۔"

"لیکن آج وہ زمین بوس ہو جائے گا۔" میرے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ "وہ بہت دنوں سے میرے صبر کا امتحان لے رہے تھے لیکن اب پانسہ پلٹنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ تمہیں بڑی ہوشیاری سے اس ڈھانچے کے مخصوص حصوں میں ٹائم بم رکھنے کا کام سر انجام دینا ہو گا اور اس کے بعد وقت پورا ہونے پر پے در پے دھماکوں کے بعد تمام منزلیں منہدم ہو کر زمین پر آ رہی ہوں گی پھر سوچ لو یہ کام جان جوکھم کا ہے۔ اس میں ایک معمولی سی غلطی خود تمہاری زندگی کی آخری سانس بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"میں بزدل نہیں سر۔" دانش کے لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔

"گاڑی کی ڈکی میں پانچ بم موجود ہیں۔ تمہیں اس طرح کا ٹائم سٹ کرنا پڑے گا کہ ایک دھماکے اور دوسرے دھماکے کے درمیان کم از کم دو منٹ کا وقفہ ضرور ہو۔" میں نے دانش کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ٹائم سیٹ کرنے سے پہلے تمہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ پہلا دھماکہ اس وقت ہو گا جب تم خیریت کے ساتھ میرے پاس واپس آ جاؤ۔"

"آپ مطمئن رہیں سر۔ دانش کسی کام میں بزدلی کا ثبوت نہیں دے گا لیکن ایک بات میں بھی دریافت کرنا چاہوں گا۔"

"پوچھو۔"

"کیا گوداموں میں آگ اسی پراسرار مگر ناپاک طاقت نے لگائی تھی جو موہنی کی شکل میں سامنے آئی تھی۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"ایسی صورت میں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس گندی قوت کو ہمارے پلان کا علم ہو چکا ہو اور وہ عین وقت پر اسے ناکام بنا دے۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "میں نے کچھ ایسے حصار کھینچ دیے ہیں جہاں گندی قوتیں تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم بلا دھڑک اپنا کام کر سکتے ہو۔" "لی نے مجھے اب تک کافی کچھ سکھا دیا ہے۔"

دانش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چور نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ نروس نہیں تھا۔ پوری طرح چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً گیارہ کا عمل تھا۔ سڑک

پر اکا دکا ٹریفک موجود تھا۔ میں پوری رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد میں نے اپنی گاڑی اس چار منزلہ عمارت کے نیم مکمل ڈھانچے سے تقریباً" پچاس گز دور روک دی۔ وہ علاقہ قدرے سنسان تھا۔ میں نے دانش کی طرف ڈکی کی چابی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ڈکی میں ایک چرمی بیگ موجود ہے۔ اس کے اندر پانچ ٹائم بم کے علاوہ ایک سائلنسر لگا ہوا پستول بھی موجود ہے۔ تمہیں صرف ان بموں پر لگی ہوئی گھڑیوں کا ٹائم سیٹ کرنا ہے لیکن اس بات کا اندازہ ضرور لگا لینا کہ پہلا بم بلاسٹ ہونے سے کم از کم پانچ منٹ پہلے تم میرے پاس ہو گے پستول میں نے تمہاری حفاظت کے لیے رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں نائٹ واچ مین اپنی ڈیوٹی پر موجود ہوں۔ کوشش کرنا کہ ان کی تعداد میں کمی کیے بغیر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔"

لیکن وہ اسٹاف جو سو چکا ہو گا وہ تو ضرور گرتے ہوئے ملبے کی لپیٹ میں آجائے گا۔"

"میں نے اس کا انتظام بھی کر لیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "پہلا بم بلاسٹ ہونے سے پہلے وہ جاگ چکے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر قریب کی دوسری عمارت میں پناہ لیں۔ ایسی صورت میں موت کے چنگل سے ضرور نجات حاصل کر سکتے ہیں لیکن جن کا وقت پورا ہو چکا ہے ان کے لیے میں تو کچھ نہیں کر سکتے۔"

دانش نے میری طرف غور سے دیکھا پھر ڈکی کھول کر اس نے چرمی بیگ نکالا۔ چابی مجھے واپس کی اور بڑی بے پروائی سے اس چار منزلہ عمارت کے ڈھانچے کی سمت قدم اٹھانے لگا۔ میں نے آرام سے سیٹ سے ٹیک لگالی۔ دانش کے کامیاب ہو جانے کی صورت میں میرا اور بے شکر پانڈے کے نقصان کا حساب کتاب کسی حد تک برابر ہو سکتا تھا۔ موہنی سے نمٹنے کے لیے اب ضروری ہو گیا تھا کہ اب میں بھی لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں اتر جاؤں۔ مجھے اس بات احساس بھی تھا کہ اگر موہنی کی گندی آتما کو میرے مشن کی خبر ہو گئی تو دانش اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا ہے چنانچہ میں نے دانش کے روانہ ہوتے ہی اس کے گرد آیت الکرسی کا حصار کھینچ دیا اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ مشن پورا ہونے سے پہلے موہنی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔

میں ابھی اپنے خیالات میں گم تھا کہ وہی آواز میرے کانوں میں گونجی جو میں نے پہلی بار اس وقت سنی تھی جب کومل وما کے قتل ہونے کے بعد بے شکر پانڈے میرے دفتر میں بیٹھا کومل وما کے زندہ ہونے کا حیرت انگیز انکشاف کر رہا تھا اور اسی آواز نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کومل وما یا موہنی میں سے

کوئی ایک زندہ ہے۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تم جو انتہائی انتقامی قدم اٹھا رہے ہو یہ درست ہے؟"

"وہ گندی قوتیں جو میرے درپے آزار ہیں اور میرے خلاف کوئی قدم اٹھا رہی ہیں؟" میں مشتعل ہو کر بیٹھ گیا۔ "کیا قصور کیا تھا میں نے یا میرے بے گناہ لوگوں نے جس کی سزا انہیں دی گئی۔"

"میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتا ہوں میرے عزیز لیکن عفو اور درگزر سے کام لینا تمہاری شان کے عین مطابق ہے۔"

"یہ بات میرے سنگدل اور بے رحم دشمنوں نے اس وقت کیوں نہیں سوچی جب نرنجن لال کے زمانے سے مجھے پے در پے نقصان پہنچایا گیا۔" میں نے تڑپ کر کہا۔ "مجھے میری کچھ عزیز ہستیوں سے جدا کیا گیا مجھے بھاری نقصان پہنچایا گیا۔ ماسٹر ٹونی کو کن گناہوں کی سزا دی گئی۔ میرے والد کا کیا جرم تھا کہ زندگی کی طرف واپس لوٹتے لوٹتے انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ اب وہ مکروہ قوتیں میری ماں کو نشانہ بنانے کا سوچ رہی ہیں اور آپ مجھے عفو اور درگزر کا سبق یاد دلانے آئے ہیں۔ مجھے اپنے گودام میں لگنے والی آگ کا کوئی غم نہیں۔ بزنس میں نفع اور نقصان دونوں ہوتے ہیں لیکن موہنی کے ہی ہاتھوں کیوں؟ صرف اس لیے کہ میں کافروں کے لیے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔

وہ یہی چاہتے ہیں لیکن میں انہیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ مقدس کتابوں میں بھی یہی درج ہے کہ قبل اس کے کوئی موذی تمہیں نقصان پہنچائے اس کا سر کچل دو' صبر کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے اور اب۔ اب میرے اندر برداشت کی قوت نہیں رہی۔ میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں جب تک ان گندی قوتوں کا سر نہیں کچل دوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"میں تمہارے قلب کی دھڑکنوں کو سن بھی رہا ہوں اور محسوس بھی کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنا خدا کو پسند نہیں ہے۔"

"میرے والد کے سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟ کیا وہ قصوروار تھے؟ تسیم کی بیمار ماں کی موت کا کیا جواز تھا؟" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "حالات کا شروع سے جائزہ لیں میرے محترم۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قصوروار کون ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اپنے انتقام کی آگ بجھاؤ لیکن میں ان بے گناہوں کو بچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو تمہارے دھماکے میں کام آسکتے ہیں۔"

"یہ آپ کا میری ذات پر ایک احسان ہو گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نادیدہ شخص کی آواز سنائی دی۔

"میں بذات خود غریبوں کے خون خرابے سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"گویا تم صرف اپنے نقصان کا حساب چکتا کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"پریشان مت ہو میرے عزیز میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"کیا آپ مجھے اس بات کا یقین دلا سکتے ہیں کہ میری ماں کی موت گندی قوتوں کے ہاتھوں واقع نہیں ہو گی۔"

"موت برحق ہے۔ اسے کوئی قوت ٹال نہیں سکتی۔"

"آپ کا جواب میری پریشانیوں میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔"

"خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ جو کرے گا بہتری ہو گا۔" جواب نرمی سے دیا گیا پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی آہستہ سے گاڑی سے اتر گیا ہو لیکن دروازے بدستور بند ہی تھے۔ میں نے اپنے شبے کی تصدیق کی خاطر دو چار بار آوازیں بھی دیں لیکن دوسری جانب خاموشی طاری رہی۔

مجھے دانش کی واپسی کے سلسلے میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پچاس منٹ بعد وہ دوبارہ میری برابر والی سیٹ پر موجود تھا۔ چرمی بیگ اس نے پشت کی سیٹ پر اچھال دیا تھا۔

"کیا رہا؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ٹھیک سات منٹ بعد پہلا دھماکہ ہو گا۔" اس نے پر اعتماد آواز میں جواب دیا۔ "میں نے ان بموں کو خاص طور پر ایسی جگہوں پر نصب کیا ہے کہ عمارت کی بنیادیں کمزور ہو کر اس کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیں گی۔"

دانش نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ٹھیک سات منٹ بعد پہلا دھماکہ ہوا لیکن اس سے پیشتر فضا خودکار اسلحہ کی گولیوں سے گونج اٹھی تھی یہ فائر میرے ان آدمیوں نے کیے تھے جنہیں میں نے پہلے سے ہدایت کر دی تھی۔ دانش کی واپسی کے دو منٹ بعد ہی وہ ہوائی فائرنگ شروع کر دیں۔ میں ان لوگوں کو بیدار کر کے فرار ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔ جو بے قصور تھے اور چار منزلہ عمارت میں موجود تھے

کے بعد دیگرے دو دو منٹ کے وقفے سے پانچ دھماکے ہوئے اور بے شکر پانڈے کی بنتی ہوئی ساکھ کا تاج محل زمین بوس ہو گیا۔ میں نے دوسرے دھماکے کے بعد ہی اپنی گاڑی گیئر میں ڈال کر تیزی سے موڑی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ڈیش بورڈ پر رفتار بتانے والی سوئی اسی اور نوے کے درمیان متحرک تھی۔ ایک بار میں نے چور نظروں سے دانش کی جانب بھی نظر دوڑائی۔ وہ بدستور بڑا بے پروا نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے اس کے گھر سے کچھ دور ہی گاڑی سے اتار دیا اور خود گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد میں سب سے پہلے اپنے پرانے وفادار اور نمک حلال ملازم احمد علی سے ملا اور یہ جان کر اطمینان کا سانس لیا کہ میری والدہ ابھی تک اسی حالت میں محو خواب ہیں جس میں میں انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔

*

دوسری صبح دفتر جانے سے پہلے مجھے سب سے پہلی کال سراج کی موصول ہوئی۔

"خیریت۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "اتنی صبح صبح کیسے یاد آگئی۔"

"کل رات کسی نے دھماکہ خیز بموں کے ذریعے اس چار منزلہ عمارت کو اینٹ اور گارے کے ڈھیر میں بدل دیا جو بے شکر پانڈے سول لائنز کے علاقے میں تعمیر کرا رہے تھے۔"

"اوہ نو۔" میں نے بدستور حیرت سے کہا پھر تیزی سے پوچھا۔ "کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔" سراج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بم کے دھماکوں سے پہلے ہی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے جاگ کر زندگی بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا' اصل صورت تو ملبہ ہٹنے کے بعد ہی واضح ہو گی۔"

"گویا اس بار کسی منظم سازش کے تحت ہی ایک دن میں دو خطرناک وارداتیں عمل میں آئی ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "قرب و جوار میں رہنے والوں نے کیا بیان دیا ہے۔"

"وہ دھماکوں کی کان پھاڑ دینے والی آواز سن کر ہی بیدار ہوئے تھے اس لیے کسی قسم کا بیان دینے سے قاصر تھے۔"

"ملازموں کا کیا کہنا ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا مطلب ان ورکروں اور چوکیداروں سے ہے جو عمارت میں نائٹ ڈیوٹی پر موجود رہتے ہوں گے۔"

"وہ اس قدر بوکھلائے ہوئے ہیں کہ کسی قسم کا بیان دینے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ پہلے خودکار آتشی اسلحے سے دو چار برسٹ مارے گئے تھے پھر بم کے دھماکے شروع ہو گئے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" میں نے پوچھا۔ "کیا یہ کھیل تماشے موہنی کی بدروح اسٹیج کر رہی ہے۔ پہلے میرے گوداموں

میں آگ لگنا اور اب پانڈے جی کے ایک پروجیکٹ کی تباہی۔"

"میرا خیال ہے کہ ان دونوں وارداتوں کو ایک ہی دیدہ یا نادیدہ شخصیت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کے گوداموں میں لگنے والی آگ کی ذمے داری تو موہنی کے کھاتے میں ڈالی جا سکتی ہے لیکن پانڈے جی کے پروجیکٹ کی بربادی میں کسی دشمن کی سازش کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"پانڈے جی کا کیا بیان ہے؟"

"انہوں نے کسی قسم کا بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔" سراج نے کہا۔ "میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ کسی بات سے بری طرح سہمے اور خوفزدہ نظر آ رہے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنی زبان سختی سے بند کر رکھی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ان لوگوں سے ضرور واقف ہوں گے جنہوں نے انہیں ایک بھاری نقصان پہنچایا ہے لیکن اب وہ جان کے خوف سے کوئی بیان دینے یا ان کا نام لینے سے کترا رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو۔"

"پانڈے جی اس وقت کہاں ہیں۔" میں نے ہمدردانہ انداز اختیار کیا۔

"میں ابھی ابھی ان کو ان کے گھر چھوڑ کر دفتر پہنچا ہوں۔" سراج نے کہا۔ "مسٹر پانڈے کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ میں نے انہیں ہسپتال میں داخل ہو جانے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن انہوں نے اشارے سے انکار کر دیا۔"

"ظاہر ہے مسٹر سراج۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "گوداموں کی آگ تو میرا ذاتی سرمایہ تھی جس کے لیے مجھے کسی کو جواب نہیں دینا پڑے گا لیکن پانڈے۔ ان کے پروجیکٹ میں تو دوسروں کا بھی اچھا خاصا سرمایہ لگا ہوگا۔ وہ کس کس کا خسارہ پورا کرتے پھریں گے۔ ان کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میری ذہنی کیفیت بھی ان کی موجودہ کیفیت سے مختلف نہ ہوتی۔"

"فی الحال میں نے ذاتی شبے کی بنیاد پر ارجن نامی اس شخص کو حراست میں لے لیا ہے جو پانڈے جی کے یہاں سے نکالے جانے کے بعد ایک دوسری کنسٹرکشن کمپنی میں کام کر رہا تھا۔ اس کنسٹرکشن کمپنی نے بھی اس پروجیکٹ کے لیے ٹینڈر بھرا تھا جس پر پانڈے کام کر رہا تھا۔ ممکن ہے ارجن نے اپنا انتقام لینے کی خاطر اپنی کمپنی کے کسی بڑے عہدیدار کو ساتھ ملا کر یہ خطرناک سازش کی ہو۔"

"ارجن کا کیا بیان ہے؟"

"وہ ابھی تک ایک ہی بیان پر ڈٹا ہے کہ وہ اس واردات کے بارے میں قطعی لاعلم ہے۔ ہو سکتا ہے دو چار روز تک پولیس کی مار کھانے کے بعد وہ سچ اگل دے۔"

تھوڑی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد سراج نے فون بند کر دیا۔ میں تیار ہونے کی خاطر ڈریسنگ روم کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پانڈے کا فون آ گیا۔

"شہباز صاحب۔ میں لٹ گیا' برباد ہو گیا۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے نقصان کی فکر نہیں ہے۔ بھگوان کا دیا اتنا ہے کہ میں اپارٹمنٹ بک کرانے والوں کی کوڑی کوڑی لوٹا سکتا ہوں لیکن میری ساکھ کا ستیاناس ہو گیا۔"

"ابھی مسٹر سراج سے میری گفتگو ہو رہی تھی۔ ان کا خیال ہے یہ حادثہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "انہوں نے آپ کے سابقہ ملازم ارجن کو حراست میں لے لیا ہے۔ شاید وہ اس کنسٹرکشن کمپنی کے لیے کام کر رہا ہے جو آپ کی جگہ تباہ ہونے والے پروجیکٹ پر کام کرنے کی خواہش مند تھی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کے متر کا اندازہ ٹھیک ہی ہو پر تو میرا من کچھ اور کہہ رہا ہے؟"

"وہ کیا؟"

"مجھے شاید آپ کو وہ بات نہیں بتانی چاہیے تھی۔" پانڈے کا اشارہ کومل ورما کی طرف تھا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے وہ بات بری لگی ہو۔"

"اس خیال کو من سے نکال دیں مسٹر پانڈے۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ جس کا ذکر کر رہے ہیں اس کا ایک اشارہ ہی بہت ہے' پھر گولیاں اور بم چلانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں۔" پانڈے نے بے بسی کا اظہار کیا۔

"میں تیار ہو کر آتا ہوں آپ کی طرف لیکن ایک بات کا خیال رکھیں۔"

"کیا؟" پانڈے نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"جو بات آپ نے مجھ سے کی تھی وہ کسی اور کے سامنے نہ دہرائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" پانڈے نے بدستور ہکلاتے ہوئے انداز میں کہا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھا اور ڈریسنگ روم کی طرف چلا گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے موہنی کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی لیکن۔ شاید یہ محض میری خوش فہمی تھی۔

میں نے پانڈے کے دفتر میں قدم رکھا تو وہ ٹہلنے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے۔ چار منزلہ عمارت کے مسمار ہو جانے کا صدمہ اتنا گہرا تھا جسے وہ آسانی سے فراموش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اس بات کا بھی خوف لاحق تھا کہ اس نے کومل ورما کے بارے میں مجھے بتا کر اپنی گندی آتما کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ وہ ابھی تک موہنی یا کومل ورما ہی کو اپنی تباہی کا سبب سمجھ رہا تھا۔

مجھے دفتر میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا پھر اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے احتیاطاً اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہی آیت الکرسی کا حصار کھینچ دیا تھا تاکہ دوسری کوئی گندی قوت اس حصار کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ آیت الکرسی مجھے بزرگوں کی طرف سے بخشی گئی تھی۔ میں نے چالیس روز تک دن رات اس کا ورد کر کے خود کو اس کا عامل بنا لیا تھا۔ وہ افراد جو آیت الکرسی سے واقف ہیں۔ جنہوں نے اس کی تفسیر پڑھی ہے وہ اس کے معجزے اور بیش بہا فوائد سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔

"میں آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا۔" پانڈے نے عجیب انداز میں کہا۔ "لیکن مجھے جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا۔ اب سارا بھگتان مجھی کو بھگتنا ہے۔"

"آپ مجھے خود سے الگ نہ سمجھیں۔" میں نے اس کی بے بسی سے متاثر ہو کر سنجیدگی سے کہا۔ "انسان ہی انسان کا ساتھی ہوتا ہے۔ آپ والد صاحب کے واقف کار رہ چکے ہیں تو آپ کا حق بھی میرے اوپر بنتا ہے۔ مجھے حکم دیں میں ہر طرح سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے نقصان کی پروا نہیں ہے شہباز صاحب۔"

"پھر۔"

"آپ کا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔" پانڈے نے اپنی بات چھوڑ کر میرے کاروبار کے بارے میں سوال کیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ یا تو موہنی کی پلید آتما نے اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا یا پھر وہ خود کو موہنی یا کومل ورما کے ذکر سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ شاید ابھی تک اس کا یہی خیال تھا کہ اس نے مجھے کومل ورما کی بابت بتا کر ٹھیک نہیں کیا تھا۔

"میرا کاروبار آپ کی دعا سے ٹھیک چل رہا ہے۔" منی کی حالت اب کیسی ہے۔"

"وہ بھی اب ٹھیک ہے۔"

"میری بھی یہی پرارتھنا ہے کہ بھگوان اسے ٹھیک کر دے۔"

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے پانڈے کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے کہا۔ "جدید سائنس نے کافی ترقی کر لی ہے۔ ڈاکٹروں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ مصنوعی ٹانگ لگنے کے بعد وہ عام انسانوں کی

طرح چل پھر سکے گا۔"

"آپ کے حریف مسٹر سراج نے ارجن کے بارے میں کیا بتایا ہے۔" پانڈے نے پوچھا۔ "کیا ارجن نے زبان کھولی یا ابھی تک اپنے پرانے جان پر اڑا ہوا ہے؟"

"آپ کا دوسرا خیال درست ہے۔ ارجن نے آپ کو ہونے والے نقصان کے بارے میں خود کو قطعی لاتعلق ظاہر کیا ہے۔"

"مرنا بھی چاہیے۔" پانڈے نے زہرخند سے جواب دیا۔ "اپنی مرضی سے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا بھلا کون ڈالتا ہے۔"

"میں اس وقت ایک کپ کافی پینے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے جان بوجھ کر پانڈے کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"شمار کیجئے گا شہباز صاحب۔" پانڈے نے بڑے انکسار سے کہا۔ "پریشانی کی وجہ سے مجھے اس بات کا دھیان نہیں رہا۔"

پھر پانڈے نے انٹرکام پر کافی کا آرڈر دیا جو پانچ منٹ کے اندر اندر سرو کر دی گئی۔

"مسٹر پانڈے۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے یکلخت گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "مجھے فون کرنے کے بعد کیا آپ کو کچھ اور کالیں بھی وصول ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں۔" پانڈے نے طویل سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "جن لوگوں نے فلیٹ اور دکانیں بک کرائی تھیں ان کے برابر فون آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے سیکریٹری سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان سے صرف پندرہ دن کی مہلت مانگے اس کے بعد ان کی رقم واپس کر دے۔ بھگوان کی کرپا سے میرے پاس اتنا دھن ہے کہ میں ان کا نقصان بھر سکوں۔"

"جب رقم واپس کرنی ہے تو پھر پندرہ دن کی مہلت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے اسے کریدنے کی خاطر کہا۔ "میں اپنی چیک بک ساتھ لایا ہوں۔ آپ صرف حکم دیں۔ میں کسی خدمت سے انکار نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہوگی۔"

"وہ کیا؟"

"میں جو چیک کاٹوں گا وہ سلف (SELF) ہوگا۔ آپ کی فرم کا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔"

"بڑی کرپا ہے آپ کی۔ پر تو مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پھر پندرہ دن کی مہلت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس درمیان میں انشورنس سے کلیم کے معاملات نپٹا دوں۔"

"ایک بات کہوں پانڈے جی۔"

"کہیے۔"

"مجھے فون کرنے کے بعد آپ کو کوئی خاص کال ضرور وصول ہوئی ہوگی۔" اس بار میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" پانڈے نے اپنی بوکھلاہٹ کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ کنسٹرکشن کمپنی کا دفتر ہے اور پھر میرا جو پروجیکٹ تباہ ہوا ہے اس میں دوسروں کے پیسے بھی ہے۔"

"میرا اشارہ موہنی یا کومل ورما کی کال سے ہے۔" میں نے تیزی سے کہا تو پانڈے سٹپٹا گیا۔ کچھ توقف سے بولا۔

"کیا ہم اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔" اس کے لہجے میں کسمپرسی شامل تھی۔

"گویا میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔"

"پلیز مسٹر شہباز۔" پانڈے نے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ "میں بنتی کرتا ہوں کہ آپ کوئی اور بات کریں۔ ہم مہان شکتیوں سے نہیں جیت سکتے۔"

"گھبرایئے نہیں پانڈے جی۔" میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "میں نے اس وقت آپ کے کمرے کے گرد ایک ایسا منڈل (حصار) کھینچ دیا ہے جس کے اندر کوئی گندی طاقت داخل نہیں ہو سکتی نہ ہماری بات سن سکتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن۔"

"اس سے پیشتر جب آپ نے میرے دفتر میں بیٹھ کر کومل ورما والی بات کی تھی تو اس کا علم اسے ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔" پانڈے نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کیول اتنا ہی معلوم کیا تھا کہ میں کس کارن آپ سے ملا تھا اور ہمارے بیچ کیا بات ہوئی تھی۔"

"پھر۔ آپ نے کیا جواب دیا۔"

"میں نے یہی کہا تھا کہ ہمارے درمیان کاروبار کی بات ہو رہی تھی۔"

"اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ باتیں نہیں سن سکی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پر تو اس نے میرے اور آپ کے بیچ ہونے والی آج صبح کی گفتگو سن لی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے جلدی سے پانڈے کا اعتماد بحال رکھنے کی خاطر کہا۔ "لیکن ہمارے درمیان کومل ورما یا موہنی کے نام کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔"

"اسی لیے میری جان سستی چھوٹ گئی ورنہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس نے آپ کو مجھ سے میل جول بڑھانے سے منع کیا ہوگا اور شاید کوئی دھمکی بھی دی ہوگی۔"

"ہاں۔" پانڈے نے بدستور سہمی سی آواز میں جواب دیا۔ "اس نے یہی کہا تھا کہ میں آپ سے زیادہ میل ملاپ رکھنے کی کوشش نہ کروں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ آئندہ سے میرے پاس نہ دفتر آیئے گا نہ ہی فون پر گفتگو کیجئے گا۔ میں خود ہی آپ کے دفتر آ جایا کروں گا۔"

"آپ تو ایسا ہی کرتا ہو گا اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے اور بہت سارے نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔" پانڈے نے دبی زبان میں کہا۔ "اس نے فون پر مجھے یہی دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کا کہنا نہ مانا تو وہ مجھے کنگال بھی کر سکتی ہے۔"

"کیا اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ آپ کے پراجیکٹ کی تباہی میں کس کا ہاتھ شامل ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"آپ خفا تو نہیں ہوں گے۔" پانڈے نے عجیب انداز سے میری سمت دیکھا۔

"اس میں بھلا خفا ہونے والی کیا بات ہے۔" میں نے جلدی سے عذر لنگ پیش کیا۔ "ظاہر ہے کہ اس نے میرا یا میرے ہی کسی آدمی کا نام لیا ہو گا۔"

"ہاں۔ پر تو وہ بم کس نے مارے تھے اس سلسلے میں اس نے پورے وشواس سے کوئی بات نہیں کی۔ کیول آپ کا اور آپ کے ایک ملازم کا نام ضرور لیا تھا۔"

"کیا میں اس ملازم کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" میں نے بڑے اعتماد سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ آپ اپنے کسی کارندے کے ساتھ تباہ ہونے والے پروجیکٹ کی طرف گئے تھے لیکن۔"

"لیکن کیا۔"

"اس کے بعد ایسا گھور اندھیرا چھا گیا تھا کہ اس کی آتما بھی اس اندھیرے میں نہیں جھانک سکی تھی۔"

"پانڈے جی۔" میں نے جان بوجھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ نے ابھی تک کومل ورما یا موہنی کے پیش کردہ شباب کا اظہار نہیں کیا تو اب میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ فون اٹھائیں اور سراج سے کھل کر سب کچھ کہہ دیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس بات کا برا نہیں مناؤں گا۔"

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو آپ کی اجازت سے پہلے ہی کر چکا ہوتا۔" پانڈے نے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں نے اس کی بات سنی ضرور تھی لیکن دوسرے کان سے نکال دی تھی۔ بھلا میرے اور آپ کے بیچ کیا دشمنی ہے جو آپ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ کے اور کومل ورما کے درمیان اور کیا بات ہوئی تھی۔"

"وہ آپ سے خوش نہیں ہے۔" پانڈے نے دبی زبان میں کہا۔ "اس نے سوگند اٹھائی ہے کہ وہ آپ کو جب تک تباہ نہیں کر دے گی اس کی آتما کو چین نہیں ملے گا۔"

"یہ بات وہ مجھ سے براہ راست بھی کہہ چکی ہے۔" میں نے بے پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن دیکھ لیں میں آپ کے سامنے بھلا چنگا بیٹھا ہوں ویسے مجھے اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ وہ میری کسی غفلت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھ سے ہار کر وہ ٹوٹی کی طرح میرے دوسرے کارندوں کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

"میں آپ کو ایک حیرت انگیز بات اور بتانا چاہتا ہوں۔" پانڈے نے کہا۔ "انشورنس کے کاغذات مکمل کرنے اور تمام ثبوت وغیرہ پیش کرنے میں کتنا سمے لگتا ہے اس کا تھوڑا بہت اندازہ آپ کو بھی ہو گا لیکن کیا آپ وشواس کریں گے کہ کومل ورما نے تمام کاغذات تیار کر دیے ہیں۔"

"کومل ورما نے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"جی ہاں۔ آج صبح جب میں دفتر پہنچا تو تمام کلیم مجھے اپنی ٹیبل پر تیار ملے تھے۔ میں ابھی اچنبھے میں گرفتار تھا کہ کومل ورما ہمیشہ کی طرح بڑی سنجیدگی سے میرے آفس میں داخل ہوئی اور اس نے فائلوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سر میں نے انشورنس کی تمام فائلیں مکمل کر دی ہیں۔"

"یہ اطلاع میرے لیے حیرت انگیز ہے۔"

"پہلے مجھے بھی وشواس نہیں تھا پر تو جب میں نے فائلیں الٹ پلٹ کر دیکھیں تو سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے میں نے سوچا تھا۔"

"اور کیا بات ہوئی تھی آپ کے اور اس کے درمیان۔"

"وہ رکی نہیں تھی۔ میں نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس اس نے فائلوں کی طرف اشارہ کیا اور خاموشی سے الٹے قدموں واپس چلی گئی۔"

"کیا آپ کو امید ہے کہ وہ حسب وعدہ اس وقت بھی اپنی سیٹ پر موجود ہوگی۔"

"میں وشواس سے نہیں کہہ سکتا۔"

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور پانڈے نے ریسیور اٹھا لیا۔ کال اسے ڈائرکٹ لائن پر موصول ہوئی تھی دوسری طرف سے کیا بات کہی گئی تھی۔ یہ میں نہیں سن سکا البتہ پانڈے کے اس جواب سے کہ "جی نہیں۔ وہ میرے پاس نہیں آئے۔" مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کال سراج کی ہوگی بعد میں پانڈے نے ریسیور رکھنے کے بعد میرے شبے کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے پانڈے جی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب اجازت چاہوں گا اور جاتے جاتے آپ سے ایک درخواست بھی کروں گا۔"

"وہ کیا؟"

"جو بات ہمارے درمیان ہو اس کا ذکر کسی اور سے نہ کیجئے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" اس نے بڑی فرماں برداری سے جواب دیا پھر بولا۔ "کیا کومل ورما کی آتما نے آپ کو یہاں آتے نہیں دیکھا ہو گا۔"

"وہ مجھے جاتے ہوئے بھی ضرور دیکھے گی لیکن ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں یہ اس کی گندی آتما کے بڑے بھی نہیں جان سکے ہوں گے۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو ورنہ میری تو لٹیا ہی ڈوب جائے گی۔"

"آپ کی لٹیا ڈوبے گی نہیں۔ تیرتی رہے گی لیکن شرط یہی ہے آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔"

"ایک بات اور۔" پانڈے نے بدستور مصافحے کے بعد بھی میرا ہاتھ تھامے ہوئے کہا۔ "آپ کے جانے کے بعد اگر اس گندی بلا نے سامنے آکر آپ کے آنے کا کارن پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا۔"

"صرف یہی کہ ہمارے درمیان کاروباری باتیں ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کو مالی امداد کی پیشکش کی تھی جسے آپ نے نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر پانڈے کے دفتر سے باہر آگیا۔

٭

جو باتیں سامنے آرہی تھیں وہ ناقابل یقین ہی تھیں۔ کومل ورما دوسروں کی نگاہوں میں آئے بغیر اپنے فرائض منصبی انجام دے رہی تھی۔ اس نے سکیم کے تمام فائل تیار کر دیے تھے اور اتنے کم وقت میں کہ شاید دنیا کا کوئی کمپیوٹر بھی نہ کر سکتا۔ اس نے مجھے اور دانش کو بھی پانڈے کے پروجیکٹ کی جانب جاتے دیکھ لیا تھا لیکن مجھے بروقت آیت الکرسی کا خیال آگیا تھا ورنہ شاید اب تک دانش بھی اپنے کسی ہاتھ یا پیر سے محروم ہو چکا ہوتا۔ کومل ورما کی گندی روح نے پانڈے سے بھی یہی بات کہی تھی کہ جب تک وہ مجھے تباہ و برباد نہ کرے گی اس کی بھٹکتی ہوئی آتما کو سکھ چین نصیب نہیں ہو گا۔

پراسرار قوتیں میرے اطراف اپنا گھیرا تنگ کرتی جا رہی تھیں لیکن قدرت میرے اوپر مہربان تھی۔ کمبل پوش بزرگ نے اپنی انگوٹھی مجھے دے کر محفوظ کر دیا تھا اور میری حفاظت کے لیے جنات کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے کسی نیک بزرگ کو بھی تعینات کر دیا تھا۔ دوسری جانب موہنی نے مجھے سنگین

حالات سے دوچار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

پانڈے بظاہر ایک اچھا انسان تھا لیکن انسان ماں کے پیٹ سے اچھا یا برا بن کر پیدا نہیں ہوتا۔ حالات اور حادثات اسے وقت کے دھاروں کے ساتھ بہا لے جاتے ہیں۔ اس کے پروجیکٹ کی تباہی میں میرا انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ بات چونکہ دو قوتوں کی درمیان اپنا احاطہ وسیع کر رہی تھی اس لیے میں نے تیسرا "دوسرے فریق" کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے علم تھا کہ موہنی کی گندی روح میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی لیکن وہ اپنی قوتوں کے ذریعے پانڈے کو میرے خلاف اکسا سکتی تھی۔ پولیس کے اعلیٰ افسران کے ذہنوں میں زہر بھر سکتی تھی میرے لیے بھی پریشانیاں کھڑی کر سکتی تھیں میں تنہا جو کبھی نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس کے باوجود میں پراسرار گندی قوتوں سے ہراساں بھی نہیں تھا۔ مجھے خدا کی بزرگی اور اس کی لازوال طاقت پر مکمل ایمان تھا۔ دنیا کی تمام پلید قوتیں مل کر بھی اس کی مخلوق کو ایک ذرا سا دھچکا بھی نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ میرا عقیدہ راسخ تھا۔ کمبل پوش بزرگ نے آخری ملاقات میں مجھے جن لفظوں سے نوازا تھا اس نے میرے اندر ایک نئی قوت پیدا کر دی تھی میرے قدم زمین پر اور مستحکم ہو گئے تھے۔ مجھے اصلیت کا علم نہیں تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ سفید ریش بزرگ نے میرے اندر اپنی کچھ لازوال قوتیں بھی ودیعت کر دی تھیں۔ خواب میں اس برگزیدہ بزرگ نے پانی کا ایک چلو میری ماں کے اوپر اچھال دیا تھا اور باقی پانی سے میرے اندر پیدا ہونے والی آتش کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک کرشمہ تھا محض خواب کی بات نہیں تھی۔ قدرت نے ایک بزرگ کے وسیلے سے مجھے شاید ایسی خوبیوں اور قوت سے نوازا ہو گا جس کا مجھے ابھی پوری طرح علم نہیں تھا البتہ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے اندر اعتماد کی قوت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

میں اگر تنہا ہوتا تو شاید مجھے کسی بات کی فکر لاحق نہ ہوتی لیکن میرے ساتھ میرے بیشمار کارندے اور رفیق شامل تھے جنہوں نے میری خاطر قربانیاں دی تھیں۔ میں ان کی قربانیوں کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے لوث قربانیاں میرے اوپر ان کا ایک قرض بن گئی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا خیال بھی رکھنا تھا۔ ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی مجھ پر واجب تھی۔ میں ان ذمہ داریوں سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔

میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔ وہ پراسرار قوتیں جو کبھی میرے ساتھ تھیں اب ایک ایک کر کے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگی تھیں۔ کالا ایک طویل عرصے سے خاموش تھی۔ اس نے بار بار وعدے کے باوجود مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ لیڈی مکلارنس بھی اس بات پر مجھ سے خفا ہو گئی تھی کہ میں نے اس کے مشوروں پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ شنکر کا وجود میری اطلاع کے مطابق ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی زندگی کی کچھ نشانیاں ابھی باقی تھیں۔ پنڈت جسی دھر لیڈی مکلارنس کی پراسرار حیرت انگیز لائبریری میں شیشے کے ایک بکس میں مقید تھا لیکن اس نے میرے سامنے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ بہت جلد اس قید سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔ ممکن تھا کہ خود لیڈی مکلارنس نے اس کی روح کو میرے خلاف برسرپیکار ہونے کی خاطر اپنی قید سے آزاد کر دیا ہو۔ روپ نگر سے جن حالات نے میرا تعاقب شروع کیا انہوں نے میرا پیچھا ابھی تک نہیں چھوڑا تھا۔ پہلے زنجن لال کے سلسلے میں کچھ قوتیں مجھے نیچا دکھانا چاہتی تھیں۔ ندیم نے نہایت خاموشی سے میرے علم میں لائے بغیر زنجن لال کو میرے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا تھا اب اس کی جگہ بے شکر پانڈے نے لے لی تھی۔ پراسرار گندی طاقتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ میں ابھی اپنے ان ہی خیالات میں مستغرق تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گاڑی میں میرے علاوہ کسی اور کی شخصیت بھی موجود ہے۔ میں نے ہر طرف غور کیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس بات کو اپنا واہمہ سمجھ کر نظرانداز کر دیتا لیکن میرے دل کی دھڑکنیں اس بات کی گواہ تھیں کہ کوئی نادیدہ شخصیت میرے بہت قریب موجود تھی۔ پھر میرے دل و دماغ میں جو مہک ابھری اسے محسوس کر کے میں چونک اٹھا۔ میں اس خوشبو کو ابھی تک نہیں بھولا تھا۔ یہ خوشبو کالا کے جسم سے ابھر کر ایک بار اس وقت میرے وجود پر سحر بن کر چھا گئی تھی جب میں تسنیم کی والدہ کی کیفیت دریافت کرنے کی خاطر تیتی نورم گیا تھا۔ واپسی پر مجھے زنجن لال کے زرخرید غنڈوں نے اغوا کر کے کسی تہ خانے میں ڈال دیا تھا اس وقت کالا میری نگاہوں کے سامنے ایک خوبصورت اور حسین ترین دوشیزہ کی صورت اختیار کر کے نمودار ہوئی تھی۔ اس کے حسن کی رعنائیاں اور جادوگری ابھی تک میرے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ تھی۔ اس کے بدن کی مہک، اس کی نگاہوں کی سحرانگیزی اور اس کے جسمانی نشیب و فراز کی حشرسامانیاں ایک عرصے تک مجھے گدگداتی رہی تھیں۔ وہ حسن اپنی مثال آپ تھا۔ وہ کسی جنگل میں کھلے ہوئے اس گلاب کی مانند شگفتہ، تروتازہ تھی جس کی ٹہنی کی لچک تک کسی کے ہاتھ کی دسترس نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اسے چھونے کی درخواست کی تھی لیکن اس نے ایک ادائے دلبرانہ کے ساتھ مجھے میرے ارادے سے روک دیا تھا۔ اسی نے مجھے باور کرایا تھا کہ جب ایک پراسرار قوت کسی دوسری قوت سے ٹکراتی ہے تو ان میں ایک جل کر راکھ بن جاتی ہے۔ اس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ میں داور کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

میرا ذہن ایک بار پھر ماضی کی خوفناک گزرگاہوں میں بھٹکنے

لگ۔ شنکر نے کاکا کی سوتی کو حاصل کرنے کی خاطر میرا سہارا لیا تھا۔ اسے اپنی تمام گندی قوتوں کے باوجود شاید اس بات کا علم تھا کہ میرے بغیر کاکا کی سوتی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلی بار جنا مجھے پہاڑیوں کے اس غار تک لے گئی تھی جہاں کٹورے کی شکل میں ایک دلدلی حصہ موجود تھا۔ جنا کے کہنے پر میں نے پہلی بار اس سوتی کو نکالا تھا لیکن وہ میرے ہاتھ سے پھسل کر نکل گئی تھی۔ دوسری بار شنکر کی موجودگی میں میں اسے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت شنکر کی نگاہوں میں میں نے ایک مخصوص چمک دیکھی تھی جیسے ہفت اقلیم کی بیش بہا اور گراں قدر دولت اس کے ہاتھ آگئی ہو مگر شنکر نے کاکا کی سوتی کو چھونے کی ہمت نہیں کی تھی۔ غالباً اسے کاکا کی مہان شکتی کا علم تھا اسی لیے اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں کچھ روز اس سوتی کو اس کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھوں۔ اسی دوران میں نہ جانے کس وقت اس طاقت کی دیوی نے مجھے اپنی نگاہ التفات کے قابل سمجھ لیا۔ وہ جسے حاصل کرنے کی خاطر پنڈت جسی دھر جیسا ایک پہاڑی گپھا میں بیٹھا چالیس روز کے جنتر منتر میں مگن تھا۔ وہی کاکا از خود مجھ پر مہربان ہو گئی تھی۔ اس نے متعدد بار مجھے سنگین خطرات سے بروقت نجات دلائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ہزاروں روپ ہیں۔

آخری بار میں نے ندیم کی موجودگی میں بیچ سڑک پر اس وقت اسے دیکھا تھا جب شنکر میرا قصہ پاک کرنے کے ارادے سے سامنے آیا تھا لیکن کاکا نے اسے ڈس لیا تھا۔ اس کے بعد دیوی دیوتاؤں نے اس پر قید کی سختیاں بڑھا دی تھیں۔ کئی بار میرے آواز دینے پر بھی اس کی سمت سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

آج پھر اس کے تصور کی دبی دبی چنگاریاں میری رگ و پے میں سرایت کر رہی تھیں۔ اس کے جسم سے اٹھتے ہوئے خوشبو کے معطر جھونکے میرے اوپر طلسماتی اثرات مرتب کر رہے تھے۔ میں بے خودی کے عالم میں سرشار تھا پھر میں نے اپنے شبہات کی تصدیق کی خاطر اسے ہلکے سے آواز دے کر پوچھا۔

"کاکا... کیا تم اس وقت جسمانی طور پر میرے کہیں قریب موجود ہو۔"

"مجھے وشواس تھا۔" میرے کانوں میں کسی سندر کنواریوں کی بجائی ہوئی گھنٹیوں کی جھنکار گونج اٹھی۔ "مجھے وشواس تھا کہ تم اپنی کاکا رانی کو بھولے نہیں ہو گے۔"

"تم میری محسنہ ہو۔ میں تمہارے ان گنت احسانات کا مقروض ہوں۔ بھلا میں تمہیں کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری یہی باتیں قید میں ہونے کے باوجود میرے شریر کو گدگداتی رہتی تھیں۔" اس نے مترنم لہجے میں جواب دیا۔ میں اس کی سانسوں کی تپش اور مہکار کو اپنے گالوں پر محسوس کر رہا تھا۔

"کاکا رانی۔" میں نے بے خودی کے عالم میں اسے مخاطب کیا۔ "کیا میں تمہیں اسی سندر شریر میں دیکھ سکتا ہوں جس میں ایک بار پہلے دیکھا تھا۔" "میں تمہیں نراش نہیں کروں گی۔" اس کی سانسیں گرم رفتار ہونے لگیں۔

میں نے نظر گھما کر دیکھا۔ وہ میرے برابر سیٹ پر بیٹھی مجھے قاتل نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی رعنائیاں، اس کا جسم، اس کے گداز جسم کا ایک ایک زاویہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ وہ عمر خیام کی تخلیق کردہ ایک ایسی شریلی تصویر بنی بیٹھی تھی کہ اگر میں اسے ہاتھ لگاتا تو اس کے میلا ہو جانے کا اندیشہ لاحق تھا۔

اس کے جسم پر حریری لباس کچھ یوں چپک کر رہ گیا تھا جیسے اسے کاکا کے گوشت پوست سے ایک لمحے کی جدائی بھی منظور نہیں تھی۔ پہلے وہ ایک طلسم تھی۔ اب طلسم ہوش ربا بن گئی تھی۔ اس کی ایک ایک ادا کے بانکپن پر سیکڑوں زندگیاں قربان کی جا سکتی تھیں۔ اس کی ناگن زلفیں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اس کے بدن سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ اس کی مخمور نگاہوں میں ایک سحر تھا۔ میں اس سحر میں ڈوبنے لگا پھر اس کے گداز لبوں کو جنبش ہوئی۔ اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"سنبھلو شہباز۔ ورنہ تم کسی حادثے سے بھی دوچار ہو سکتے ہو۔"

میں اس کی آواز پر چونکا۔ اس نے بروقت میری مدد کی تھی۔ ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو شاید میں ایک بڑے حادثے سے دوچار ہو گیا ہوتا۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے شکوہ کیا۔

"کاکا۔ تم نے مجھے اپنی جدائی سے بہت تڑپایا ہے۔"

"میں خود بھی تڑپتی رہی ہوں۔" اس کے جواب میں وارفتگی شوق کی فراوانی موجود تھی۔

"میں نے کئی بار تمہیں آوازیں دیں لیکن..."

"میں مجبور تھی۔" اس نے اپنی مجبوری کا احساس دلایا۔ "دیوی دیوتاؤں نے میری زبان پر تالے ڈال دیے تھے۔"

"کاکا۔" میں نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔ "کہیں اس وقت میں جاگتی نظروں سے کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"نہیں۔" اس کی آواز میں شراب کے ساغر کھنک اٹھے۔ "میں اس سے پہلے نہیں ایک زندہ روپ میں تمہارے ساتھ موجود ہوں لیکن..." وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو میں تڑپ اٹھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئیں کاکا رانی۔ بولتی رہو۔ تمہاری مدھر آواز میرے ذہن کو سکون بخش رہی ہے۔"

"شہباز۔" اس نے بہکتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اپنی محبت کا وشواس دلا سکتی کہ کاکا کل بھی تمہاری تھی۔ آج بھی تمہاری ہے۔"

"اور کل کیا ہو گا۔" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"کل کیا ہو گا یہ کیول بھگوان اور مہان شکتی پراپت کرنے والے دیوی دیوتاؤں کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔"

"کیا تمہیں قید سے رہائی مل گئی ہے۔"

"نہ ملتی تو اچھا تھا۔" وہ عجیب انداز میں بولی۔ اس کے جواب میں کنوارپنے کی تشنگی کی تڑپ موجود تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"دیوی دیوتاؤں نے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا ہے پرنتو میری کچھ شکتیاں چھین لی ہیں اور..."

"اور کیا۔"

"یہ سب تمہارے کارن ہوا ہے۔" کاکا نے مخمور انداز اختیار کیا۔ "لیکن میرے لیے یہی بہت ہے کہ میں تمہیں اب قریب سے دیکھ سکتی ہوں۔ تم سے کھل کر باتیں کر سکتی ہوں۔"

"کیا اب تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔" میں نے عالم اضطراب میں کہا۔ "تم سے جدا ہو جانے کے بعد مجھے بڑے نقصان اٹھانے پڑے ہیں۔ میرے دشمنوں نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ میرے وجود کو اس دھرتی پر برداشت نہیں کر سکتے۔ میرے چچا کو ان ہی پلید قوتوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میرے گودام میں آگ لگا کر مجھے مالی نقصان پہنچایا اور اب وہ میری ماں کو مارنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"پاگل مت بنو میرے من مندر کے دیوتا۔" کاکا نے پہلی بار مجھے اتنے پیار بھرے انداز میں مخاطب کیا۔ "کالی شکتیاں تمہاری ماں کو مارنے کا جو سپنا دیکھ رہی ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔ میں پہلے آزاد ہوتی تو شاید وہ تمہارے چچا کے قریب بھی جانے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔"

"لیکن تمہاری قوتیں..."

"نراش مت ہو شہباز۔ کنول گندے پانی میں بھی اپنی سندرتا برقرار رکھتا ہے۔ گلاب کا پھول ٹہنی سے ٹوٹنے کے بعد اپنی مہکار نہیں کھوتا۔ تم کسی ہیرے کو گندگی میں پھینک دو لیکن اس کی چمک اور قیمت قائم رہتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تم نے یہ مثال ضرور سنی ہو گی۔" کاکا نے مجھے دلاسہ دیا۔ "میں تمہاری اور (طرف) سے ابھی کچھ دنوں تک کوئی جوابی کارروائی کرنے سے مجبور ہوں پرنتو تمہیں کسی بھی پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کر سکتی ہوں اور۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے دشمن میری موجودگی میں تمہارے قریب آنے کی کوشش ہی نہ کریں۔"

"وقت کی گردش اب بڑی تیز و تند ہو گئی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "وہ جب تک مجھے تباہ نہیں کریں گی آرام سے نہیں بیٹھیں گی۔"

"تم تو شکاری ہو شہباز۔" اس نے مجھے احساس دلایا۔ "نراشا کی باتیں تمہیں شوبھا نہیں دیتیں۔"

"اگر وہ کھل کر کسی چٹان کے روپ میں بھی میرے سامنے آجائیں تو میں ان سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں لیکن بزدلوں کی طرح چھپ چھپا کر میری پیٹھ میں خنجر اتارنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ مرنے کے بعد بھی شیر کی اپنی ایک دہشت طاری رہتی ہے۔ تمہاری کاکا رانی تو ابھی زندہ ہے۔" اس نے میرے احساس کو سہارا دیا۔

"ایک بات بتاؤ گی کاکا۔"

"پوچھو۔"

"کیا شنکر کی گندی روح ابھی تک اس دنیا میں بھٹکتی پھر رہی ہے؟"

"بھول جاؤ اس پاپی کو۔" کاکا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "جس کو کاکا ایک بار ناگن بن کر ڈس لے اس کی آتما کو سورگ میں بھی ایک پل کا چین نہیں مل سکتا۔ شنکر تو کیول راستے کا پتھر تھا جسے تمہاری کاکا نے ٹھوکر مار کر ہٹا دیا۔"

"پنڈت جسی دھر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ابھی تک لیڈی مکارنس کی قید میں ہے۔"

"ہاں۔" کاکا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "سفید چمڑی کی وہ بدصورت ناری بھی اپنے اندر ایک مہان شکتی رکھتی ہے۔ ایسی شکتی جس کو پراپت کرنے کے کارن منش کو برسوں جاپ کرنا پڑتا ہے۔"

"کیا وہ تم سے بھی مہان ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سمے کا انتظار کرو شہباز۔ میری شکتی مجھے واپس مل جائے تو میں تمہیں بتاؤں گی کہ کون کتنے پانی میں ہے۔"

"موہنی اور کومل ورما کے بارے میں تم کیا کہو گی۔" میں نے اسے کریدا۔

"کومل ورما نردوش تھی۔ وہ اجلے من اور سندر شریر کی مالک تھی پرنتو تم نے موہنی کا راز جاننے کی خاطر اسے مار ڈالا۔" کاکا نے کہا۔ "رہا موہنی کا سوال تو وہ ایک چھایا ہے جو کسی اور کے اشارے پر ناچ رہی ہے۔"

"کیا تم اسے نشٹ نہیں کر سکتیں۔"

"مجھے مجبور مت کرو شہباز۔" وہ بڑی عاجزی سے بولی۔ "میں اس چھایا اور اس کے پیچھے چھپے ہاتھ کو بھی نرک میں جھونک سکتی ہوں لیکن جانتے ہو اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"کیا ہو گا؟" میں نے اضطراب کے عالم میں دریافت کیا۔

"مجھے ایک بار پھر قید کر لیا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ میری

آتما کو ہمیشہ کے لیے اسی مورتی کے روپ میں بند کر دیا جائے جسے شنکر نے تمہارے ذریعے حاصل کیا تھا پھر میں بھی کوئی اور روپ نہیں دھار سکوں گی۔ پرنتو تم اگر چاہو تو تمہاری کاکا رانی اپنے جیون کا بلیدان بھی پیش کر سکتی ہے۔"

"نہیں کاکا نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تم میرے پاس رہو میرے لیے یہی بہت ہے۔"

"کیا کرو گے تم اپنی کاکا کو اپنے پاس رکھ کر۔" اس نے ایک بار پھر اپنے سندر شریر اور آواز کا جادو جگایا۔ "جو شریر تمہارے مضبوط بازوؤں میں سمٹ کر کسمسا نہ سکے اس کے ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی تو تمہارا انگ انگ پیاس کی شدت سے سلگتا رہے گا اور میرے شریر کی اگنی مجھے اندر ہی اندر جھلساتی رہے گی۔ آگ اور پیٹرول کا ساتھ کسی بھی سمے سب کچھ جلا کر راکھ کر سکتا ہے۔"

"تمہارے قرب کو حاصل کرنے کی خاطر میں اپنی پیاس کو بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں دفن کر لوں گا۔"

"میں جانتی ہوں۔" کاکا نے ایک قہر شکن انگڑائی لی تو اس کے حسین جسم کی رعنائیاں اور قیامت خیز بن گئیں۔ بڑے پیار بھرے لہجے میں بولی۔ "من تو یہی چاہتا ہے کہ سارا جیون تمہاری پلکوں کے چھاؤں تلے بتا دوں لیکن۔"

"لیکن کیا۔"

"میں اب تم سے اجازت لوں گی۔"

"اتنی جلدی۔"

"ہاں۔ میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں پرنتو تم پریشان مت ہو۔" اس نے مجھے یقین دلایا۔ "میں پھر تمہارے پاس آؤں گی۔ تم سے دور رہ کر میری آتما کو بھی چین نہیں ملتا۔"

"کاکا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "تم نے مجھے وچن دیا ہے کہ ہر خطرے سے مجھے آگاہ کرتی رہو گی۔"

"ہاں شہباز۔" وہ بڑے پیارے انداز میں بولی۔ "میں اپنا وچن یاد رکھوں گی پرنتو تمہیں بھی میرے کارن ایک بلیدان دینا ہو گا۔"

"وہ کیا۔"

"بات پرانی ہے اس لیے تم شاید بھول گئے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔ "میں نے کہا تھا کہ اگر تم نے کبھی کسی کو اپنی پتنی بنایا تو کاکا سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کو سمیٹ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد بھی میں تادیر اس کے حسین تصور سے کھیلتا رہا۔

*

میں دفتر پہنچا تو خلاف توقع ندیم کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس

روز ہر بات حیران کن ثابت ہو رہی تھی۔ پانڈے نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کومل ورما مرنے کے باوجود اسی کے دفتر میں کام کر رہی تھی۔ اب اس نے ایک پراسرار صورت اختیار کر لی تھی۔ پانڈے کے سوا وہ کسی اور کو نظر نہیں آتی تھی۔ آج ہی کاکا میری آواز کے بغیر دوبارہ میرے سامنے میرے پسندیدہ روپ میں آئی تھی اور آج ہی میں ندیم کو اپنے دفتر میں دیکھ رہا تھا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ ندیم لندن سے واپس لوٹے۔ وہ میرا دوست تھا لیکن اس نے اپنے لیے جو راہ منتخب کی تھی اس نے اسے انتہا پسند بنا دیا تھا۔ وہ بلا کسی خوف و خطر خطرات سے کھیلنے کا عادی تھا۔ میری خاطر وہ اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا تھا لیکن میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ جب وہ تنہا تھا تو اور بات تھی لیکن اب نسیم کی زندگی بھی اس کی ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اب میں تنہا ان پراسرار قوتوں سے نپٹنا چاہتا تھا جو میرے خلاف قدم قدم پر گڑھے کھود رہی تھیں۔ ٹونی ابھی تک ہسپتال میں تھا۔ میں نے گودام میں لگنے والی آگ اور ٹونی والے حادثے کی اطلاع ندیم کو جان بوجھ کر نہیں دی تھی۔ نسیم کے ساتھ میرا کوئی خونی لگاؤ نہیں تھا بس میں نے اسے ایک بھائی کا پیار دیا تھا۔ اس کو گندگی سے نکال کر کھلے ماحول میں سانس لینے کا عادی بنایا تھا۔ اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں اس کے خلاف کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ندیم نے اس سے شادی کر کے میرے خوابوں کی تکمیل کر دی تھی۔ اس نے نسیم کو جو تحفظ دیا تھا میں اسے برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

"تم۔" میں نے ندیم کے ساتھ گرم جوشی سے گلے ملتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔" ندیم نے سنجیدگی سے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "کیوں؟ کیا تمہیں میری واپسی پر خوشی نہیں ہوئی۔"

"نسیم کہاں ہے؟" میں نے اس کی نگاہوں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا وہ بھی تمہارے ہمراہ آئی ہے؟"

"نہیں۔ میں نے اسے ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ لندن میں زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"تمہارے ساتھ اور کون کون آیا ہے۔ میرا مطلب ہے راجو اور مایا۔ موٹا یا جولی کہاں ہیں۔"

"وہ سب لندن ہی میں ہیں۔ میں تنہا آیا ہوں۔" ندیم سنجیدہ تھا۔

"کوئی خاص کام تھا یہاں۔"

"ہاں۔"

"مجھے فون کر دیا ہوتا۔"

"میں نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔" ندیم سپاٹ آواز میں بولا۔

"کیوں۔ کیا وہ کام۔"

"میں اس وقت ٹونی سے مل کر آ رہا ہوں۔" ندیم ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "وہاں دانش سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ میرے بے حد استفسار پر اس نے گودام میں ہونے والی کہانی دہرائی تھی۔"

"بزنس میں اتار چڑھاؤ اور نفع نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"انکل کی موت کو تم کیا کہو گے۔ نفع یا نقصان۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "مجھے اب زیادہ بہلانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں اس ہسپتال کے ان ڈاکٹروں سے بھی مل چکا ہوں جہاں انکل کی موت واقع ہوئی تھی۔"

"میں نے جان بوجھ کر تمہیں ان حالات کی اطلاع نہیں دی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو نقصان ہو چکا اب اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن ان راستوں کو تو بند کیا جا سکتا ہے۔ جس راہ سے یہ تباہیاں آ رہی ہیں۔" ندیم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "سردی کی لہر آتی ہے تو انسان کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیتا ہے۔ سرد ہوا کے جھونکوں کو برداشت کرنا میرے خیال میں دانشمندی نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں تمہاری باتوں کو سمجھ رہا ہوں لیکن ہواؤں پر تلوار یا کسی خودکار رائفل سے گولیاں بھی نہیں برسائی جا سکتیں۔"

"میں تمہارے خیال کی تائید نہیں کروں گا۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے تو دشمن قوتیں اور سر ابھارنے لگتی ہیں۔"

"اس کے باوجود تم پراسرار اور نادیدہ قوتوں سے سامنے کوئی بند نہیں باندھ سکتے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "نرنجن لال کی موت کے بعد یہی نادیدہ قوتیں کچھ عرصے کے لیے خاموش ہو گئی تھیں پھر ہماری غفلت نے انہیں دوبارہ سر اٹھانے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔"

"مگر۔۔۔"

"تم جسے بے بسی کا نام دے رہے ہو میں اسے ایمان کی کمزوری سے تعبیر دوں گا۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم موت کو ٹال سکتے ہو؟ نہیں، لیکن اس کے عذاب اور عتاب سے بچنے کے ہزاروں طریقے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں زہد و تقویٰ کا اتنا پابند نہیں ہوں جتنا دوسرے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی ذات پر مکمل یقین رکھتا ہوں۔ اسی یقین نے میرے بازوؤں کو قوت بخشی ہے۔ ایمان مستحکم ہو' قدم متزلزل نہ ہوں تو کوئی بلا اور نادیدہ قوتیں بھی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کاروبار میں ملوث ہوں اس پر قدم قدم پر موت کا ہولناک رقص جاری رہتا ہے۔ میرے راستے میں بھی بے شمار رکاوٹیں ہیں۔ اندھیرے میں کوئی سنسناتی ہوئی گولی میرے جسم اور روح کے تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتی ہے لیکن میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کے لیے نیلی چھتری والے نے جو وقت مقرر کر دیا ہے اسے دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں ٹال سکتی' لیکن اگر ہم موت سے خوفزدہ ہو کر بیٹھ جائیں تو ہماری صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور شاید ہم خود اپنی موت کے لیے راہ ہموار کر دیتے ہیں۔ تم نے کبھی ان دہشت گردوں کے بارے میں سوچا ہے جو بڑی بے رحم اور سفاک القلب ہوتے ہیں۔ بھرے بازار میں ہزاروں آدمیوں کے بیچ وہ جسے چاہتے ہیں اس کا جسم گولیوں سے چھلنی کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کو پکڑنے کے لیے کوئی سامنے نہیں آتا۔ جانتے ہو کیوں؟ جب کہیں کسی بازار میں ایک بھی گولی چلتی ہے تو انسان پر خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ مجرم کو پکڑنے کے بجائے اپنی زندگی بچانے کی خاطر پناہ کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کا یہی خوف اور بزدلی دہشت گرد کو اور طاقت ور بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر عوام کا ریلا ان پر ٹوٹ پڑے تو دس بارہ یا پچیس پچاس لاشیں ضرور گریں گی لیکن جو بچے رہیں گے انہیں ہمیشہ کے لیے ان سے چھٹکارا مل جائے گا لیکن شاید وہ بھی تمہاری طرح سوچنے کے عادی ہیں۔ ان کے اندر اتحاد نہیں ہے۔ یقین کی کمی ہے۔ موت کا تصور ان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے۔ رسی کے دھاگے اگر الگ الگ کر دیے جائیں تو کوئی بچہ بھی اسے طاقت کے زور پر توڑ دے گا لیکن اگر وہ مضبوطی سے آپس میں گتھے رہیں تو دوسروں کے لیے پھانسی کا پھندا بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔ تم نے مجھے حالات سے بے خبر

رکھنے کی کوشش کی۔ کیوں؟ شاید اس لیے کہ تم مجھے خطرات سے دور رکھنا چاہتے تھے لیکن کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو مجھے کتنا دکھ ہوتا۔ نسیم کے دل پر کیا گزرتی۔ آنٹی کا کیا حال ہوتا؟"

ندیم کی دلیلوں میں وزن تھا۔ میں خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے دل میں غبار بھرا تھا۔ وہ اس بوجھ کو ہلکا کرتا رہا۔ "وقت اور حالات کے علاوہ ذاتی نمائش اور خود غرضی نے بھی ہمارے جتھے کو کمزور کر دیا ہے۔ پہلے جب پورا خاندان ایک چھت کے نیچے زندگی گزارنے کا عادی تھا اس وقت پاس پڑوس کا کوئی آدمی یا چور اچکے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے لیکن جیسے جیسے دولت کی چمک نے آنکھیں خیرہ کیں۔ لوگ علیحدہ ہوتے گئے۔ اپنے اپنے خوبصورت بنگلوں اور فلیٹوں میں منتقل ہونے لگے۔ ہمارے درمیان اخوت اور یک جہتی کے بجائے خود آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی شروع ہو جاتی ہے۔ خون کے رشتے بھی آپس میں حسد کرنے لگتے ہیں تو بیرونی قوتیں انہیں فردا" فردا" مارنے میں زیادہ آسانی سے کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے تم اب اچھی خاصی تقریر کر چکے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے ندیم کو ٹوکا۔ "چلو" میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔"

"غلطی تسلیم کرتے ہو بقراط کی دم تو پھر آج سے یہ بھی محسوس کرنے کی عادت ڈالو کہ دوستی کا رشتہ عام رشتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مقدم ہوتا ہے۔ سچا اور مخلص دوست وہی ہوتا ہے جو وقت پر کام آئے۔"

"یہ بھی تسلیم۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تمہیں تمام حالات کی خبر کس طرح ہو گئی تھی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ یہاں میرے کیسینو میں جو آدمی کام کرتے ہیں کیا وہ سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔" ندیم نے مجھے گھورا۔ "جب انکل کی موت واقع ہوئی تھی تو میں اسے طبعی حادثہ سمجھا تھا لیکن جب تمہارے گودام میں آگ لگی۔ ماسٹر ٹونی کے ہاتھ کے بعد اس کی ٹانگ کٹنے کا نمبر آیا تو مجھے تمہاری باتوں پر شبہ ہونے لگا چنانچہ میں نے اپنے ایک خاص آدمی کو حالات اور واقعات معلوم کرنے پر تعینات کر دیا اور آج اسی کی فراہم کردہ اطلاعات پر میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ بک بک کر رہا ہوں لیکن تم نے ابھی تک ایک کپ کافی کو بھی نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ مس عارفہ اب کیسی ہے۔ ہے بھی یا تمہاری سرد مہری سے تنگ آکر چھٹی کر گئی۔" ندیم آہستہ آہستہ خوش گفتاری کی سمت واپس آ رہا تھا۔

"کوئی مت۔ تم اب شادی شدہ ہو۔" میں نے انٹرکام کا بزر بجا کر عارفہ سے کافی بھیجنے کو کہا۔

"اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ میدان جنگ کا تازہ ترین نقشہ کیا ہے۔"

"نرنجن لال کے بعد اب پراسرار قوتیں بے شنکر پانڈے نامی ایک کنسٹرکشن کمپنی کے مالک کے لیے میرے خلاف برسرپیکار ہیں۔"

"بے شنکر پانڈے کو بھی راستے سے ہٹا دو۔ ان کا زور پھر ٹوٹ جائے گا۔" ندیم نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں آج ہی اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ تین روز کے اندر تمہارے شنکرجی کا بھی تیا پانچا ہو جائے گا۔"

"نہیں۔ فی الحال تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "پانڈے کا والد صاحب سے بھی خاصہ میل جول تھا۔ بظاہر وہ ایک اچھا انسان ہے اور خود بھی بہت پریشان ہے۔"

"کیا مطلب۔" ندیم چونکا۔ "جب گندی قوتیں اس کی مدد کر رہی ہیں تو پھر اس کی پریشانی کا کیا سبب ہے؟"

جواب میں میں نے والد صاحب کی موت سے لے کر پانڈے

سے اپنی آخری ملاقات تک کی تمام تفصیل دہرا دی۔ صرف کالا کی دوبارہ آمد کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے کمبل پوش کی نوازشوں کا ذکر بھی کیا لیکن اس صندلی انگوٹھی کے راز کو ان بزرگ کے حکم پر راز ہی رکھا۔

"ہنگ۔" ندیم پوری تفصیل سننے کے بعد کافی کا طویل گھونٹ لے کر بولا۔ "تم نے پانڈے کے پروجیکٹ کو تباہ کر کے مردانگی کا ایک کام تو کیا۔"

"لیکن وہ بے قصور ہی ہے۔"

"ہوا کرے۔" ندیم نے بے پروائی سے کہا۔ "محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔"

"تم اس سے ملو گے تو شاید تمہیں بھی اس کے نقصان پر دکھ ہو گا۔"

"ایک بات بتاؤ۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تمہیں کومل ورما کے سلسلے میں پانڈے کی بات کا یقین آگیا ہے۔"

"نہ یقین کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "خود میں بھی اس کی دہری اور پراسرار شخصیت سے پریشان ہوں۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ کومل ورما یا موہنی کی پشت پر کون سی پراسرار شخصیت کام کر رہی ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بار ایسا ہوا تھا کہ محض چند منٹ کے وقفے کے بعد مجھے موہنی اور لیڈی مکلارنس کے فون ملے تھے اور دونوں نے مجھے ایک ہی مشورہ دیا تھا کہ اگر مجھے زندگی عزیز ہے تو اسی کو لے کر کہیں دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔"

"یہ محض ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ موہنی اور لیڈی مکلارنس ایک ہی شخصیت کے دو مختلف روپ ہوں۔" میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔

ندیم کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک سراج کمرے میں داخل ہوا۔ ندیم کو دیکھ کر وہ بھی چونکا تھا۔ کچھ دیر تک ہمارے درمیان رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر سراج نے مجھ سے پوچھا۔

"آج صبح سے آپ کہاں غائب ہیں؟ میں کئی جگہ آپ کو فون پر تلاش کر چکا ہوں۔"

"خیریت۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا میرا شمار بھی ایسے مجرموں میں کر لیا گیا ہے جن پر اپنی نقل و حرکت کے بارے میں پولیس کو مطلع کرنے کی پابندی عائد ہوتی ہے۔"

"ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی۔"

"گویا آئندہ کے لیے ایسے خدشات موجود ہیں۔" ندیم نے سوال کیا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔" سراج نے عجیب سنسنی خیز انداز میں جواب دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آپ نے کہا تھا کہ جس روز پانڈے کی چار منزلہ عمارت مسمار ہوئی تھی اس روز آپ شام سات بجے کے بعد سے گھر پر ہی تھے۔"

"جی ہاں۔" میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"ارجن نے اقبال جرم کر لیا ہے۔" سراج نے مجھے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ پانڈے کے پروجیکٹ کو اسی نے بم سے اڑایا تھا لیکن اس نے ایسا اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔"

"پھر؟"

"اس نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے اس کے مطابق آپ نے پرسنل جیلسی (ذاتی اختلاف) کی بنیاد پر اسے اس کام کے لیے مامور کیا تھا اور اس کے عوض ارجن کو پچاس ہزار روپے دیے تھے۔"

"آئی سی۔" میں نے زہرخند جواب دیا۔ "گویا اس بار پھر وہی کہانی دہرائی جا رہی ہے جو اس سے پہلے بھی آپ کو سنائی گئی تھی۔"

"میں آپ کی بات کا مطلب بھی سمجھ رہا ہوں لیکن پولیس کے لیے ضابطے کی کارروائی بھی ضروری ہوتی ہے۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن آپ محض ایک مجرم کے بیان پر کسی کو گرفتار تو نہیں کر سکتے۔" ندیم نے سراج کو مخاطب کیا۔

"پولیس کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں۔ یہ ہم آپ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔" سراج کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔ "آپ اگر اس معاملے میں۔۔۔"

"مسٹر سراج۔" ندیم نے سراج کے جملے کو کاٹتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں حکومت کو ایک سال میں جتنا انکم ٹیکس ادا کرتا ہوں اتنی شاید آپ کی تین سال کی تنخواہ بھی نہ ہوتی ہو گی۔ میں قانون کی نگاہوں میں ایک معزز شہری ہوں جسے سکون سے سانس لینے کے تمام بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ آپ کو غالباً اس بات کا علم بھی ہو گا کہ میں شہباز کے دوستوں میں سے ہوں۔ اس لیے دنیا کا قانون میرے وجود کو شہباز کی ذات سے الگ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا کاروبار کس نوعیت کا ہے۔" سراج نے طنزاً کہا۔

"اس کے باوجود آپ کے قانون نے کبھی میرے قریب پھٹکنے کی جرات نہیں کی۔" ندیم نے سراج کی جھلاہٹ پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ اس کی وجہ جاننا پسند کریں تو میں ایسے افراد کے نام بھی گنوا سکتا ہوں جن کے کمرے میں آپ کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی جبکہ میں وہاں میز پر ٹانگیں پھیلا کر بھی آرام کر سکتا ہوں۔"

"مسٹر ندیم۔" سراج تلملا اٹھا۔ "آپ بلا وجہ بات کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں اسے بھی آپ کی تنگ نظری کہوں گا۔" ندیم نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں صرف آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ ایک مجرم کے بیان پر شہباز کو مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ اسی طرح شہر کے کچھ بڑے اور معزز لوگوں کے بیان پر آپ پر بھی اس بات کا شبہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ محض میرے دوست کو کسی اور کے اشارے پر ایک غلط اور بے بنیاد کیس میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے عیوض۔"

"مسٹر ندیم۔" سراج کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "آپ میری ایمانداری پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"یہی جملہ شہباز کی جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی آپ سے کہہ سکتا تھا۔ رہا ثبوت۔ تو ثبوت اور گواہ بہ آسانی پیش کیے جا سکتے ہیں۔"

"ندیم۔" میں نے ندیم کو روکنے کی کوشش کی پھر سراج سے بولا۔ "پلیز مسٹر سراج آپ میرے دوست کی بات کا برا نہ مانیے گا۔"

"میں آپ کو یہاں ہراساں یا اپنی تحویل میں لینے کی غرض سے نہیں آیا تھا۔" سراج نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "صرف ارجن کے بیان سے آگاہ کرنے آیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ارجن نے وہ بیان کسی نادیدہ قوت کے اشارے پر دیا ہوگا۔"

"پھر آپ کا کیا مشورہ ہے۔"

"میں آپ کو بھلا کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔" سراج نے ندیم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ خود ایک پولیس آفیسر رہ چکے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی کو کیا کرنا چاہیے یہ آپ بھی بخوبی جانتے ہیں۔"

پھر سراج وہاں زیادہ دیر نہیں رکا تھا۔ ندیم کی وجہ سے اس نے میرے بے حد اصرار کے باوجود کافی بھی نہیں پی۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے سراج کو بلا وجہ ناراض کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"تم اس کی مطلق پروا نہ کرو۔ اس قسم کے افسر میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا پھر ہمارے درمیان وہی باتیں شروع ہو گئیں جو سراج کے آنے سے قبل ہو رہی تھیں پھر ندیم مجھ سے رات کو ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

"شہباز۔" ندیم کے جانے کے بعد کاکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "تم بالکل پریشان مت ہو۔ میں تمہارے حتر سراج کی باتیں سن چکی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ ارجن نے میرے خلاف جو زہر اگلا ہے وہ موہنی یا کومل ورما کے کہنے کا نتیجہ ہے۔"

"کومل ورما کو بھول جاؤ۔ اب کیول موہنی کی آتما تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"کیا اس کا نام موہنی ہے یا کوئی اور کسی طاقت نے اسے موہنی کا روپ دے رکھا ہے۔"

"ان چکروں میں مت پڑو۔ صرف اس سمے کا انتظار کرو جب تمہاری کاکا رانی کو اس سے چھینی گئی شکتیاں واپس دان کر دی جائیں گی۔"

"لیکن اس سے پہلے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہو گی۔"

"کاکا کے ہوتے ایسا نہیں ہو گا۔"

"جب تم سے تمہاری طاقت چھین لی گئی ہے تو پھر تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو۔"

"تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔" کاکا نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "ارجن نے مجسٹریٹ کی موجودگی میں جو زہر کس کے کہنے پر اگلا ہے مجھے معلوم ہے مگر اب ارجن کو دوبارہ اپنا بیان بدلنا ہو گا۔ میں اس کے دماغ کو اس قابل ہی نہ چھوڑوں گی کہ وہ دوبارہ کچھ کہنے کے قابل رہ سکے۔"

"تم کس کس کا راستہ روکتی رہو گی۔ کس کس کا دماغ پلٹو گی کاکا رانی۔" میں نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "وہ [illegible] تو تمہیں اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔"

"ناراض مت ہو شہباز۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔"

"کیا تمہیں پہلے سے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ارجن میرے خلاف بیان دے رہا ہے۔"

"نہیں۔ اس سمے میں کہیں اور تھی۔ پرنتو اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے ایک بات بتاؤ گے؟"

"پوچھو۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ پانڈے کو وہ بھاری نقصان کس نے پہنچایا تھا۔"

"تم۔" میں چونکا۔ "تم یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"جس دن اس کی عمارت تباہ ہوئی تھی اس دن تم اور دانش اس کے قریب گئے تھے۔" کاکا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس کے بعد دھوئیں کے بادل اس طرح چھا گئے تھے کہ تم اور دانش دونوں اس میں گم ہو گئے تھے۔"

"تمہیں اس بات کا پتا کیسے چلا؟"

"میں نے اس کی آتما کے من میں جھانک لیا ہے جو ارجن کو تمہارے خلاف بھڑکا رہی ہے۔" کاکا نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"تم مجھے کیول اتنا بتا دو کہ اس دن تم اور دانش اس عمارت کی طرف کیوں گئے تھے۔"

"میں۔" میں نے جلدی سے ایک خوبصورت بہانہ تراشا۔ "دانش نے اس عمارت کی بہت تعریف کی تھی۔ میں صرف دور سے اس کا ڈیزائن دیکھنے گیا تھا۔"

"پھر تم نے اپنے حتر سراج کو یہ بیان کیوں دیا کہ اس روز سات بجے کے بعد تم اپنے گھر پر تھے۔"

"سراج ایک پولیس آفیسر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت مجھے کریدنے کی کوشش کرے۔" میں نے پھر دروغ گوئی سے کام لیا۔ "اسی لیے میں نے اسے ڈاج دینے کی کوشش کی ہے۔ میرا دوست ہونے کے باوجود مجھے مجرم سمجھ رہا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس نے مجھے کریدنے کی خاطر وہ سوال کیا تھا۔"

"بھول جاؤ ان باتوں کو۔ میں ارجن کی طرف جا رہی ہوں۔"

اس کے بعد میں نے کاکا کو کئی آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

✿

حسب وعدہ ندیم رات کو میرے گھر آیا۔ خاصی دیر تک وہ ماں کے پاس بیٹھا انہیں تسنیم کی خیریت کے بارے میں بتاتا رہا۔ ان کی دلجوئی کی خاطر شرارت آمیز حرکتیں کرتا رہا اور لندن میں پیش آنے والی فرضی اور من گھڑت باتیں سناتا رہا۔ وہ میری ماں کے غم کے بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت کے دو پہلو تھے۔ ایک وہ۔ جس میں وہ شخص ایک کیسینو کا مالک تھا اور نہایت بے رحمی سے اپنے دشمنوں کو راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دینے کے اصول کا پابند تھا۔ مجھے لندن کا واقعہ روز اول کی طرح یاد تھا جب ندیم نے نہایت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ہارمن اور ہاورڈ سے اپنے حساب کتاب کو چکتا کیا تھا۔ ہاورڈ نے ندیم کو مارنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا وہی ان دونوں کی عبرتناک موت کا سبب بن گیا تھا۔ بریف کیس کھولتے ہی ان دونوں کے جسم کے چیتھڑے ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ فضا میں بکھر گئے تھے۔ ندیم کے اشارے پر جب اس کے دست راست راجو نے داور کا جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اس وقت بھی مجھے اس کی ذہانت کی داد دینی پڑی تھی۔ وہ ایک کے بدلے دو مارنے کے اصول کا قائل تھا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا عادی تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک رخ تھا جس میں وہ انتہائی سفاک واقع ہوا تھا لیکن اس کے برعکس زندگی کے دوسرے رخ میں وہ ایک شریر اور کھلنڈرے بچوں جیسی حرکتیں کرتا نظر آتا تھا۔ اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ دوسروں کے عزت و احترام کا جذبہ موجود تھا بلکہ وہ ایک رحم انسان بھی تھا جو ضرورت مندوں کی مدد کر کے خوشی محسوس کرتا تھا۔

اس وقت وہ بالکل بچوں کی طرح اپنی معصوم حرکتوں اور باتوں سے میری ماں کو ہنسا رہا تھا پھر اچانک امی نے اسے بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "شہباز میرے پیٹ کی اولاد ضرور ہے لیکن میں تمہیں بھی اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا اسے کرتی ہوں۔"

"یہی تو آپ برا کرتی ہیں۔" ندیم نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "میں شہباز کے مقابلے میں چونکہ زیادہ دبلا پتلا اور بھولا بھالا ہوں اس لیے مجھے آپ کے پیار، آپ کی ممتا اور آپ کی دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے بہرحال آپ چونکہ ماں ہیں اس لیے میں اپنی حق تلفی پر کوئی احتجاج نہیں کروں گا۔"

"اچھا اب یہ شرارت کی بات ختم کرو اور کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"ہو گیا سنجیدہ۔" ندیم نے کہا پھر وہ واقعی بہت سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ میں قریب ہی بیٹھا اس کی حرکتوں پر مسکرا رہا تھا۔

"تم شہباز کے دوست بھی ہو اور بھائی بھی۔"

"درست بے شک۔"

"لیکن تم نے ابھی تک شہباز کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔"

"میں سمجھا نہیں آنٹی؟"

"باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اب یہ ذمہ داری تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے کہ تم اس کا گھر بسانے کی کوشش کرو۔" امی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے تو یہ اپنی باتوں میں اڑا دیتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں آنٹی۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر اس نے شرافت سے آپ کا کہنا نہ مانا تو بس اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور قاضی جی سے نکاح کے دو بول پڑھوا کر دلہن والوں کے حوالے کر دوں گا پھر یہ جانے اور اس کے سسرال والے۔"

"مذاق میں مت ٹالو بیٹے۔" امی کی آواز میں ممتا کی خواہش تڑپ اٹھی۔ "میں چاہتی ہوں کہ مرنے سے پہلے اس کے سر پر سہرا دیکھ لوں۔"

"کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟" ندیم پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ تیار تو ہو پہلے۔" امی نے میری سمت پیار سے دیکھا۔ "اس کے لیے تو میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکیوں کا انبار لگا سکتی ہوں۔"

"آپ جو حکم دیں گی میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔" ماں کی دلجوئی کی خاطر میں نے ان کے شانوں پر سر رکھ دیا۔

کچھ دیر تک ندیم امی کے ساتھ بیٹھا میری شادی کے منصوبے بناتا رہا پھر وہ مجھے ساتھ لے کر باہر آ گیا جہاں اس کی گاڑی موجود تھی۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے پھاٹک سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب تمہیں آنٹی کی خوشی کی خاطر ان کی بات مان لینی چاہیے۔"

"میں نے انکار کب کیا ہے لیکن ایسے حالات میں کہ جب کہ چاروں طرف سے مجھے گھیرا جا رہا ہے میں شادی بیاہ کی بات کیسے کر سکتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو لڑکی میری زندگی میں بیوی بن کر آئے گی ہو سکتا ہے اسے بیوہ بننے میں بھی زیادہ دیر نہ لگے۔"

"میرا خیال ہے جو خطرات میرے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں وہ تم سے زیادہ مہلک اور تباہ کن ہیں لیکن اس کے باوجود میں نے نیلم سے شادی کر لی۔" ندیم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم لندن میں میرے ساتھ رہ کر بہت قریب سے کچھ حالات کا جائزہ لے چکے ہو لیکن میں مایوسی کی باتوں کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ یہ باتیں انسان کو بزدل بنا دیتی ہیں اور میں بزدلوں کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تمہارے دشمن تمہاری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں تم ان سے کھل کر مقابلہ کر سکتے ہو لیکن مجھے نادیدہ قوتوں نے گھیر رکھا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن تمہاری موت اسی وقت واقع ہو گی جب قدرت چاہے گی۔" ندیم نے مجھے گھورا۔ "کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو۔"

ندیم کی باتوں میں وزن تھا۔ اس لیے میں نے کوئی جواب نہیں دیا بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"تم اس وقت کہاں چل رہے ہیں؟"

"گھبراؤ مت ---- میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" ندیم نے مجھے ٹالنے کی خاطر کہا لیکن اس وقت میں چونکے بغیر نہ رہ سکا جب ندیم نے اپنی گاڑی ایک ایسے موڑ پر روکی تھی جہاں سے کومل ورما کا گھر صاف نظر آ رہا تھا۔ مجھے وہ رات یاد آگئی جب میں نے کومل ورما کے خوبصورت وجود کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا تھا۔

"تم ---- یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

ندیم نے جواب دینے کے بجائے جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے ایک لمحے کو جلتے ہوئے لائٹر کو کھڑکی سے باہر نکالا پھر اسے بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ میں ابھی اس کی حرکت کا مقصد سمجھنے کی خاطر سوچ ہی رہا تھا کہ فضا میں ایک ہولناک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کومل ورما کے مکان سے بھیانک شعلوں کو بلند ہوتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے ندیم نے بڑی برق رفتاری سے گاڑی کھلی سڑک کی جانب موڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

"یہ ---- یہ تم نے کیا کیا۔" میں نے ندیم سے پوچھا۔ "اس مکان میں کومل ورما کی ماں رہتی تھی۔"

"تم انکل کی موت کو کیوں بھول رہے ہو۔" ندیم کے لہجے میں سفاکی تھی۔ "ابھی تو صرف میں نے انکل کی موت کا دیباچہ رقم کیا ہے۔ کتاب لکھنا تو اب بھی میرے اوپر ایک قرض ہے۔"

"لیکن ----"

"پریشان مت ہو۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر نادیدہ قوتیں دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں تو انہوں نے یہ بھی ضرور دیکھا ہو گا کہ میں نے کومل ورما کے مکان کو دہکتے شعلوں کی نذر کرنے کا سگنل دیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ کر مجھ سے انتقام لینے کی ٹھان لیں۔"

"مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے مگر تم نے اچھا نہیں کیا۔ گندی اور پلید قوتیں میرے پیچھے پڑی ہیں۔ وہ اس تباہی کا انتقام مجھ سے لیں گی۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔" ندیم نے اس بار لاپرواہی سے جواب دیا۔ "یہ کل دیکھا جائے گا۔"

"سراج بڑا گھاگ پولیس آفیسر ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ کومل ورما کے مکان کی تباہی کو بھی تمہاری ذات سے منسوب کرے گا۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا پھر تقریباً دس منٹ بعد اس نے اپنی گاڑی سول لائنز کے علاقے میں ایک ایسے بنگلے کے سامنے روکی جہاں ایک فوجی گارڈ پوری طرح مستعد اور مسلح کھڑا ہوا تھا۔ کار کی روشنی میں میں نے اس بورڈ کو بھی غور سے دیکھا جس پر میجر جنرل (ریٹائرڈ) سلیمان شاہ کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ میں نے سلیمان شاہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا لیکن اخباروں میں یہ ضرور پڑھا تھا کہ فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد انہوں نے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ برسراقتدار پارٹی میں ان کو بڑی عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ سلیمان شاہ کو وزیر بنانے کی خاطر کئی منتخب ارکان نے اپنی سیٹ سے دستبردار ہونے کا اعلان بھی کیا تھا لیکن سلیمان شاہ نے ان کی پیشکش قبول نہیں کی تھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" فوجی گارڈ نے رائفل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے قریب آکر ندیم سے پوچھا۔

"شاہ جی گھر پر ہیں؟"

"نہیں۔ وہ آج کل ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"واپسی کب تک متوقع ہے؟"

"ہمیں اس کا علم نہیں۔ آپ فون کر کے بیگم صاحبہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔" گارڈ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا بیگم صاحبہ گھر پر ہیں؟" ندیم نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"شکریہ۔" ندیم نے جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر گارڈ کو دیتے ہوئے کہا۔ "اسے بیگم صاحبہ تک پہنچا دو۔"

گارڈ خاموشی سے کارڈ لے کر پھاٹک تک گیا پھر اس نے پھاٹک پر ایک ہلکی دستک دینے کے بعد کارڈ کو لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ مجھے یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی کہ اندر حفاظتی دستے کے کچھ اور مسلح افراد بھی ضرور ہوں گے۔ ندیم سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بڑی لاپروائی سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"تم سلیمان شاہ کو کب سے جانتے ہو؟"

"جب سے اس نے ماہ رخ سے شادی کی ہے۔"

"ماہ رخ؟" میں نے حیرت سے وضاحت چاہی۔

"سلیمان شاہ کی بری چھوٹی بیوی کا نام ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "سلیمان شاہ کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر ہی ہوگی جب کہ ماہ رخ صرف تیس سال کی ایک جیتی جاگتی قیامت ہے۔ سلیمان شاہ کی سب سے بڑی کمزوری۔"

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟"

"اس وقت سے جب وہ مسز سلیمان نہیں بنی تھی۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

اسی وقت پھاٹک کھلا اور ندیم نے گاڑی بنگلے کے اندر پارک کر دی جہاں دو گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بنگلے کے اندر بھی دو مسلح فوجی گارڈ موجود تھے جن میں سے ایک نے ہماری رہنمائی ڈرائنگ روم تک کی پھر لفٹ رائٹ کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ میں نے ڈرائنگ روم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جو نہایت اعلیٰ قسم کے ساز و سامان سے آراستہ تھا۔

کچھ دیر بعد ایک عورت نے آکر ندیم سے کہا۔

"بیگم صاحبہ نے آپ کو اندر بلایا ہے۔"

ندیم بڑے پروقار انداز میں اٹھا۔ میں نے بھی اشارہ پا کر اس کی پیروی کی تھی۔ ڈرائنگ روم کے باہر ایک چھوٹا مگر انتہائی خوبصورت چوکور سا باغ بنا ہوا تھا جو خوابناک روشنیوں میں ایک دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ اس پارک کے چاروں اطراف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ملازمہ نے ایک کمرے کے باہر رک کر دروازے کو دوبارہ دستک دی اور الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد دروازے کے اوپر ایک ہرے رنگ کا ننھا بلب روشن ہوا پھر ایک کھٹکے کی آواز سنائی۔ بالکل ویسی ہی جیسے الیکٹرک لاک کے کھولنے پر ابھرتی ہے۔

ندیم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا جہاں حقیقتاً ایک جیتی جاگتی قیامت ہمارے استقبال کو موجود تھی۔ کمرے میں ایک طرف نہایت خوبصورت مسہری تھی اور دوسرے گوشے میں ایک صوفہ سیٹ اور شیشے کی گول میز موجود تھی جس پر اعلیٰ برانڈ

کی شراب موجود تھی۔ غالباً ہمارے آنے سے پہلے وہ اپنا کوئی غم غلط کرنے میں مصروف تھی۔ فرش پر اتنا دبیز قالین تھا کہ قدموں کی آہٹ بھی اس کے اندر گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ندیم کو دیکھ کر ماہ رخ کی نشیلی آنکھوں میں ایک مخصوص اور معنی خیز سی چمک ابھری تھی۔ اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے ندیم سے دریافت کیا۔

"آپ کی تعریف؟"

"میرے جگری دوست۔ شہباز خان۔" ندیم نے بڑی بے تکلفی سے میرا تعارف کرایا۔ "آپ چاہیں تو انہیں زاہد خشک کا نام بھی دے سکتی ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" ماہ رخ نے مجھے بڑی شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان نگاہوں میں مستی کے ساغر گرا رہے تھے۔ "کیا شوق فرمائیں گے آپ۔" اس نے ہمارے بیٹھنے کے بعد بطور خاص میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو صرف ایک کپ کافی۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ میں حتی الامکان یہی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی طرف سے غور سے نہ دیکھوں اس لیے کہ وہ اس وقت ایسے ڈریسنگ گاؤن میں تھی جو اس کی قیامت انگیز اور بھرپور شخصیت کو اور دو آتشہ کر رہا تھا۔ ندیم نے مجھے اس کی عمر تیس سال بتائی تھی لیکن وہ جسمانی اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے بے حد کم سن نظر آتی تھی۔

"یہ ابھی تک اس نعمت سے محروم ہیں۔" ندیم نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہ۔" ماہ رخ نے ایک بار پھر مجھے نظر بھر کر دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔ "کیا میرے کہنے پر بھی آپ اپنی توبہ نہیں توڑیں گے۔"

"یہ پتھر ہے۔ اسے جونک لگنی مشکل ہے۔" ندیم نے کہا۔

"آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے۔" ماہ رخ نے ندیم کے لیے گلاس تیار کر کے اس کی طرف بڑھایا پھر انٹرکام کا ایک بٹن دبا کر کسی کو میرے لیے کافی کا آرڈر بھی کر دیا۔

"ایک ضروری کام نکل آیا تھا۔" ندیم نے گلاس اٹھا کر اسے ماہ رخ کے ہاتھ میں دبے ہوئے خوش قسمت جام سے ہلکے سے ٹکرایا پھر ایک ہی گھونٹ میں آدھا گلاس ختم کرتے ہوئے بولا۔ "ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں مسٹر سراج۔ بڑا ایماندار افسر ہے لیکن آج کل وہ ہمارے دوست پر کچھ زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" ماہ رخ نے اپنا گلاس ختم کر کے دوسرا تیار کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں دور دراز مقام پر پھکوا دوں یا ملازمت سے برطرف کرا دوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ زیادتی ہوگی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ضابطے کی کارروائی کرنا سراج کا حق ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس ایماندار افسر کو بلاوجہ میری خاطر پریشان کیا جائے۔"

"اور آپ جو دو مہینوں کو پریشان کر رہے ہیں۔" ماہ رخ نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے کوئی بلی چوہے کو پنجہ مارنے سے پہلے دیکھتی ہے پھر ایک خاص ادا سے اپنی ناگن زلفوں کو پشت کی جانب اچھالتے ہوئے بولی۔ "میرے علاوہ کوئی اور آپ کو پریشان کرے یہ بات مجھے منظور نہیں۔" ماہ رخ کے آخری جملے میں خود سپردگی کا احساس تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بہکتی جا رہی تھی۔

"فی الحال میری درخواست ہے کہ آپ مسٹر سراج کو پریشان نہ کریں۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو میں آپ کو ضرور یاد کروں گا۔"

"آپ اور مجھے یاد کریں گے۔" اس نے میری آنکھوں میں بہت دور تک جھانکنے کی کوشش کی۔ "زہے قسمت، زہے نصیب۔"

مجھے ماہ رخ کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے اور ندیم کے تعلقات کس قسم کے رہے ہوں گے ورنہ پہلی ہی ملاقات میں کسی اجنبی سے اس قدر بے تکلف ہونا کم از کم اس کے شایان شان نہیں تھا۔ اسی لمحے کافی کی ٹرے لیے ایک خوبصورت سی لڑکی اندر داخل ہوئی تو ماہ رخ قدرے سنبھل گئی۔ لڑکی کے جانے کے بعد اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے لیے کافی تیار کی پھر میرے قریب کھسکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اجازت ہو تو کافی کے اس کپ میں دو چار قطرے ملا دوں۔"

"جی نہیں۔۔۔ پھر کبھی سہی۔" میں نے قدرے گھبرا کر جواب دیا پھر کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"چلئے آپ نے وعدہ تو کیا۔" وہ ایک قہر شکن انگڑائی لے کر بولی۔ "مجھے آپ کے اس "پھر کبھی" کا بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔"

"میں نسیم کو لندن چھوڑ کر آیا ہوں۔" ندیم نے تیسرا گلاس حلق کے اندر انڈیلتے ہوئے کہا۔ "یہاں میرا قیام زیادہ دنوں نہیں ہوگا۔ اس لیے میں اپنے دوست کو آپ سے ملوانے لایا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ آپ میرے جانے کے بعد بھی ان کا خیال رکھیں گی۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔" ماہ رخ نے ندیم کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ "کیا تم آج کچھ زیادہ مہذب بننے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔ یہ تم نے کیا آپ۔۔۔ آپ لگا رکھی ہے۔"

"سوچ لو۔" ندیم نے بے تکلفی سے کہا۔ "اگر شاہ جی کو شبہ ہو گیا تو مجھے جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔"

"اس کی فکر بھی نہ کرنا۔ وہ میری مٹھی میں ہے۔" ماہ رخ نے بڑے اعتماد سے کہا پھر ڈگمگاتے قدموں سے اٹھتے ہوئے ندیم سے بولی۔ "مجھے تم سے ایک بہت اہم اور ضروری بات کرنی ہے لیکن اکیلے میں۔"

ندیم خاموشی سے اٹھا پھر وہ ماہ رخ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ان کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی پھر ہم جانے کے لیے اٹھے تو ماہ رخ نے خدا حافظ کرتے وقت مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے میرے وجود کے اندر بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہو۔

"تم مجھے یہاں کس مقصد سے لائے تھے۔" میں نے واپسی میں ندیم سے پوچھا۔

"ماہ رخ سے تمہارا تعارف کرانے۔" ندیم نے کہا۔ "بڑے کام کی عورت ہے۔ اپنے لوگوں کے مراسم آڑے وقت میں بڑے کام آتے ہیں۔ تم نے سلیمان شاہ کے بارے میں ضرور سنا ہوگا لیکن ماہ رخ اس سے بھی کہیں زیادہ بااثر ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ندیم کے بارے میں سوچنے لگا جس نے اپنی جڑیں دور دور تک پھیلا رکھی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی جس نے اسے بہت نڈر اور بے خوف بنا رکھا تھا۔

مادھوری کے سلسلے میں ندیم نے جو نسخہ استعمال کیا تھا وہ اتنی جلدی زود اثر ہو گا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے روز میں چار بجے دفتر میں بیٹھا ایک اہم فائل کے مطالعے میں مصروف تھا کہ عارف نے مجھے سراج کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے اسے فوراً ہی اندر بلوا لیا۔ سراج نے مصافحے کے بعد میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ میں فوری طور پر اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

"تشریف رکھیے مسٹر سراج۔"

"نہیں۔" سراج نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ "میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں۔"

"پھر۔" میں نے اسے وضاحت طلب نگاہوں سے دیکھا۔ "کیا میں سمجھوں کہ ارجن کے بیان کی روشنی میں آپ مجھے حراست میں لینے آئے ہیں۔"

"جی نہیں۔" سراج نے اس بار بھی مختصراً کہا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "مجھے مسٹر ندیم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ وہ اتنا آگے نکل جائیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وقتی طور پر میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔" سراج نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "لیکن وقت اور حالات کبھی یکساں نہیں رہتے۔ موسم کا بھی کچھ یہی حال ہوتا ہے۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں تو کبھی کی راتیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔"

"فی الحال آپ مسٹر ندیم سے صرف اتنا کہہ دیجیے گا کہ میرے اور ان کے درمیان اس روز آپ کے دفتر میں جو بات ہوئی تھی اسے بھول جائیں۔ اس روز حالات نے مجھے قانون کے آگے بے بس کر دیا تھا۔"

"او۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "وہ میرا بہت گہرا دوست ہے۔ اس لیے ذرا جذباتی ہو گیا تھا۔ آپ اس کی مطلق پروا نہ کریں۔ وہ دل کا اتنا برا نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔" سراج نے زہرخند سے جواب دیا۔ "اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔"

"پلیز مسٹر سراج۔" میں نے خلاصت کا انداز اختیار کیا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے کافی منگواتا ہوں۔ رہا اس روز کی گفتگو کا معاملہ تو میں ندیم کی طرف سے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ والد صاحب کے واقف کاروں میں سے ہیں اس لیے آپ کا احترام ویسے بھی میرے اوپر واجب ہے۔"

سراج نے کچھ سوچا۔ شاید وہ میری بات کو اپنے طویل تجربے کی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا اور سراج کو لے کر صوفوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں قانونی پیچیدگیوں کو سمجھتا ہوں مسٹر سراج۔ قانون کا احترام سب پر لازم ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی کبھی قانون کے کسی نہ کسی محافظ کو فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں اپنی اولاد کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پہنانی پڑتی ہیں۔ اگر ارجن کے بیان کی روشنی میں۔۔۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ارجن اپنے بیان سے منحرف ہو گیا ہے۔"

"لیکن اس نے تو مجسٹریٹ کی موجودگی میں اپنا بیان قلم بند کرایا تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں مگر جیل کسٹڈی میں جانے کے بعد اس نے اپنا سابقہ بیان بدل دیا ہے۔" سراج نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ اس نے محض پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ سے بچنے کی خاطر ایک فرضی بیان دیا تھا۔"

میرے ذہن میں کاکا کا تصور ابھرا۔ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ ارجن کے سلسلے میں وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ اس سے پیشتر بھی متعدد موقعوں پر کاکا میری خاطر اپنی پراسرار قوت کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن ارجن کے سلسلے میں اس نے کون سی قوت استعمال کی تھی؟ میں نے سوچا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ دیوی اور دیوتاؤں نے اس کی شکتی چھین لی ہے۔ کیا کاکا نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا؟ یا ابھی اس کے پاس اتنی قوت باقی تھی کہ وہ میرے لیے کچھ کر سکتی؟

"آپ کس سوچ میں گم ہو گئے مسٹر شہباز؟" سراج نے مجھے ٹوکا تو میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

"کیا ارجن کے بیان کی تبدیلی میں ندیم کا کوئی ہاتھ ہے۔"

"آپ نے اس بات کا اندازہ کس طرح لگایا؟" اس کی نگاہوں میں تجسس ابھر آیا۔

"کیوں؟ کیا آپ نے ابھی چند منٹ پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے اور۔۔۔"

"وہ اور بات تھی۔" سراج نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے وضاحت کی۔ "دراصل مجھے اوپر سے یہ کہا گیا تھا کہ میں کچھ معزز قسم کے لوگوں سے بلاوجہ الجھ رہا ہوں۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ اس قسم کی فون کال کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"آئی سی۔" میں نے انجان بن کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ محض آپ کی سوچ ہو۔ میں ندیم کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کم از کم وہ اپنے سلسلے میں اوپر تک جانے کے اصول کو پسند نہیں کرتا۔"

"کسی آڈ (ODD) پوزیشن کو ہینڈل کرنے کے لیے اس کے پاس اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔"

کافی آ جانے سے کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا پھر ملازم کے جانے کے بعد میں نے کافی تیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ غلط انداز میں حالات کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ تحفظ کی ضرورت مجرم پیشہ افراد کو ہوتی ہے اور مجھے ان دونوں زمروں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کافی کا کپ سراج کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں خود اپنا دفاع کرنا جانتا ہوں مسٹر سراج۔"

"ایک بات پوچھوں مسٹر شہباز۔"

"پوچھیے۔"

"کیا آپ مسٹر سلیمان شاہ سے کبھی ملے ہیں۔"

سراج نے مجھے کریدنے کی کوشش کی تو میں ایک لمحے کے لیے چونکا پھر بڑی خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے بولا۔

"نام ضرور پڑھا ہے اخباروں میں لیکن کبھی دوبدو ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"مجھے اوپر سے جو کال ملی ہے اس میں سلیمان شاہ کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔" سراج نے کسی گھاگ پولیس افسر کی طرح میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کے دوست مسٹر ندیم ان سے واقف ہوں؟"

"یہ بات آپ اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مسٹر ندیم جس کاروبار سے وابستہ ہیں اس میں بڑی مچھلیوں کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے غیر یقینی انداز میں جواب دیا۔ "لیکن ندیم نے مجھ سے کبھی سلیمان شاہ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی لیکن ون منٹ۔ کیا آپ کو اوپر سے معزز لوگوں کو پریشان کرنے کے سلسلے میں جو کال موصول ہوئی تھی اس میں ندیم کا نام بھی درمیان میں آیا تھا۔"

"جی نہیں۔" سراج نے کافی کا آخری گھونٹ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ "کسی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ میں پچھلے دو دنوں میں مسٹر ندیم کے سوا اور کسی معزز شخصیت سے نہیں ملا۔ اس لیے میں اپنی سوچ میں حق بجانب ہوں۔"

"میں آپ کی کسی ذاتی سوچ پر قدغن نہیں لگا سکتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ندیم اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر لینا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" سراج نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر اٹھتے ہوئے کہا پھر خاموشی سے ہاتھ ملا کر واپس چلا گیا۔ میں اس کے تیور بھانپ رہا تھا۔ جاتے وقت اس نے مجھے جن نگاہوں سے دیکھا تھا اس کا مفہوم میری سمجھ میں یہی آیا تھا کہ اس نے وقتی طور پر اپنی شکست تسلیم کر لی ہے لیکن کسی مناسب موقع پر وہ ندیم پر ہاتھ ڈالنے سے گریز بھی نہیں کرے گا۔

سراج کے بعد میں نے ندیم کو فون کر کے حالات سے آگاہ کیا تو اس نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا۔

"تمہارے یہ سراج صاحب شاید میرے سلسلے میں ابھی تک کسی غلط فہمی (غلط فہمی) کا شکار ہیں۔ جس روز بھی انہوں نے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے میرے کیسینو کی جانب نظر اٹھائی وہ ان کی ملازمت کا آخری دن ہو گا۔ یہ رعایت بھی صرف تمہاری وجہ سے دے رہا ہوں ورنہ میں جو نیک کام انجام دے رہا ہوں اس میں مداخلت کرنے والوں کے لیے صرف ایک ہی حکم دیتا ہوں۔ بجن۔"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے ندیم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم سراج کے معاملے میں کسی فاری ترکیب کا استعمال نہیں کرو گے اس لیے کہ اس کے تعلقات والد صاحب سے تھے اور یوں بھی وہ ایک ایماندار اور فرض شناس پولیس آفیسر ہے۔"

"میرا فلسفہ تمہاری سوچ سے ذرا مختلف ہے۔" ندیم نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہر شخص اپنے پروفیشن میں بڑی ایمانداری اور دیانتداری سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ رشوت لیتے ہیں وہ بھی اس زمرے میں آتے ہیں اس لیے کہ ایک طے شدہ رقم کی وصولیابی کے بعد وہ بھی بڑی ایمانداری سے اپنا وعدہ نبھاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ ضرور بددیانتی کے مرتکب ہوتے ہیں جو ایک طرف تو سودا طے کرتے ہیں اور دوسری طرف کرپشن کی روک تھام کرنے والی ایجنسی کو باخبر کر دیتے ہیں۔ اگر میں اینٹی کرپشن کے محکمے میں ہوں تو سب سے پہلے اسی کی گردن کی پیمائش کرتا جو کسی کی شکایت لے کر میرے پاس آتا۔ اس لیے کہ کرپشن کی تحریک ہمیشہ اسی کی جانب سے ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال۔" میں نے ندیم کی انوکھی منطق پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میرا تعلق شعبہ تعلیم سے ہوتا تو میں دوسرے لازمی مضامین کے ساتھ کرمنالوجی کو بھی اختیاری مضمون ضرور قرار دیتا تاکہ تم اس میں پی ایچ ڈی کی سہولت سے فیضیاب ہو سکتے۔"

"لیکن میں نے جو یونیورسٹی کیسینو کی شکل میں قائم کر رکھی ہے اس میں سوائے کرمنالوجی کے اور کسی مضمون کی دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس میں صرف ان ہی افراد کو داخلہ ملتا ہے جو مارو یا مر جاؤ کے مضمون میں پہلے سے

ڈائریکٹ کر چکے ہوتے ہیں۔"

"میرا ایک مشورہ مانو گے۔"

"کیا؟"

"اپنی زندگی میں ہی ایک وصیت نامہ تیار کرا لو جس کی رو سے (خدانخواستہ) مرنے کے بعد تمہاری کھوپڑی کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں رکھ دیا جائے تاکہ ماہرین قانون اس پر ریسرچ کر سکیں۔"

"تمہارا مشورہ خاصا نیک ہے۔ وقت ملا تو کبھی اطمینان سے بیٹھ کر اس پر بھی غور کروں گا۔" ندیم نے بے حد سنجیدگی سے کہا پھر موضوع بدل کر بولا۔ "آج شام کو دفتر سے اٹھنے کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ کیوں؟"

"رات کو میری طرف آجاؤ۔ میں نے آج کچھ مخصوص وہیل (WHALE) ٹائپ کی بڑی مچھلیوں کی بے حد پرزور فرمائش پر ایک مصری رقاصہ کا اسپیشل شو ارینج کیا ہے جہاں کسی نامحرم کے داخلے کی اجازت نہیں ہوگی۔" ندیم نے کہا۔ "اس قید و بند سے آزاد شو کو دیکھنے کے بعد اگر تم چاہو تو اس پر کوئی تھیسس (THESIS) بھی لکھ سکتے ہو۔ راتوں رات نہ سہی لیکن شہرت کے بام عروج تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔"

"بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "مجھے ذرا خشک ہی رہنے دو۔"

"سوچ لو۔ ایسے موقع بار بار نہیں آتے۔"

"کیا نسیم کو بھی تمہاری ان نجی مصروفیات کا علم ہے؟"

"نہیں۔ میں کاروبار اور گھریلو معاملات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کرنے کے اصول کے خلاف ہوں۔"

"اور اگر کسی گھر کے بھیدی نے مخبری کر دی تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ اور کوئی دوسرا کم از کم نسیم سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔"

"تم جانو اور تمہاری مصروفیات۔" میں نے اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد میں اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈائریکٹ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "شہباز دس اینڈ"

"آج کل بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے ہو۔" دوسری جانب سے موہنی کی آواز ابھری۔

"فون کرنے کا مقصد بیان کرو۔" میں نے حقارت سے کہا۔

"کالا کی شکتی پر اب بھروسا کرنا چھوڑ دو۔ وہ ارجن کا بیان تبدیل کرا سکتی ہے لیکن میری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی۔"

"کیا تم نے صرف یہی کہنے کی خاطر فون کیا ہے؟"

"نہیں۔" موہنی سرد لہجے میں کہا۔ "تم نے کومل ورما کے گھر کو آگ لگا کر اچھا نہیں کیا۔"

"وہ حرکت میری نہیں تھی۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"میں جانتی ہوں لیکن تمہارے دوست نے جو کچھ کیا ہے تمہاری ہی سازش کے کارن کیا ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی تمہیں ہی بھگتنی پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔" دوسری جانب سے بڑے سفاک لہجے میں جواب ملا۔ "چاہو تو دو چار فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی منگوا لو لیکن اب تمہیں اپنے گھر کی جگہ صرف راکھ کا ڈھیر ہی نظر آئے گا اور وہ لاشیں جو جل بھن کر تمہارے پہنچنے تک کوئلہ کا روپ دھار چکی ہوں گی۔"

"نہیں۔" میں غصے سے چیخا پھر میں نے ریسیور کو ایک طرف ڈالا اور دیوانوں کی طرح بیرونی راستے کی جانب لپکا۔

مجھے یقین تھا کہ میں جس انداز میں کسی چوٹ کھائے ہوئے درندے کی مانند بھاگتا ہوا دفتر سے نکلا تھا اس نے خود میرے عملے کو بھی میری صحیح الدماغی پر شبہ کرنے میں مبتلا کر دیا تھا لیکن اس وقت مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ موہنی نے فون پر مجھے جو اطلاع دی تھی اسے سن کر شاید پاگل ہی ہو گیا تھا۔

گاڑی کھلی سڑک تک لانے میں بھی میں نے دیوانگی ہی کا ثبوت دیا تھا پھر اس کے بعد میرا سیدھا پیر پوری شدت سے ایکسیلیٹر کو نیچے کی جانب دباتا چلا گیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ میں نے ہارن پر مستقل ہاتھ جما رکھا تھا جس کی وجہ سے لوگ میرے لیے راستہ صاف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایک سگنل پر اچانک گرین لائٹ سرخ میں تبدیل ہو گئی لیکن اس وقت مجھے دنیا کے کسی قانون کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میری گاڑی نے پشت کی جانب سے ایک جھٹکا کھایا تھا۔ شاید کسی گاڑی نے مجھے ہٹ کیا تھا۔ میری گاڑی بس ایک تانگے کو لڑائی لیکن میں نے اس پر قابو پا لیا۔ راستے میں کئی سگنل درمیان میں آئے۔ نہ جانے کتنے ٹریفک کانسٹیبلوں نے مجھے روکنے کی خاطر سیٹیاں بجائی تھیں۔ میں اس وقت اپنی سرزمین پر تھا جہاں ٹریفک کی خلاف ورزی کو روکنے کی خاطر ابھی تک کوئی موثر نظام وضع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیٹس میں ہوتا تو اب تک کئی پیٹرولنگ کاریں میرے تعاقب میں سائرن بجاتی ہوئی دوڑ رہی ہوتیں۔

میرے ذہن میں ایک ہیجان بپا تھا۔ میرے دماغ کی اسکرین پر کئی سوالات ابھر رہے تھے۔

"کومل ورما کے مکان کو ندیم کے آدمیوں نے میرے علم میں لائے بغیر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا پھر اس کا انتقام مجھ سے کیوں لیا گیا؟"

"کیا وہ پراسرار طاقتیں ندیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں؟ یا جان بوجھ کر صرف مجھے اپنا نشانہ بنا رہی تھیں؟"

"موہنی اگر بدروح تھی تو پھر مجھے فون کس طرح کر رہی تھی؟"

زندگی میں پہلی بار میرے دل میں ندیم کے خلاف بھی ہلکی سی نفرت کا جذبہ ابھرا تھا شاید اس لیے کہ اس کے سبب میری ماں کی زندگی کا مسئلہ درپیش آگیا تھا اگر وہ کومل کے مکان کو نہ اڑاتا تو شاید وہ جوابی کارروائی نہ ہوتی جس نے مجھ پر دیوانگی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ مجھے اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے اپنے اردگرد دوڑتی بھاگتی گاڑیاں بڑی حقیر نظر آ رہی تھیں۔ میں ان کے سیلاب سے بچتا تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا۔ زندگی اور موت کے تصور نے مجھ پر ایک وحشت سی طاری کر رکھی تھی۔ میں باپ کی ہولناک موت دیکھ چکا تھا۔ اب نادیدہ قوتوں نے میری معصوم ماں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

گھر جیسے جیسے نزدیک آتا جا رہا تھا میرے دل کی دھڑکنوں میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں اس وقت بڑے خطرناک منصوبے گردش کر رہے تھے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میری بینائی سلامت تھی لیکن فون پر ملنے والی اطلاع نے شاید وقتی طور پر میرے اعصاب کو بالکل معطل کر دیا تھا۔ میں اب اپنے گھر سے بمشکل سو گز کے فاصلے پر تھا جب کالا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"سنبھلو شہباز، دوسرے روڈ سے ایک ٹرک بھی آ رہا ہے، اگر تم نے رفتار کم نہ کی تو کسی ہولناک حادثے سے دوچار ہو سکتے ہو۔"

"دفع ہو جاؤ میرے پاس سے۔" میں نے حقارت سے کہا۔

"زندگی کے حادثے میری ماں کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔"

"تم اپنی ماں کی فکر نہ کرو۔ وہ خیریت سے ہے۔"

"نہیں۔" میں نے بدستور نفرت کا اظہار کیا۔ "تم شاید مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"میری بات کا وشواس کرو شہباز۔" کاکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہارے گھر کو تو نہیں بچا سکی لیکن تمہاری ماں کو میں نے اس حادثے سے پہلے ہی وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟" میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ کاکا نے غلط نہیں کہا تھا۔ مین روڈ سے گزرنے والے اس لونگ ٹرک کی رفتار بھی خاصی تیز تھی جس کے بارے میں کاکا نے مجھے خبردار کیا تھا اگر میں نے اپنی اسپیڈ کم نہ کی ہوتی تو شاید ماں کی خیریت معلوم کرنے سے پہلے ہی عالم بالا کی طرف روانہ ہو جاتا۔ میں بال بال بچا تھا۔

"شہباز۔" کاکا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ "کیا اب تمہیں اپنی کاکا رانی پر بھی اعتبار نہیں رہا۔"

"موہنی کی بدروح نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتیں کھو دینے کے بعد اب اس کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔"

"یہ سے کی بات ہے۔" کاکا نے ایک سرد آہ بھری۔ "یہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ دیوی دیوتاؤں نے میری کچھ شکتیاں چھین لی ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ موہنی نے آج جو کچھ کیا ہے کل اسے اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔"

"مجھ سے کل کی نہیں آج کی بات کرو۔" میں نے تیزی سے پوچھا۔ "اس وقت میری ماں کہاں ہے؟"

"میں نے تمہارے مکان میں آگ لگنے سے پہلے ہی تمہاری ماں کو پڑوس میں بھیج دیا تھا۔ وہ اس وقت ڈاکٹر خان کے گھر پر ہے۔"

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔"

"دوستوں کے بیچ احسان نہیں ہوتا شہباز۔" کاکا نے تاسف کا اظہار کیا۔ "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہارا عالیشان مکان نہیں بچا سکی۔"

"جہنم میں گیا مکان۔ مجھے اس سے زیادہ ماں کی زندگی کا خیال ہے۔"

میرے مکان کے سامنے لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ میرا گھر جل رہا تھا اور لوگ تماشائی بنے دور کھڑے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں کا تماشا دیکھ رہے تھے البتہ دو فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر غصے سے ہارن بجانا شروع کیا اور راستہ بناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا لیکن پھر مجھے گاڑی روک دینی پڑی۔ ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ اب میرے لیے مزید آگے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تو میری نظر سراج پر پڑی جو بوکھلایا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کے محلے کے افراد ہلکا لاٹھی چارج کر کے مجمع کو دور ہٹانے کی کوشش میں مصروف تھے جو فائر بریگیڈ کے عملے کی کارکردگی کو متاثر کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر سراج تیزی سے میری سمت آیا۔

"میں دو بار آپ کو فون کر چکا ہوں لیکن دفتر سے یہی جواب ملا کہ آپ نکل چکے ہیں۔"

"آپ کو اس حادثے کی اطلاع کس نے دی تھی؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"موہنی کی بدروح نے۔" سراج نے کہا پھر بولا۔ "آپ کے دوست مسٹر ندیم شاید اس حادثے کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" میں چونک اٹھا۔

"وہ جلتی ہوئی آگ میں کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم نے انہیں بمشکل قابو کیا ہے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے۔"

"وہ پوری طرح محفوظ ہیں، لیکن ابھی تک خود کو پولیس کے نرغے سے چھڑا کر بھڑکتی آگ کے خطرناک شعلوں کی طرف جانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔"

"آپ اس کا خیال رکھیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں مجمع کو چیرتا پھاڑتا ڈاکٹر خان کی کوٹھی کی طرف لپکا جو میری رہائش گاہ سے دو بنگلے چھوڑ کر واقع تھی۔ راستے میں میرے کچھ اور بھی پڑوسی اور واقف کار ملے۔ وہ مجھ سے ہمدردی کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی کوئی بات نہیں سنی۔ ڈاکٹر خان کی کوٹھی کا صدر پھاٹک بند تھا لیکن ان کے گارڈ نے مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں روش پر دوڑتا ہوا آگے جا رہا تھا لیکن پھر جیسے اچانک کسی نے میرے قدموں کی قوت چھین لی۔ میں نے دور سے ماں کو ڈاکٹر خان کی فیملی کے ساتھ دیکھا تو بھاگتے بھاگتے ایک دم سے سجدہ ریز ہو گیا۔ میرا مکان دوزخ جیسی آگ کی لپیٹ میں تھا لیکن میری جنت بالکل محفوظ تھی۔

میں زمین پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ بڑی عاجزی، انکسار اور رقت بھرے انداز میں اس رب العزت کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے مجھے ماں کے سائے سے محروم ہونے سے بچا لیا تھا۔ میری آہ و زاری ہچکیوں میں تبدیل ہو رہی تھی جب کسی نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ڈاکٹر خان میرے قریب کھڑے تھے۔ میں جلدی سے اٹھا اور بڑے جذبے سے ان سے لپٹ گیا۔ میری سسکیاں بدستور جاری تھیں۔

"صبر سے کام لیں مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر خان نے میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ادا کریں آپ کی والدہ صحیح

سلامت ہیں۔"

"یہ آنسو ابھی خوشی کی علامت ہیں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اپنی ماں کی زندگی کی خاطر ایسی سینکڑوں عمارتوں کو قربان کر سکتا ہوں۔"

پھر میری ماں میرے قریب آئیں تو میں بے اختیار ان سے لپٹ گیا۔ ماں کا قرب اور اس کے وجود کی ٹھنڈک میرے لیے بڑی فرحت بخش تھی۔ میں بڑی دیر تک ان سے لپٹا کھڑا رہا۔

"شہباز بیٹے۔" ماں نے بڑے حوصلے سے کہا۔ "ہمت سے کام لو۔ میں جانتی ہوں کہ اس وقت تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔"

"آپ کا اندازہ غلط ہے امی۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے مکان جل جانے کا کوئی افسوس نہیں۔ میں اسے اپنا نقصان نہیں بلکہ آپ کی قیمتی زندگی کا صدقہ سمجھ رہا ہوں۔"

"خدا جو کرتا ہے انسان کی کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور اس میں مضمر ہوتی ہے۔" اس بار ماں کے لہجے میں حسرت تھی۔ "مجھے بھی مکان کے جلنے کا کوئی افسوس نہیں لیکن اس سے بہت ساری یادیں بھی وابستہ تھیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں آپ کے دل کی کیفیت لیکن ذرا سوچئے امی، جس وقت مجھے مکان میں آگ لگنے کی اطلاع ملی تھی اس وقت میرے دل پر کیا گزری ہوگی۔" میں نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یادوں کا تعلق مکان سے نہیں دل کی دھڑکنوں اور ذہن میں اٹھنے والی لہروں سے ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کچھ نشانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ایک بار مٹ جائیں تو دوبارہ نہیں بن سکتیں۔"

"آپ میرا منہ دیکھئے امی حضور۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر آپ نے ہمت ہار دی تو میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔ ریزہ ریزہ ہو جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" ماں کی ممتا تڑپ اٹھی۔ "کیوں ایسی بری فال زبان پر لا رہے ہو۔"

"پھر آپ مجھ سے وعدہ کریں امی آپ صرف اور صرف میرے لیے زندہ رہیں گی۔"

ماں نے جواب میں بڑی شفقت سے میرے بازو تھپتھپائے۔ بظاہر انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن میں ان کے دل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ جو مکان جل چکا تھا اس سے ان کی زندگی کی ایک طویل داستان وابستہ تھی۔ مجھے احساس تھا کہ زخم بھرنے میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔ اینٹ اور گارے سے تعمیر کی ہوئی عمارتیں بڑی بے جان ہوتی ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ انہیں بار بار توڑ کر دوبارہ بنایا جا سکتا ہے لیکن ان یادوں اور لمحوں کو دوبارہ تعمیر نہیں کیا جا سکتا جو انسان کے وجود سے چمٹ کر رہ جاتی ہیں۔

دنیا میں ہر چھوٹے بڑے انسان میں آگے بڑھنے کی جبلت ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کے جینے کے ڈھنگ بدلتا رہتا ہے۔ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ترقی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ ایک فطری عمل ہے۔ جو لوگ گاؤں میں رہتے ہیں نقل مکانی کر کے شہروں میں آ جاتے ہیں جہاں ان کی زندگی زیادہ آرام و آسائش سے گزرتی ہے لیکن وہ "رہٹ" کی آواز اور آموں کے درخت پر پڑے جھولوں کی یاد کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ کوئی نہ کوئی لمحہ کوئی پل ہر انسان کو ماضی کی طرف ضرور لے جاتا ہے۔

رشتے اور ناتے بھی اسی طرح ٹوٹنے کے لیے قائم ہوتے ہیں۔ مرنے والوں کو موت کے سرد اور بے رحم ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا لیکن موت بھی اپنی جگہ بے بس ہوتی ہے۔ وہ کسی کی روح تو قبض کر سکتی ہے لیکن مرنے والے کی یاد کو دوسروں کے دلوں سے نہیں مٹا سکتی۔ کبھی کبھی ہوا کا ایک جھونکا بھی بھولی بسری یادوں کو تازہ کر دیتا ہے۔ اس وقت ماں کے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ شاید گزری ہوئی باتوں کو یاد کر رہی تھیں۔ ان چیزوں کو یاد کر رہی تھیں جن سے بھی ان کے ماتھے کی افشاں جھلملاتی تھی۔ میں ان کی ڈبڈبائی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھ رہا تھا۔ ان کی نگاہیں بار بار ان شعلوں کی طرف اٹھ رہی تھیں جو ان کے نشیمن کو جلا کر راکھ کرنے کے بھیانک رقص میں محو تھے۔

"امی۔" میں نے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔ "آپ کس سوچ میں گم ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" انہوں نے میرے دل کو دلاسہ دینے کی خاطر کہا۔

"ذرا سوچئے امی اگر گھر میں آگ لگنے کی خبر سن کر مجھے راستے میں کوئی خطرناک حادثہ پیش آ جاتا تو آپ کو کس بات کا غم زیادہ ہوتا۔ میرے زخمی ہونے کا یا گاڑی کی تباہی کا۔"

"خدا نہ کرے ایسا کبھی ہو۔" ماں نے پھر مجھے کلیجے سے لگا لیا۔

اسی وقت سراج بھاگتا ہوا کوٹھی کے اندر داخل ہوا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

"شہباز صاحب۔" اس نے تیزی سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ہی چل کر مسٹر ندیم کو سمجھائیے۔ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو رہے ہیں۔"

"کیا ہوا ندیم کو۔" امی نے پوچھا۔

"ان کا خیال ہے کہ شاید آپ بھی آگ کے شعلوں کے درمیان گھری ہوئی ہیں۔" سراج نے بڑے ادب سے کہا۔ "انہیں ہماری بات کا یقین نہیں آ رہا ہے۔ ان پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہے۔"

میں امی کو چھوڑ کر سراج کے ساتھ باہر آیا۔ سراج نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ندیم کو سات آٹھ پولیس والوں

نے پکڑ رکھا تھا لیکن وہ خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی خاطر تڑپ رہا تھا۔ مچل رہا تھا۔ اس جدوجہد میں اس کی قمیض تار تار ہو چکی تھی۔ وہ ان پولیس والوں کو مغلظات سنا رہا تھا جو کسی جونک کی مانند لپٹے ہوئے تھے۔ ندیم چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"حرامزادو۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ ان شعلوں کے اندر میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی..... کتے کے پلو! اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں تم لوگوں کو چن چن کر ماروں گا۔ پورے شہر میں آگ لگا دوں گا۔ سب کچھ جلا کر راکھ کر دوں گا۔ چھوڑ دو.... کتے! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے مت روکو۔ جانے دو مجھے۔"

ندیم کی حالت دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ وہ میرا رشتہ دار نہیں تھا۔ ایک کلاس فیلو تھا۔ دوست تھا لیکن اس کے وجود کے اندر کسی اولاد ہی کی طرح خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس کی حالت خاصی غیر ہو چکی تھی۔ چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ میں اس کے سامنے گیا تو جیسے اس پر ایک دم سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ شاید مجھے پرسکون دیکھ کر اسے اپنی بینائی پر شبہ ہو رہا تھا۔ میں اس کے اور قریب چلا گیا۔

"تم...." اس نے مجھے دیوانوں کی طرح گھورتے ہوئے کہا پھر دھاڑیں مار کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کی زندگی کا وہ رخ میرے لیے بالکل نیا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت کی جڑیں کچھ اور مضبوط ہو گئیں۔

"پریشان مت ہو ندیم۔" میں نے اسے لپٹا کر تسکین دلانے کی کوشش کی۔ "امی زندہ ہیں۔"

"زندہ ہیں۔" اس پر یکلخت شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوئی تو اس کی قوت مدافعت جواب دے گئی۔

"سنبھلو ندیم۔ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔" میں نے اسے پکڑ کر جھنجوڑا لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اسے سراج اور ایک دو پولیس والوں کی مدد سے اٹھا کر جلدی سے گاڑی میں ڈالا پھر سراج سے کہا۔ "آپ امی کو بتا دیں کہ ندیم کی حالت ٹھیک ہے لیکن میں اسے فوری طور پر سکون رکھنے کی خاطر ہسپتال لے جا رہا ہوں۔"

پچھلی نشست پر ایک سپاہی سراج کے اشارے پر بیٹھ گیا۔ اس نے ندیم کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ میں نے تیزی سے گاڑی موڑی اور ہجوم کو چیرتا پھاڑتا کسی سڑک پر آ گیا۔ ہسپتال پہنچنے تک ندیم بے ہوشی ہی کی کیفیت سے دوچار رہا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اس کا معاینہ کرنے کے بعد مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان کے ذہن کو شدید شاک پہنچا ہے لیکن ایک دو گھنٹے بعد یہ دوبارہ ہوش میں آ جائیں گے۔ فی الحال انہیں صرف آرام کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر کے اطمینان دلانے پر مجھے قدرے سکون ملا تو میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر خان کے نمبروں پر ماں کو بھی اس کی خیریت کی اطلاع دی۔ ندیم کو بے ہوشی کی حالت میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا اس لیے میں کمرے میں آ کر اس کے قریب ہی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

میرے ذہن میں ایک بار موہنی کا تصور ابھرا۔ اس نے کالا کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ کالا میرے گھر کو پراسرار قوتوں کی بھڑکائی ہوئی آگ سے محفوظ نہیں رکھ سکی تھی لیکن اس نے میری ماں کو موت کے منہ سے نکال کر جو احسان کیا تھا وہی میرے لیے سب سے بڑا انعام تھا۔ میں ابھی ان باتوں پر غور کر رہا تھا کہ نرس نے آ کر مجھے کسی کے فون کی اطلاع دی۔ میں نرس کے ساتھ ہی اٹھ کر نرسنگ کاؤنٹر پر آ گیا جہاں میرے لیے کال موصول ہوئی تھی۔

"ہیلو۔" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کال امی یا پھر سراج کی ہوگی لیکن دوسری جانب سے موہنی کی آواز سنائی دی۔

"کیوں شہباز خان۔ اب کیا خیال ہے تمہارا اپنی کالا رانی کے بارے میں۔"

"اس نے بہرحال میری ماں کو بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"ایک بار اگر شکار پر لگایا ہوا نشانہ غلط ہو جائے اور شکار سامنے ہو تو شکاری اس پر دوسری بار بھی نشانہ لگا سکتا ہے۔" موہنی استہزائیہ انداز میں بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میری ماں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے نرسوں کی وجہ سے مدھم آواز میں کہا۔

"کومل ورما کی ماں نے تمہارے دوست کا کیا بگاڑا تھا جو اس کے گھر کے ساتھ ساتھ اسے بھی راکھ کا ڈھیر کر دیا گیا۔" موہنی کے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ "اب تمہیں احساس ہوگا کہ آگ جب اپنے شریر کو جلاتی ہے تو کشٹ پر کیا بیتتی ہے۔"

"تم میری ماں کا خیال دل سے نکال دو، میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" میں نے گویا اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے کہنے پر میں اپنی ماں کو لے کر اس ملک سے جانے پر بھی تیار ہوں۔"

"اتنی جلدی تمہاری کھوپڑی ٹھنڈی ہو گئی۔ تم تو بڑے گھمنڈی ہوا کرتے تھے۔" موہنی نے میرا مضحکہ اڑایا پھر یکلخت سرد آواز میں کہا۔ "اب ملک چھوڑنے کا سمے بھی بیت چکا ہے۔ اب تو کیول ایک ہی صورت ہے جو تمہیں میری شکتی سے مکتی (نجات) دلا سکتی ہے۔"

"وہ کیا۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"پہلے تم اپنی ماں کا بلیدان کسی مندر میں جا کر کالی کے چرنوں میں پیش کرو پھر اپنے ہاتھ سے خود کو بھی کولی مار کر ہمیشہ کے لیے شانت کر لو۔"

"بکو مت۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔ "تمہاری داتو در کنار میں تمہاری صورت پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کروں۔"

"پھر تیار رہو۔ اس بار کالا کی شکتی تمہاری ماں کو نہیں بچا سکے گی۔"

"موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ یہ ایک مسلمان کا ایمان ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں اسے منہ توڑ جواب دیا۔

"پھر سوچ لو شہباز خان۔ موہنی کی شکتی کے آگے تمہاری حیثیت اس کیڑے سے زیادہ نہیں ہے جسے کسی وقت بھی پیروں تلے کچلا جا سکتا ہے۔"

"اگر تمہیں اپنی گندی قوت پر اتنا ہی گھمنڈ ہے تو مجھ پر وار کرو۔"

"اس میں ابھی کچھ سمے لگے گا۔" اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے اوپر جو چھایا ہے ابھی اس کا توڑ نہیں ہو سکا۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"کیا۔"

"کومل ورما کے گھر کو میرے دوست نے ہم سے اڑایا تھا جس کے بارے میں مجھے پہلے سے کوئی علم نہیں تھا پھر تم مجھے اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرا رہی ہو؟"

"کیول اس لیے کہ تمہارے مترنے جو بھی کیا ہے وہ تمہارے کارن کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے، اگر ہم نے تمہارے مترکو بھی مار دیا تو پھر تمہاری ارتھی کو کندھا کون دے گا۔"

"اس وقت فون کرنے کا مقصد کیا تھا۔" میں نے سنبھالا کر سوال کیا۔

"کیوں۔ کیا تمہیں میری چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں لگی۔" اس نے پھر میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ "تم تو بہت قریب سے میرا درشن کر چکے ہو کیا میں تمہاری کالا رانی سے زیادہ سندر نہیں ہوں۔"

"تم..." میں نے بڑی نفرت سے جواب دیا۔ "تم ایک گندی اور غلیظ روح ہو۔ تمہارا اور کالا کا بھلا کیا مقابلہ۔"

"شہباز خان' دھرتی پر واپس آ جاؤ۔ زیادہ اونچی اڑان کی کوشش مت کرو ورنہ۔"

"شٹ اپ۔" میں نے اسے جھڑک کر فون بند کر دیا۔

دو گھنٹے بعد ندیم کو دوبارہ ہوش آیا۔ میں اس کے قریب ہی موجود تھا۔ ایک لمحے تک وہ آنکھیں کھولے یوں چھت کو تکتا رہا جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ہو پھر وہ بڑبڑا کر تیزی سے اٹھا تھا لیکن میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"لیٹے رہو۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے تمہیں آرام مشورہ دیا ہے۔"

"ہم.... میں اس وقت کہاں ہوں۔"

"پریشان مت ہو۔ تم ہسپتال میں ہو اور خیریت سے ہو۔"

"اور آنٹی۔" اس نے عجیب وحشت زدہ نظروں سے مجھے گھورا۔

"وہ ڈاکٹر خان کے گھر پر ہیں۔"

جواب دینے کے بجائے وہ نڈھال ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے کچھ دیر تک آنکھیں بند کر لیں پھر دوبارہ میری سمت دیکھتے ہوئے بڑی مخمل سی آواز میں بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ آنٹی بچ گئیں ورنہ میں۔"

"فی الحال اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ دو۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "تمہیں صرف آرام کی ضرورت ہے۔"

"جو کچھ ہوا ہے اس کی تمام تر ذمہ داری میرے اوپر ہے۔" اس کی آواز بھرانے لگی۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں شہباز۔"

"حماقت کی باتیں مت کرو۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تم یہاں نہ ہوتے جب بھی وہی ہوتا جو ہو چکا ہے۔ موہنی کی گندی آتما نے مجھے یہی دھمکی دی تھی کہ والد صاحب کے بعد اب میری ماں کی باری ہے۔"

"تمہارا مکان..."

"وہ اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے۔"

"آنٹی اب کہاں رہیں گی؟" اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اپنے دوسرے بیٹے کے ہاں۔" میں نے اس کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا تو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی۔ "آنٹی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"تم خاموشی سے لیٹے رہو۔" میں نے اس کے دل اور دماغ کے بوجھ کو قدرے ہلکا کرتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارا لباس اور حلیہ ابھی اس قابل نہیں ہے کہ تم کہیں آ جا سکو۔ نرسوں کی بات اور ہے۔ ان کی زندگی میں ہر قسم کے مریض آتے جاتے رہتے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر کہیں ماہ رخ نے تمہیں مجنوں کی حالت میں دیکھ لیا تو وہ یقیناً تمہاری کسی فرضی لیلیٰ سے ضرور جیلس ہو جائے گی۔"

پھر میں نے ندیم سے آرام کرنے کا وعدہ لیا اور دوبارہ گھر کی طرف چل دیا۔ میرے ذہن پر تھکن کے شدید اثرات مرتب ہو

رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک طویل عرصے سے جاگ رہا ہوں۔ ایک پل کو بھی نہ سویا۔ میرے اعصاب پر جیسے برف کی کوئی موٹی سی تہہ جم گئی تھی۔ میں دوبارہ گھر کے نزدیک پہنچا تو لوگوں کا ہجوم چھٹ چکا تھا۔ میرے مکان سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ فائر بریگیڈ کے عملے کے افراد ابھی تک کسی ممکنہ چنگاری کو بجھانے کی خاطر پانی ڈالنے میں مصروف تھے۔ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں ڈاکٹر خان کی طرف گیا تو وہاں ندیم کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ میں انہیں ندیم کی طرف لے جانے لگا تو ڈاکٹر خان نے کہا۔

"مسٹر شہباز۔ کیا میرا کوئی حق نہیں ہے آپ کے اوپر۔"

"کیوں نہیں، لیکن میرے دوست کا پورا بنگلہ خالی پڑا ہے۔ اس کے علاوہ میں اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ امی کو وہاں پہنچانے کے بعد ہی دوبارہ اس کے پاس ہسپتال جاؤں گا۔"

ڈاکٹر خان نے ایک دو بار رسمی سا اصرار کیا پھر خاموش ہو گئے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد امی کو لے کر گاڑی میں واپس آگیا۔ بنگلے سے باہر نکلا تو سراج کے سپاہی نے مجھے ہاتھ دے کر روک لیا۔

"سر۔ آپ ڈی ایس پی صاحب کو فون کر لیں۔ وہ ابھی دفتر میں موجود ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔

امی کو لے کر میں ندیم کے بنگلے میں داخل ہوا تو وہاں لوگ پہلے سے ہماری پذیرائی کے لیے تیار تھے۔ شاید ندیم نے اپنے نوکروں کو پہلے سے ہماری آمد کی اطلاع کر دی تھی۔

"شہباز۔" امی نے پوچھا۔ "ندیم کی حالت ٹھیک تو ہے نا؟"

"جی ہاں۔ ڈاکٹروں نے اسے آرام کا مشورہ دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اب اسی کی طرف جا رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ہسپتال میں نہیں رکے گا۔ ہو سکتا ہے واپسی میں میرے ساتھ ہی ہو۔"

"خدا اس کو صحت اور تندرستی عطا کرے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیش آتا ہے۔" ماں نے اسے دعائیں دیں۔

ندیم کے ملازموں نے پہلے سے ایک کمرا تیار کر دیا تھا۔ میں نے ماں کو چھوڑا۔ ندیم کا ایک جوڑا لے کر ہسپتال پہنچا تو وہاں سراج اور بے شنکر پانڈے دونوں موجود تھے۔ ندیم اب بستر کے بجائے آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پہلا سوال یہی کیا کہ "امی کہاں ہیں؟"

"ابھی ابھی ان کو تمہارے گھر چھوڑ کر آرہا ہوں۔" میں نے ندیم کے لباس کا جوڑا دیتے ہوئے کہا۔ "لو۔ اب جلدی سے مجنوں کا حلیہ تبدیل کر کے انسان کے حلیے میں آجاؤ۔"

ندیم لباس بدلنے کی خاطر چلا گیا تو پانڈے نے مجھ سے انکسار

ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر شہباز کے کاٹروں نے میرے پروجیکٹ کے بعد آپ کے مکان کو جلا ڈالا مگر بھگوان کی بڑی کرپا ہے جو آپ کی ماتا جی بچ گئیں۔"

"شکریہ پانڈے جی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے ماں کے بچنے کی زیادہ خوشی ہے۔ مکان تو دوبارہ بن سکتا ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر پانڈے۔" سراج نے پوچھا۔ "کیا ان دونوں وارداتوں میں کسی ایک ہی مجرم یا مجرموں کا ہاتھ شامل ہو گا؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن پیش آنے والے حالات اسی بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ کوئی ہم دونوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں سرگرم عمل ہے۔"

"اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ معلوم کرنا تو پولیس کا کام ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میرا ذاتی خیال ہے کہ ان وارداتوں کے پیچھے کوئی ایک ہی طاقت کام کر رہی ہے۔" میں نے ذو معنی انداز میں کہا۔

"اور وہ کوئی نادیدہ اور پراسرار طاقت ہے۔" سراج نے

سنجیدگی سے دریافت کیا۔

پانڈے نے خاموش نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں بھی خاموش رہا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ پانڈے نے جس انداز میں مجھے دیکھا تھا۔ اس میں کہیں نہ کہیں ایسی بات ضرور تھی جس نے میرے تجسس کو ہوا دی تھی، ممکن ہے اس کا مقصد کومل ورما کی ذات کی سمت ہو جس کے بارے میں وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا بہرحال وہ نگاہیں مجھے کھٹکی ضرور تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جو کچھ ہوا تھا اس میں کومل ورما ہی کی پراسرار شخصیت کو دخل رہا ہو لیکن ایسی صورت میں بھی میری چھٹی حس میں رہ رہ کر ایک ہی خیال آرہا تھا کہ بے شنکر پانڈے کو اس واردات کا علم پہلے سے ضرور تھا۔

ندیم لباس تبدیل کر کے واش روم سے باہر آیا تو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ترو تازہ لگ رہا تھا۔ ہمارے درمیان خاصی دیر تک اسی مکان کے جلنے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر سراج نے مجھ سے کہا۔

"کیا ضابطے کی کارروائی کے مطابق آپ نے ایف آئی آر کٹوا دی۔"

"جی نہیں۔" میرے لہجے میں ہلکی سی تلخی آگئی۔ "ایف۔ آئی۔ آر ان مسئلوں کا حل نہیں ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔"

"میں نے فائر آفیسر سے بات کی تھی۔" سراج نے میرے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "ابھی اس نے رپورٹ مرتب نہیں کی لیکن اس کا خیال ہے کہ آگ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی تھی۔"

"لگی ہوگی۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "حکومت یا پولیس بہرحال مکان کو دوبارہ تعمیر کرنے کے اخراجات نہیں دے گی اس لیے بلاوجہ منطقی گھوڑے دوڑانے سے کیا حاصل۔"

"آپ درست فرما رہے ہیں لیکن قانون کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔"

"مجھے علم ہے مسٹر سراج۔" میں نے بدلے سے کہا۔ "کبھی فرصت ملی تو ایف۔ آئی۔ آر بھی ضرور درج کرا دوں گا۔ ویسے آپ کی حیثیت بہرحال چشم دید گواہ جیسی ہوگی۔"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" سراج نے انکساری سے جواب دیا۔

"شہباز صاحب۔" پانڈے نے کہا۔ "کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ پانڈے جی۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔"

پانڈے کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ میرے ذہن میں بس اچانک ہی اس کی پوزیشن مشکوک سی ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے پاس بظاہر اس کا جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میرے ذہن میں کسی خطرے کے تخیل کی سرخ بتی ضرور جل بجھ رہی تھی۔ سراج اس وقت ندیم سے گفتگو کر رہا تھا جب میں نے اچانک اسے مخاطب کیا۔ "مسٹر سراج۔ میرے مکان میں آگ لگنے کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔"

"ایک گمنام فون موصول ہوا تھا۔" سراج نے پہلو بدل کر کہا۔ "پہلے میں اس فون کو کسی کی شرارت سمجھا تھا لیکن پھر متعلقہ تھانے سے دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ شاید دفتر سے نکل چکے تھے چنانچہ میں سیدھا آپ کے گھر کی طرف گیا جہاں فائر بریگیڈ والے پہلے سے آگ پر قابو پانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔"

"گمنام کال آپ کو کسی عورت کی طرف سے ملی تھی۔۔۔"

"میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں۔" سراج نے میرے جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ موہنی یا کومل ورما کی آواز نہیں تھی۔ کسی مرد کی آواز تھی جو میں نے پہلی بار سنی تھی۔ ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے جس شخص نے مجھے اطلاع دی تھی وہ آواز بنا کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"تمہیں کس نے خبر دی تھی۔" میں نے ندیم کی طرف دیکھا۔

"وہ بھی کسی مرد ہی کی آواز تھی۔" ندیم نے جواب دیا۔ "میں یہی سمجھا تھا کہ وہ تمہارے دفتر کا کوئی آدمی ہو گا۔"

"تعجب کی بات ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ دونوں کو کسی مرد نے اس حادثے کی اطلاع دی جبکہ مجھے اس حادثے کے بارے میں موہنی کا فون ملا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ موہنی کی بدروح نے وقتی طور پر کسی کے ذہن پر قبضہ کر کے ہم دونوں کو اطلاع کرائی ہو اور اس کے بعد آپ سے براہ راست گفتگو کی ہو۔"

"ہاں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ کا شبہ کسی اور پر ہے؟" سراج نے تیزی سے سوال کیا۔ شاید وہ میرے چہرے پر پیدا ہونے والے تغیر کو بھانپ گیا تھا۔

"جی نہیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس بار موہنی کے ساتھ ساتھ کسی مرد کی آواز کی شمولیت میرے لیے تعجب خیز ضرور ہے۔"

"ایک بات کہوں مسٹر شہباز۔" سراج نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"جی۔ فرمائیے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کوئی بات مجھ سے چھپانے کی کوشش

کر رہے ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جب میں ابھی تک خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو بھلا آپ سے کیا چھپاؤں گا۔"

"بہرحال ایک بات طے ہے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا ہے اور جس طرف سے بھی ہوا ہے وہ پانڈے کے پروجیکٹ کی تباہی کے بعد ہی ہوا ہے۔"

"گویا مسٹر پانڈے پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔" سراج نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے کچھ سوچ کر سراج کے خیال کی نفی کی۔ "پانڈے پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ ہوا ہے اس میں کسی نہ کسی طاغوتی قوت کا ہاتھ بھی کسی نہ کسی زاویے سے ضرور شامل ہے۔"

سراج کے جانے کے بعد ندیم نے بڑے ڈاکٹر سے گھر جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو ندیم کچھ چپ چپ سا تھا۔ میں کسی حد تک اس کی خاموشی کی وجہ سمجھ رہا تھا چنانچہ میں نے سرسری طور پر پوچھا۔

"کس سوچ میں گم ہو۔"

"آنٹی کے بارے میں غور کر رہا تھا۔"

"وہ کس سلسلے میں۔"

"شہباز۔" ندیم نے اس بار بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیا تم مجھے اپنا دوست تسلیم کرتے ہو۔"

"نہیں۔" میں نے اس کے ذہن میں پکنے والی کھچڑی کی تپش محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔"

"میری ایک بڑی ادنیٰ سی خواہش ہے۔" ندیم جذباتی ہونے لگا۔

"میں حماقت کی باتوں کو کسی ادنیٰ سی خواہش کا عنوان نہیں دے سکتا۔" میں نے اس بار کھل کر کہا۔ "جب تک مکان دوبارہ تعمیر نہیں ہو جاتا امی بہرحال تمہارے گھر میں رہیں گی۔ رہا مکان دوبارہ تعمیر کا مسئلہ تو ابھی تک میں نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔"

"لیکن میری خواہش ہے کہ اس مکان کو میں تعمیر کراؤں۔ اپنی مرضی کے مطابق اور......"

"اور اب اگر تم نے مزید کوئی حماقت کی بات کی تو ہو سکتا ہے کہ امی کو لے کر فی الحال کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں۔" میں نے ندیم کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا پھر بڑی اپنائیت سے بولا۔ "دوستوں کا حساب ہمیشہ دل میں ہوتا ہے۔ نفع یا نقصان قسمت کی بات ہوتی ہے۔ اس میں کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"مانتا ہوں مگر کیا تم اس بات سے انکار کر سکو گے کہ جو کچھ پیش آیا ہے وہ کوٹھی والا کے مکان کو بم سے اڑا دینے کی جوابی کارروائی نہیں ہے۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔" ندیم نے وضاحت طلب نظروں سے مجھے گھورا۔

"ابھی مطلب میرے ذہن میں بھی پوری طرح واضح نہیں ہوا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار موہنی کے علاوہ کوئی اور قوت بھی ہمارے مقابلے پر آ گئی ہے۔"

"وہ کون سی قوت ہو سکتی ہے۔" ندیم نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔ "کیا طاغوتی قوتوں کے علاوہ اب انسانی قوت بھی میدان میں اتر آئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا اشارہ کہیں ٹھاکر پانڈے کی طرف تو نہیں ہے۔" ندیم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"بہرحال دشمنوں نے تمہارے مکان کو جلا کر اچھا نہیں کیا۔" ندیم کے لہجے میں انتقامی جذبہ موجود تھا۔

"نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "فی الحال تم مزید کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ اس وقت تک جب تک میں نہ کہوں۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق نظر آ رہا تھا۔

☆

دو روز تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا۔ کبھی کبھی خوشیاں بھی انسان کے ذہن اور اس کے اعصاب کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ میری بھی کچھ یہی حالت تھی۔ ماں کی زندگی میرے لیے سب سے قیمتی اثاثہ تھی۔ ندیم سگی اولاد کی طرح میری ماں کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ہم دونوں نے وقتی طور پر ماں کے دل سے مکان جلنے کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر دیا تھا۔

ان دو روز تک میں نے اور ندیم نے ایک لمحہ بھی ماں سے دور رہ کر نہیں گزارا۔ میری درخواست پر ندیم نے اپنے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر میرے لیے کوئی فون آئے تو اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال دیا جائے۔ ندیم نے بھی ان دو دنوں میں صرف ایک کال اٹینڈ کی تھی۔ وہ نسیم کی کال تھی جسے نہ جانے کس طرح لندن میں رہتے ہوئے بھی مجھے پیش آنے والے سانحے کی اطلاع مل گئی۔ نسیم نے ہم سب سے باری باری بات کی۔ وہ فوری طور سے واپس آنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ میری ماں کے قریب رہ کر ان کی خدمت ہم سے زیادہ بہتر طور پر کر سکتی تھی۔ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ عورت عورت کے دکھ کو زیادہ بہتر سمجھتی ہے۔ وہ ماں کے پاس ہوتی تو ماں کو تنہائی کا احساس نہ ہوتا لیکن حالات کے پیش نظر نسیم کو بلانا میرے نزدیک مناسب

نہیں تھا۔ میں نے اسے منع کر دیا۔ اس روز ندیم نے مجھ سے علیحدگی میں کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے نسیم کو واپس آنے سے منع کر کے ٹھیک نہیں کیا۔ آنٹی کے لیے وہ زیادہ بہتر خدمت گزار ہو سکتی تھی آخر ہم دونوں کب تک خود کو مستقل طور صرف گھر تک محدود رکھ سکیں گے۔"

"میں تمہارے خیال سے متفق ہوں لیکن نسیم کا یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"دشمن ہمارے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ وہ نسیم کو بھی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اگر تم نسیم کو یہاں نہیں بلانا چاہتے تو آنٹی کو لندن بھیج دو۔" ندیم نے کہا۔ "وہاں میرے ساتھی آنٹی کا بہترین خیال رکھیں گے۔"

"میں نے بھی سوچا تھا لیکن امی نے لندن جانے سے انکار کر دیا ہے۔ میں انہیں مجبور نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ ان کے چلے جانے کے بعد مجھے بھی سکون نہیں مل سکے گا۔ وہ قریب رہیں گی تو مجھے ڈھارس رہے گی کہ ماں کا سایہ اور ان کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔"

"اس صورت میں تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔"

"کیا؟"

"جب تک حالات مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو جاتے آنٹی یہیں میرے مکان پر رہیں گی۔" ندیم نے بڑے وثوق سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تم کو اس کی اصل وجہ نہیں بتا سکتا لیکن تم نے اس بات کو یقیناً محسوس کیا ہو گا کہ طاغوتی قوتوں نے ابھی تک میری طرف نگاہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ میرا مکان بھی ان کی دسترس سے باہر ہے۔"

"مجھے اس کا اندازہ ہے لیکن میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔" ندیم نے میری بات کا برا مانتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیا۔ "اگر تم مجھے اتنا غیر سمجھتے ہو تو پھر دو دن بھی تم کسی ہوٹل میں کمرا لے کر بڑے سکون سے گزار سکتے تھے لیکن ایک فیصلہ میرا بھی سن لو میں تمہارے سلسلے میں کوئی ضد نہیں کروں گا لیکن آنٹی یہیں رہیں گی۔"

"مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے لیکن..."

"بکو مت۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے شکوہ کیا۔ "اگر تمہیں میری دوستی پر اعتماد ہوتا تو تم میرے دل کو ٹھیس پہنچانے کی بات بھی نہ کرتے۔"

مجھے ندیم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس بات کا تجربہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا کہ طاغوتی قوتوں کی نظریں ندیم کے گھر تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ ندیم نے ایک موقع پر صرف اتنا ہی کہا تھا کہ کسی بزرگ کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں اور انہی بزرگ کی کرامت نے ایک ایسا حصار کھینچ دیا ہے جو ندیم کی رہائش گاہ کو کالی طاقتوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ اس نے مجھے تفصیل نہیں بتائی تھی لیکن حالات کی روشنی میں اس بات کو کئی بار محسوس کر چکا تھا ابھی تک کسی گندی قوت نے ندیم کی طرف توجہ دینے کی جسارت نہیں کی تھی۔

تیسرے روز میں دفتر گیا تو میرے اسٹاف کے تمام ممبروں نے مجھ سے اظہار افسوس کیا۔ میں ان سب کا شکر گزار تھا۔ وہ میرے ہمدرد تھے۔ میرے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ایک فائل اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا کہ ماسٹر ٹونی کا فون آ گیا۔

"باس۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت بستر پر لاچار پڑا ہوں۔" ٹونی نے ایک نئے انداز میں میرا دکھ بانٹنے کی کوشش کی۔

"تم اب کیسے ہو؟"

"بس زندہ ہوں باس لیکن..."

"اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ دو ٹونی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "زندگی میں ہنگامے نہ ہوں تو جمود طاری ہو جاتا ہے اور جمود بھی موت ہی کی ایک شکل ہوتی ہے۔"

"کاش اس وقت میں آپ کے کسی کام آ سکتا۔"

"تم میرے لیے اب بھی بہت کام کے آدمی ہو۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو پھر میں تم سے بہت سارے کام لوں گا۔"

ٹونی کو دلاسہ دے کر میں نے فون رکھا تو عابد اور درانی ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ عابد کے ہاتھ میں ایک بڑے سے کاغذ کا رول بھی تھا۔ "خیریت۔" میں نے ان دونوں کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"سر۔ میں نے آپ کے پلاٹ پر سے آپ سے پوچھے بغیر تمام ملبہ ہٹوا دیا ہے۔" عابد نے مدھم آواز میں کہا۔

"اچھا کیا آپ نے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

اس وقت مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اس مکان کے جل جانے کا غم میرے لاشعور میں کہیں موجود تھا جو عابد کی بات سن کر میرے شعور تک آ گیا تھا۔ اس مکان سے میری بھی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ آگ کے بھڑکتے شعلوں نے مکان کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا لیکن اس میں گزرے ہوئے روز و شب کی یادیں ابھی تک زندہ تھیں۔ بہت سارے زخم ایسے ہوتے ہیں جو اوپر سے مندمل ہو جاتے ہیں لیکن جب ان کو دوبارہ ٹھیس پہنچتی ہے تو اندر ہی اندر ٹیس کی لہری دوڑ جاتی ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتی لیکن ان کی تکلیف بڑی شدید ہوتی ہے۔ اس وقت عابد کی بات نے بھی میرے زخموں پر نشتر کا کام کیا تھا۔

"آپ ایک نظر اس نقشے پر بھی ڈالیں تو مناسب ہوگا۔" عابد نے ہاتھ میں دبا ہوا کاغذ کا رول میرے سامنے پھیلا دیا۔

وہ انتہائی جدید ڈیزائن کا ایک قابل تعریف نقشہ تھا جو اس نے یقیناً بڑی محنت کے بعد میرے پلاٹ کے لیے بنوایا تھا۔ میں نے اس نقشے کو دیکھ کر اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے شاید اس طرح میں اپنے درد کی شدت کو برداشت کرنا چاہتا تھا۔

"صرف آپ اسے او۔کے (O-K) کر دیں۔" وانی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "ہمارا لیبر اس کی تعمیر میں زیادہ وقت نہیں لگائے گا۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" میں نے بڑے صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"مکان تو دوبارہ تعمیر کرنا ہی ہے سر، پھر دیر کرنے سے کیا فائدہ۔" عابد بولا۔ "آپ صرف اپنی منظوری دے دیں باقی ہمارا کام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "آپ نقشہ میرے پاس رہنے دیں۔ میں اسے آرام سے دیکھ لوں گا۔"

وانی اور عابد کے جانے کے بعد عارفہ آگئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔ "دو دن میں تو میرے لیے بہت سارے فون آئے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ میں نے لسٹ بنا رکھی ہے۔"

"کوئی خاص نوعیت کی کال تو نہیں تھی۔"

"جی نہیں لیکن کوئی ماہ رخ صاحبہ آپ کو متعدد بار فون کر چکی ہیں۔" عارفہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "کل تو وہ مجھ سے الجھ بھی گئی تھیں۔ آپ کا فون نمبر مانگنے پر اصرار کر رہی تھیں لیکن میں نے انہیں پھر ٹال دیا۔"

"آئی ایم سوری مس عارفہ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "بڑی شخصیتوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ان کی ہمدردی کا ڈھب بھی نرالا ہوتا ہے بہرحال اگر آپ نے ان کی کسی بات کا برا مانا ہے تو اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کون خاتون ہیں سر؟ میں نے یہ نام پہلی بار سنا ہے؟" عارفہ نے کچھ ایسے انداز میں سوال کیا کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا ممکن ہے میرا وہم ہو لیکن مجھے اس کے لب و لہجے کے اندر رقابت کا جذبہ محسوس ہوا تھا۔

"آپ نے سلیمان شاہ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ بڑی توپ قسم کی شخصیت ہیں۔ ماہ رخ ان کی مسز کا نام ہے۔"

"آئی۔ سی۔" عارفہ نے کہا۔ "جب ہی گفتگو کرتے وقت بھی ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کال چونکہ ایکسچینج کے نمبر پر تھی اس لیے عارفہ نے اسے ریسیو کیا پھر اس کے چہرے پر یکلخت ایک ناگوار سا تاثر ابھر آیا۔

"ہولڈ کریں پلیز۔" اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھے مخاطب کیا۔ "مسز ماہ رخ صاحبہ کی کال ہے۔"

ایک بار پھر مجھے عارفہ کے لہجے میں تلخی کا احساس ہوا لیکن میں نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو۔ شہباز اسپیکنگ۔"

"زہے قسمت، زہے نصیب کہ دو دن بعد آپ کی آواز تو سننے کو ملی۔" دوسری جانب سے ماہ رخ نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"جی ہاں۔ وہ دراصل..."

"مجھے معلوم ہے کہ غالباً آپ کے کسی دشمن یا شرپسندوں نے آپ کی کوٹھی کو آگ لگا دی ہے لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" ماہ رخ نے کچھ عجیب انداز میں کہا۔ "میرے نام پر دو تین کوٹھیاں ہیں۔ آپ حکم دیں تو میں خود حاضر ہو جاؤں۔ اس بہانے ملاقات بھی ہو جائے گی اور آپ چل کر خود کوئی کوٹھی پسند کر لیجئے میں اسے آپ کے نام کر کے خوشی محسوس کروں گی۔"

"بہت بہت شکریہ لیکن کوٹھی اتنی معمولی شے بھی نہیں ہوتی جو مفت میں کسی کو بطور تحفہ دے دی جائے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مسٹر شہباز اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔"

"فرمائیے۔"

"میں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" اس نے بے تکلفی کا اظہار کیا۔ "اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کی قائل ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"یوں سمجھ لیجئے کہ جو کوٹھی میں آپ کے نام کروں گی وہ میرے لیے آپ سے زیادہ قیمتی نہیں ہوگی۔" ماہ رخ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "آپ نے وہ مثال تو سنی ہوگی کہ ہیرے کی قدر صرف جوہری جانتا ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے ورنہ میں..."

"پلیز مائی ڈیئر شہباز۔" ماہ رخ نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "میں آپ کے منہ سے بھی آپ کی برائی سننا گوارا نہیں کر سکتی۔"

عارفہ میرے سامنے بیٹھی مجھے کچھ عجیب معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ میں ماہ رخ کے جواب پر گڑبڑا گیا۔ وہ اس وقت میری نگاہوں کے سامنے نہیں تھی لیکن اس کے باوجود میں اس کے بہکتے ہوئے لہجے کا انداز محسوس کر رہا تھا۔

"کیوں۔ آپ خاموش کیوں ہو گئے۔"

"سوچ رہا ہوں کہ کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

"چھوڑیے ان فضول اور رسمی باتوں کو۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتائیے کہ آج شام کو آپ کا کیا پروگرام

ہے۔"

"دفتر سے اٹھ کر سیدھا گھر جاؤں گا۔"

"ہمارے غریب خانے کو بھی اپنا گھر سمجھئے۔" ماہ رخ نے مستی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "شام کی چائے اور رات کا کھانا اگر آپ میرے ساتھ کھائیں تو میں اسے اپنی عزت افزائی سمجھوں گی۔"

"پھر کبھی سہی۔" میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "ابھی ای کا غم تازہ ہے اس لیے میں نے اپنے تمام آؤٹ ڈور پروگرام منسوخ کر دیے ہیں۔"

"ایک شرط پر آپ کو چھٹکارہ مل سکتا ہے۔"

"حکم دیں۔" میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

"جب بھی آپ کو فرصت ملے میرے غریب خانے کو ضرور رونق بخشیں گے۔ میں اسی وعدہ پر خود کو بہلالوں گی۔" ماہ رخ نے شرافت کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے کہا۔ "لیکن بقول غالب ایسا نہ ہو کہ۔ ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا۔ یوں غم سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔"

"اتنی مایوسی بھی اچھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "فرصت ملتے ہی حاضری دوں گا۔"

ریسیور رکھ کر میں نے عارفہ کی جانب دیکھا تو مجھے کچھ یوں محسوس ہوا جیسے اسے میرا ماہ رخ کے ساتھ باتیں کرنا اچھا نہیں لگا لیکن کیوں؟ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ خاموشی سے اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک اس تغیر پر غور کرتا رہا پھر دفتر کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

شام کو اٹھتے وقت اچانک مجھے دانش کا خیال آگیا۔ مجھے اس سے کوئی کام نہیں تھا۔ بس چلتے چلتے یکلخت یہ خیال ذہن میں ابھرا تھا کہ سوائے دانش کے عملے کے تمام افراد نے دو روز کی غیر حاضری کے بعد دفتر آنے پر میری خیریت دریافت کی۔ ماسٹر ٹونی نے کہا تھا۔ دانش اس کی جگہ میرے لیے ایک قیمتی نعم البدل ثابت ہو گا۔ دانش کے نہ آنے کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی تھیں ممکن ہے وہ کسی سائٹ پر نگرانی کے کام کی اضافی ذمہ داری میں مصروف ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے میرے دفتر آنے کی اطلاع سرے سے ملی ہی نہ ہو اور بھی بہت سارے امکانات تھے لیکن نہ جانے مجھے اس کے نہ آنے کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔

پانڈے کے پروجیکٹ کو میں نے انتقامی جذبے کے تحت تباہ کیا تھا۔ اس کی تباہی میں ماسٹر ٹونی کے کہنے کے مطابق دانش نے بڑی بے جگری سے میرا ساتھ دیا تھا۔ اس کے جواب میں میرا گھر پھونک دیا گیا تھا۔ اس حادثے کی اطلاع موہنی کی خبیث روح نے مجھے فون پر دی تھی۔

میرے ذہن میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ ہو سکتا تھا کہ پراسرار ماورائی قوتوں کو اس بات کا علم ہو کہ پانڈے کے پروجیکٹ کو اڑانے کی خاطر دانش نے اہم کردار کیا تھا اور اب میرے مکان کے ساتھ ساتھ ان گندی قوتوں نے کہیں دانش کو بھی اپنے عتاب کا نشانہ تو نہیں بنا دیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میری چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ میں نے انٹرکام پر عارفہ سے رابطہ قائم کیا۔

"یس۔" دوسری جانب سے عارفہ کی سپاٹ آواز ابھری۔

"کیا آپ نے آج دانش کو دیکھا تھا؟"

"جی نہیں۔"

"پلیز۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آپ گوداؤن پر فون کر کے اس کے بارے میں دریافت کریں۔ مجھے ایک ضروری کام پیش آگیا ہے۔"

عارفہ کے بعد میں نے عابد اور واسطی سے بھی دانش کے بارے میں پوچھا لیکن ان دونوں نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا وہ آج ہیڈ آفس میں نہیں دیکھا گیا۔ میں نے ان دونوں سے بھی کہا کہ وہ فون کے ذریعے فوری طور پر اس کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

"کوئی خاص کام ہے سر۔" واسطی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے سر۔ میں اسے تلاش کرتا ہوں۔"

"مسٹر واسطی۔ ون منٹ۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "دانش آج کل کیا ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔"

"ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے حادثے کے بعد سے اس نے خود کو بہت مصروف کر لیا ہے۔ سارا سارا دن آؤٹ ڈور کی دیکھ بھال کرتا ہے اور مجھے باقاعدہ اس کی رپورٹ دیتا ہے۔"

"آج اس کا کوئی فون آیا تھا۔"

"جی نہیں۔" واسطی نے کہا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں دوسرے افراد سے بھی معلوم کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کی کال کسی اور نے ریسیو کی ہو لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ گزشتہ دو روز سے دانش کا کوئی فون نہیں آیا۔"

"مسٹر واسطی۔" میں نے واسطی کی فراہم کردہ اطلاع پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کسی آدمی کو فوری طور پر دانش کے گھر روانہ کریں اور تمام سائٹس پر بھی فون کر کے معلوم کریں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں سر۔" واسطی نے میرے لب ولہجے سے میری کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کیا دانش سے کوئی ضروری کام پیش آگیا ہے؟"

"آپ کسی آدمی کو اس کے گھر روانہ کر کے میرے پاس آجائیں۔" میں نے انٹرکام کا ریسیور رکھا پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میرے ذہن میں پریشان کن سوالات ابھر رہے تھے۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ دانش ضرور کسی سانحے سے دوچار ہوا ہے ورنہ وہ ڈیوٹی کے معاملے میں ہمیشہ پابندی کا خاص خیال رکھتا تھا۔ دو منٹ بعد ہی واسطی نے کمرے میں داخل ہو کر مجھے اطلاع دی کہ ایک شخص کو دانش کے گھر روانہ کیا جا چکا ہے۔

"مسٹر واسطی۔ کیا دانش شادی شدہ ہے۔"

"جی نہیں۔ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی۔"

"وہ رہتا کہاں ہے؟"

"کرائے کے ایک مکان میں جہاں اس کے علاوہ دو چار آدمی اور بھی رہتے ہیں اور مل بانٹ کر مکان کا کرایہ ادا کرتے ہیں۔" واسطی نے کہا پھر دوبارہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ "آپ کو اس وقت اچانک دانش کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کسی اور آدمی کو......"

"مسٹر واسطی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ شاید ایک اہم حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"دو روز پہلے ہی میرے مکان کو آگ لگائی گئی تھی اور آپ لوگوں کے بیان کے مطابق دانش دو روز سے ہی غائب ہے۔"

"اوہ نو۔" واسطی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آپ کی والدہ کو بچانے کی خاطر مکان کے اندر گیا ہو اور پھر...... وہ بہت جذباتی اور جوشیلا جوان ہے سر۔ پروموشن کے بعد سے تو وہ کچھ زیادہ دلچسپی لے رہا تھا اپنے کاموں میں۔"

"میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچ رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ٹونی کی طرح وہ بھی جان پر کھیل جانے کا عادی ہے۔"

ایک گھنٹے کے طویل اور اعصاب شکن انتظار کے باوجود دانش کا کوئی پتا نہیں چلا۔ میری تشویش میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ سائٹ پر کام کرنے والے عملے کا بھی یہی بیان تھا کہ جس روز میرے مکان کو نذر آتش کیا گیا تھا۔ اس روز سے دانش انہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ عارفہ نے بھی تمام متعلقہ جگہوں پر فون کرنے کے بعد یہی جواب دیا تھا۔ میرے آفس میں اس وقت واسطی اور عابد کے علاوہ عارفہ بھی موجود تھی۔ مجھے اس شخص کا انتظار تھا۔ جسے دانش کے مکان پر روانہ کیا گیا تھا۔

"سر۔" عارفہ نے میری پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دانش بیمار ہو یا پھر اسے کسی ضروری کام سے کہیں باہر جانا پڑ گیا ہو اور وہ اپنی روانگی کی اطلاع نہ کر سکا۔"

"میں نے ان خطوط پر بھی سوچا تھا لیکن دانش اگر کہیں باہر گیا ہوتا تو اب تک وہ کم از کم مسٹر عابد یا واسطی کو اپنے وہیر آباؤٹس۔(WHERE ABOUTS) کی اطلاع ضرور دے چکا ہوتا۔"

"اس کے علاوہ اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" عارفہ نے دبی زبان میں پوچھا۔

میں کوئی جواب دینے والا تھا کہ عابد کا وہ ماتحت کمرے میں داخل ہوا جسے دانش کے گھر روانہ کیا گیا تھا۔

"کچھ پتا چلا دانش کا۔" عابد نے پوچھا۔

"جی نہیں سر جس مکان میں دانش نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اس میں پانچ آدمی اور بھی رہتے ہیں۔ جن میں ایک ہماری کمپنی کا ورکر بھی شامل ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ اسی وقت دانش کے ساتھ ہی ایک سائٹ پر کام کر رہا تھا۔ جب دانش کو آپ کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کی اطلاع ملی تھی اور وہ تمام کام چھوڑ کر فوری طور پر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"دانش کون سی سواری استعمال کرتا تھا۔" میں نے واسطی سے پوچھا۔

"اس کے پاس موٹر سائیکل تھی سر۔" واسطی نے جواب دیا۔ "دفتری کاموں کے سلسلے میں بھی وہ کمپنی کی گاڑی استعمال کرنے کے بجائے موٹر سائیکل ہی استعمال کرتا تھا۔"

"اس کا نمبر یاد ہے آپ کو۔" میری پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

(1007) "ون ڈبل زیرو سیون۔" عابد نے کہا۔ "پرانے ماڈل کی ٹرائنف ہے لیکن بالکل نئی جیسی لگتی ہے۔"

میں نے فوری طور پر سراج کے نمبر ڈائل کیے۔ میرے دل کی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ دانش میرا کوئی عزیز نہیں تھا لیکن وہ ایک وفادار اور جان نثار ورکر تھا جو صرف حکم کی پیروی کرنے کا عادی تھا۔ اس کے نتائج کی پروا نہیں کرتا تھا۔

"ہیلو۔ سراج اسپیکنگ۔"

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے کہا ایک ہی سانس میں دانش کے سلسلے میں ساری تفصیل دہراتا چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے موٹر سائیکل کے جو نمبر بتائے ہیں وہ اس وقت متعلقہ تھانے میں موجود ہے۔" سراج نے کہا۔ "بائیک بھی وہی ہے جو آپ بتا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں فائر بریگیڈ والوں کے ساتھ آخری وقت تک موجود تھا لیکن ابھی تک مجھے کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔" سراج نے کہا۔ "آپ کے تمام ملازم بھی صحیح و سلامت ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے دانش کہاں گیا۔"

"اسی ایک سوال کے جواب نے مجھے بہت الجھا دیا ہے۔"

"کیا آپ کے خیال میں دانش کی گمشدگی میں بھی کسی طاغوتی قوت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"نا ممکن بھی نہیں ہے۔"

"مگر ان قوتوں کو دانش سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"جی۔" میں ایک لمحہ کو گڑبڑا گیا پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا۔ "وہ ماسٹر ٹونی کا دست راست تھا۔ ہو سکتا ہے اسے محض اسی جرم کی سزا ملی ہو۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" سراج نے کہا۔ "کیا دانش کے سلسلے میں ایف۔ آئی۔ آر درج کرلی جائے۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں آپ کو دانش کی چار پانچ فوٹو روانہ کر رہا ہوں آپ اسے تھانوں میں اپنے اعتماد کے ماتحتوں کو روانہ کر دیں تاکہ اس کی تلاش کا سلسلہ فوری طور پر جاری ہو سکے۔"

"میں سمجھا نہیں مسٹر شہباز۔" سراج نے پوچھا۔ "کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ایف۔ آئی۔ آر کے بغیر ہی اس کی تلاش کا سلسلہ جاری کردیا جائے۔"

"جی ہاں۔"

"کوئی وجہ..." سراج نے اس بار پولیس والوں کی طرح جرح کی۔

"اگر آپ کا اندیشہ درست ہے تو ممکن ہے۔ وہ طاقتیں مجھ سے دانش کے عوض کوئی بارگیننگ کرنے کی کوشش کریں۔" میں نے جواز پیش کیا۔ "ایف آئی آر کے بعد دانش کی زندگی کو ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"آئی سی۔" سراج نے میری دلیل کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ تصویریں بھیج دیں۔ میں ذاتی طور پر اس تفتیش کو خفیہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا لیکن طاغوتی قوتوں سے تو اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ میں رات کو آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔" میں نے ریسیور رکھتے ہوئے عابد کو ہدایت کی۔ "آپ دانش کی پرسنل فائل سے اس کی جتنی تصاویر بھی مل سکیں وہ سب ابھی لے جاکر ڈی ایس پی سراج کو دے آئیں۔"

عابد کے ساتھ ہی وہ آدمی بھی باہر چلا گیا جو دانش کی رہائش گاہ سے خبر لایا تھا۔ آفس میں صرف وارثی اور عارفہ رہ گئے تھے۔

"سر۔" وارثی نے دبی زبان میں کہا۔ "آپ نے ابھی کچھ طاقت کے بارے میں کہا تھا۔ کیا آپ کے خیال میں کسی مخالف پارٹی نے دانش کو اغوا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اس خیال کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک بات اور بھی ممکن ہے۔" عارفہ نے اظہار خیال کیا۔ "ہو سکتا ہے دانش کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اور وہ خدانخواستہ کسی ہسپتال میں بے ہوش پڑا ہو۔"

"لیکن پولیس کو اس کی موٹر سائیکل صحیح و سلامت حالت میں ملی ہے۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے سر۔" عارفہ نے جلدی سے وضاحت کی۔ "ممکن ہے دانش نے اپنی جان پر کھیل کر آپ کے گھر والوں کو بچانے کی کوشش کی اور......"

"بس۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "آپ کا یہ شبہ ممکن ہو سکتا ہے۔" پھر میں نے وارثی سے بڑی عجلت میں کہا۔ "پلیز۔ آپ ذرا میرے مکان کے قریب واقع تمام ہسپتال پر ایک نظر ڈال لیں۔"

"رائٹ سر۔" وارثی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا پھر تیزی سے دفتر سے چلا گیا۔

"سر۔" وارثی کے جانے کے بعد عارفہ نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا آپ ابھی کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔"

"جی نہیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کے رکنے کا ارادہ ہو تو کافی تیار کردوں۔ آپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ آپ کو سکون کی ضرورت ہے۔"

"بہت بہت شکریہ مس عارفہ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب چلوں گا۔ آپ کو اگر دانش کے بارے میں کوئی اطلاع ملے تو پلیز مجھے ندیم کے نمبروں پر ضرور انفارم کر دیجئے گا۔"

میں دفتر سے اٹھ کر سیدھا گھر گیا جہاں ندیم میری ای کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا۔" اس نے مجھے دیکھتے ہی ٹوکا۔ "ابھی تک ہم نے تمہارے انتظار میں چائے بھی نہیں پی۔"

"سوری۔" میں نے بہانہ بنانے کی کوشش کی۔ "ایک ضروری کام تھا اس لیے دیر ہو گئی۔"

چائے کی میز پر بھی ندیم میری ای کی دلجوئی کی خاطر الٹی سیدھی باتیں سناتا رہا پھر جب ای چائے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو ندیم نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے؟"

میں نے ندیم کو دانش کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ خاصی دیر کسی خیال میں مستغرق رہا پھر بولا۔

"جے شنکر پانڈے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا دانش کے اغوا میں اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا؟"

"اسے بھلا دانش سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے طاغوتی قوتوں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کردیا ہو۔"

"وہ اگر چاہیں تو دانش کو موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھیں۔ اغوا کرانے سے انہیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں پریشان کرنا۔" ندیم نے اپنی منطق پیش کی۔ "اول تو تم اس بات کو یقین سے نہیں کہہ سکتے دانش کو اغوا ہی کیا ہو گا ممکن ہے اسے ٹھکانے لگایا جا چکا ہو اور دوسرے یہ کہ اگر تم پانڈے ہی کو قطعی بری الذمہ سمجھ رہے ہو تو میں اسے تمہاری خوش فہمی ہی کہوں گا۔"

"مگر ظاہر پانڈے نے اب تک جو کردار ادا کیا ہے اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں پیدا ہوتی۔"

"یہ تمہاری نا تجربہ کاری ہے میری جان۔" ندیم نے مسکرا کر کہا پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے چونکہ ابھی تک زندگی کو قریب سے نہیں دیکھا اس لیے میرے مقابلے میں تمہارا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری ہی مثال لے لو۔ تم نے سنی لیکن زیادہ تر لوگ مجھے انتہائی شریف اور اونچی سوسائٹی کا ایک باعزت فرد سمجھتے ہیں۔ اندر کے حالات کیا ہیں۔ یہ کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ اسی طرح پانڈے کے بارے میں بھی تم پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمہارے ساتھ دوغلی چال نہ چل رہا ہو۔ بزنس میں یوں بھی پروفیشنل جیلسی کو خاصا دخل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانڈے بھی اندر ہی اندر تمہاری کاٹ کر رہا ہو اور ظاہری طور پر تمہاری دوستی کا دم بھر رہا ہو۔"

"لیکن دانش..."

"جہاں انتہائی جذبے ہوتے ہیں۔ وہاں اس قسم کے چھوٹے موٹے چٹکلے بھی ایک دوسرے کو پریشان کرنے کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔" ندیم نے کہا۔ "جنگ اور محبت میں اعصاب کو قابو میں رکھنا سب سے اہم ہوتا ہے۔ اعصاب پر قابو نہ رہے تو ایک فریق دوسرے فریق کو بہ آسانی زیر کر لیتا ہے۔ پانڈے کے پروجیکٹ کی تباہی اور کول ورما کے مکان کا نیست و نابود ہونا۔ اس بات کا متقاضی تھا کہ تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ جو تمہیں پہنچ چکا ہے۔ رہا دانش کا مسئلہ تو میرا ذاتی خیال ہے کہ اسے محض تمہارے اعصاب کو کمزور کرنے کی خاطر وقتی طور پر منظر عام سے ہٹا دیا گیا ہے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" ندیم نے کہا۔ "میری بات بہرحال اس شخص سے زیادہ مستند ہوگی جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر طوطے سے فال نکلواتا ہے۔ بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ جو شخص خود فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے۔ اسے اپنی قسمت کا کوئی حال نہ معلوم ہو وہ بھلا دوسرے کے لیے کیا پیشگوئی کر سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے پوچھا۔ "کیا ہمیں صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا چاہیے یا کوئی جوابی کارروائی کرنی چاہیے۔"

"فی الحال میں ایک بات کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے مکان کی تباہی کی اطلاع مجھے اور تمہارے سراج صاحب کو کسی مرد نے دی تھی جبکہ تمہیں خود موہنی نے فون کیا تھا۔"

"پھر تم کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ندیم کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ طاغوتی قوتوں کے ساتھ اب کچھ انسانی طاقتیں بھی ہمارے خلاف سر ابھار رہی ہیں۔" ندیم نے کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے پانڈے دیدہ و دانستہ تمہیں نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہوں لیکن کالی طاقتوں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ تم اس کے سب سے بڑے تجارتی حریف ہو اس لیے وہ سامنے آئے بغیر تمہیں نقصان پہنچانے پر مجبور ہو اور ایسی شکل میں جبکہ اس کی ابتدا ہماری طرف سے ہوئی ہے۔"

"والد صاحب کی موت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید اس سے زیادہ کر گزرتا۔" ندیم نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "بہرحال اب بھی ہمارے پاس بہت سارے مواقع ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "جب تک دانش کے

سلسلے میں کوئی پتا نہ چل جائے تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

"گویا دشمن نے جو حربہ استعمال کیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔" ندیم نے کہا۔ "وہ تمہیں اعصابی طور پر کمزور کرنا چاہتا تھا۔ جس میں اسے ناکامی نہیں ہوئی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ اپنا دفاع کرتے ہوئے دشمن پر وار کرنے کے موثر طریقے کیا ہوتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ گویا اب تم بھی سن بلوغت کی حد پھلانگ چکے ہو۔"

"آج تمہاری ماہ رخ کا فون آیا تھا۔" میں نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

"مجھے یقین تھا کہ وہ ایسا ضرور کرے گی۔" ندیم معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "تم اسے انسانی روپ میں قوم طور چڑیل بھی کہہ سکتے ہو۔ جس کو ایک بار انسانی خون کا منہ لگ جائے تو پھر وہ ہمیشہ نت نئے شکار کی تلاش میں سرگرم عمل رہتی ہے اور میرا خیال ہے کہ تم اس کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک جاندار بلکہ تگڑا شکار بھی ثابت ہوگے۔"

"اس نے مجھے اکیلے میں گھر آنے کی دعوت دی ہے۔" میں نے ندیم کو چھیڑا۔

"چشم ما روشن دل ما شاد۔" وہ بے پروائی سے بولا۔ "میرا رنگ چونکہ کھلتا ہوا ہے اس لیے میں تمہارے حق میں رقیب روسیاہ ثابت نہیں ہوں گا۔"

"پہلی ہی ملاقات کے بعد وہ اس طرح کھل کر بے تکلفی کا اظہار کرے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ ماہ رخ ہمیشہ دو ٹوک فیصلہ کرنے کی عادی ہے۔" ندیم نے کہا۔ "میں نے اسی روز اس کی نگاہوں کا مفہوم بھانپ لیا جس روز تم میرے ساتھ اس کی کوٹھی پر گئے تھے۔ وہ تمہیں ایسی ہی للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے کسی معصوم بچے کو اس کی من بھاتی غذا نظر آگئی۔"

"تم اسے معصوم کہہ رہے ہو۔" میں نے حیرت سے ندیم کو گھورا۔

"نہ سہی لیکن اس کے باوجود وہ بڑی کارآمد عورت ہے۔" ندیم بولا۔ "سیاسی اور اونچے حلقوں میں اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسی تاش کے پتوں میں ترپ کارڈ کی ہوتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس سے ملتے رہنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی کوئی کھوٹا سکہ بھی کام آجاتا ہے۔"

"کبھی میرے دماغ میں کوئی خلل واقع ہوا تو تمہاری بات پر غور کرنے کا وقت نکالنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ندیم بھی وہیں آگیا۔

✦

ندیم کا اور میرا کمرا ملا ہوا تھا۔ میں رات کے کھانے کے کچھ دیر بعد ہی سر درد کا بہانہ کرکے اپنے کمرے میں آگیا تھا پھر میں نے دس بجے کمرے کو اندر سے بند کرکے لائٹس آف کر دیں۔ بستر میں لیٹا میں ندیم سے ہونے والی گفتگو پر غور کرتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرا ذہن مختلف زاویوں سے جے شنکر پانڈے کی شخصیت کا تجزیہ کر رہا تھا۔ بظاہر وہ ان تمام حادثات سے غیر متعلق نظر آرہا تھا لیکن ندیم کی یہ دلیل بھی اپنی جگہ غلط نہیں تھی کہ بزنس میں ایک دوسرے سے جلنی رکھنا ایک فطری اور کاروباری عمل ہے۔ اس کے علاوہ پہلی بار میرے ساتھ پیش آنے والے حادثے کی اطلاع ندیم اور سراج دونوں کو کیسے ہونے والی تھی۔ ممکن ہے اس میں بھی موہنی کی پراسرار قوت کا دخل رہا ہو۔ اس نے پانڈے کو اپنی شیطانی قوت سے اس بات پر مجبور کردیا ہو کہ وہ میرے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرے۔ وہ حادثہ [illegible] پانڈے کے اپنے کسی خاص اور قابل اعتماد کارندے کی بھی ہو سکتی تھی۔ ایک طرف موہنی نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہو اور دوسری طرف اس نے پانڈے کے [illegible] کو آگ لگانے کا موقع فراہم کردیا ہو۔

کاکا نے مجھ سے کہا تھا کہ میری ماں کی جان بچانے میں اس کا ہاتھ شامل ہے۔ میری ماں نے بھی یہی کہا تھا کہ بس بیٹھے بیٹھے اچانک ان پر کچھ عجیب قسم کی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت ان کا گلا گھونٹ رہی ہو۔ انہوں نے ڈرائیور کو ڈاکٹر کو بلانے کے لیے روانہ کیا پھر باہر لان پر آگئیں لیکن انہیں کسی پل چین نہیں مل رہا تھا پھر انہوں نے خانساماں کو بلا کر ڈاکٹر خان کی طرف یہ معلوم کرنے بھیجا کہ وہ گھر پر ہیں یا نہیں۔ [illegible] کے چند لمحوں بعد وہ اپنی بڑھتی ہوئی تکلیف کے پیش نظر [illegible] کے ساتھ ڈاکٹر خان کے گھر کی طرف چل دیں جو دو کوٹھی [illegible] کر واقع تھا۔ ہرچند کہ ڈاکٹر خان ہمارے فیملی فزیشن نہیں تھے لیکن والد صاحب سے ان کے کافی دیرینہ تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ دونوں گھروں میں ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا بھی تھا لیکن ابھی وہ ڈاکٹر خان کے بنگلے کے گیٹ تک پہنچی تھیں کہ ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ان کے پیروں تلے کھسک گئی۔ وہ دھماکہ اتنا ہی شدید تھا کہ زمین تک لرز کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد دو دھماکے اور ہوئے اور پھر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے میری پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ والدہ کے علاوہ یہی بیان قرب و جوار میں رہنے والے دوسرے مکینوں کا بھی تھا لیکن سراج کے مطابق فائر آفیسر نے اس آگ کو شارٹ سرکٹ کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ چنانچہ کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور تھا۔

والٹر کی موٹر سائیکل کا میرے مکان کے قریب پایا جانا اور

خود اس کی گمشدگی بھی ایک ایسا معما تھی جسے ابھی تک حل نہیں کیا جا سکا تھا۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کے عملے کے بیان کے مطابق انہیں وہاں ہڈیوں کا کوئی ایسا ڈھانچہ بھی نہیں ملا تھا جس پر دانش کے وجود کا شبہ کیا جا سکتا پھر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا؟ کیا اسے اغواء کیا گیا تھا یا پھر اسے موت کے گھاٹ اتار کر سند ر برد کر دیا گیا تھا؟

میرے ذہن کے اندر ایک لاوا سا پک رہا تھا پھر ٹھیک دو بجے میں اپنے بستر سے اٹھا۔ سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کیا کھڑکی کھول کر عقبی لان کی جانب سے حد بندی کی دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا اور پیدل ہی پانڈے کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا جو بمشکل تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ مجھے یہ فاصلہ طے کرنے میں تقریباً" ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے درمیان میں ہر ممکنہ خطرے سے بچنے کا خاص خیال رکھا تھا اور اپنے گرد آیت الکرسی کا حصار بھی کھینچ لیا تھا۔

پانڈے کی کوٹھی دو منزلہ تھی جس میں گراؤنڈ فلور پر ڈرائنگ' ڈائننگ کے علاوہ ایک ماسٹر روم آنے جانے والے مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ رہائشی کمرے اوپر تھے جہاں پانڈے اپنی مختصر فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق اس کے صرف دو بچے تھے جن میں سے ایک کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور دوسرے کی بارہ سال' وہ دونوں ایک کمرے میں رہتے تھے جبکہ تیسرا بڑا کمرا پانڈے اور اس کی بیوی کے تصرف میں تھا۔ کمروں کے قریب ہی ٹی وی لاؤنج تھا۔ یہ تمام معلومات مجھے اس نکر فل نقشے کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں جو پانڈے نے اپنے آفس میں اپنی میز پر شیشے کے نیچے لگا رکھا تھا تاکہ اپنے کلائنٹس کو ون یونٹ بنگلے کی طرز تعمیر کے بارے میں ضرور معلومات بہ آسانی فراہم کر سکے۔

میری توقع کے عین مطابق پانڈے کے مین گیٹ پر ایک چوکیدار موجود تھا۔ چنانچہ مجھے اس میں داخل ہونے کے لیے بھی عقبی دیوار ہی پھلانگنی پڑی تھی لیکن اس سے پیشتر میں نے سیاہی رنگ کا ایک ماسک اپنے چہرے پر چڑھا لیا تھا جس کے بعد میری شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔ دیوار پھلانگنے کے بعد میں کچھ دیر تک مالتی کی جھاڑیوں کے عقب میں دبکا بیٹھا رہا۔ میرا آٹومیٹک بڑی مضبوطی سے میرے سیدھے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ میں نے حفاظتاً" اس پر سائلنسر بھی لگا لیا تھا کہ اس کے استعمال سے کوئی شور و غل نہ ہو سکے۔ اس کا اندازہ لگانے کے بعد کہ قرب و جوار میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔ میں آہستہ سے کھڑا ہوا اور تقریباً" پنجے کے بل دوڑتا ہوا عمارت تک پہنچ گیا۔ عمارت کی پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے پشت پر کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔ غالباً" پائپ لائنز کو بھی اس طرح کھانچا بنا کر فٹ کرنے کے بعد اوپر سے نیچے تک کور کر دیا گیا تھا کہ وہ باہر سے

نظر نہیں آتے تھے۔ میں مجبوراً" دیوار کے ساتھ چپکا آہستہ آہستہ محتاط قدم اٹھاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھا جہاں کوئی شخص روشن اور عمارت کو ملانے والے خوبصورت زینے پر گول بلڑے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ شاید بنگلے کا چوکیدار ہی تھا جو کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کی خاطر وہاں بیٹھ گیا تھا۔ بلڑے کے ساتھ ہی اس کی دو ماری بیٹری بھی لگی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کو مجھے احساس ہوا تھا کہ محض ایک چوکیدار اس وسیع و عریض بنگلے کے لیے ناکافی تھا مگر میں نے اس وقت اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

بنگلے کی صدر عمارت میں داخل ہونے کی خاطر میرے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس چوکیدار نما شخص سے دو دو ہاتھ کر لوں۔ چنانچہ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازے کی مخصوص پوزیشن کی طرف آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتا رہا۔ مجھے اس کے قریب پہنچنے میں بمشکل منٹ صرف ہوئے تھے۔ وہ جاگ رہا تھا اور بھی بھی نظریں گھما کر دائیں بائیں دیکھنے لگتا تھا لیکن شاید اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ کوئی دشمن عقب سے بھی اس پر اچانک حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے پہلے بڑی پھرتی سے اس کی رسی پر قبضہ کیا پھر اس سے پہلے کہ اسے میری موجودگی کا احساس ہوتا میرا الٹا ہاتھ بڑی مشاقی اور برق رفتاری کے ساتھ اس کے گلے میں پھانسی کے پھندے کی طرح لپٹ گیا۔ اس نے خود کو میری گرفت سے آزاد کرنے کی بھرپور کوشش کی' وہ شاید منہ سے آواز نکال کر سرونٹس کوارٹر میں محو خواب دوسرے ملازمین کو خطرے کا احساس دلانا چاہتا تھا لیکن میں نے خطرے کو بھانپ کر پوری شدت سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو اس کی آواز ایک معمولی سی خرخراہٹ کے بعد اس کے حلق میں ہی دفن ہو گئی۔ پولیس کی تربیت اس وقت میرے بڑے کام آ رہی تھی۔ میرے ایک ہی جھٹکے نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ کم از کم دو گھنٹے تک دوبارہ ہوش میں نہیں آئے گا۔ چنانچہ میں نے صدر دروازے کے قریب پہنچ کر جیب سے ایک موٹا اور سخت سا تار نکالا پھر اس ڈور لاک کو کھولنے میں مجھے کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی جس کے بعد میں عمارت میں داخل ہو گیا۔ نچلے حصے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس کا اطمینان کر لینے کے بعد میں زینے طے کرتا ہوا تیزی سے پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ جہاں صرف ایک کمرے سے ہلکی ہلکی لائٹ باہر آ رہی تھی۔ باقی کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں پنجوں کے بل چلتا ہوا روشن کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا دروازہ بھی اندر سے لاک تھا لیکن کھڑکی کے پردوں کے درمیان اتنی جھری موجود تھی جس سے روشنی کی کرنیں باہر نکل رہی تھیں۔ میں نے کھڑکی سے چپک کر اندر کی جانب دیکھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہی میرا مطلوبہ کمرا تھا جس میں اس وقت بے فکر پانڈے اپنی خوبصورت دھرم پتنی کے ساتھ دو جان ایک قالب ہو رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر گلاس اور شراب کی بوتل بھی موجود تھی۔ مجھے یاد آیا کہ وہ ویک اینڈ کی رات تھی جسے اکثر لوگ سہاگ رات کی طرح منانے کے عادی ہوتے ہیں۔

میں خاموشی سے دروازے کی طرف پلٹا۔ مجھے ایک بار پھر ڈور لاک کھولنے کی خاطر اسی مڑے تڑے تار کا سہارا لینا پڑا جس میں میں تربیت کے دوران ہی خاصا مشاق ہو گیا تھا۔ بمشکل تھوڑے منٹ کی کوشش کے بعد اندر سے "ٹِک" ہینڈل کے کھلنے کی آواز ابھری اور دوسرے ہی لمحے میں تیزی سے اندر

داخل ہو گیا۔ چٹ کی آواز سن لینے کے بعد پانڈے کو کسی خطرے کا احساس ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے دفاع کی خاطر کوئی موثر تدبیر اختیار کر سکتا میں اس کے سر پر ریوالور تانے موت کی طرح سوار تھا۔ اس کی خوبصورت بیوی نے تیزی سے خود کو رضائی کے اندر سمیٹ لیا تھا' لیکن پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے پانڈے جی مہاراج کہ میں نے آپ کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں بڑی سفاکی سے کہا۔ "پر تو آپ کو بہرحال میری وارننگ کا خیال رکھنا ہو گا۔ آپ نے اگر چپل کپٹ سے کام لینے کی کوشش کی تو مجھے مجبوراً" آپ دونوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا پاپ کرنا پڑے گا۔ آپ کی مکتی اسی میں ہے کہ میری باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے رہیں۔"

"تم ... جتنی چاہے دولت مانگ لو لیکن مجھے جان سے مت مارو۔" پانڈے ایک ہی دھمکی میں لرزنے لگا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ محض جان بچانے کی خاطر اداکاری کر رہا ہو۔

"تمہارا خیال غلط ہے پانڈے جی۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے اس سے کسی دشمن دولت کے کارن تمہارے کمرے میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ مجھے کیول اپنے سوالات کے جواب چاہییں۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"نہیں سندری۔" میں نے قہر آلود نظروں سے مسز پانڈے کو دیکھا جس کا سیدھا ہاتھ آہستہ آہستہ تکیے کی طرف سرک رہا تھا۔ "تم اپنے دونوں ہاتھ اپنے سندر شریر کے اوپر ہی رکھو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ مجھے پہلے تمہیں اپنے اور پانڈے جی کے درمیان سے ہٹانا پڑے۔"

مسز پانڈے جو بلاشبہ ایک خوبصورت اور حسین جسم کی مالک تھی گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر لیے۔ موت کا تصور اس کی آنکھ میں ابھر کر اس طرح ساکت ہو گیا تھا کہ اب وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بھی خوف محسوس کر رہی تھی۔ اسے خوف زدہ کرنے کے بعد میں پانڈے کی طرف متوجہ ہوا۔

"پانڈے جی۔ کیا تم سیوک کو یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم نے کس کے اشارے پر شہباز خان کی کوٹھی کو آگ لگانے کی حماقت کی تھی۔"

"میں نے ..." پانڈے چونکا لیکن اپنی آنکھوں میں ابھرنے والی حیرت کو نہ چھپا سکا۔ جلدی سے بولا۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ میں ..."

"میں سچ معلوم کرنے کے کارن یہاں آیا ہوں پانڈے جی۔" میں نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر آپ نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو مجھے مجبوراً" آپ کی زبان کھلوانے کی خاطر آپ کی سندر دھرم پتنی کے شریر کے کچھ

ٹکڑے کاٹنے پڑیں گے۔ جس کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"میں نے جو کچھ کیا وہ موہنی کی مہان شکتی کے کہنے پر کیا۔" پانڈے نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیے۔ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتی۔ میری بات کا وشواس کرو۔ اس نے یہی کہا تھا کہ اگر میں نے اس کی آگیا کا پالن نہ کیا تو وہ مجھے کتے کی موت مار دے گی۔"

"کتے کی موت تو میں بھی تمہیں مار سکتا ہوں۔ پر تو میں ایسا نہیں کروں گا۔" میرے لہجے میں بلا کی سفاکی آ گئی۔ میں نے اسے قہرآلود آواز میں مخاطب کیا۔ "اب اس شخص کا نام بھی اگل دو۔ جس نے تمہارے اشارے پر باس کی کوٹھی کا ستیاناس کیا ہے۔"

"میں اس کا نام نہیں جانتا۔ میں نے اسے دیکھا بھی۔" پانڈے جلدی سے بولا۔ "میں نے کیول اس کی آواز فون پر سنی تھی۔ اس نے موہنی کا حوالہ دے کر مجھ سے بات کی تھی۔"

"چلو یہ مانے لیتا ہوں لیکن تمہارے درمیان سودا کتنے میں بنا تھا۔"

"میری بات کا وشواس کرو۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی تک اس نے نہ مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کیا ہے" نہ دوسری بار بات کی ہے۔ ویسے اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے کام کی اجرت مجھ سے ضرور وصول کرے گا۔"

میں نے سیاہ چشمے کے پیچھے سے پانڈے کا جائزہ لیا۔ وہ شاید غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا پھر بھی میں نے اسے کریدنے کی خاطر تیزی سے سوال کیا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ دانش نامی شخص کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"دانش۔" پانڈے نے اس نام کو دہراتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ نام میں پہلی بار تمہارے منہ سے سن رہا ہوں۔"

"موہنی نے تم سے کیا کہا تھا۔" میں نے دوسرا زاویہ آزمانے کی کوشش کی۔

"اس نے کیول اتنا کہا تھا کہ میں اس کے حوالے سے ملنے والی فون کال پر بلا چوں و چرا کے عمل کرتا رہوں۔ ورنہ وہ مجھے اپنی شکتی سے نشٹ کر دے گی۔" پانڈے نے اس بار مردہ سی آواز میں کہا۔ "شاید اس سے بھی اس کی آتما کہیں آس پاس موجود ہو۔ وہ شاید اب مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"اس کی چنتا مت کرو۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "جہاں میرے جیسا راکشش موجود ہو۔ وہاں پلید اور گندی مکھیاں دور دور تک پھٹکنے کی جرات نہیں کر سکتیں لیکن اس بات کا وشواس کس طرح کرلوں کہ تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں ہے؟"

"تم اس کی تصدیق شہباز سے بھی کر سکتے ہو۔" پانڈے نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں نے اسے بہت ساری باتیں ایسی بھی

بتا رکھی ہیں جس کا علم ہمارے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ پانڈے نے یقیناً کومل ورما کی بات میرے علاوہ کسی اور کو نہیں بتائی ہوگی۔ اس کا آخری جملہ اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے دروغ سے کام نہیں لے رہا۔

"تمہیں میری ایک بات کا دھیان رکھنا ہو گا۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "میں تم سے پھر کسی وقت فون پر بات کروں گا اگر تمہیں اس انجان آدمی کا فون دوبارہ موصول ہو تو تم اس سے دانش کے بارے میں ضرور معلوم کرو گے۔"

"تم نے باس کس کو کہا تھا؟ کیا تم شہباز خان کے آدمی ہو۔"

"ان چکروں میں سے پرواہ نہ کرو۔ کیول ایک نام یاد رکھنا۔ راکشش۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔ "میں اب تم دونوں کو جیوت (زندہ) چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ موہنی کی پلید آتما کا فون ملے تو اسے بھی میری بات نہ کرنا اور ہاں' میرے جانے کے بعد ایک گھنٹے تک تم اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ میرے دوسرے حری جو تمہاری کوٹھی کے آس پاس موجود ہیں۔ تمہیں بھون کر رکھ دیں۔"

پھر میں نے ایک نظر سرزو ورما کی طرف دیکھا جو بدستور سکڑی' سمٹی اور سہمی اپنے جسم کو رضائی کے اندر لپیٹے پڑی تھی پھر میں نے آخری بار پانڈے کو دیکھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں میرے جانے کے بعد بھی میری دی ہوئی

دھمکی کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔ میں نے پانڈے کی خوابگاہ سے اپنی خوابگاہ تک واپسی کا سفر بھی پوری احتیاط سے طے کیا تھا۔

✿

صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ ندیم میرے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت میں ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔

"اب تمہارے سر کا درد کیسا ہے؟" ندیم نے میری خیریت دریافت کی۔

"پہلے سے بہت بہتر ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "رات سونے سے پہلے میں نے سر درد کی گولیاں کھائی تھیں اس لیے اب خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔"

"تم شاید جلدی سو گئے تھے۔" ندیم نے کہا اس کا لہجہ نارمل ہی تھا۔ "میں رات دس بجے تمہاری طرف آیا تھا لیکن لائٹ آف تھی اس لیے واپس چلا گیا۔"

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"فی الحال لیٹ کر لمبی تان کر دوبارہ سو جاؤں گا۔" ندیم مسکرایا۔ "میرے اور تمہارے اندر صرف رات اور دن کا فرق ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب بہت واضح ہے۔ تم دن بھر کاروبار کرنے کے بعد رات کو سوتے ہو اور میں دن بھر آرام کرنے کے بعد رات کو کاروبار شروع کرتا ہوں۔"

"میرا اب بھی تمہارے لیے یہی پرخلوص مشورہ ہے کہ یہ نائٹ کلب اور کیسینو وغیرہ کے چکر سے باز آجاؤ۔" میں نے ندیم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "اب تم تنہا نہیں ہو' نسیم کا بوجھ بھی ہے' تمہارے کندھوں پر۔ تمہارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کوئی بھی دوسرا شریفانہ کام شروع کر سکتے ہو۔"

"اگر میں نے کوئی شریفانہ بزنس شروع کر رہا ہوتا تو شاید اس وقت تم سے گفتگو کرنے کے بجائے تمہاری تجہیز و تکفین کے کاموں میں الجھا ہوتا۔" اس بار ندیم کا لہجہ بے حد معنی خیز تھا۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال میں تمہیں صرف اتنا سمجھا سکتا ہوں کہ جو حماقت تم نے کل رات کی تھی۔ اسے دوبارہ نہ کرنا۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کر دوں کہ بے فکر پانڈے کی کوٹھی پر ایک نہیں' بلکہ دو گارڈ رات بھر پہرہ دیتے ہیں۔ جس وقت تم دیوار پھلانگنے کے بعد مالتی کی جھاڑی کی اوٹ میں چھپے تھے۔ اس وقت عقبی حصے پر پہرہ دینے والے گارڈ نے جو ایک محفوظ مقام پر بیٹھا تھا تمہیں دیکھ

لیا تھا۔ وہ تمہیں نشانہ بنانے والا تھا لیکن تم خوش قسمت تھے جو بچ گئے۔ اگر میرے آدمیوں نے بروقت اس گارڈ کو قابو کر کے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ نہ کیا ہوتا تو تم اس وقت یہاں اتنے اطمینان سے کھڑے ٹائی نہ باندھ رہے ہوتے۔"

"اوہ۔ گویا تمہیں حالات کا علم ہو چکا ہے۔"

"ہاں وہ میرے جاں نثار ساتھیوں کو جو مجھ سے دور رہنے کے بعد بھی میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہتے ہیں۔" ندیم نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ تم نے مجھ سے مشورہ کیے بغیر رات والی حماقت کس لیے کی تھی؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے مکان کو نذر آتش کرنے میں پانڈے کا ہاتھ کس حد تک شامل ہے۔" میں نے ندیم کو مکمل تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس نے مجھ سے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہو گا۔"

"تم شاید اب بھی کسی خوش فہمی کا شکار ہو۔" ندیم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پانڈے' موہنی کی پراسرار گندی طاقتوں کے مقابلے میں تمہیں ترجیح دے گا۔ یہ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اتر سکتی بہرحال' میرا مشورہ ہے کہ آئندہ تم پانڈے سے محتاط ہی رہنا۔ جھوٹ اور سچ کیا ہے۔ اب میرے آدمی پانڈے سے اگلوا لیں گے۔ میں نے گزشتہ رات ہی ضروری ہدایت کر دی ہیں۔ برائے مہربانی تم درمیان میں ثالث بننے کی کوشش نہ کرنا۔"

میں ابھی جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہاں۔ میری فکر نہ کرنا۔" دوسری جانب سے دانش نے میری آواز پہچانتے ہوئے بڑی مدھم آواز میں کہا۔ "آپ کو اب محتاط رہنے کی زیادہ ضرورت ہے اس لیے کہ کے۔ کک۔۔۔۔۔ کک۔" اس کے ساتھ ہی دانش کی آواز گھٹتی چلی گئی۔ شاید کسی نے اچانک پشت سے وار کر کے دانش کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔" میں نے اسے متعدد آوازیں دیں لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا پھر ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

"کس کی کال تھی؟" ندیم نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"دانش کی۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر۔۔۔ تم نے ریسیور رکھ کیوں دیا؟"

"دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دانش کوئی اہم بات کہنا چاہتا تھا لیکن وہ بات مکمل نہ کر سکا۔" میں نے دانش کا نامکمل جملہ دہراتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ دانش نے کوئی اہم سراغ پالیا ہے جس سے وہ مجھے باخبر کرنا چاہتا تھا مگر میرے دشمنوں نے بروقت اس پر حملہ کر کے اس کی زبان بند کر دی۔"

ندیم نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک بڑی سنجیدگی سے کسی خیال میں منہمک رہا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ دانش تمہیں ان لوگوں کی شخصیت سے باخبر کرنا چاہتا تھا جنہیں موہنی کے کہنے پر تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس طرح دانش نے تمہارے دشمنوں کے کسی گروہ کا تعاقب کیا تھا ممکن ہے بالکل اسی طرح دشمن کا کوئی ساتھی بھی دانش کے پیچھے لگ گیا ہو اور اسی نے دانش کو وقتی طور پر خاموش کر دیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ "اگر تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا تو پھر دانش کی زندگی کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔"

"ضروری نہیں ہے۔" ندیم نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دانش کے ذریعے تمہارے ساتھ کوئی سودے بازی کریں۔"

میں ابھی کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون کا بٹن آن کر دیا۔ "ہیلو۔ ندیم بول رہا ہوں۔" اس نے مائیک کے قریب ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تم سے نہیں، مسٹر شہباز سے بات کرنی ہے۔" دوسری جانب سے کھردرے لہجے میں کہا گیا۔ وہ جو بھی تھا آواز بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کون ہو تم؟"

"تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ فون شہباز کو دو۔" دوسری طرف سے تحکمانہ انداز میں جواب ملا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں فون کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔" ندیم نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ "کم از کم تمہاری گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ تمہارا تعلق ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنہیں شریف اور تمیزدار کہا جا سکے۔"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" حقارت سے کہا گیا۔ "مجھے مسٹر شہباز سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔ ریسیور اس کے حوالے کرو۔"

"کیا فون پر کسی قسم کی غنڈہ گردی کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میرا ایک مشورہ مانو گے مسٹر ندیم؟"

"کہو۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "میں سن رہا ہوں۔"

"تمہارے حق میں بہتر ہے کہ ہمارے اور شہباز کے درمیان آنے کی کوشش نہ کرو ورنہ خسارے میں رہو گے۔"

"اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ بزنس میں نفع اور نقصان دونوں کے امکانات ہوتے ہیں اس لیے مجھے خسارا ہونے کی صورت میں بھی کوئی افسوس نہیں ہوگا کیونکہ میں خسارا پورا کرنے کے طریقوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میرا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم شہباز سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

"اس کا علم تمہیں بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب تم نے ایک قاعدے کی بات کی ہے اس لیے میں ریسیور شہباز کے حوالے کر رہا ہوں۔"

"ہیلو۔" میں نے ندیم کے اشارے پر مائیک کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں شہباز بول رہا ہوں۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم اس وقت شاید دانش کے سلسلے میں پریشان ہو رہے ہو گے۔ کیوں؟"

"کیا تم دانش کو جانتے ہو؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں لیکن صرف اس حد تک کہ اس نے ہمارا تعاقب کر کے اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔"

"آئی سی۔" میں چونکا۔ "کیا اس وقت دانش تمہارے قبضے میں ہے؟"

"تمہاری جگہ کوئی بچہ ہوتا تو وہ بھی یہی نتیجہ اخذ کرتا۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس ملک سے اپنا منہ کالا کر لو، دوسری صورت میں شاید تمہیں ساری عمر پچھتانے کے علاوہ اور کوئی کام باقی نہ رہے گا۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو شاید تم ہی لوگوں نے میرے مکان کو آگ بھی لگائی ہے؟"

"ہاں۔ ہم انکار نہیں کریں گے۔" دوسری جانب سے سفاک انداز اختیار کیا گیا۔

"پانڈے سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"وہی جو مفلسی کا دولت سے ہوتا ہے۔"

"اور اگر میں تمہیں پانڈے کے مقابلے میں زیادہ رقم کی آفر

دوں تو؟"

"سوری۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ ہم ایک بار جس پارٹی سے کنٹریکٹ کر لیتے ہیں اس کے ساتھ دغا نہیں کرتے۔" اس بار تضحیک آمیز لہجے میں جواب ملا۔ "ہاں، تم اگر چاہو تو ہم دانش کے سلسلے میں تمہارے ساتھ سودے بازی کر سکتے ہیں۔"

"کتنی رقم درکار ہے؟"

"دس لاکھ۔ اس میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔"

میں نے ندیم کو دیکھا جو بڑی توجہ سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے اشارے سے مجھے گفتگو جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

"واپسی کا طریقۂ کار کیا ہو گا؟" میں نے دریافت کیا۔

"تم کل شام تک ہماری مطلوبہ رقم پانڈے کو کیش کی شکل میں پہنچا دو۔ دانش تمہیں واپس مل جائے گا۔"

"کیا تم اتنا بڑا رسک لینے کو تیار ہو؟" میں نے کہا۔ "اس صورت میں کہ جب وہ تمہیں شناخت کر چکا ہے۔"

"اس کی فکر مت کرو۔ یہ سب سوچنا ہمارا کام ہے۔"

"اور اگر میں تمہاری مطلوبہ رقم۔۔۔۔"

"شہباز خان۔" دوسری جانب سے کرخت لہجے میں جواب ملا۔ "ہم اگر مگر سننے کے عادی نہیں ہیں، تمہیں سودا منظور ہے تو ڈن کرو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم دانش جیسے جاں نثار کو اس سے بدتر حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرو گے جس میں ٹونی جلا ہے۔"

ماسٹر ٹونی کی مثال دے کر اس نے مجھے دانش کے انجام سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں ایک لمحہ کو لرز کر رہ گیا۔ میرے دشمنوں اور طاغوتی قوتوں نے مل کر ماسٹر ٹونی کو لب گور تک پہنچا دیا تھا۔ اس کی زندگی اپاہجوں سے بدتر کر دی تھی۔ اگر دانش نے واقعی میرے دشمن کا سراغ پالیا تھا تو پھر ان سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میرے والد کا انجام میرے سامنے تھا۔ اس کے بعد اگر کاکا نے بروقت میری ماں کو ڈاکٹر خان کے ہاں جانے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو شاید وہ بھی مکان کے ساتھ جل کر خاک ہو جاتی۔

پانڈے نے مجھ سے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس نے موہنی کی قوت سے خوفزدہ ہو کر کسی نادیدہ شخص سے فون پر بات کی تھی۔ وہ اس سے واقف نہیں تھا۔ اس نے مجھے یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کول ورما ایک بدروح کی صورت میں ابھی تک اس کی فرم میں کام کر رہی تھی۔ میرا ذہن الجھنے لگا۔ میں نے سوچا۔ اگر موہنی کے بارے میں پانڈے نے غلط بیانی نہیں کی تو پھر کول ورما کہاں سے پیدا ہو گئی؟ میں نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا پھر ایک ہی وقت میں ان دونوں کا نام کس طرح آیا تھا؟ پانڈے کا بیان اگر حقیقت پر مبنی تھا کہ اس نے کرائے کے دہشت گردوں سے صرف فون پر بات کی تھی تو پھر دانش کے سلسلے میں دس لاکھ کی خطیر رقم

پانڈے کے حوالے کرنے کو کیوں کہا جا رہا تھا؟ سوہنی جو بذات خود ایک شیطانی قوت تھی اس نے پانڈے کو کسی اجرتی قاتل یا قاتلوں سے بات کرنے کی ہدایت کیوں کی تھی؟

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"تمہارے پاس وقت کم ہے مائی ڈیئر مسٹر شہباز۔" ماؤتھ پیس پر دوسری جانب سے بولنے والی کی سرد آواز ابھری۔ "اگر تم مجھے باتوں میں الجھا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو کہ میں کس نمبر سے بات کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری کامیابی ممکن نہیں اس لیے کہ میں ایک پبلک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہماری بات مان لو ورنہ دانش تمہیں کس حالت میں ملے گا تم شاید اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے یہ سودا منظور ہے۔" میں نے ندیم کے اشارے پر کہا۔ "لیکن میں پانڈے کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا۔"

"وقت مت ضائع کرو۔ میں صرف ہاں یا نہیں میں جواب سننا چاہتا ہوں۔"

"تم شاید میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" میں نے اسے گفتگو میں الجھانے کی خاطر کہا۔ "اگر میں نے پانڈے والی شرط مان لی تو میری ساکھ۔۔۔"

"جہنم میں گئی تمہاری ساکھ۔" حقارت سے کہا گیا۔ "ہماری آفر پر پھر غور کر لو۔ میں دو گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور ہاں مسٹر ندیم یا کسی اور کو درمیان میں لانے کی حماقت نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام خطرناک ہی ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے ندیم کی سمت دیکھا جو کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ میں اس وقت سوائے اندر ہی اندر کھولنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ دانش نے میری خاطر جو قدم اٹھا لیا تھا مجھے اس کے بارے میں مطلق کوئی علم نہیں تھا لیکن وہ بہرحال میری ہی ٹیم کا ایک فرد تھا۔ ماسٹر ٹونی ابھی تک ہسپتال میں تھا اور اب دانش کی زندگی خطرے میں تھی۔ فون کرنے والے نے مجھے جو دھمکی دی تھی وہ اسے عملی جامہ بھی پہنا سکتا تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ سوہنی کی گندی قوت پانڈے کا ساتھ دے رہی تھی۔ میرے لیے دس لاکھ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مشین کا کوئی اہم پرزہ اگر ناکارہ ہو جائے تو پوری مشین ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دانش بھی میری مشینری کا ایک اہم پرزہ تھا۔ اس نے پانڈے کے پروجیکٹ کو میرے صرف ایک اشارے پر بڑی بے جگری سے بم مار کر تباہ و برباد کر دیا تھا۔ رحمانی قوتوں اور آیت الکرسی کی برکتوں نے اسے دشمنوں کی نظروں سے بچا لیا تھا لیکن میرے گھر کو لگنے والی آگ کے شعلے اسے ایک بار پھر روشنی میں لے آئے تھے۔ شاید دانش نے ان افراد کو دیکھ لیا تھا جنہوں نے میرے مکان کو آگ لگائی تھی۔ اسے یقیناً کسی پر شبہ ہوا ہوگا جو وہ اس کے تعاقب میں لگ گیا پھر شبے کے یقین میں بدل جانے کے بعد ہی اس نے مجھے فون کر کے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ وہ مجھے ان مشتبہ فرد یا افراد کے نام بھی بتانا چاہتا تھا لیکن بروقت دشمنوں نے اس کی زبان بند کر دی اور اب وہ مجھ سے دانش کی زندگی کے عوض دس لاکھ کا مطالبہ کر رہے تھے۔

میرے ذہن میں تیز آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ نادیدہ قوتیں مجھے پانڈے کے راستے سے ہٹانا چاہتی تھیں۔ پانڈے سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن شاید وہ نرنجن لال کی موت کا قرض چکتا کرنے کی خاطر میرے خلاف برسرپیکار ہو گئی تھیں۔ فرقہ واریت کی اس فضا میں میرے قدم ایک لمحے کو بھی نہیں لڑکھڑائے تھے۔ مجھے اس بات پر یقین تھا کہ موت برحق ہے۔ اس کا ایک وقت معین ہے جسے کوئی نہیں ٹال سکتا چنانچہ میں حالات سے ہراساں نہیں ہوا تھا لیکن والدہ صاحبہ کی اذیتناک موت اور ماں کو پیش آنے والے خطرنے جو صورت حال اختیار کر لی تھی اس میں میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ میرے اندر کی مشینری کا کوئی پرزہ آہستہ آہستہ اپنی قوت مدافعت کم کرنے لگا تھا۔ ماں کے قدموں تلے اولاد کی جنت ہوتی ہے اور جنت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس کے حصول کی خاطر انسان اپنی عمر عزیز کا ایک طویل عرصہ عبادتوں اور ریاضتوں میں گزار دیتا ہے پھر بھی اسے اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ خدا کے حضور اس کی جبہ ریزی نے شرف قبولیت کا درجہ حاصل کر لیا ہوگا۔ کبھی کبھی انسان کی صرف ایک نیکی اس کے تمام زندگی کے گناہوں کو بخشوانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ قدم کی صرف ایک لڑکھڑاہٹ برسوں کی عبادتوں کو رائگاں کر دیتی ہے۔

میں جو کچھ بھی تھا والدین کی دعاؤں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا۔ پھر؟ میں نے خود کو حالات کی منجدھار میں کاغذ کی کسی ناؤ کی مانند ہچکولے کھانے کے لیے کیوں چھوڑ دیا تھا؟ میرے دشمن مجھے صرف ملک بدر کر کے اپنی کامیابی کا جشن منانا چاہتے تھے۔ اس کے عوض اگر میری ماں کی زندگی بچ سکتی تھی تو پھر میں نے خود کو کسی کشمکش میں کیوں ڈال رکھا تھا؟ جنت کے حصول کی خاطر میرے دشمنوں کی گندی قوتوں نے جو بولی لگائی تھی وہ بہت کم تھی۔ بڑا سستا سودا تھی۔ مجھے ان کی شرط مان لینی چاہیے تھی۔ میں نے سوچا۔ میں نے فیصلہ کرنے میں دیر لگا کر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا اس لیے کہ ساری کائنات کی دولت بھی ماں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ سوہنی نے ایک موقع پر مجھ سے کہا تھا کہ اب میرے لیے فیصلے کا وقت گزر چکا ہے۔ وہ دنیا کے کسی کونے میں بھی مجھے سکون کا سانس نہیں لینے دے گی۔ شاید کومل ورما کی موت اور اس کی ماں کی عبرتناک موت نے سوہنی کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر

تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے تباہی اور بربادی سے دوچار کرنے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ عذر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"شہباز۔" ندیم کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی تو میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ "ہمارے پاس صرف دو گھنٹے کی مہلت ہے اور ان دو گھنٹوں کے اندر اندر ہمیں دانش کی موت یا زندگی کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ کرنا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" ندیم نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔ "کیا دانش کی خاطر تم مسٹر پانڈے کو دس لاکھ کی رقم پہنچانے پر آمادگی کا اظہار کرو گے؟"

"نہیں۔" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "میں دانش کے ساتھ ساتھ خود کو بھی حالات کی صلیب پر چڑھا دوں گا لیکن ناپاک قوتوں کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔"

"ویری گڈ۔" ندیم کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک پیدا ہوئی۔ "زندگی میں شاید تم نے پہلی بار ایک کام کی بات کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"مطلب میں تمہیں واپس آکر سمجھاؤں گا۔" وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "لیکن جب تک میں واپس نہ آؤں یا میری کوئی فون کال تمہیں نہ ملے تم گھر سے باہر قدم نکالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"شکار کھیلنے اور وہ بھی شیر کی کچھار میں گھس کر۔ تم آنٹی کا خیال رکھنا۔" ندیم نے کہا پھر وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر پریشان خیالات کا ہجوم ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ میں کشمکش کے عالم میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ندیم کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک اس بات کی غماز تھی کہ وہ کسی اہم نتیجے پر پہنچ چکا ہے لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اتنی عجلت میں کہاں جا رہا تھا۔ اس کے آخری جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے کہ اچانک کاکا کی مانوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"شہباز۔ بہت بے کل دکھائی دے رہے ہو؟"

"کاکا۔" میرے ذہن میں امید کی ایک کرن تیزی سے کوندی۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ۔"

"مجھے کچھ بتانے کی کوشش مت کرو۔" اس نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں سب کچھ جانتی ہوں پر تو مجھے تم سے ایک شکایت بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے من میں اب کاکا کے لیے وہ تڑپ نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔"

"نہیں۔" میں نے وضاحت کی۔ "تمہارا خیال غلط ہے۔ میری ماں کی زندگی بچا کر تم نے میرے اوپر جو احسان کیا ہے میں بھی۔۔۔"

"سنجیدہ مت ہو شہباز۔" کاکا نے کہا۔ "میں تم سے چھیڑ کر رہی تھی۔ تم کیول ہنستے بولتے اچھے لگتے ہو۔"

"ہنسنا بولنا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی حالات اور واقعات انسان کو آنسو بہانے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔"

"اتنی جلدی نراش مت ہوا کرو۔ سمے ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔"

"لیکن میرے ساتھ جو آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے اس نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اب اپنی کاکا پر وشواس نہیں رہا؟" اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانو گی؟"

"کہو۔ تمہاری باتیں مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔"

"پہلے تم خود سے میرا خیال رکھتی تھیں۔ تمہارے احسانات بے شمار ہیں لیکن اب۔۔۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" کاکا سنجیدہ ہو گئی۔ "شنکر جیسے دشٹ کے ساتھ تمہارے کارن یدھ کرنے کے بعد دیوی دیوتاؤں نے تمہاری کاکا رانی پر کچھ پہرے بٹھا دیے ہیں پرنتو میں اب بھی تمہاری داسی ہوں۔ تم جب بھی سچے من سے آواز دو گے میں تمہیں جواب ضرور دوں گی۔"

"موہنی کی شکتی مجھے اپنے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر رہی ہے۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں موت گوارا کر لوں گا لیکن اس کے سامنے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"شاید تم نے دانش کو پیش آنے والے حادثے کا اثر اپنے من پر بہت گہرا لیا ہے۔"

"کیوں کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟"

"تم نہیں جانتے شہباز لیکن میں جانتی ہوں کہ موہنی کی شکتی تم سے کیا چاہتی ہے۔"

"کیا چاہتی ہے؟"

"میں ابھی تم کو کچھ نہیں بتا سکتی۔" کاکا نے جواب دیا۔ "اگر میں نے ایسا کیا تو میری رہی سہی شکتی بھی جاتی رہے گی۔"

"کاکا۔" میں نے بڑی حسرت سے کہا۔ "کیا تم دانش کے سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟"

"کیا چاہتے ہو تم؟"

"دانش کی زندگی۔"

"کاکا تمہیں وچن دیتی ہے کہ موہنی جیسی ہزاروں شکتیاں مل کر بھی دانش کو کوئی کشٹ نہیں دے سکتیں۔" کاکا نے کہا۔ "پرنتو ایک بات یاد رکھنا کہ ابھی تمہاری کاکا رانی کھل کر سامنے نہیں آ سکتی۔"

"کاکا۔" میں نے لگاوٹ کا اظہار کیا۔ "کیا میں تمہیں پھر اسی روپ میں دیکھ سکتا ہوں جس حسین روپ میں تم مجھے پہلے نظر آئی تھیں۔"

"کاش میں تمہارے من میں جھانک کر دیکھ سکتی کہ تمہیں مجھ سے کتنا پیار ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اعتبار نہیں ہے میری بات کا؟"

"بات وشواس کی نہیں بلکہ اس چھایا کی ہے جس نے کاکا کو بھی تمہارے من کی گہرائیوں میں جھانکنے سے روک رکھا ہے۔" کاکا نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "شہباز۔ کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی شکتی ہے جس کی وجہ سے ابھی تک موہنی بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی؟"

"تم نے یہی سوال مجھ سے پہلے بھی کئی بار کیا ہے۔" میں نے انجان بن کر جواب دیا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون سی قوت ہے جو ابھی تک مجھے پراسرار قوتوں کے مقابلے میں پناہ دے رہی ہے۔ شاید خدا کو ابھی میری موت منظور نہیں ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ شنکر اور اس کے گرو پنڈت جسی دھر نے مجھے اپنے پیروں تلے کچلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے اپنی کاکا رانی کے کارن پنڈت جسی دھر کو اس سے چھیڑا تھا جب وہ برف پوش پہاڑیوں کی گپھا میں بیٹھا مجھے حاصل کرنے کے لیے جاپ کر رہا تھا لیکن ابھی تک مجھے اس بات کی کھوج ہے کہ وہ کون سی شکتی تھی جس نے جسی دھر جیسے مہان پنڈت کو اس کے منڈل سے باہر نکالا تھا۔ وہ تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔ کالی کے نام پر وہ جو جاپ کر رہا تھا۔ میں بھی اس کا توڑ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے وشواس ہے کہ اس سے بھی اسی شکتی نے تمہاری سہائتا کی ہو گی جس نے کاکا اور تمہارے من مندر کے درمیان گھپ اندھیرے کی ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔"

"تم اس کو میرے جذبوں کی صداقت کا نام بھی دے سکتی ہو۔" میں نے کاکا کو پھر خوبصورتی سے فریب دینے کی کوشش کی۔ "پیار سچا ہو تو اس کے بیچ جسی دھر جیسے مہان پنڈتوں کے جاپ منتر بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے تم سچ کہہ رہے ہو۔" کاکا کے جواب میں غیر یقینی کی کیفیت کی آمیزش تھی۔

"پانڈے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس نے موہنی اور کول وما کے بارے میں مجھ سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟"

"ہاں۔ پانڈے کی حالت بھی اسی مکھی جیسی ہے جو [illegible] تک بیچ منجدھار میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔" کاکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "موہنی کی شکتی نے اسے اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ پانڈے اس کے اشاروں پر ناچنے کو مجبور ہے۔ جس دن اس نے ایسا نہ کیا وہ اس کے جیون کا آخری دن ہو گا۔"

"دانش کو کن لوگوں نے شکار کیا ہے؟" میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

"ان ہی لوگوں نے جنہوں نے تمہارے گھر کو آگ لگائی تھی۔"

"کیا تم ان حرامزادوں کی نشاندہی کر سکتی ہو؟" میں نے اپنی حقارت کا اظہار کیا۔

"وہ دھن کے پجاری ہیں۔" کاکا نے جواب دیا۔ "زندگی اور موت کا کھیل رچانا ان کی عادت ہے۔ تم انہیں منہ مانگی رقم دو تو وہ اپنے بھائی کے خون سے بھی ہاتھ رنگ سکتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"میں اب جا رہی ہوں شہباز۔" کاکا نے تیزی سے جواب دیا۔ "اگر سمے ہاتھ سے نکل گیا تو میں تمہارے ساتھی کو نہیں بچا سکوں گی۔"

میں نے دوبارہ کاکا کو آواز نہیں دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے نام کو زبان تک لانے سے گریز کر رہی تھی۔ مگر کیوں؟ کیا وہ بھی موہنی کی کالی قوتوں کے آگے بے بس تھی؟

☆

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا میری وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فون کرنے والے نے دانش کے سلسلے میں "ہاں" یا "نہیں" کے لیے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ ان دو گھنٹوں کے اندر اندر مجھے کوئی نہ کوئی آخری فیصلہ کرنا تھا۔

میرا ذہن حالات کی بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کے سلسلے میں پوری طرح کوشاں تھا۔ مختلف سوالات میرے دماغ میں صدائے بازگشت بن کر ابھر رہے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ طے ہو چکی تھی کہ میرے مکان کو موہنی کے اشارے پر دہشت گردوں نے آگ لگائی تھی جس کی اجرت پانڈے کو ادا کرنی تھی لیکن پانڈے ان دہشت گردوں سے ناواقف تھا اس کی دہشت گردوں سے فون پر بات ہوئی تھی۔ کم از کم پانڈے کا یہی بیان تھا اور میرے اندازے کے مطابق اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ دوسری شکل میں وہ اس بات کو کبھی تسلیم نہ کرتا۔ کاکا کا بیان بھی یہی تھا کہ پانڈے کو محض کھلونے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا وہ آگ کس نے لگائی اور اس تخریب کاری کے سلسلے میں اسے کتنی قیمت ادا کرنی تھی؟

لیکن دانش۔۔۔

دانش کو ان دہشت گردوں یا ان کے کسی ساتھی کا سراغ کس طرح مل گیا تھا۔ کیا یہ محض ایک اتفاق تھا یا پھر مجھے گھیرنے کی خاطر گندی قوتوں نے میرے خلاف کوئی سازشی جال بنا تھا؟ کاکا جانتی تھی کہ وہ تخریب کار کون تھے لیکن میرے آخری سوال کے جواب میں وہ جلدی جانے کا بہانہ بنا کر مجھے ٹال گئی تھی؟ آخر کیوں۔ کیا کاکا بھی دوستی کی آڑ میں چھپ کر میری پشت پر خنجر گھونپنے کی ناپاک سازش کر رہی تھی؟ اگر وہ میری ماں کو موہنی کے گندے ہاتھوں سے نجات دلا سکتی تھی تو پھر میرے مکان کو بھی نذر آتش ہونے سے بچا سکتی تھی۔

میرے ذہن میں مختلف وسوسے ابھر رہے تھے۔ میں نے ٹہلتے ٹہلتے دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ دہشت گردوں کی جانب سے فون موصول ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد انہیں میرے "ہاں" یا "نہیں" کے جواب میں دانش کی زندگی کا فیصلہ کرنا تھا۔

ندیم نے جاتے وقت مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے البتہ اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ شیر کا شکار کھیلنے کی خاطر اس کی کچھار کی سمت جا رہا ہے۔ جاتے وقت ندیم کی نگاہوں میں ایک تیز چمک ابھری تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ڈور کا کھویا ہوا سرا اس کے ساتھ آ گیا ہو لیکن ندیم نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں جیسے حالات کے شکنجے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا لیکن بظاہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گزرتے وقت کا ایک ایک لمحہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش کو تیز کر رہا تھا پھر یکلخت میرے ذہن میں پانڈے کا نام ابھرا۔ میں تیزی سے لپک کر فون کے قریب آیا اور اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دہشت گردوں نے دانش کی زندگی کی قیمت دس لاکھ مقرر کی تھی اور ان کے حکم کے بموجب مجھے وہ رقم پانڈے کو پہنچانی تھی۔ ہو سکتا تھا مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے پانڈے سے میرے سلسلے میں بات کی ہو اور دس لاکھ کے بارے میں کچھ ہدایت دی ہو۔

"ہیلو۔" تیسری گھنٹی بجنے کے بعد خود پانڈے نے کال ریسیو کی تھی۔

"میں راکیش بول رہا ہوں۔" میں نے اسی آواز میں کہا جس میں گزشتہ رات پانڈے سے بات کی تھی۔

"راکیش ... کون راکیش۔" دوسری جانب سے قدرے ہچکچاہٹ سے پوچھا گیا۔

"وہی راکیش جس نے کل رات تمہارے بیڈروم میں داخل ہو کر رنگ میں بھنگ ڈالا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مجھے وشواس ہے کہ تم نے اب سیوک کو پہچان لیا ہو گا۔ کہو تو یہ بھی بتا دوں کہ اس سمے تم اور تمہاری سندر پتنی ......"

"میرا خیال ہے کہ کل رات ہماری گفتگو مکمل ہو گئی تھی۔" دوسری جانب سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔

"یہ تمہارا خیال ہے میرا نہیں۔" میں نے تیزی سے خشک لہجے میں کہا۔ "دہشت گردوں کے بارے میں جب تک مجھے مکمل حالات نہیں معلوم ہوں گے ہماری گفتگو کا سلسلہ نہیں ختم ہو گا۔"

"میں تمہیں حالات سے آگاہ کر چکا ہوں' اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی معلومات نہیں ہیں۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن موہنی کی شکتی کے خوف کے مارے زبان نہ کھول رہے ہو۔"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کل رات بھی اپنی زبان بند ہی رکھتا۔"

پانڈے کا جواب معقول تھا' وہ چاہتا تو ان لوگوں کے سلسلے میں اپنی زبان کو تالے بھی لگا سکتا تھا جنہوں نے میرے مکان کو آگ لگائی تھی' میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ پانڈے جو کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے پھر بھی میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں نے دانش کے سر کی کیا قیمت مقرر کی ہے؟"

"نہیں......"

"پورے دس لاکھ۔"

"لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ان کا کہنا ہے کہ دس لاکھ کی رقم تمہیں پہنچا دی جائے اس کے بعد دانش کو زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔"

"مجھے اس سلسلے میں بھی کسی بات کا علم نہیں۔"

"اب اتنے بھولے بھی نہ بنو پانڈے جی مہاراج" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ "کیا تم حالات سے واقف ہوئے بغیر کسی سے اتنی بڑی رقم وصول کرو گے؟"

"وشواس کرو۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

"اور اگر کوئی رقم لے کر تمہارے دفتر تک پہنچ جائے تو ...... کیا تم اسے لینے سے انکار کر دو گے؟"

"میں نے کہا نا کہ ابھی تک مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے لیکن تم اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔

کیا تم شہباز خان کے کوئی آدمی ہو؟"

"بات اب منش کی نہیں۔ طاقت کی آ گئی ہے" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "جس طرح موہنی تمہاری سہائتا کر رہی ہے اسی طرح میں شہباز خان کی مدد کر رہا ہوں۔ جانتے ہو کیوں ـــ کبھی موہنی اور میرا بڑا مضبوط شریر بندھن تھا لیکن اب وہ گھمنڈی ہو گئی ہے اور میں اس کے گھمنڈ کو توڑنے کا ارادہ کر چکا ہوں اگر موہنی کا فون آئے تو اسے اتنا ضرور بتا دینا کہ وہ راکیش سے بگاڑ کر اپنے راستے میں کانٹے ہی بو رہی ہے "ایک نہ ایک دن اسے پھر سے میرے چرنوں میں جھکنا پڑے گا۔ یہ راکیش کا فیصلہ ہے۔ اٹل فیصلہ جسے دھرتی کی کوئی شکتی نہیں ٹال سکتی۔"

"یہ تمہاری آپس کی بات ہے لیکن میں......"

"تمہیں موہنی نے اپنا کھلونا بنایا ہے میں نے نہیں۔" میں نے پانڈے کا جملہ کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "موہنی کی طرح میں بھی تمہارے من کے اندر جھانک سکتا ہوں' تمہاری سوچوں کو پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے ابھی تک مجھ سے جھوٹ نہیں بولا اسی لیے تمہیں شما دے رہی ہے پر تم یاد رکھو جس دن تم نے راکیش کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہو گا۔ کبھی چاہتے ہو تو مجھ سے بھی بگاڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا...... اور تم اگر چاہو تو یہ بات اپنی موہنی رانی یا کول وما کو بھی بتا سکتے ہو۔"

میں نے اپنا جملہ مکمل کرتے ہی ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ پانڈے کے بارے میں ایک بار پھر مجھے یہی نظریہ قائم کرنا پڑا کہ موہنی کی قوت اسے محض ایک کھلونے کی طرح استعمال کر رہی ہے ورنہ وہ ذاتی طور پر ان تمام معاملات میں ملوث نہیں تھا۔ مگر یہ باتوں کا وقت نہیں تھا میں نے گھڑی کی طرف نظر اٹھائی جو وقت مجھے دیا گیا تھا اس کے پورا ہونے میں صرف پندرہ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ میری کیفیت اس آدم خور شیر جیسی تھی جو شکار پر جھپٹتے وقت اچانک کسی گہری کھائی میں گر گیا ہو۔

میں نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ دس لاکھ کی رقم کم از کم پانڈے کے حوالے نہیں کروں گا' اس طرح نہ صرف میں پانڈے کی نظروں میں بزدل بن جاتا بلکہ میری کاروباری ساکھ بھی خراب ہو جاتی' ماسٹر ٹونی کے بعد دانش میرے لیے بہت اہم ہو گیا تھا' میں اس کی خاطر کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن موہنی' کول وما یا پانڈے کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک سکتا تھا' ایک کلمہ گو مسلمان ہونے کی حیثیت سے باطل قوتوں کے سامنے جھک جانا یوں بھی میری شان کے خلاف تھا۔

وقت تیزی سے اپنی مسافت طے کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ میری وحشت بھی بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا' دوسری جانب ندیم تھا۔

"سیدھے کیسینو آ جاؤ۔" مختصراً کہا گیا پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں تیزی سے قدم اٹھاتا باہر آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر کیسینو روانہ ہو گیا' ندیم کے مختصر جملے نے ایک بار پھر مجھے ذہنی جمناسٹک پر مجبور کر دیا تھا۔ میں برق رفتاری کا مظاہرہ کرتا کیسینو پہنچا جہاں گیٹ پر موجود ایک شخص نے مجھے کیسینو کے [illegible] تک پہنچا دیا جہاں ندیم کے علاوہ دانش بھی موجود تھا' دانش کے چہرے پر نظر آنے والے نیل کے دھبے اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ اسے دشمنوں نے خاصی بری طرح ٹارچر کیا ہے' وہ ایک کرسی پر بیٹھا آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا وہ شدید گھٹن میں جلتا تھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی ایسی علامت بھی نہیں تھی جسے اس کی بزدلی یا گھبراہٹ سے تعبیر کیا جا سکتا۔ مجھے دیکھ کر ایک لمحے کو اس کی نگاہوں میں خوشی کی چمک جاگ اٹھی تھی۔ میں نے ندیم کی جانب دیکھا جو آتش دان کے قریب کھڑا کسی گہری سوچ میں غرق تھا' کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ چار افراد اور بھی تھے جن کے چہرے' قد و قامت اور لباس حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے' ندیم بدستور اپنی ظاہری شکل میں موجود تھا۔

"خان جابر کو لاؤ۔" اچانک وہ اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا جس کے جواب میں ایک شخص تیزی سے باہر چلا گیا۔

"دانش تمہیں کہاں سے ملا۔" میں نے ندیم سے پوچھا۔

"اتفاق ہی سمجھو جو قسمت نے یاوری کی ورنہ پوزیشن اس وقت کچھ اور ہی ہوتی۔"

"کیا مطلب ہے......؟"

"دس لاکھ کی ادائیگی کے بعد تمہارے دانش صاحب حسب وعدہ تمہیں واپس کر دیے جاتے لیکن اکڑی ہوئی لاش کی صورت میں۔"

"تم یہ بات اس قدر وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں بھی اسی میدان کا کھلاڑی ہوں جس کے ایک فرد نے دانش کو اغوا کیا تھا۔" ندیم زہر خند سے بولا۔

"کیا فون پر تم نے اس کی آواز پہچان لی تھی؟"

"ایک شبہ ہوا تھا لیکن یہ درست ہی ثابت ہوا۔"

"آئی سی۔" میں نے کہا۔ "شاید تم نے اسی غرض سے مجھے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کو کہا تھا؟"

"ہاں تم نے بالکل ٹھیک کہا۔"

"لیکن تمہیں اس بات کا علم کس طرح ہو گیا کہ دانش کو کس جگہ رکھا گیا ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہ سب تجربے کی باتیں ہیں۔ ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ندیم کا آدمی ایک ایسے شخص کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا جو صورت سے ہی کوئی خطرناک شخص لگتا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے تجاوز کر رہی تھی' وہ دہرے بدن اور دراز قد کا مالک تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی اور سفاکی کا ملا جلا تاثر جھلک رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے لیکن وہ کسی طرح بھی خوفزدہ نہیں دکھائی دیتا تھا' بائیں گال پر ایک گہرا گھاؤ تھا جس نے اس کی شکل کو اور بھیانک بنا دیا تھا اس نے تنگ جینز کی پتلون پہن رکھی تھی جس پر اسی رنگ سے ملتی جلتی قمیض تھی جس کی دونوں آستینوں کو کہنیوں تک چڑھا لیا گیا تھا' گلا تقریباً کھلا ہوا تھا جس سے اس کا چوڑا چکلا سینہ اور اس پر سیاہ رنگ کے بڑے

بڑے بال واضح طور پر نظر آرہے تھے کشادہ پیشانی پر نظر آنے والی شکنیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ کسی شدید انتقامی کارروائی کے امکانات پر غور کر رہا تھا کمرے میں داخل ہونے کے بعد سے وہ برابر ٹکٹکی باندھے عدیم کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا جسے سات آدمیوں کے نرغے میں ہونے کے باوجود بڑا بے خوف نظر آرہا تھا۔

عدیم کچھ دیر تک خان جابر کو سنجیدگی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیوں خان جابر۔ اس وقت تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لو کہ خان جابر نے کبھی کسی بھی حالات سے خوفزدہ ہونا نہیں سیکھا۔" خان جابر کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیوں، تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہاتھ پشت پر باندھ کر دوستانہ ماحول میں کوئی بات چیت نہیں ہوگی۔" خان جابر نے حقارت سے کہا۔

"یہ وقت کی ضرورت ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ میں کھیل کو زیادہ طول دینے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔" خان جابر نے بے پروائی سے پوچھا۔

"فون پر دانش کے عوض دس لاکھ والے سودے کی بات کس نے کی تھی۔"

"میں نے" خان جابر سینہ تان کر بولا۔ "شاید اسی لیے تم بہ آسانی ہمارے ٹھکانے تک پہنچ گئے۔"

"دانش کو کس نے اغوا کیا تھا؟"

"میں نے۔"

"نہیں۔۔۔" عدیم نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے جیسے لوگ اغوا برائے تاوان جیسے معاملات میں ٹانگ پھنسانا پسند نہیں کرتے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے تمہارے آدمی کو کس نے اغوا کیا ہوگا؟"

"کوئی دوسری شخصیت جس کے لیے تم کام کر رہے ہو۔"

"جب جانتے ہو تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"میں تم سے اس کا نام سننا زیادہ پسند کروں گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم خان جابر کی زبان کھلوا لوگے۔" خان جابر کا جواب بڑا تحقیر آمیز تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اپنے اصول کے معاملے میں تم بہت سخت جان واقع ہوئے ہو۔" عدیم نے کہا۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم زبان کے دھنی ہو جس کے ساتھ گٹھ جوڑ ہو جائے اس کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟" خان جابر مسکرایا۔ "وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟"

"تمہیں اس کام کے عوض کتنی رقم ملی ہے۔"

"سوری۔۔۔ یہ ہمارا بزنس سیکرٹ ہے۔" خان جابر نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"میں تمہیں اس کی دگنی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"خان جابر کو لالچ دینا چاہتے ہو؟"

"دنیا کی ہر سودے بازی میں کوئی نہ کوئی لالچ ضرور ہوتی ہے۔"

"اور اگر میں سودا قبول کرنے سے انکار کردوں تو؟"

"خسارے میں رہو گے۔" اس بار عدیم نے سوچ سمجھ کر کہا۔ "میرے جاں نثاروں نے جس طرح تمہیں چوہے کے بل سے نکال لیا ہے اسی طرح تمہارا باس بھی بہت جلد ہمارے قبضے میں ہوگا۔"

"سوچ پر کوئی پابندی نہیں ہے' تم جو چاہے سوچ سکتے ہو۔" خان جابر نے شانے اچکا کر ایک بار پھر بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

عدیم کے ساتھی بدستور مستعد نظر آرہے تھے ابھی تک ان میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی۔ صرف مشینی انداز میں عدیم کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے' خان جابر عدیم سے باتیں کرتے ہوئے ان چاروں کی طرف بار بار دیکھنے لگتا۔ شاید انہیں فوراً فوراً شناخت کرنے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ ابھی تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

دانش بدستور کرسی پر بیٹھا درد کی شدت کو محض کم کرنے کی خاطر بار بار کراہ رہا تھا' اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ اغوا کرنے کے بعد اسے شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہوگا وہ یقیناً بڑا سخت جان اور حوصلہ مند واقع ہوا تھا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھتا۔

میں ابھی تک ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے کھڑا دانش کی بازیابی اور خان جابر کی گرفتاری کے بارے میں غور کر رہا تھا ایک بات اپنی جگہ طے تھی کہ عدیم نے فون پر خان جابر کی آواز پہچان لی تھی ورنہ اتنی جلدی وہ خان جابر پر ہاتھ نہ ڈال سکتا خان جابر کے ہاتھ آجانے کے بعد اس شبہ کو خاصی تقویت ملی تھی کہ موہنی اور مافوق قوتوں نے جو ابھی تک براہ راست مجھے اور عدیم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی تھیں کرائے کے دہشت گردوں کو بانٹنے کی آڑ میں میدان میں لانے کی کوشش کی تھی۔ میرے گھر میں لگنے والی آگ کی اطلاع مجھے موہنی نے دی تھی جبکہ عدیم اور ڈی ایس پی سراج کو ہوائی آواز میں اس سانحے کی اطلاع ملی تھی اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو خان جابر یا اس کے گروہ کے لوگوں نے ہی عدیم اور سراج کو آگ لگنے کی اطلاع دی تھی اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو میں

باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے اندر کا وہ انسان جاگ اٹھا جو ابد سے جان کا بدلہ جان اور مال کا مال کے اصولوں پر کاربند رہا تھا۔ بدلتے موسموں اور بدلتے ادوار نے انتقام کے اس قدرتی جذبے کو مختلف رنگوں میں ڈھال دیا تھا لیکن اس کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

انتقام ہر حال میں انتقام ہی کہلائے گا چاہے وہ خود لیا جائے یا پھر کرائے کے قاتلوں کی خدمت مستعار لے کر اس جذبے کو تسکین پہنچانے کا ذریعہ بنایا جائے۔ انتقام کی اسی دوسری شکل نے آج ہمارے درمیان بے شمار محاذ کھول دیے ہیں جس کے پس منظر میں کھڑا ایک شخص دوسرے شخص کے خون سے ہولی کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے' بازار میں جس چیز کی کھپت زیادہ ہو وہ بہت جلدی پروان چڑھتی ہے' شاید اسی انتقامی جذبوں نے وقت کے ساتھ تنگ دستوں اور سرپھروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا' وہ کرائے کے قاتل اور دہشت گرد کہلانے لگے اور بازار میں ان کی مانگ بڑھتی رہی جس سے ایک طرف انتقامی جذبوں کی تسکین ہوتی رہی تو دوسری طرف ہزاروں جرائم نے بھی جنم لینا شروع کردیا جو اپنی جڑیں تیزی سے پھیلاتے رہے' رسد و طلب کا یہ معاشی نظام جو کل تھا وہ آج بھی ہے صرف اس کے انداز وقت کے ساتھ ساتھ بدل گئے ہیں لاٹھی اور ڈنڈوں کی جگہ چھری چاقو نے لے لی پھر چاقو کی جگہ بندوقیں استعمال کی جانے لگیں اور اب سائنس کی ترقی کے ساتھ جدید وخود کار آتشیں اسلحہ اور دھماکہ خیز آتش گیر مادے بھی استعمال ہو رہے ہیں۔

میری نظریں خان جابر پر جمی ہوئی تھیں۔ میرا خون جوش مار رہا تھا' انتقام کی آگ آہستہ آہستہ میرے وجود کے اندر شعلوں کا روپ اختیار کررہی تھی۔ خان جابر نے صرف دانش کو اغوا کرنے کا جرم نہیں کیا تھا۔ اس نے یا اس سے متعلق دہشت گردوں نے میری معصوم ماں کو بھی آگ کے بھڑکتے شعلوں میں موت کی اذیت ناک حالت سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہونے کے بجائے اس وقت سینہ تانے کھڑا تھا۔ خود کو بے پرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا' شاید اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے ساتھی بہت جلد اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے یا پھر مارے جانے کی صورت میں بھی اس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا

عدیم اس وقت خلاف توقع بہت صبروضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ میں اس کی سفاکی کے متعدد واقعات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لیکن خان جابر کا آخری جملہ سن کر اس کے چہرے پر تناؤ کی صورت پیدا ہونے لگی تھی۔

"خان جابر۔۔۔۔" اس بار عدیم کے لہجے میں کرختگی تھی۔ "میں تمہیں ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں اچھی طرح سوچ لو دشمنی کی صورت میں تم اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو سکتے ہو۔"

"اور اگر میں اپنے سرغنہ یا گروپ لیڈر کا نام بتادوں تو کیا تم مجھے آزاد کردو گے؟" خان جابر معنی خیز انداز میں مسکرایا "نہیں تم مجھے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑو گے اس لیے کہ تم جانتے ہو کہ خان جابر کسی بھی صورت میں اپنے دشمن کو معاف کرنے کا عادی نہیں ہے خواہ وہ اس کا بھائی کیوں نہ ہو' موت اور زندگی اور خون کی شناخت کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے مرنے یا پھر مار ڈالنے کے سوا کوئی تیسرا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔"

"خان جابر۔" اچانک میں نے اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "تم نے شاید ابھی تک صرف موت کی اذیتیں برداشت کی ہیں' اس کا ذائقہ نہیں چکھا۔"

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔" خان جابر نے حقارت سے جواب دیا۔ "میں دودھ پیتے بچوں کو منہ لگانے کا عادی نہیں ہوں۔"

خان جابر کا جواب سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا' میں نے بجلی کی طرح پوزیشن بدل کر ایک بھرپور مکا اس کے جبڑوں پر رسید کیا تو ایک لمحے کو چکرا گیا۔ شاید خان جابر کے علاوہ کسی اور کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ میں اچانک ایکشن میں آجاؤں گا خان جابر نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس کے دونوں ہاتھ چونکہ پشت کی جانب ریشمی ڈور کے ساتھ پوری مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اس لیے اسے سنبھلنے میں جتنا وقت درکار تھا اس کے اندر ہی اندر میں نے کرانے کا اپنا الٹا ہاتھ پوری قوت سے اس کی گردن کے جوڑ پر مارا تو وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے دوسری بار بھی اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تابڑ توڑ دو رائٹ اور لیفٹ پنچ رسید کیے تو اس کے ہونٹ پر اور بائیں آنکھ کے نیچے سے خون کی پتلی لکیریں پھوٹ پڑیں۔

میرے اندر انتقام کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تھی جو خان جابر کے خون ہی سے سرد ہو سکتی تھی' میں اسے زندگی کی سرحدوں سے اس پار روانہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا' باپ کی شکل میرے سامنے تھی جو ہسپتال کے فرش پر خون میں لت پت پڑا زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا' میری ماں کی وہ سہمی سہمی نظریں میرے شعلوں کو ہوا دے رہی تھیں جو موت کے تصور نے ان پر طاری کردیا تھا۔ میرے ہاتھ اور پاؤں مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ خان جابر اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا اپنا موثر دفاع نہ کرسکا اور تیورا کر فرش پر گر پڑا۔

میں نے تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈالا' میں ریوالور نکال کر اس کے منحوس وجود کو چھلنی کرنے کی ٹھان چکا تھا لیکن عدیم نے مجھے اس حسرت کو پورا کرنے کا موقع نہیں دیا' لپک کر میرا ہاتھ

تھام لیا۔

"کیا حماقت کر رہے ہو شہباز۔" ندیم کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ "اگر یہ مر گیا تو ایک ٹرمپ کارڈ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔" میں خود کو ندیم کی گرفت سے چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے غرایا۔ "اسے ان کے نام اپنی گندی زبان سے اگلنے پڑیں گے جو میرے دشمن ہیں' جنہوں نے میرے بے قصور والد کو مارا اور پھر میری ماں کی زندگی لینے کی کوشش کی۔ میں انہیں چن چن کر ماروں گا۔"

"صبر سے کام لو۔" ندیم نے مجھے ایک طرف گھسیٹتے ہوئے سرگوشی کی۔ "یہ ہمارے بڑے کام کا ہے۔ اگر دور کا یہ سرا بھی ہاتھ سے نکل گیا تو ہمیں پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنی پڑیں گی۔"

میں نے بمشکل خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ خان جابر بھی دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے خون کی کئی لکیریں بہہ بہہ کر اس کے لباس کو رنگین کر رہی تھیں۔ اس کا لباس بھی دو جگہ سے پھٹ چکا تھا لیکن اس کے تیور ابھی تک نہیں بدلے تھے بلکہ پہلے کے مقابلے میں اور زیادہ خطرناک اور سفاک ہو گئے تھے۔ وہ مجھے بڑی قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

ندیم نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا وہ افراد آگے بڑھے اور دانش کو دوسرے کمرے میں لے گئے لیکن ان دونوں نے واپسی میں بھی بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"خان جابر۔" ندیم کی کرخت آواز ابھری۔ "تم اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ ہم اگر چاہیں تو بڑے اطمینان سے کسی قربانی کے بکرے کی طرح تمہارے جسم کی بوٹیاں بنا سکتے ہیں۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی لیکن مسلمان ہونے کے رشتے سے۔"

"آخ تھو۔" خان جابر نے ندیم کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی تھوکتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بھی جانتے ہو کہ انتقام کی آگ اور دہشت گردی نسلی امتیاز کو خاطر میں نہیں لاتی۔ جب خون کا رنگ شعلے اگلنا شروع کرتے ہیں تو ان کے لیے مذہب' رنگ اور نسل کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ گولیوں کی صرف ایک زبان ہوتی ہے 'موت' موت اور موت' ان کے لیے مسجد اور مندر کا تقدس بے معنی ہو جاتا ہے۔ اپنے اور پرائے کی پہچان بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دہشت گرد اور قاتلوں کا کوئی ملک' دین' دھرم اور ایمان نہیں ہوتا۔ مایوسیاں' مجبوریاں اور کئی وقت کے فاقوں کے بعد جب کوئی رائفل کے دستے پر گرفت جماتا ہے تو پھر اس کا خدا بن جاتا ہے۔"

"تقریر اچھی کر لیتے ہو۔" ندیم نے اسے اکسانے کی خاطر ایک آزمودہ حربہ استعمال کیا۔ "پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے ہاتھ کی بندشیں کھول کر دیکھو پھر میں تمہیں موت کے مطلب سمجھاؤں گا۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ میرے صرف دو ساتھیوں نے تمہیں اس وقت دبوچا تھا جب تمہارے ہاتھ اور پیر دونوں آزاد تھے۔"

"اندھیرے میں پشت سے وار کرنا بھی نامردوں کا کام ہے۔" خان جابر غرایا۔ "میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تمہاری حق میں یہی بہتر ہے کہ مجھے گولیوں سے چھلنی کر ڈالو ورنہ زندہ بچ جانے کی صورت میں خان جابر تمہیں پاگل سے نکال کر بھی خارش زدہ کتوں کی موت مارے گا۔"

میں صبر نہ کر سکا۔ میں نے برق رفتاری سے ریوالور نکال کر خان جابر کی ٹانگ کا نشانہ لے کر گولی داغ دی۔ میرا نشانہ خطا نہیں گیا۔ خان جابر کی دائیں ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی کرچیوں میں بدل گئی دوسرے ہی لمحے وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل زمین پر الٹ گیا۔ میں نے دوسری بار اس کے سر کا نشانہ لینے کی کوشش کی لیکن ندیم نے میرا ریوالور جھپٹ لیا پھر اپنے چاروں ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اسے اٹھا کر نمبر تین میں لے جاؤ لیکن یہ مرنے نہ پائے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہیے۔"

میں بدستور اپنی جگہ کھڑا غصے میں کانپ رہا تھا' اگر ندیم نے پلک جھپکنے کی دیر کی ہوتی تو میں خان جابر کی کھوپڑی اڑا چکا ہوتا۔ اپنے آدمیوں کے اور خان جابر کے جانے کے بعد ندیم نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب کھینچا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا زمین دوز خانے میں بنے ہوئے مختلف چھوٹے چھوٹے کمروں کے درمیانی راستوں سے گزرتا اس کے آفس تک آ گیا۔ آفس سے باہر نکلا تو ہال میں ندیم کے کارندے رات کی تیاری کی خاطر جھاڑ پونچھ اور میز اور کرسیوں کی تزئین اور ترتیب میں مصروف تھے۔ ندیم نے ان میں سے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سے میرا ہاتھ تھامے کیسینو سے باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا جس کی پچھلی نشست پر بظاہر ایک دبلا پتلا اور معمولی سا شخص پشت گاہ سے ٹیک لگائے باقاعدہ اونگھ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے باوجود اس کی پوزیشن میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ صرف ایک لمحے کو اس کی بائیں آنکھ کی پلکوں کے درمیان ایک معمولی سی دراڑ پیدا ہوئی تھی پھر وہ بھی بند ہو گئی۔

☆

گاڑی کا رخ ندیم کی رہائش گاہ کی سمت ہی تھا لیکن اس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی بدستور خاموش بیٹھا ونڈ اسکرین سے پیچھے بھاگتی ہوئی سڑک پر نظر جمائے ہوئے تھا۔

"کیا بات ہے۔" میں نے تو ہمارا راستہ گزر جانے کے بعد ندیم سے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم نے جلد بازی کا مظاہرہ کر کے اچھا نہیں کیا۔" ندیم نے

بدستور سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر خان جابر مر گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"کیوں۔ کیا جابر کو گروہ میں کوئی خاص اہمیت حاصل ہے؟"

"ہاں' وہ زبان کا بڑا پکا ہے۔" ندیم نے کہا۔ "تم اگر اس کے جسم کے ٹکڑے بھی کر ڈالو تب بھی وہ گروہ کے سرغنہ کا نام نہیں بتائے گا۔"

"کیا تم کو بھی معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا شبہ بھوشن جوزف پر ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "انتہائی خطرناک اور چالاک پرندہ ہے۔ چھوٹے موٹے کام میں بھی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ میرا شبہ ہے کہ موہنی کی بدروح نے اسی کو ہانڈے کی آڑ لے کر تمہارے خلاف کھڑا کیا ہوگا۔"

"بھوشن جوزف۔" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "شاید میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں۔"

"ضرور سنا ہوگا۔ اونچے حلقے میں یہ نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے اس لیے کہ بھوشن ایک بینک کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو دل کھول کر قرضے دیتا ہے اور پھر انہیں اس طرح اپنے جال میں پھانستا ہے کہ تلملانے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔ ایک نمبر کا ولد الحرام شخص ہے۔ زیادہ چڑھ جائے تو سینہ تان کر اپنے نام کی کہانی چٹخارے لے لے کر سناتا ہے کہ اس کی ماں ذات کی ہندو تھی اور دوسروں کے گھروں میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی پھر ایک روز ایک کروڑپتی بزنس مین جوزف اس کی ماں پر عاشق ہو گیا۔ ان کے درمیان شادی ہوئی یا نہیں یہ کسی کو نہیں معلوم لیکن بھوشن بہرحال ان کے جائز یا ناجائز تعلقات کی نشانی ہے۔ قسمت کا دھنی تھا اس لیے اس کے والدین ایک حادثے میں فوت ہو گئے اور مسٹر جوزف کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد بھوشن کے قبضے میں آ گئی۔ دولت ہاتھ آنے کے بعد اس نے اپنی حاضر دماغی سے دو اور دو چار کرنا شروع کر دیا پھر ایک بینک کی داغ بیل ڈالی اور چور دروازے سے رفتہ رفتہ وہ جرائم کی دنیا سے خود کو علیحدہ نہ کر سکا چنانچہ آج بھی اس کا زیادہ تر وقت اپنے جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ سیاست کی آڑ میں جتنی ہڑتالیں' ہنگامے اور دہشت گردی کے واقعات جنم لیتے ہیں ان میں سے بیشتر میں بھوشن جوزف کا ہاتھ ہوتا ہے اس طرح ایک طرف وہ بڑے پیمانے پر دولت حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف بڑی مچھلیوں کو بھی اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ شاید اسی لیے ابھی تک کسی نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کی؟"

"کیا پولیس کو بھی ان باتوں کا علم ہے؟"

"ضرور ہوگا مگر ابھی تک بھوشن کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں ملا جو اس کے خلاف قابل عمل ہوتا۔"

"تمہیں ان باتوں کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم اس سے مل بھی چکے ہو؟"

"ایک بار ایک سرکاری دعوت میں ملاقات ہوئی تھی۔ جانتے ہو اس روز وہ کس کے ساتھ شغل کر رہا تھا۔ وزیر قانون کے ساتھ اس بے تکلفی سے گفتگو کر رہا تھا جیسے دونوں لنگوٹیا یار ہوں۔ میز پر ان دونوں کے علاوہ اعلیٰ گھروں کے دو حسین اور نوخیز چہرے بھی ان کی دلبستگی کے لیے موجود تھے۔" ندیم نے کہا۔ "رہا بھوشن کے نجی معاملات اور انڈر گراؤنڈ کارناموں کا معاملہ تو مجھے اس کا علم اس لیے ہے کہ ایک بار بھوشن کے ایک بڑے بینک آفیسر نے مجھے بھوشن کے ساتھ مل کر اس کا ہاتھ بٹانے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے خوبصورتی سے ٹال دیا۔"

"کیا خان جابر اسی کے لیے کام کر رہا ہے؟"

"ہو سکتا ہے اس لیے کہ میں کم از کم اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ خان جابر اغوا برائے تاوان جیسے چھوٹے موٹے کاموں میں نہیں ڈالتا۔ وہ ہمیشہ لمبے لمبے ہاتھ مارنے کا عادی ہے۔ لاکھ دو لاکھ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

"پھر دانش کو یرغمال کیوں بنایا گیا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں ٹریپ کرنے کے لیے۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ دس لاکھ کی رقم تم سے وصول ہو جانے کے باوجود وہ دانش کو زندہ تمہارے حوالے بھی نہ کرے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"موہنی کو تمہاری دولت کی نہیں تمہاری لاش کی ضرورت ہے۔" ندیم نے وضاحت کی۔ "ہو سکتا ہے کہ دانش کو اس طرح قتل کرنے کے بعد تمہارے حوالے کیا جاتا کہ تم بذات خود اس کے قاتل بن جاتے۔"

"آئی۔ سی' لیکن اب تم خان جابر کا کیا کرو گے؟"

"جابر اور دانش دونوں کو انڈر گراؤنڈ رکھنا پڑے گا۔"

"اور اگر بھوشن جوزف کو حالات کا علم ہو گیا تو؟"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ندیم نے جواب دیا۔ "بھوشن نے بھی اپنے چھوٹے موٹے مہرے پٹنے کی پروا نہیں کی' وہ ایک بساط پلٹ کر دوسری بچھانے میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔"

ہمارے درمیان گفتگو جاری تھی کہ ندیم نے ایک موڑ پر گاڑی روک دی پھر پشت پر بیٹھے ہوئے شخص سے بولا۔ "چلو اترو۔ تمہاری منزل آ گئی ہے۔"

اونگھتے ہوئے دبلے پتلے اور دراز قد شخص نے ایک طویل جماہی لی پھر دروازہ کھول کر نیچے اترا اور کچھ کہے سنے بغیر بڑی بے پروائی سے سڑک پار کرنے لگا۔

"کون ہے یہ؟" میں نے ندیم سے دریافت کیا۔

"ماسٹر کی (MASTER KEY)۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا پھر گاڑی ڈرائیو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ہمارے درمیان ایک بار پھر خاموشی کا رشتہ قائم

ہو گیا جو گھر پہنچنے تک برقرار رہا۔

❁

دوسرے روز میں دفتر پہنچا تو سب سے پہلے عارفہ نے کمرے میں داخل ہو کر مجھے ماہ رخ کے فون کی اطلاع دی۔ میں نے عارفہ کے چہرے کو بغور دیکھا۔ یہ دوسرا موقع تھا جب ماہ رخ کے کال کی اطلاع دیتے وقت اس کے چہرے کے نقوش دھندلے پڑ گئے تھے۔ مجھے عشق و محبت کا کوئی سابقہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس وقت میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ماہ رخ کے نام سے عارفہ کو ایک قسم کی رقابت ہو گئی ہے مگر کیوں؟ میں نے تو کبھی اس کے ساتھ پیار و محبت کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ ایک دیانت دار اور محنت کش لڑکی تھی اس لیے میں نے اس کی دفتری کار کردگی کو ہمیشہ سراہا تھا۔ ہو سکتا ہے میرے اس انداز میں اسے محبت کی کوئی کرن نظر آ گئی ہو' لیکن فی الحال وہ محبت یک طرفہ ہی کہی جا سکتی تھی اس لیے کہ میرے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں بھی عارفہ کا کبھی کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ میں کام کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا تھا اور وہ ایک ماتحت کی حیثیت سے میری عزت اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتی تھی۔ ہم میں سے کسی نے کبھی دفتری ماحول کو ایک خاص حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھتی رہی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "ماہ رخ صاحبہ کا حکم ہے کہ آپ جیسے ہی دفتر میں داخل ہوں آپ کی اور ان کی گفتگو کرا دی جائے۔ صبح سے اب تک دو بار فون آ چکا ہے۔"

"تشریف رکھیے مس عارفہ۔"

"شکریہ۔ سر۔" عارفہ کے لہجے میں شکوہ تھا۔ میرے سامنے کرسی پر خود کو سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی۔

میں نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "میرا خیال ہے آپ کو بار بار ماہ رخ کا مجھے فون کرنا پسند نہیں ہے۔"

اس نے زیر خند لہجے میں جواب دیا۔ "یہ آپ کا قطعی ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ اس میں میری پسند اور ناپسند کو بھلا کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔"

"ماہ رخ کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ میری بات کا برا تو نہیں منائیں گے؟" اس نے قدرے جھجک کر دریافت کیا۔

"جی نہیں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "آپ کو جو کہنا ہو شوق سے کہہ سکتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ کہیں گی اس میں میری بھلائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور شامل ہوگا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ ماہ رخ صاحبہ کا شمار اچھی خواتین میں نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"آپ کبھی ملی ہیں ماہ رخ سے؟"

"جی نہیں۔"

"پھر آپ نے ان کے بارے میں ایک حتمی فیصلہ کس طرح کر لیا؟"

"میں آپ کی سیکریٹری ہوں سر۔ دن بھر سیکڑوں فون کالز ریسیو کرتی ہوں اس لیے میں گفتگو کرنے والے کے انداز ہی سے اس کی شخصیت کا تھوڑا بہت اندازہ لگا لیتی ہوں۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "میں ماہ رخ سے براہ راست نہیں ملی نہ ایسی کوئی خواہش میرے دل میں ہے لیکن اخبارات میں سلیمان شاہ اور اس کے اسکینڈل کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکی ہوں اور میرا خیال ہے کہ ہر اسکینڈل کے پیچھے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوتی ہے۔"

"میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کروں گا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "میں ماہ رخ سے ندیم کے ساتھ پہلی بار ملا تھا اور اس پہلی ملاقات میں بہت قریب سے میں نے بھی وہی رائے قائم کی تھی جو دور بیٹھ کر آپ کی ہے۔"

"پھر' وہ بار بار آپ کو فون کیوں کرتی ہے۔ میرا مطلب ہے۔ آپ اسے ایک بار کھل کر منع کیوں نہیں کر دیتے؟"

"میں جس کاروبار سے منسلک ہوں اس میں اچھے اور برے دونوں ٹائپ کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔"

"لیکن۔۔۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" میں نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں ماہ رخ صاحبہ سے محتاط رہنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ ویسے بائی دی وے کیا ایک سوال میں بھی آپ سے پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھیے سر۔"

"آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔ "میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی مالی مشکلات درپیش ہوں تو میں بخوشی انہیں دور کرنے کو تیار ہوں۔"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔"

"پھر کیا ساری زندگی تنہا رہنے کا ارادہ ہے؟"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کے احساسات کو پڑھ رہا تھا۔ ایک ساتھ کام کرتے کرتے اسے یقیناً مجھ سے انس ہو گیا ہو؟ اور اب شاید انس کی جگہ محبت نے لے لی تھی۔

"کیا وہ شخص آپ کی دسترس سے باہر ہے؟" میں نے مدھم آواز میں کہا۔

"کون شخص؟" وہ یکدم چونک اٹھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

"وہی جسے شاید آپ پسند کرتی ہیں؟"
"جی۔"
عارفہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ حیا کی سرخی اس کے وجود پر قرمزی رنگ کی طرح پھیل گئی۔ اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھر جو کچھ ہوا اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ ہم دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔ ٹھنڈے بادلوں کی جگہ یکلخت تیز دھوپ نے لے لی تھی۔

میں نے پہلی ہی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا جو میری ہی کمپنی میں ملازم تھا۔ شاید اسی وجہ سے گارڈز نے اسے باہر دروازے پر نہیں روکا تھا۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اس نے میرے آفس میں داخل ہوتے ہوئے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں سے وہ گارڈز کی نظروں میں آئے بغیر ہم دونوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک دیسی ساخت کا پستول نکال کر اس کا رخ ہماری طرف کر لیا تھا۔ اس کے ارادے نیک نہیں نظر آ رہے تھے۔
"کس مقصد سے آئے ہو؟" میں نے کسی حد تک اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"دانش کہاں ہے؟" اس نے غراتے ہوئے پوچھا۔
"پولیس رپورٹ کی مطابق اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"
"یہ سراسر جھوٹ ہے۔" وہ الفاظ کو دانتوں تلے کچلتے ہوئے بولا۔ "پہلے ماسٹر ٹونی اور اب دانش۔ یہ سب تمہاری سازش ہے۔ تم ہمارے خون اور ہڈیوں کے ڈھانچوں پر اپنا کاروباری محل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ پہلے کسی کو ترقی دیتے ہو اور پھر کام نکل جانے کے بعد اس کو راستے سے ہٹا دیتے ہو لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"
"میرا خیال ہے تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔" عارفہ نے دخل اندازی کی۔
"تم اپنی چونچ بند ہی رکھو مس عارفہ ورنہ مجھے مفت میں ایک گولی تمہارے لیے بھی ضائع کرنی پڑے گی۔"
وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ میرے دفتر میں ایک بار پہلے بھی اسی قسم کا ڈرامہ اسٹیج کیا جا چکا تھا۔ وہ شخص پستول تانے کھڑا تھا اس کی آنکھوں کی وحشت اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ

اس وقت کوئی نادیدہ طاغوتی قوت اس کے جسمانی نظام کو کنٹرول کر رہی ہے۔ مجھے یاد آیا۔ ایک بار کوئل ورما نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جب چاہے گی میرے چہرے کی ساخت کو اس حد تک بگاڑ دے گی کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال سرعت سے ابھرا۔ موہنی کی گندی طاقت کو شاید خان جابر اور دانش کے سلسلے میں علم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے میرے ہی ایک وفادار ملازم کو میرے سامنے ایک دشمن کی حیثیت سے لا کھڑا کیا تھا۔
"تمہارا نام شاید قدیر ہے۔" میں نے اسے غور سے دیکھا۔
"قدیر کے بجائے وزیر ہوتا جب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔"
"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
"تمہاری موت۔" اس کے لہجے میں سفاکی تھی۔ آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔
"پھر انتظار کس بات کا ہے۔" میں نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "پستول تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اپنا ارمان پورا کرو۔"
"نہیں۔ اس پستول کی ایک ایک گولی تمہارے ناپاک وجود سے زیادہ قیمتی ہے اس لیے تمہیں خود اپنی موت کا اہتمام کرنا پڑے گا۔"
"وہ کس طرح۔"
"خاموشی سے اٹھو۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہشت کی کھڑکی کے پٹ کھولو اور سر کے بل نیچے چھلانگ لگا دو۔ اگر تم مر گئے تو مجھے خوشی … لیکن … ن بچ جانے کی صورت میں تمہیں کوئی نہیں مارے گا … یہ میرا … ہے۔"
"و…" میرے ذہن میں ایک چھناکا ہوا۔ وہ مسلمان ہو کر ہندی کا لفظ بول گیا تھا لیکن … میں یقیناً اس کے ذاتی ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ … کے ذہن کو قابو کیے ہوئے تھی شاید اس سے نادانستگی … ہو گئی تھی۔ میرے ذہن میں موہنی کا ناپاک تصور ابھر … طرح … سی نظر آ رہی تھی۔
"جلدی کرو مائی ڈیئر شہباز خان۔" پستول تانے ہوئے شخص نے تیزی سے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"
"موت چونکہ میری ہوگی اس لیے مجھے اپنی موت کو قبول کرنے کے انداز کا اختیار بھی حاصل ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں رقص کرتی ہوئی سرخیوں کو بغور گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تم بے شک مجھے گولی مار دو لیکن میں کھڑکی سے چھلانگ لگانے کو تیار نہیں ہوں۔"
"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"
"ہاں، اور میں بار بار اپنے فیصلوں کو بدلنے کا عادی بھی نہیں ہوں۔"
"ایک بار پھر اپنے … پر غور کر لو شہباز خان۔ میں یہاں تمہارے ساتھ تفریح کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔"
"تم چاہو تو میں تمہیں اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی دینے کو تیار ہوں۔" عارفہ پھر جذباتی ہو گئی۔ "لیکن باس پر گولی مت چلاؤ۔ پلیز۔"
پستول والے نے حقارت سے پوچھا۔ "بہت زیادہ خیال ہے تمہیں اپنے باس کا۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم بھی ماسٹر ٹونی اور دانش والے معاملے میں اپنے باس کی برابر کی شریک ہو۔"
اس کی توجہ عارفہ کی طرف تھی۔ میں نے تیزی سے اپنا ہاتھ الارم سوئچ کی جانب بڑھایا لیکن مجھے کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ کمرے میں ایک ہلکی سی "چٹ" کی آواز ابھری اور پستول سے نکلی ہوئی گولی سنسناتی ہوئی میرے بازو کے قریب سے گزرتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی تھی۔
"نہیں مسٹر شہباز۔" اس نے عارفہ کی طرف سے پلٹ کر مجھے خونخوار نظروں سے گھورا۔ "میں اتنا آسان شکار نہیں ہوں جسے تم اپنی مرضی سے ہڑپ کر جاؤ گے۔ تمہارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ کھڑکی سے سر کے بل نیچے کود جاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔"
میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے تیور بتدریج خطرناک سے خطرناک تر ہوتے جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ جب تک میری انگلی میں صندلی انگوٹھی موجود ہے طاغوتی قوتیں میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں لیکن میں اپنے آفس میں کسی افراتفری کے بعد اخبارات کی سرخیاں بننا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔
"میں اب صرف تین تک گنوں گا اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ارادوں کی سنجیدگی کا یقین دلانے کی خاطر تمہاری اس خوبصورت اور حسین سیکرٹری کے جسم پر دو ایک روشندان بنا دوں۔"
"تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔ میری سیکرٹری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے تیزی سے کہا۔
"محبت اور جنگ میں سب چلتا ہے۔" وہ سفاکی سے مسکرایا۔ "کبھی کبھی گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔"
"میں اسے تمہاری مردانگی نہیں۔ بزدلی قرار دوں گا۔" میں نے اسے للکارا۔ "ہمت ہے تو مجھے مار کر دکھاؤ۔"
"اس کی نوبت بھی ضرور آئے گی۔ ایک۔" اس نے گنتی شروع کر دی۔
"تم ماسٹر ٹونی جیسے عظیم شخص اور دانش جیسے وفادار لوگوں کے ساتھی بھی نہیں ہو سکتے۔" میں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔
"یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔ دو۔"
دو کی گنتی کے ساتھ ہی اس کے پستول کا رخ عارفہ کی جانب ہو گیا۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور آنکھوں میں شیطانی سرخی کا رقص جاری تھا پھر اچانک لوبان اور

صندل کی خوشبو کا تیز جھونکا میری ناک سے ٹکرایا اس کے ساتھ ہی میرے سامنے کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں دبا پستول ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ اس طرح چونکا تھا جیسے کوئی ہولناک خواب دیکھتے دیکھتے یکلخت بیدار ہو گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی سرخی چھٹ چکی تھی۔

"سر۔" اس نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت یہاں؟ آپ کے آفس میں۔ شاید غلطی سے آ گیا؟"

"نہیں۔" میں نے پیش آنے والی تبدیلی کی وجہ بھانپتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول رہے ہو۔ تم میرے دفتر میں کچھ ایڈوانس رقم کی درخواست لے کر آئے تھے۔"

"ایڈوانس۔" اس نے بدستور بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن میں تو سائیٹ پر جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔" عارفہ کی الجھن قابل دید تھی۔ کبھی وہ مجھے اور کبھی اس شخص کو دیکھنے لگتی جو کچھ دیر قبل ایک سفاک قاتل کا رول ادا کر رہا تھا اور اب بیچی طرح سہما سہما نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے نے کو بھانے کی خاطر اصرار کر کے ایک معقول رقم اس کارندے کے حوالے کرنے کے بعد رخصت کیا تو عارفہ نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ سر۔"

"میرے دشمن بھیس اور روپ بدل بدل کر مجھے نقصان پہنچانے کے لیے سامنے آ رہے ہیں لیکن شاید وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کم از کم وہ میری زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتے۔"

پھر فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب ڈی۔ ایس۔ پی سراج تھا۔

"دانش کی گمشدگی کا کوئی سراغ ملا؟"

"پولیس کارروائی جاری ہے لیکن کچھ پیچیدگی درمیان میں آ گئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ نے مسٹر بھوشن جوزف کا نام ضرور سنا ہو گا۔"

"شاید اخبار میں پڑھا ہو۔" میں نے بظاہر بے پروائی سے جواب دیا لیکن سراج کی زبان سے بھوشن جوزف کا نام سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ایک بہت بڑا بینک اونر ہونے کے ساتھ ساتھ ہائی سرکل میں بھی دور تک اس کی رسائی ہے۔"

"آپ مجھے بتانا کیا چاہتے ہیں؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے مسٹر بھوشن نے اپنے ایک خاص کارندے خان جابر کی گمشدگی کی اطلاع دی ہے۔"

"پھر اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔ ایف آئی آر کاٹ کر تفتیش شروع کرا دیجیے۔"

"آپ نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ خان جابر ایک ایسے دہشت گرد کا نام ہے جسے ابھی تک قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ مسٹر بھوشن جیسی شخصیتیں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ہر دہشت گرد کی پشت پر کوئی نہ کوئی پوشیدہ ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ پولیس کو ایسے مجرموں کے سلسلے میں ہمیشہ ڈبل پالیسی سے کام لینا پڑتا ہے' اگر خان جابر کے خلاف کوئی مجرمانہ ثبوت پولیس فائل پر نہیں ہے تو پھر آپ کس لیے پریشان ہیں؟"

"مجھے بھی خان جابر کی تلاش تھی۔"

"خیریت؟"

"دراصل جس روز آپ کے دولت خانے کو آگ لگائی گئی اور دانش کا اغوا ہوا تھا اس روز میرے ایک کانسٹیبل نے خان جابر کو وہاں دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب۔" میں نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا دانش کے اغوا اور میرے مکان کو نذر آتش کرنے میں اسی خان جابر کا ہاتھ ہے۔"

"ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن مسٹر بھوشن کے درمیان میں آ جانے کے بعد سے میرے اس شبے کو زیادہ تقویت ملتی ہے کہ دونوں وارداتوں میں کسی نہ کسی زاویے سے خان جابر کا ہاتھ ضرور شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسٹر بھوشن نے کاؤنٹر چارج بنانے کی خاطر قبل از وقت اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہو۔" سراج نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر بولا۔ "میں خان جابر کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں دفتر ہی میں ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆

بھوشن جوزف اور خان جابر کے بارے میں ندیم نے مجھے خاصی تفصیل سے آگاہ کیا تھا لیکن سراج سے ملاقات کے بعد ایک بات کھٹکی ہوئی تھی کہ پانڈے نے سوجی کے مجبور کرنے کے بعد فون پر میرے خلاف جس دہشت گرد سے گفتگو کی تھی اس کا تعلق بھوشن کی ذات سے ضرور منسلک رہا ہو گا۔ میرے مکان کو نذر آتش کرنے کے سلسلے میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے اسی کا ہاتھ شامل رہا ہو گا۔ رہا دانش کا معاملہ تو میرے لیے سراج سے گفتگو کرنے کے بعد دو اور دو چار کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔

ندیم اور سراج کی خاطر دانش نے بھی آگ لگنے کی اطلاع پا کر میری رہائش گاہ کا رخ کیا ہو گا جہاں خان جابر یا اور کسی مشکوک آدمی کو دیکھ کر اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اپنے شبے

کی تصدیق میں دانش نے اس کا تعاقب کیا ہو گا لیکن شاید وہ اس بات کو یکسر نظرانداز کر گیا تھا کہ دہشت گردی پھیلانے والا کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی ضرور ہوتے ہیں جو اسے کسی خطرے میں دیکھ کر یا تو خود اسے ہلاک کر دیتے ہیں یا پھر اس کی مدد کرنے کی خاطر ہنگامے میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

دانش کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی پوزیشن پیش آئی ہو گی۔ جس وقت اس نے مشکوک افراد کا پیچھا شروع کیا اس وقت وہ یہ محسوس نہ کر سکا کہ دہشت گرد کے ساتھی اس کے تعاقب میں بھی لگ گئے تھے۔ وہ شخص جس پر دانش کو شبہ ہوا ہو گا وہ یقیناً کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں رہا ہو گا پھر مشکوک آدمی کا پتا ٹھکانا معلوم کرنے کے بعد دانش نے مجھے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا لیکن جو لوگ اس کے تعاقب میں تھے انہوں نے اسے اس بات کا موقع نہیں دیا۔

میرے ذہن میں اس سازش کا جو خاکہ ابھرا اس میں صرف ایک جھول باقی رہ گیا تھا۔ دانش نے اپنی موٹر سائیکل کیوں استعمال نہیں کی؟ اسے چھوڑ دینے میں کیا مصلحت درپیش تھی؟ ان دونوں سوال کا جواب دانش ہی دے سکتا تھا۔ وہی اس شخص کا نام اور حلیہ بھی بتا سکتا تھا جسے مشکوک سمجھ کر اس نے تعاقب کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

ندیم کے کیسینو پر جو پوزیشن پیش آئی تھی اس نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں دانش سے کوئی تفصیل دریافت کر سکتا لیکن ندیم نے یقیناً دانش کو اس سلسلے میں ضرور کریدا ہو گا۔ اسی خیال کے آتے ہی میں نے ندیم کو گھر پر اس کی خوابگاہ کے نمبروں پر ڈائل کیا۔ چوتھی گھنٹی پر دوسری جانب سے ندیم نے کال ریسیو کی۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"جلدی کرو اس لیے کہ میں نہاتے میں سے تولیہ لپیٹ کر غسل خانے سے باہر آیا ہوں۔"

"دانش نے تمہیں کن حالات سے باخبر کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ خان جابر کے ہاتھ کس طرح لگا؟" میں نے دریافت کیا۔ "کیا وہ خان جابر ہی تھا دانش نے جس کا تعاقب کیا لیکن اس کی نگاہوں میں آ گیا یا پھر اس کا مطلوبہ شخص کوئی اور تھا؟"

"اچانک تمہیں ان باتوں کا خیال کس طرح آ گیا؟" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی کچھ پہلے سراج یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ اس کی اطلاع کے مطابق بھوشن جوزف نے براہ راست اسے فون کر کے خان جابر کی گمشدگی کی رپورٹ کرائی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ خان جابر کو جلد از جلد بازیاب کیا جائے۔"

"مگر میں تمہارے ان سراج صاحب کو ایک نمبر کا گھامڑ کہوں تو برا تو نہیں مانو گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"کیا سراج صاحب نے بھوشن سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ اسے اتنی جلدی خان جابر کی گمشدگی کا یقین کس طرح آ گیا؟" ندیم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال' میرا شبہ ٹھیک ہی نکلا کہ خان جابر کی پشت پر مسٹر بھوشن ہی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خان جابر کی گمشدگی نے بھوشن کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا ہو گا۔"

"دانش نے تمہیں کیا تفصیل بتائی ہے؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"میرا خیال ہے کہ فون پر اس کی تفصیل بتانا مناسب نہ ہو گا۔"

"جو کچھ میں معلوم کرنے جا رہا ہوں وہ بہت ضروری ہے۔" ندیم نے میرے اندر کے جذبات کو شاید میرے لہجے سے محسوس کر لیا تھا۔ تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "میری ایک بات غور سے سنو' تم کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔ مجھ سے مشورہ کیے بغیر جلد بازی میں اٹھایا ہوا قدم ہمارا سارا کھیل بگاڑ دے گا اگر دشمن نے ہماری چال کو بھانپ لیا تو بساط کا رخ ہمارے حق میں کسی طرح سودمند ثابت نہیں ہو گا۔"

"لیکن......"

"میں تمہارا دوست ہوں شہباز' دشمن نہیں ہوں۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "فی الحال میں تمہیں ایک ہی قیمتی مشورہ دے سکتا ہوں۔ شام کو دفتر سے واپسی کے وقت ماہ رخ سے ضرور ملنے کی کوشش کروں گا۔ باقی باتیں تمہاری واپسی پر ہوں گی۔"

اس کے ساتھ ہی ندیم نے فون کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ماہ رخ سے ملنے کا مشورہ اس نے کچھ سوچ کر ہی دیا ہو گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ اب تک میری خاطر بے شمار موقعوں پر اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا تھا۔ خان جابر اور دانش کی بازیابی میں بھی اسی کی بروقت' ذہانت اور کوششوں کا نتیجہ تھا ورنہ شاید میں ابھی تک دانش کا کوئی سراغ نہ پا سکتا۔ خان جابر بھی چونکہ ندیم ہی کے راستے کا ایک مسافر تھا اس لیے ندیم نے فون پر اس کی آواز پہچاننے میں کسی غلطی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں میں صرف ایک واضح فرق تھا۔ ندیم ایک باوقار کاروباری شخصیت کا مالک تھا اور اسی وقت کوئی جوابی کارروائی کرتا تھا جب اسے کسی کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ اس نے جو کارندے پال رکھے تھے وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں تمام تر ضروری' اچھی اور بری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بظاہر وہ بھی شریف نظر آتے تھے لیکن ندیم کے اشارے پر وہ ہر وقت خود کو دہکتے شعلوں میں بھی جھونکنے پر آمادہ رہتے تھے جبکہ خان جابر

کی زندگی کا بس ایک ہی رخ تھا۔ وہ ایک خطرناک قسم کا دہشت گرد تھا جو اپنی منہ مانگی رقم کے عوض کچھ بھی کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ندیم کی اطلاع کے مطابق وہ کسی کا پابند نہیں تھا لیکن جس کے لیے کام کرنے کی حامی بھر لیتا تھا اس سے کبھی غداری نہیں کرتا تھا۔ وہ بکاؤ مال تھا لیکن ایک شخص سے معاہدہ کر لینے کے بعد مخالف پارٹی سے کسی قیمت پر بھی ملنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔

خان جابر بدنام ترین شخصیت کا مالک ہونے کے باوجود ابھی تک کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ سراج کے کہنے کے مطابق تمام بڑی دہشت گردی کی وارداتوں میں اس کا ہاتھ شامل تھا لیکن ابھی تک اس کی خلاف کوئی ثبوت پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ شاید اس لیے کہ بھوش اور اسی جیسے بڑے سیاسی اور کاروباری افراد اس کی پشت پناہی کرتے تھے اور اس کا نام پولیس کے ریکارڈ پر آنے سے پہلے ہی اس کے حق میں پولیس کے اعلیٰ حکام کو سفارشی اور محکمانہ فون کھڑکھڑانا شروع کر دیتے تھے جس کے سامنے قانون بے بس ہو کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

ماہ رخ کا جھکاؤ میں اپنی طرف پہلی ہی ملاقات میں محسوس کر چکا تھا۔ وہ ایک خوبصورت "شکاری" تھی جو اپنا شکار پھانسنے کی تمام صلاحیتوں سے لیس تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دوسرے شکاریوں کی طرح درندوں اور پرندوں کا شکار کھیلنے کے بجائے اپنے "من پسند" انسانوں کا شکار بڑی کامیابی سے کرنے کی عادی تھی۔

میں نے زندگی میں شراب کبھی نہیں پی لیکن پولیس کی ملازمت کے دوران اور ندیم کے ساتھ لندن میں شراب خانوں میں بارہا جانے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ انسان اگر اپنے نفس پر قابو پانے کا عادی ہو تو وہ تمام برائیوں کے بیچ رہنے کے باوجود اپنا شمار نیکو کاروں کی فہرست میں برقرار رکھ سکتا ہے مگر تصویر کی طرح انسان کی زندگی کے بھی دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ شیطان کا کام صرف بہکانا ہے ویسے بھی کبھی انسان فاقوں سے تنگ آ کر مردہ جانوروں کا گوشت کھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔

میں نے ندیم کی ایما پر نہ چاہنے کے باوجود ڈائرکٹ فون کا ریسیور اٹھایا اور ماہ رخ کے نمبر گھمانے لگا لیکن نہ جانے کیوں میری الٹی آنکھ نے رہ رہ کر پھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کہیں نہ کہیں کوئی خطرہ ضرور لاحق ہے۔

دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے یقیناً مجھے شناخت کر لیا تھا جس کی غمازی اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی معنی خیز مسکراہٹ نے کی تھی۔

"آپ... آپ شاید ایک بار مسز ندیم کے ساتھ آ چکے ہیں؟" گارڈ نے سنجیدگی سے سوال کیا اس کے انداز میں احترام شامل تھا۔

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔"

"آپ کا نام؟"

"شہباز خان۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ "فون پر میں مسز سلیمان شاہ سے اپوائنٹمنٹ لے چکا ہوں۔"

گارڈ نے اپنے دوسرے ساتھی کی سمت اشارہ کیا تو کوٹھی کا پھاٹک میرے لیے کھول دیا گیا۔ اندر دو چار گاڑیاں پہلے سے

اس منظر کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' اس تصویر کے پس منظر سے سلیمان شاہ اور ماہ رخ دونوں ہی کی شخصیت جھلکتی نظر آ رہی تھی ابھی میں اس تصویر کو دیکھنے میں منہمک تھا کہ وہی شخص دوبارہ نمودار ہوا۔

"تشریف لائیے محترم' میڈم نے آپ کو یاد کیا ہے۔"

میں جلدی سے اٹھا اور اس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے ایک مرصع دروازے کے سامنے چھوڑ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ غالباً" دروازہ ہی میری مطلوبہ منزل تھی لیکن بغیر اجازت کسی کے کمرے میں داخل ہونا یقیناً معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"تشریف لے آئیں اندر مسٹر شہباز۔" دروازے کے قریب لگے ہوئے کسی خفیہ مائک سے ماہ رخ کی آواز سنائی دی کسی خفیہ جگہ پر نصب شدہ کیمرے کی حساس آنکھوں نے غالباً" دروازے کے باہر میری موجودگی ظاہر کر دی تھی میں نے ایک سرسری نظر دروازے کے اطراف ڈالی پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گیا۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں کسی پرستان میں آ گیا ہوں جہاں خس کی بھینی بھینی خوشبو ماحول کو بے حد خوابناک بنا رہی تھی کمرے کی ہر شے اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ یہ خوابگاہ کے علاوہ ایک مختصر مگر بے انتہائی حسین ڈرائنگ روم بھی تھا۔ کمرے کے دو حصوں میں بس ایک سیڑھی حد فاصل تھی جس کے اوپر رینگ کے ساتھ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلکے نیلے رنگ کا باریک پردہ پڑا تھا۔ پردے کے ایک حصے کو ڈرائنگ روم کی شکل دے دی گئی تھی اور دوسرا حصہ جو پہلے حصے سے ایک سیڑھی اونچا تھا بطور خوابگاہ استعمال کیا جاتا تھا۔ میں ابھی ماحول کی دلکشی میں محو تھا کہ ماہ رخ کی مترنم آواز مندروں میں دیوداسیوں کی بجائی ہوئی گھنٹی کی طرح گونجی۔

"اس قدر غور سے اسے دیکھنے والے یہ بتا۔ مجھ میں کیا بات نہیں جو میرے ماحول میں ہے۔"

میں نے نظریں گھما کر آواز کی سمت دیکھا تو ماہ رخ ایک صوفے پر نیم دراز تھی' اس کے جسم پر صرف ایک باریک لباس موجود تھا جو ہونے لور نہ ہونے کے فرق کو سمجھانے میں میری طرح ناکام ہو رہا تھا۔ ماہ رخ یقیناً ایک ایسی خوبصورت شکاری تھی جو اپنے شکار کو اپنے سحر میں بے بس کر دینے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی اس وقت بھی کچھ ایسے انداز اور زاویے سے نیم دراز تھی کہ اس کے سڈول جسم کے تمام نشیب و فراز بڑے واضح تھے۔ میں آگے بڑھ کر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں نے آپ کو اس وقت ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" میں نے بس یونہی گفتگو کا آغاز کرنے کی خاطر ایک رسمی جملہ ادا کیا۔

"جی نہیں۔" وہ مجھے مسکراتی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "مجھے خوشی ہے کہ آج آپ نے خود سے آنے کی زحمت گوارا کی جبکہ میں آپ کو متعدد بار فون کر چکی ہوں۔"

"مجھے اس کا علم ہے دراصل کاروباری مصروفیات کی وجہ سے۔"

"رہنے دیں شہباز صاحب۔" وہ ایک تو بہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔ "نہ آنے کے سو بہانے۔"

"آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

"تیرے وعدے پہ جئے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا۔ کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" ماہ رخ نے ایک سرد آہ بھر کر غالب کا ایک خوبصورت شعر پڑھا پھر بڑی بے تکلفی سے بولی۔ "یہ آج اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں۔ کیا فاصلے آپ کو بہت زیادہ پسند ہیں؟"

"قرب نصیب نہ ہو تو انسان کو فاصلوں پر ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔" میں نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا پھر اٹھ کر اس کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ پئیں گے؟" اس نے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"ایک شے کے علاوہ جو چاہے پلا دیں میں انکار نہیں کروں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کا اشارہ شراب کی طرف ہے لیکن اگر یہی شے میں آپ کو آنکھوں سے پلا دوں تو۔"

ماہ رخ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ ایسے سحر انگیز انداز میں کہا کہ میں ہچ پچ لڑکھڑا گیا' میں نے اسے غور سے دیکھا' وہ یقیناً شراب سے زیادہ قاتل تھی اس کی آنکھوں میں نہ جانے کتنے جام آپس میں ٹکرا رہے تھے' وہ سر سے پاؤں تک صرف شراب ہی شراب نظر آ رہی تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے ان حسین آنکھوں میں جھانکنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ چھلکتا ہوا جام ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی تلچھٹ باقی تھی۔ نشہ ٹوٹ چکا تھا مگر اس کا خمار ابھی تک برقرار تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ کیا میں نے وہاں پہنچنے میں دیر کر دی تھی یا پھر ماہ رخ نے جان بوجھ کر مجھے دیر سے بلایا تھا اور اس عرصے میں وہ کوئی اور قلعہ فتح کر کے اپنی نئی فتوحات میں ایک نئے باب کا اضافہ کر چکی تھی۔

میں اس وقت ندیم کی ایما پر وہاں موجود تھا بظاہر مجھے براہ راست ماہ رخ سے کوئی کام نہیں تھا لیکن بہر حال میں ایک انسان تھا اور انسان رقابت کے جذبوں کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ ایک لمحے کے لیے میرے اندر بھی ایک نئے انسان نے جنم لیا جو اس بات کو محسوس کر کے تڑپ اٹھا کہ اس کی محبوبہ کسی دوسرے کے ہاتھوں کی زینت بن چکی ہو' مرد کی غیرت اس بات کو کبھی گوارا نہیں کرتی کہ محبت کے معاملے میں کوئی اور اس کا شریک ہو رومانی داستانوں میں جا بجا ایسے واقعات درج ہیں جب ایک شخص نے رقابت کی وجہ سے دوسرے کا قتل کیا اور خود پھانسی کے پھندے پر چڑھ گیا میں ماہ رخ کی آنکھوں کے سحر میں ڈوب رہا تھا جس کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ میری مثال اس طوطے کی سی تھی جسے کسی خوبصورت شہزادی نے اپنے محل میں ایک پنجرے میں بند کر کے ٹانگ رکھا تھا اور شہزادی جب بھی پنجرے کے قریب آتی طوطا اسے دیکھتے ہی چہکنے لگتا اس وقت کم و بیش میری بھی کچھ ایسی ہی حالت تھی' ماہ رخ کا حسن میرے وجود کا احاطہ کر رہا تھا پھر یکلخت مجھے اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی' کسی نے مجھے آواز دے کر کہا۔

"سنو شہباز خان' ہوش میں آؤ' تم اس راہ کے مسافر نہیں

ہو' اس سمندر کے قریب سے ہٹ جاؤ اگر کوئی تیز لہر آئی تو تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لے جائے گی مانا کہ تمہارے اندر ایک ماہر پیراک کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں لیکن سمندر کی بپھری موجیں جب زور پکڑتی ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی ان کے آگے کسی حقیر تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور...... کبھی کبھی صرف ساحل پر کھڑے ہو کر نظارہ کرنے والے بھی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پاتے پاؤں ایک بار رپٹ جائے تو سنبھالے نہیں سنبھلتا ابھی وقت ہے' واپس پلٹ آؤ ورنہ بعد میں پچھتاوے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

میں نے خود کو سنبھالا' ماہ رخ کی سحر انگیز نگاہوں کے ترکش کے تمام تیر میری سمت تھے' میں زخمی نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے میں نے ایک ثانیے کو اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کی پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ کی شخصیت بہت خوب ہے۔"

"اس عزت کے لیے بہت بہت شکریہ" اس نے پلکیں جھپکائیں تو بجلیاں کوند اٹھیں۔

"آپ نے یہ نہیں دریافت کیا میں اس وقت کس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بے غرض انسان تو دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔" وہ معنی خیز انداز میں مجھ سے کچھ اور قریب ہوتے ہوئے بولی۔ "جب بھی کوئی ایک فریق کسی دوسرے سے ملتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی غرض دوسرے کی ذات سے ضرور وابستہ ہوتی ہے۔ یونہی تو وہ ایک دوسرے کے قریب نہیں آتے۔"

ماہ رخ کے آخری جملے میں مکمل بے باکی تھی' میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر جان کی بازی لگا دیتا لیکن میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔

میں وہاں کیوں گیا تھا مجھے خود بھی اس کا مقصد نہیں معلوم تھا لیکن ماہ رخ کے قرب نے مجھے بالغ بنا دیا۔ ماہ رخ سے میری ملاقات کے پس پردہ ندیم چھپا اس کی سیاسی شخصیت کو بھوشن جوزف جیسے خطرناک آدمی کے خلاف بطور ایک حربہ استعمال کرنا چاہتا ہوگا وہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) سلیمان شاہ کی بیوی تھی۔ اسے شوہر کی جانب سے مکمل آزادی اور چھوٹ ملی ہوئی تھی ندیم نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ کچھ انڈر اسٹینڈنگ تھی جس کی بدولت سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان ان بن نہیں ہوئی تھی ان کے درمیان ایک خاموش سمجھوتا تھا ایک دوسرے کے نجی معاملات میں حائل نہ ہونے کا سمجھوتا اسی سمجھوتے نے ابھی تک ان دونوں کے درمیان کوئی خلیج یا دراڑ نہیں حائل ہونے دی تھی۔

مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا کہ سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان کیا انڈر اسٹینڈنگ تھی' تھی بھی یا نہیں تھی' میں تو اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ماہ رخ کو ٹٹول کر بھوشن جوزف کے بارے میں دریافت کروں یا نہ کروں' وہ کسی ماہر شکاری کی طرح مجھے کنکھیوں سے گھور رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" اس نے بڑے مخمور لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "کیا دل کا مدعا زبان تک لانے میں کوئی پس و پیش محسوس کر رہے ہیں؟"

"جی نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے کہہ ڈالیے نا۔"

"ہم...... میں دراصل آپ سے کچھ دریافت کرنے آیا تھا؟"

"میں نے کہا تھا کہ ایک فریق جب دوسرے سے ملتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔" وہ مسکرائی۔ "آپ نے اپنی غرض کے تحت یہاں آنا چاہا اور میں نے...... میں نے اپنی غرض کی خاطر آپ کے لیے اپنی بانہیں کشادہ کر دیں۔"

"آپ...... آپ کو بھلا مجھ سے کیا غرض ہو سکتی ہے؟"

"وہی جو پیاسے اور کنویں کے درمیان ہوتی ہے۔" اس نے میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر مدہوش ہو جانے والا انداز اختیار کیا پھر بڑی اپنائیت سے بولی۔ "چلیے میں اپنی غرض آج کے لیے ملتوی کرتی ہوں' آپ بتائیے آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ نے کبھی بھوشن جوزف کا نام سنا ہے؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"سنا تو ہے لیکن اس کی ریپوٹیشن شاید اچھی نہیں ہے۔" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً کوئی بیکار ہے۔"

"جی ہاں...... میرا اشارہ اسی طرف تھا۔"

"کام کیا ہے؟" ماہ رخ نے بے پروائی سے دریافت کیا اس کی بھوکی نظریں میرے پورے وجود پر اس طرح سرسراتی تھیں۔ جیسے آدم خور گدھ کو اپنے کسی شکار کا موت سے ہمکنار ہونے کا انتظار بڑی شدت سے ہوتا ہے' جب تک اسے کامیابی کا یقین نہیں ہو جاتا وہ امید و بیم کی حالت میں پر پھیلائے ہوا میں منڈلاتا رہتا ہے' اس کی نگاہیں صرف اور صرف اپنے شکار پر مرکوز ہوتی ہیں' ماہ رخ کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

"دراصل بھوشن میرے کچھ نجی کاروباری معاملات میں بلاوجہ ٹانگ پھنسا رہا ہے۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ "میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ میرے مکان کو بھی اسی کے اشارے پر نذر آتش کیا گیا تھا۔"

"او۔ آئی۔ سی۔" اس نے ایک سگریٹ سلگا کر دو چار طویل کش لیے پھر دھوئیں کے مرغولے بنا کر ہوا میں میری جانب چھوڑتے ہوئے بولی۔ "آپ اشارہ کریں تو میں اس کی وہ ٹانگ ہی نہ سلامت رہنے دوں گی جو آپ کے راستے میں حائل ہو رہی ہے۔"

"میں آپ کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کے جواب نے میرے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا ہے۔"

"آپ نے اپنے آنے کی غرض بتا دی۔ اب یہ بھی معلوم کر لیجیے کہ اس کام کو انجام تک پہنچانے کی خاطر میں آپ سے کیا معاوضہ طلب کروں گی؟" اس کی نگاہوں میں سرخ ڈورے ابھر کر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگے' میرا سوال سن لینے کے بعد اس کے جواب میں بھوک کی شدت کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو گئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں اس حسین پنجرے کی تیلیاں توڑ کر کب کا فرار اختیار کر چکا ہوتا لیکن حالات اور وقت نے میرے قدم روک رکھے تھے۔

میں دل ہی دل میں ندیم کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا' اس نے بھوشن کے پھوڑے کو چیرا لگانے کی خاطر جس نشتر کا انتخاب کیا تھا وہ نہایت موثر ثابت ہو سکتا تھا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے؟" اس نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ معنی خیز انداز میں بڑھا دیا۔ "کیا آپ معاوضہ ادا کرنے کو آمادہ نہیں ہیں؟"

"آپ حکم دیں' میں پوری بلینک چیک بک دستخط کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا میرے پاس دولت کی کمی ہوگی؟"

"جی نہیں لیکن معاوضہ والی بات......"

"میں نے ہی کی تھی۔" وہ بڑے دلربانہ انداز میں اٹھی اور بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی میرے صوفے پر میرے اتنے قریب آ گئی کہ میرے پورے جسم پر چیونٹیوں نے رینگنا شروع کر دیا۔ میں اس کے وجود کی گرمی اور حدت کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا' میں نے اسے جگہ دینے کی خاطر کھسکنے کی کوشش کی تو اس نے بڑی بے تکلفی سے میرے بازو تھام لیے پھر ایک ادا سے بولی۔ "جانتے ہیں کسی حسین عورت کی خاطر کسی دانشور نے کیا کہا ہے عورت کی مثال اس سود خور کی مانند ہے جو اپنے متاع حسن لٹانے میں بڑی دریا دلی کا ثبوت دیتی ہے لیکن اس کا خراج بھی مع سود قسط وار وصول کرنا جانتی ہے۔"

"کیا اس معاوضہ میں کسی کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی؟" میں نے سودے بازی کا مظاہرہ کیا تو وہ اور بے باک ہو گئی' ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"آپ اصرار کریں گے تو میں سود معاف کر دوں گی لیکن اصل ضرور وصول کروں گی۔ کیا خیال ہے؟"

"اور اگر میرے پاس اصل دینے کو بھی کچھ موجود نہ ہو تو......"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ میرے اور قریب ہو گئی۔ "اس کا اندازہ میں لگا لوں گی۔"

میرے لیے فرار کے تمام راستے آہستہ آہستہ مسدود ہوتے جا رہے تھے مجھے اس کا وجود اپنے اندر کی برف کو پگھلاتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں انسان تھا' پتھر کی کوئی بے جان مورت نہیں کہ اس پر ضرب لگے اور کوئی اثر نہ ہو۔ میرے نفس کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ مجھے اپنا دم سینے کے اندر گھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا جب مجھے ناداری کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے ماہ رخ سے نفرت ہو رہی تھی لیکن اس کا قرب میرے لیے لذت انگیز بھی تھا' وہ کسی فاتح جنرل کی طرح پیش قدمی کر رہی تھی اور میں اس کے سامنے پسپا ہو رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی...... شاید قدرت نے مجھے سنبھلنے کی خاطر ایک سگنل دیا تھا' میں جلدی سے ماہ رخ سے دور ہو گیا وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح فون کی جانب لپکی۔ "کون ہے؟" اس نے جھلا کر ریسیور اٹھایا۔ اس کے انداز میں برہمی کی شدت موجود تھی ایک لمحے تک وہ دوسری جانب سے کی جانے والی بات سنتی رہی اس کے چہرے کی تناؤ میں بتدریج کمی آ رہی تھی پھر اس نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم اس سے باتیں کرو' میں دس منٹ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

ریسیور کریڈل پر غصے سے رکھنے کے بعد وہ میری جانب واپس آئی پھر بڑی معذرت سے بولی۔ "مجھے ایک ضروری کام ہے اس لیے میں آپ سے معافی کی خواستگار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

"آپ نے یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ کون سا کام ہے جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو سکتا ہے؟"

"کس کا فون تھا؟" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"سلیمان شاہ کا" وہ بڑی نخوت سے بولی "اس کے کچھ اہم مہمان آ گئے ہیں۔"

مجھے رخصت کرنے کے لیے وہ دروازے تک آئی پھر بڑی تشنہ آواز میں بولی۔ "آپ اپنے کام کی فکر نہ کریں لیکن میرا معاوضہ اپنی جگہ برقرار رہے گا۔"

میں نے مسکرا کر اس کے وجود پر الوداعی نظر ڈالی پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر آ گیا' کھلی فضا میں آ کر مجھے ایسا ہی لگا جیسے عمر قید کی سزا سنانے کے بعد عدالت نے میری بے بسی پر ترس کھا کر مجھے رہائی کا پروانہ عطا کر دیا ہو۔

✿

میں اسی رات ندیم کے کیسینو پہنچا تو وہ اپنے دفتر ہی میں موجود تھا' مجھے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت اور معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی مجھے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اور سناؤ' آج وقت کیسا گزرا؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ موت کے منہ سے بال بال بچ کر نکلا ہوں۔" میں نے ندیم کے سوال کا مفہوم بھانپتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے ماہ رخ کا فون آیا تھا۔" ندیم نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسے تمہارے بچ نکلنے کا افسوس ہے لیکن حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔"

"مجبوری اور تمہاری ماہ رخ۔۔۔ یہ بات میرے حلق سے نیچے نہیں اتری۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تم بھی ٹھیک سوچ رہے ہو۔ لیکن ہر شخص کی زندگی میں کچھ نہ کچھ مجبوریاں ضرور لاحق ہوتی ہیں۔" ندیم نے جواب دیا۔ "دراصل سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان ایک سمجھوتا ہے اور اسی سمجھوتے کی بنیاد پر ان کی گاڑی چل رہی ہے ورنہ اب تک ماہ رخ کہیں اور ہوتی۔"

"لعنت بھیجو ماہ رخ پر۔" میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "دانش کہاں ہے؟"

"میں اسے بلاتا ہوں لیکن تم اسے زیادہ کریدنے کی حماقت نہیں کرو گے۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا دانش نے ایسی کوئی بات تم سے کی ہے جسے وہ دہرانا پسند نہیں کرے گا۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن یہ مت بھولو کہ ہمارا مقابلہ طاغوتی قوتوں سے ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی موقع کی تلاش میں رہتی ہیں۔" ندیم نے کہا "موہنی یا کومل ورما کی روح دانش کو ہمارے خلاف بھی بیان دینے پر اکسا سکتی ہے' اسی غرض سے میں نے ابھی تک خان جابر اور دانش دونوں کو اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "کیا تمہاری تحویل میں ہونے کی صورت میں موہنی ان دونوں کی آزادی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی؟"

"ہر طاقتور اپنے برابر والے پر حملہ کرنے سے پیشتر بہت کچھ سوچتا ہے اور زیادہ تر گریز ہی سے کام لیتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ گویا تم خود کو موہنی کے ٹکر کا سمجھ بیٹھے ہو۔۔۔ یہ غلط فہمی کب سے لاحق ہو گئی؟"

ندیم میرے جواب میں مسکرا دیا لیکن اس کی مسکراہٹ کے اندر بڑا اعتماد تھا۔ یقین تھا پھر اس نے دانش کو بلوانے کی خاطر اپنے کسی مخصوص آدمی کو انٹرکام پر ہدایت دی اور ایک سگریٹ جلا کر اس کے کش لینے لگا۔ میں ندیم کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا' وہ میرا کلاس فیلو تھا میرا دوست تھا' میری خاطر کئی بار زندگی داؤ پر لگا چکا تھا لیکن اس کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی قوت ضرور موجود تھی جس کی وجہ سے ابھی تک میرے خلاف برسرپیکار قوتوں نے اس سے براہ راست ٹکرانے کی کوشش نہیں کی تھی کومل ورما کے گھر کو ندیم ہی کے ایک مخصوص عمل پر جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا تھا' موہنی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ جانتی ہے کہ اس دہشت گردی کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا لیکن اس نے ندیم کے بجائے مجھ ہی کو موردالزام ٹھہرایا تھا۔

میرے دشمنوں نے میرے مکان کو محض تفریحاً "نذر آتش" نہیں کیا تھا وہ میری ماں کو زندہ جلا دینا چاہتے تھے لیکن کاکا کے بیان کے مطابق اس نے میری ماں کو بچا لیا تھا اور اب وہ ندیم کے گھر پر محفوظ تھیں گویا ندیم کا گھر ایک ایسا مضبوط قلعہ تھا جہاں گندی اور پلید قوتوں کا عمل دخل نہیں ہو سکتا تھا۔ نسیم کی ماں کو بھی ان ہی طاغوتی قوتوں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن نسیم ابھی تک محفوظ تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ ندیم کی پناہ میں تھی لیکن کیوں؟ آخر وہ کون سی قوت تھی جو ہر ہر قدم پر ندیم کی پشت پناہی کر رہی تھی میرے ذہن میں بے شمار سوالات گونج رہے تھے لیکن اس سے پیشتر کہ میں ندیم کی زندگی کے اس دوسرے پراسرار رخ کو کریدتا دانش کمرے میں داخل ہوا اور میری توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔

دانش کو دیکھ کر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا' اس کی حالت ابھی تک غیر تھی جو بری طرح سوج رہا تھا اور جا بجا نیل پڑے ہوئے تھے' وہ اپنی ٹانگ پر ٹھیک سے چلنے سے بھی قاصر نظر آ رہا تھا شاید اس کی بازیابی سے پہلے خان جابر نے اسے بری طرح اپنے تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا' دانش نے میری خاطر میرے دشمنوں کا تعاقب کیا تھا اور اب اس کی اذیتیں بھی وہ تنہا بھگت رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ آپ تو خیریت سے ہیں نا۔" ندیم کے اشارے پر دانش نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے بڑے خلوص سے مخاطب کیا "آپ کی والدہ اب کیسی ہیں؟"

"سب ٹھیک ہے لیکن تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میری وجہ سے ہوا ہے اس لیے میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں سے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے باس۔" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میری حالت جو آج ہے وہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ماسٹر ٹونی کے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اب اتفاق ہی تھا جو تاریکی میں شکار ہو گیا۔ مگر میں نے اپنے دشمنوں کو شناخت کر لیا ہے۔ دس پندرہ روز کی بات اور ہے اس کے بعد میں ان سے ایسا بھیانک انتقام لوں گا کہ ان کی روحیں بھی قبر میں سکون سے نہ رہ سکیں گی۔"

"کون تھے وہ لوگ۔۔۔؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"خان جابر کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے۔" ندیم نے درمیان میں دخل اندازی کرتے ہوئے دانش سے سوال کیا۔

"خان جابر۔۔۔" دانش کی نگاہوں میں شعلے لپکنے لگے۔ "میری خواہش ہے کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

چیل کوؤں کو کھلا دوں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری خواہش کی تکمیل کر سکوں۔"

"میں ایک بار پھر آپ کا شکر گزار ہوں سر۔" دانش نے ندیم سے کہا۔ "آپ نے بروقت مجھے موت کے منہ سے نکال لیا' اگر میں مر جاتا تو شاید میری روح بھی قیامت تک انتقام کی آگ میں جھلستی رہتی۔"

"دانش۔۔۔" میں نے پھر اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "جس وقت میرے مکان کو آگ لگائی گئی کیا خان جابر وہاں موجود تھا۔"

"میرا یہی خیال ہے باس۔"

"کیا مطلب۔۔۔" میں چونکا۔ "کیا تم نے خان جابر کا تعاقب نہیں کیا تھا؟"

"اگر وہ مجھے نظر آ جاتا تو شاید میں اس کا تعاقب کرنے کے بجائے گولیوں سے چھلنی کر دیتا لیکن شاید وہ مجمع میں کہیں چھپا تھا جو میری نظر میں نہیں آ سکا۔"

"پھر۔۔۔ تم نے کس کا پیچھا کیا تھا۔"

"بہرام کا۔" دانش نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرام۔۔۔ یہ کون ہے؟"

"بہرام خان جابر کا باپ ہے باس' بظاہر ایک دبلا پتلا اور نشہ کرنے والا افیونی لگتا ہے لیکن اونگھتے وقت بھی اس کے جسم کی ہر نگاہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہتی ہے۔" دانش نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ اور خان جابر دونوں ساتھ ہی تھے میں بہرام کے گریبان تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن عین وقت پر خان جابر نے تاک کر ریوالور کا دستہ یا پھر کوئی آہنی راڈ پشت سے میرے سر پر مارا تھا جس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔۔۔ لیکن شاید اس میں بھی میری ہی غلطی تھی۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"مجھے آپ کو فون پر آنے والے خطروں سے آگاہ کرنے سے پیشتر کم از کم بہرام کو پوری طرح قابو کر لینا چاہیے تھا۔ مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا بزرگوں نے کہا ہے کہ دیر آید درست آید۔ اب میں بہرام اور خان جابر دونوں کو کتے کی موت ماروں گا۔ بہرام کے علاوہ میں اس کے کچھ دوسرے ساتھیوں سے بھی واقف ہوں۔ وہ میرے ہتھے چڑھ گئے تو میں انہیں بھی نہیں بخشوں گا۔"

"بہرام اب کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ایسے دہشت گرد جو ہر طرف افراتفری پھیلانے کے عادی ہوتے ہیں اندر سے اتنے ہی محتاط ہوتے ہیں۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "دانش کی نظروں میں آ جانے کے بعد بہرام بھی یقیناً کہیں انڈر گراؤنڈ چلا گیا ہو گا۔"

"میں اس ولد الحرام کے بہت سارے ٹھکانوں سے واقف ہوں سر۔" دانش نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "مجھے ذرا اپنے پیروں پر کھڑا ہو لینے دیجیے اس کے بعد میں ثابت کروں گا کہ ماسٹر ٹونی کا شاگرد ہونا بھی کتنے فخر کی بات ہے۔"

"فی الحال جا کر آرام کرو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "ابھی تمہارے زخم تازہ ہیں' ان کے بھرنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

کوئی خاص وجہ تھی جو ندیم دانش کو میرے سامنے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ دانش نے ندیم کا اشارہ پا کر ایک نظر میری جانب دیکھا پھر کراہتا ہوا اٹھا اور لنگڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ میرا خون بری طرح جوش مار رہا تھا' ندیم نے میری کیفیت بھانپ لی تھی اس لیے دانش کے کمرے سے نکلتے ہی بڑے سکون سے بولا۔

"جو لوگ گرم گرم کھانے کے عادی ہوتے ہیں وہ اکثر اپنا منہ جلا بیٹھتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"صبر سے کام لو میرے دوست۔۔۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹا۔ "وقت کا انتظار کرو اور میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔ سانپ کو اس طرح مارو کہ اس کا کچومر بھی نکل جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ دانش میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔ اس کے باوجود تم مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کر رہے ہو" میرے لہجے میں شکوہ شامل تھا۔ "کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے کوئی انتقام بھی نہیں لے سکتا۔"

"وقت کا انتظار کرو جان من۔" ندیم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ابھی تمہیں ایسے بیشمار مواقع ملیں گے جب تم دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال سکو گے۔ اس وقت میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کروں گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ندیم کے آفس کا چوبی دروازہ کھلا اور وہی دبلا پتلا دراز قد آدمی اندر داخل ہوا جسے ندیم نے ماسٹر جی کا نام دے رکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ عادی افیونی اور قطعی بے ضرر سا لگ رہا تھا لیکن اس کے اندر یقیناً کچھ ایسی ہی خاص بات تھی کہ ندیم اسے دیکھتے ہی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہوں میں بالکل ویسی ہی چمک ابھری تھی جیسے کسی درندے کی نگاہوں میں کسی شکار کو دیکھ کر ابھرتی ہے۔

"کیا خبر ہے؟" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

جواب میں ماسٹر جی نے ایک نظر میری جانب دیکھا پھر ندیم کا اشارہ پا کر بولا۔

"ماسٹر۔ تمہارا کام ہو گیا ہے۔"

"گڈ۔" ندیم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "نمبر ون کا کیا بنا؟"

"وہ اب مردہ حالت میں اپنے فلیٹ کے نرم و گرم بستر پر آرام سے لیٹا ابدی نیند سو رہا ہے۔" ماسٹری نے نہایت اطمینان اور بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا اس نے زبان کھولی تھی۔"

"نہیں، لیکن اتفاق ہی تھا جو نمبرون کا ایک ساتھی بھی وہاں آگیا۔" ماسٹری نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔ "زندگی بڑی عزیز شے کا نام ہے ماسٹر اور موت ایک ایسا بھیانک تصور ہے جو بڑوں بڑوں کا پتا پانی کر دیتا ہے۔ میں نے نمبرون کو بے بس کر کے اس کے گلے میں تار کا پھندا ڈال کر کسا تو اس کی آنکھیں ابل کر حلقے سے باہر آگئیں۔ اس کا ساتھی اس وقت لرز رہا تھا پھر اس نے زبان کھولنے میں دیر نہیں لگائی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کا نام کہیں درمیان میں نہیں آئے گا۔ ہماری کامیابی کی صورت میں بڑی مچھلیاں یہی سمجھیں گی کہ نمبرون نے موت سے پہلے زبان کھول دی تھی۔"

"نمبرون کے ساتھی کا کیا نام ہے؟" ندیم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"سوری ماسٹر۔ میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا وہ نہیں توڑ سکتا۔" ماسٹری نے بدستور بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔ "البتہ میں نے اس سے یہ عہد کیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں اسے بیس ہزار کی رقم کی ادائیگی یقینی ہوگی اور وہ رقم۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" ندیم نے اپنی کرسی پر کسمسا کر جواب دیا۔ "انفارمیشن کیا ہے؟"

"ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات کو فلائٹ نمبر 613 ٹھیک بارہ اور ایک کے درمیان لینڈ کرے گی اس سے ایک مریض اترے گا جس کے لیے ائر کمپنی باقاعدہ وہیل چیئر فراہم کرے گی۔ نمبرون کے ساتھی کی اطلاع کے مطابق اس مریض کی سیدھی ٹانگ پر ران کی جگہ آپریشن کر کے اس میں کروڑوں روپے کے ہیرے اور جواہرات چھپائے گئے ہیں۔ ان جواہرات اور قیمتی ہیروں کو ایک ایسے بیگ میں رکھا گیا ہے جسے کوئی مشین ڈی ٹیکٹ نہیں کر سکتی۔"

ندیم نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ماسٹری کی اطلاع پر وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ میں نے ماسٹری کی جانب دیکھا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے پروائی سے اپنی نشست پر بیٹھا کسی الھڑنی ہی کی طرح ببنگ میں نظر آرہا تھا۔ اس نے جس انداز میں ندیم سے نمبرون کے ساتھی کا نام بتانے سے انکار کیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنی زبان کا دھنی ہے اور براہ راست ندیم کے ماتحتوں میں سے نہیں ہے۔

"کامیابی کی صورت میں بیس ہزار کی رقم کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟" ندیم نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا تو ماسٹری کے ہونٹوں پر ایک سنی خیز سی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہوتی چلی گئی۔ اس نے کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر خشک لہجے میں کہا۔

"ماسٹر۔ مجھے اس سوال کی امید نہیں تھی۔"

"کیا مطلب۔"

"ایم کے ایسے کسی گیم کو پسند نہیں کرتا جس میں ڈبل کراسنگ کا راستہ نکلتا ہو۔" ماسٹری نے سرد آواز میں کہا۔ "وہ رقم میرے حوالے کی جائے گی اور اسے صاحب معاملہ تک پہنچانا میری ذمہ داری ہوگی۔"

"گڈ۔" ندیم نے اچانک پینترا بدل کر جواب دیا۔ "مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ شاید اسی لیے میری نظر انتخاب موجودہ معاملے میں تمہارے اوپر پڑی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ تم قول اور وعدے کے پکے ہو اور ڈبل گیم کو پسند نہیں کرتے۔"

"میرے لیے اب کیا حکم ہے؟"

"تم جا سکتے ہو۔" ندیم نے کہا پھر دراز سے دس ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اسے ماسٹری کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ "یہ تم رکھ لو۔"

"کیا میں اسے بیس ہزار کی رقم کا ایڈوانس سمجھوں۔"

"نہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ بیس ہزار کی رقم تمہیں کامیابی کے بعد ادا کر دی جائے گی۔"

"شکریہ۔" ماسٹری نے رقم اٹھا کر بے پروائی سے جیب میں رکھی پھر جانے کے ارادے سے اٹھا۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ نمبرون کی لاش ابھی تک اس کے نرم و گرم بستر پر موجود ہوگی۔" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔

"کیوں۔" ماسٹری کے تیور تیکھے ہو گئے۔ "اس سوال کی کیا ضرورت تھی۔"

"غلط مت سمجھو۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں نمبرون کے ساتھی نے اس کی موت کی اطلاع اوپر تک نہ پہنچا دی ہو۔"

"ایسی صورت میں اس کا انجام بھی نمبرون سے مختلف نہ ہوگا اور تمہاری بیس ہزار کی رقم بھی محفوظ رہے گی۔" ماسٹری نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں کچے کام کرنے کا عادی نہیں ہوں، اگر ہوتا تو شاید تم میرا انتخاب بھی نہ کرتے ماسٹر۔ جاتے جاتے ایک درخواست اور کروں گا۔ دوبارہ کسی موقع پر بھی مجھے کریدنے یا ٹٹولنے کی کوشش نہ کرنا۔ ماسٹری اس قسم کی باتوں کا عادی نہیں ہے۔" پھر وہ مسکراتا ہوا پلٹا اور دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرے لیے یہ پہلا اتفاق تھا جب میں نے ندیم کو کسی کے مقابلے میں کمتر محسوس کیا تھا چنانچہ میں نے ماسٹری کے جانے کے بعد پوچھا۔

"کیا یہ تمہارے ماتحتوں میں سے نہیں ہے۔"

"نہیں، لیکن اس کا شمار ان خطرناک لوگوں میں کیا جاتا ہے

جو اپنا ہاتھ صاف رکھنے میں پوری مہارت رکھتے ہیں اور ناممکن کو بھی ممکن بنا دینے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔"

"نمبرون کون ہے؟"

"میں نے ابھی تم سے بہرام کا تذکرہ کیا تھا جس کی حیثیت بوش جوزف کے لیے کنگ ماسٹری سی تھی۔"

"آئی۔ سی۔" میں نے کسی حد تک معاملے کی نوعیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "گویا تم نے بوش کا ایک اور اہم ترین مہرہ پیٹ دیا۔"

"جرائم کی دنیا کے کھیل بھی شطرنج کی بساط کی مانند ہوتے ہیں۔" ندیم مسکرایا۔ "اس کی ہر چال بہت سوچ سمجھ کر چلنی پڑتی ہے۔ ایک ذرا سی لغزش بساط کا رخ پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔"

"لیکن بہرام کی موت سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ بوش اس بات کو تسلیم کرے گا کہ بہرام جیسا خطرناک دہشت گرد اسی کا آدمی تھا۔"

"جب تک بازی ختم نہ ہو۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ جیت کس کی ہوگی اور کون اپنی شکست تسلیم کرے گا؟" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس نے اپنے ان لسٹڈ فون (UN-LISTED) کا ریسیور اٹھایا اور اس کا مائیک آن کرنے کے بعد خاموش رہنے کا اشارہ کر کے کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی مائیک پر دوسری جانب سے گھنٹی بجنے کی آواز ابھری پھر پانچویں گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی۔

"بی جے اسپیکنگ۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ بوش جوزف نے ہی فون ریسیو کرنے کے بعد اپنے نام کا مخفف ادا کیا تھا۔

"مجھے بوش جوزف سے بات کرنی ہے۔" ندیم نے آواز بدل کر انگریزی میں کہا۔ اس کا لب و لہجہ سو فیصد کسی غیر ملکی سے ملتا جلتا تھا۔

"بول رہا ہوں۔" بھاری بھرکم آواز میں جواب ملا۔

"میں ولیم پو کر بول رہا ہوں۔" ندیم نے سنجیدگی اور نفرت کے ملے جلے انداز میں کہا۔ "مسٹر جوزف کا فرسٹ کزن۔"

"میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ہاں۔ تم غلط نہیں کہہ رہے لیکن میں نے دیدہ و دانستہ جوزف کے مرنے کے فوراً ہی بعد منظر عام پر آنے کی حماقت نہیں کی۔"

"اب جو حماقت کر رہے ہو اس کا کیا سبب ہے؟"

"جوزف کی موت کے بعد اس کا فرسٹ کزن ہونے کی حیثیت سے میں بھی اس کروڑوں کی دولت کا حصہ دار ہوں جس پر تم نے قبضہ جما رکھا ہے۔" ندیم نے حقارت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم میرے فون کرنے کا مطلب اور مقصد دونوں سمجھ گئے ہو گے۔"

"کیا تم براہ راست مجھ سے مل کر گفتگو نہیں کر سکتے؟"

"نہیں۔ اس لیے کہ میں یہ معلوم کر چکا ہوں کہ تمہارے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور تم بذات خود بھی کتنے خطرناک آدمی ہو۔"

"تمہیں میرے بارے میں کسی دشمن نے غلط اطلاعات فراہم کی ہیں۔" دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔ "تم مجھ سے ملنے کا کوئی بھی وقت اور کوئی جگہ طے کر لو، پھر میں اور تم بیٹھ کر آرام سے گفتگو کریں گے اور اگر تم حقیقت میں وہی ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو تو مجھے تمہارا حصہ دینے میں یقیناً مسرت ہوگی۔"

"سوری مسٹر بوش۔" ندیم نے بدستور غیر ملکیوں جیسے انداز میں کہا۔ "تم میرے لیے مکڑی کا جو جال بننے کی کوشش کر رہے ہو میں اس میں آسانی سے نہیں آؤں گا۔"

"پھر رقم یا حصہ کی تقسیم اور اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟" اس بار بھی بڑی معصومیت سے سوال کیا گیا۔

"میں تمہیں اس کا آسان طریقہ بتاتا ہوں۔" ندیم نے ایک لمبے کے تامل کے بعد کہا۔ "سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ میں تم سے زیادہ بڑی حیثیت کا مالک ہوں اس لیے مجھے دولت کا کوئی لالچ نہیں ہے لیکن تم نے جوزف کا جو مال ہڑپ کر رکھا ہے میں اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ حصے کی تقسیم اور اس کی ادائیگی کی صورت یہ ہوگی کہ میں تمہیں ایک رفاہی ادارے کا نام فون پر ہی بتاؤں گا اور تم کسی چوں چرا کے بغیر دو کروڑ کی رقم اس ادارے کے کھاتے میں ڈونیشن کے طور پر جمع کرا دو گے اس کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا اور تم آسانی سے باقی دولت کے سہارے عیش کرتے رہو گے۔"

"تمہاری تجویز نہایت معقول ہے لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم جوزف کے کزن ہی ہو۔" بڑے تحمل سے کہا گیا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اسی رفاہی ادارے کے کوئی فراڈ ہو اور مجھے بیوقوف بنا کر ایک کثیر رقم حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو؟"

"تم خاصے ذہین اور چالاک آدمی ہو، بالکل کسی لومڑی کی طرح، لیکن اس کے باوجود تمہیں میری تجویز پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"ورنہ تم میرے خلاف کسی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ سوچ لو، ایسی صورت میں بھی تمہیں کھل کر میرے سامنے آنا پڑے گا۔"

"اگر میں یہ کہوں مسٹر بوش کہ تم میرا اور اپنا دونوں کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہو تو۔" ندیم نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا ذاتی خیال ہوگا جس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"گویا تم شرافت سے میری بات نہیں مانو گے۔ کیوں۔"

"مسٹر ولیم پوکر۔ یا جوکر۔ یا تم جو کوئی بھی ہو اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس بار بوشن کے لہجے میں برہمی اور حقارت تھی۔ "اور میں اس بات کو پسند کرنے کا عادی نہیں ہوں کہ تم جیسے لوگوں کی بات برداشت کروں۔"

"میں اپنی تجویز کے سلسلے میں تمہارا جواب سننا پسند کروں گا۔" ندیم نے کرخت آواز میں جواب دیا۔

"دو بدو ملاقات کے بغیر میں تمہاری کسی تجویز پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔"

"ہاں' اور اگر تم میرے بارے میں واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ بوشن کی زبان سے ایک بار جو بات نکل جائے وہ پتھر پر لکیر کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ماں جو ہندو تھی اور دوسروں کے گھروں کا کام کاج کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی اس نے کس طرح جوزف کو اپنے حسن کے جال میں پھانسا تھا۔" ندیم کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔ "کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری ماں نے میرے کزن سے باقاعدہ شادی کی تھی یا تم ان کے درمیان پیدا ہونے والے ناجائز تعلقات کی نشانی ہو؟"

"شٹ اپ۔ یو سن آف اے بچ۔" بوشن گرج پڑا۔

"اوکے مسٹر باسٹرڈ۔ تمہیں بہت جلد اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ تم نے میری تجویز نہ مان کر کتنی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔" ندیم نے نفرت سے کہا پھر کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ کر مائیک آف کر دیا اور اب اس کے ہونٹوں پر ایک شریر اور معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تمہیں کسی ولیم پوکر کا کردار تخلیق کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟" میں نے ندیم سے کہا۔

"محبت اور جنگ میں بہت سے کردار درمیان میں آ جاتے ہیں۔" ندیم نے سگریٹ جلا کر ایک طویل کش لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تم چونکہ قانون کے محافظ رہ چکے ہو اس لیے جرائم کی دنیا کے پیچ و خم سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میری ایک بات یاد رکھو' اگر دشمن کو کمزور کرنا ہو تو اس کے اعصاب پر حملہ آور ہو۔" ندیم نے کہا۔ "ولیم پوکر کا کردار فرضی ہی سہی لیکن بوشن جیسے لالچی آدمی کی راتوں کی نیند حرام کر دینے میں بڑا موثر ثابت ہو گا۔"

"اور اس کے بعد۔"

"اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے بارے میں وقت سے پہلے کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ابھی تو میں نے بوشن کے ساتھ شطرنج کے کھیل میں پہلی چال چلی ہے۔"

"دوسری چال کیا ہو گی؟" میں نے وضاحت طلب نظروں سے ندیم کو گھورا۔ جواب میں ندیم نے محض مسکرانے پر اکتفا کی پھر اس نے مائیک کا ریسیور دوبارہ آن کیا اور کسی کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو' ڈی ایس پی سراج اسپیکنگ۔" دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔

"میں بوشن جوزف کا ایک عزیز بول رہا ہوں۔ ولیم پوکر۔" ندیم نے ایک بار پھر غیر ملکیوں کی آواز اختیار کر لی تھی۔

"میرے لیے کوئی خاص کام۔" سراج کے لہجے میں خنکی تھی شاید حالات کے پیش نظر وہ بوشن جوزف یا اس کے کسی عزیز کا نام سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسے علم تھا کہ بوشن کی اصلیت کیا ہے؟ کوئی دوسرا ملنے کا آدمی ہوتا تو سراج اسے اب تک کیفر کردار تک پہنچا چکا ہوتا لیکن اسے بخوبی علم تھا کہ بوشن کے تعلقات خاص طور پر وزیر قانون سے کس قدر مادر پدر آزاد ہیں۔ ایسی حالت میں سراج کے قدم کی ایک معمولی سی لڑکھڑاہٹ بھی اس کی تمام عمر کی بے داغ ملازمت کو ملیا میٹ کر سکتی تھی۔ یقیناً یہی وجہ تھی جو ولیم پوکر کا نام بوشن کے کسی عزیز کی حیثیت سے سنتے ہی اس کے لب و لہجے میں بیزاری آ گئی تھی۔

"ڈونٹ وری مسٹر سراج۔" ندیم نے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے دوستانہ انداز اختیار کیا۔ "میں بوشن کا نہیں بلکہ جوزف کا عزیز دار ہوں جس کی دولت پر بوشن عیش کر رہا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"مجھے تمہاری مجبوری کا احساس ہے لیکن میں تمہاری مدد کے بغیر بھی بوشن سے انتقام لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" ندیم کے لہجے میں کراہت آ گئی۔ "وہ ولد الحرام مجھے میرا حصہ دینے سے انکار کر رہا ہے اور میں نے طے کر لیا ہے کہ جس مقصد کے لیے میں نے ایک طویل سفر طے کیا ہے اسے پورا کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی موت ہی کیوں نہ گوارا کرنی پڑے۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم فون پر گفتگو کرنے کے بجائے۔۔۔"

"نہیں۔" ندیم نے سراج کا جملہ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "بوشن نے بھی مجھے بے نقاب کرنے کی خاطر کچھ ایسی ہی پیشکش کی تھی لیکن میں فی الحال اس وقت تک پردے کے پیچھے رہنا چاہتا ہوں جب تک اس۔۔۔ کو اس کی اوقات کا احساس نہ دلا دوں۔"

"یہ آپ کا اور مسٹر بوشن کا ذاتی معاملہ ہے اور میں۔۔۔"

"تم قانون کے محافظ ہو' ڈی ایس پی اور میں تمہیں ایک ایسی اطلاع فراہم کرنا چاہتا ہوں جس کے بعد تمہارا تعلق پیدا ہو جائے گا۔" ندیم نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہرام کا نام بھی سنا ہے تم نے؟"

"ہاں۔" اس بار سراج نے بیزاری کے بجائے دلچسپی کا

اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ایک خطرناک مجرم ہے جس کے نام پر اب تک ان گنت وارداتیں پولیس کے ریکارڈ پر ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں ملا جس کی بنیاد پر اسے گرفتار کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ۔۔۔"

"اسے بوشن جیسے ولد الحرام کی حمایت بھی حاصل ہے۔" ندیم نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب تمہیں کسی ثبوت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم چاہو تو اسی وقت بہرام کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"بہرام اس وقت ایک اکڑی ہوئی سرد لاش کی طرح اپنے فلیٹ کے بستر پر پڑا ہے۔ تم اس کی لاش کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ بہرام کے فلیٹ کی تفصیلی تلاشی لینے کے بعد تمہیں کچھ ایسے ثبوت بھی مل جائیں جو اس کے اور بوشن کے درمیان گٹھ جوڑ ثابت کرنے کے لیے موثر ثابت ہوں۔"

"بہرام کا قتل کس نے کیا ہے؟" سراج نے تیزی سے سوال کیا۔

"تمہیں صرف آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے۔" ندیم نے حقارت سے کہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "آج کی رات تم بہرام پر خرچ کر دو۔ کل میں تمہیں ایک ایسی اطلاع دوں گا جس میں اگر تم نے دور اندیشی سے کام لیا تو بوشن کو آہنی سلاخوں تک لے جانے میں تمہیں کوئی دشواری لاحق نہیں ہو گی۔"

"کیا تم قبل از وقت مجھے کوئی اشارہ دے سکتے ہو؟"

"ہاں' لیکن صرف اس حد تک کہ کل تمہیں بوشن کے ایک ایسے ایجنٹ کو گرفتار کرنا ہو گا جو اس خطہ نا تحقیق کے لیے بڑے پیمانے پر اسمگلنگ کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اسے پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ کی فل ڈوز دینے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سب کچھ اگل دے۔ تمہیں اس شخص سے گفتگو کرتے وقت کوئی خفیہ ٹیپ ریکارڈر رکھنا ہو گا تاکہ تم اس کی آواز میں اس کا اعتراف اور بوشن سے اس کا تعلق ریکارڈ کر سکو۔"

"اگر ایسا ممکن ہوا تو میں یقیناً تمہارا شکر گزار رہوں گا' لیکن ایک بات ابھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اگر تم واقعی جوزف کے عزیز دار ہو تو اتنے عرصے تک سامنے آنے سے کیوں گریز کرتے رہے۔"

"میرے ساتھ بھی وہی مجبوریاں لاحق تھیں جو تمہیں درپیش ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ٹھوس ثبوت۔" ندیم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اب میں اس حرامی سور کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کے قریب آیا ہوں لیکن اتنا قریب بھی نہیں کہ وہ معمولی سو گھ کر اپنے شکاری کتوں کو میرے پیچھے لگا سکے۔ تم شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔"

"بہرام کو قتل کرنے میں کیا مصلحت درپیش تھی۔" سراج نے پوچھا۔

"میں بوشن کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ میں اس سے کمزور نہیں ہوں۔" ندیم نے کرخت اور سفاک لہجے میں کہا۔ "بہرام کا قتل میرے پروگرام کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بوشن کے کچھ پالتو کتے میری ہٹ لسٹ پر موجود ہیں۔"

"ون منٹ۔" سراج نے بڑی جلد بازی میں کہا۔ "میرے فون پر ایک دوسری کال کے سگنل موصول ہو رہے ہیں۔ میں اسے اٹینڈ کر کے دوبارہ تم سے بات کرتا ہوں۔ لائن ڈس کنکٹ نہ کرنا۔"

"مجھے علم ہے مسٹر ڈی ایس پی کہ تم ایک ایماندار' تجربہ کار اور ذہین پولیس آفیسر ہو لیکن اتنے بھی نہیں کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔" ندیم نے سرد لہجہ اختیار کر لیا۔ "تمہاری کوشش میرا نمبر ٹریس کرنے میں کامیاب نہیں ہو گی اس لیے کہ میں ایک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔ فی الحال تم وقت ضائع کیے بغیر بہرام کے فلیٹ پہنچنے کی کوشش کرو ورنہ اگر اس جنگلی سور کو بھنک بھی مل گئی تو شاید تمام زندگی بہرام کی لاش بھی نہ تلاش کر سکو۔ کل تم سے دوبارہ گفتگو ہو گی۔ بائی' بائی۔"

ندیم نے دوبارہ ریسیور رکھ کر مائیک بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے بوشن کے اعصاب کو کمزور کرنے کے جو طریقے استعمال کیے تھے وہ اپنی جگہ درست تھے لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ بوشن جیسا صاحب حیثیت اور اثر و رسوخ رکھنے والا اتنی آسانی سے ماؤس ٹریپ میں آ جائے گا چنانچہ میں نے ندیم سے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم لانگ روٹ اختیار کرنے کے بجائے کسی شارٹ کٹ سے اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں؟"

"نہایت آسان طریقہ ہے۔" ندیم نے معصومیت سے جواب دیا۔ "میں اپنے کسی ماتحت کو بھی اس بات پر آمادہ کر سکتا ہوں کہ وہ کوئی پہلا متوقع موقع ملتے ہی ریوالور کا پورا چیمبر بوشن کے جسم پر خالی کر دے۔"

"اور پکڑے جانے کی صورت میں کیا ہو گا؟"

"مجھے آج تک میرے کسی ماتحت نے مایوس نہیں کیا۔" ندیم نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ "اول تو میرے آدمی کچا کام کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کام کے پس پردہ نتائج کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہیں۔ رہا بوشن کا معاملہ تو میں اس کی موت کے لیے کسی ایسے ہی آدمی کا انتخاب کروں گا جس کی ناکامی کے امکانات کم ہوں گے اور اگر بد قسمتی سے وہ قانون کی

نظروں میں آگیا تو پکڑے جانے سے پہلے وہ خودکشی کو ترجیح دے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ طریقہ کامیاب نہیں ہوگا۔" میں نے اپنے تجربے کی بنیاد پر کہا۔ "جو لوگ خود کو بہت اہم سمجھتے ہیں یا جرائم کی دنیا میں کوئی خاص مقام رکھتے ہیں وہ اپنے گرد و پیش سے کبھی بے خبر نہیں ہوتے۔ بھوشن نے بھی یقیناً ایسے گارڈز مقرر کر رکھے ہوں گے جو کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس کی مکمل حفاظت کا خیال رکھتے ہوں گے۔"

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نے ابھی تک کوئی آخری نتیجہ اخذ نہیں کیا۔" میں نے اپنے سینے کے اندر انتقام کی سلگتی آگ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ بھوشن اور اس کے زر خرید دہشت گردوں ہی نے سوہنی یا کومل ورما کے اکسانے پر میرے گھر کو نذر آتش کیا ہے۔ اتفاق ہی تھا جو میری ماں موت کے منہ سے بال بال بچ گئی ورنہ شاید ڈیڈی کی طرح وہ بھی طاغوتی قوتوں کا شکار ہو گئی ہوتی۔ میں ان تمام واردات‌وں کو آسانی سے فراموش بھی نہیں کر سکتا۔"

"شہباز۔" ندیم نے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے دل کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہیں انکل کی موت اور آنٹی کو پیش آنے والے حادثے سے کوئی دکھ نہ پہنچا ہوگا۔"

"میں تمہاری دوستی پر فخر کرتا ہوں لیکن..."

"تم کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور اگر میری نصیحت کے باوجود تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے تو میں بھی اس میں شامل ہونا پسند کروں گا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم تنہا کوئی قدم اٹھانے کی غلطی نہیں کرو گے۔"

"خان جابر کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے ندیم کی بات کو بڑی خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے پوچھا۔

"بہرام کی لاش کے بعد خان جابر کے جسم کے ٹکڑے وصول کرنے کے بعد بھوشن کو یقیناً کوئی خوشی نہیں ہوگی۔" ندیم کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اس کے باوجود بھوشن آسانی سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرے گا۔"

"ہمیں بھوشن کے ہار تسلیم کرنے کے بجائے اس کی بوکھلاہٹ پر زیادہ خوشی محسوس ہوگی۔" ندیم نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "تم نے کبھی بلی اور چوہے کے درمیان ہونے والا زندگی اور موت کا کھیل دیکھا ہے۔ بلی چوہے پر قابو پانے کے باوجود اسے فوری طور پر ختم نہیں کرتی۔ پنجے مار مار کر اسے اذیت دیتی ہے۔ وہ چوہے کو بھاگنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے لیکن نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی' پھر اس سے پہلے کہ اس کا شکار اس کی دسترس سے دور ہو۔ وہ دوبارہ جھپٹ کر اسے اپنے پنجوں میں جکڑ لیتی ہے۔ میں بھی بھوشن جوزف کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"دانش کا کیا بنے گا؟" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "کیا دوبارہ منظر عام پر آنے کے بعد اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

"ضرور پہنچے گا۔" ندیم نے میرے شبے کی تائید کی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کا انجام ماسٹر لی سے بھی زیادہ خطرناک اور اذیتناک ہو اسی لیے میں نے اسے فی الحال انڈر گراؤنڈ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حالات جیسے ہی سازگار ہوں گے میں اسے پہلی فرصت میں کسی دوسرے ملک کے لیے روانہ کر دوں گا۔"

"کیا طاغوتی قوتیں جو ہماری تباہی بربادی اور موت کی خواہاں ہیں وہ دانش کو بخش دیں گی؟ ماسٹر لی کو بھی اسی لیے زندگی بھر کے لیے معذور اور مفلوج کیا گیا تھا کہ اس نے میری خاطر کومل ورما کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ایسی صورت میں تو بس ایک ہی طریقہ کارباقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم اپنی کاکا رانی سے رابطہ قائم کر کے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ہمیں طاغوتی گندی اور ناپاک قوتوں سے بچنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔" ندیم کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر اٹھ کر کیبنیٹ سے باہر آگیا۔ چلتے وقت ندیم نے ایک بار پھر مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس سے مشورہ کیے بغیر بھوشن جوزف یا کسی اور دشمن کے سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کروں گا۔

***

گاڑی چلاتے ہوئے میری نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن حالات کے تانے بانے سلجھانے میں مصروف تھا۔ روپ نگر سے جو کہانی شروع ہوئی تھی وہ طول پکڑتے پکڑتے بھوشن ورما تک آگئی تھی۔ اس دوران مختلف حادثات بھی پیش آئے لیکن میں ابھی تک محفوظ تھا مگر میرے دشمن اور شیطانی قوتیں مجھے سرنگوں کرنے کی خاطر ہر طرح سے کوشاں تھیں۔ میرے والد کی اذیتناک موت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی خود سوہنی کی گندی روح نے اس کا اعتراف کیا تھا۔ اسی نے مجھے میری ماں کے بارے میں اطلاع دی تھی لیکن میں ابھی تک ماں کے سائے سے محروم نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر زاویے سے مجھے ہراساں کرنے کی خاطر اپنا گھیرا تنگ کیے جا رہی تھیں۔

جرائم کی دنیا اگر شطرنج کی بساط کی حیثیت رکھتی تھی تو میرے مقابلے میں ندیم بہت دور اندیش اور شاطر کھلاڑی واقع

پہلی محبت کے آنسو

★ اے حمید

کیا سچی محبت کرنے والے مرنے کے بعد بھی ایک دُوسرے سے ملتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا تھا کہ میں موت کے بعد بھی تمہارا انتظار کروں گا۔ تم موت کے دروازے سے گزر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی۔ دونوں ایک دوسرے کو جنون کی حد تک محبت کرتے تھے---- دونوں ایک دُوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے، لیکن ان کے درمیان زندگی کا سمندر حائل تھا۔

سچی اور پاکیزہ محبت کی ایک انوکھی داستان جسے اے حمید کے رُومان پرور قلم نے لکھا۔

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

قیمت -/250 روپے

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کی عیاشیاں

★ پروفیسر ایم اشرف ایم-اے

فاضل مصنف نے انگریزی جرمن فارسی کی متعدد کتابوں کے مطالعہ کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو قلم بند کیا ہے، اور تاریخ و حقائق کی روشنی میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔

قیمت -/75 روپے

ناشر: مکتبہ القریش اُردو بازار - لاہور 2

محفوظ تھا۔ بہرام کو ماسٹری کے ذریعے جہنم رسید کرنے کے بعد اس نے وسیم پوکر کے جس کردار کو تخلیق کیا تھا وہ ہر اعتبار سے بھرپور تھا۔ اس نے بھوش جوزف کو دوسری ضرب لگانے کی خاطر اپنے ذرائع سے جس مویش کے بارے میں ہیرے اور جواہرات اسمگلنگ کرنے کی معلومات حاصل کی تھیں وہ بھی ایک اہم کارنامہ تھا۔ وہ بھوش کے اعصاب کو کمزور کرنے کے بعد اسے ریزہ ریزہ کر کے موت سے ہمکنار کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس کی چالیں یقیناً قابل ستائش تھیں۔ بہرام کی لاش دستیاب ہونے کے بعد اس کے ذہن میں ضرور ایک کمل بجلی سی بچی ہو گی اس کے بعد کروڑوں کا نقصان ہونے کی خبر اس کے لیے ایک دھچکا ثابت ہوئی پھر خان جابر کے جسم کے ٹکڑوں کا پارسل موصول ہونے کے بعد شاید اس کے اندر ایک ہلچل بھی برپا ہو جاتی۔ وسیم پوکر کا فرضی کردار جس کے سامنے حقیقت کا رنگ اختیار کر سکتا تھا

ندیم نے اعصابی طور پر بھوش کو کمزور کرنے کا جو پلان مرتب کیا تھا وہ اپنی جگہ بھرپور تھا۔ شیطانی قوتیں ندیم کے ذہن اور میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے سے قاصر تھیں لیکن وہ بہرام کی موت اور خان جابر کے بارے میں یقیناً علم رکھتی ہوں گی اور اگر ایسا تھا تو پھر طاغوتی قوتیں بھوش کو قبل از وقت پیش آنے والے خطرات سے آگاہ بھی کر سکتی تھیں۔ ندیم کی شاطرانہ چالوں کا توڑ بھی ان گندی روحوں کے لیے کسی کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ایسی صورت میں میرے لیے کھیل کو طول دینے کا ارادہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا چنانچہ میرا ذہن کسی شارٹ کٹ کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہا تھا۔

ندیم میرا عزیز دوست تھا۔ متعدد مواقع پر اس نے اپنی زندگی کی پروا کیے بغیر میری مدد کی تھی۔ میری والدہ کو اپنی چھت کے نیچے پناہ دینے کے بعد اس نے طاغوتی قوتوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ میں اس کی مدد کے بغیر اپنے حریفوں پر کوئی کاری ضرب لگانے کا خواہشمند تھا۔ میں نے کوئل درما کو خود موت کی وادیوں میں دھکا دیا تھا لیکن پانڈے کا بیان تھا کہ وہ ابھی تک ایک پراسرار روح کی طرح کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس کے دفتر میں اپنا کام حسب معمول انجام دے رہی ہے۔ موہنی اس کے مقابلے میں زیادہ خطرناک کردار ادا کر رہی تھی۔ کاکا نے بھی یہی کہا تھا کوئل درما کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی اعتراف کیا تھا کہ شنکر کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بڑی قوتوں نے اس پر کچھ پابندیاں عائد کر دی تھیں اس لیے وہ بھی موہنی کے خلاف کوئی خطرناک اور انتقامی قدم اٹھانے سے مجبور ہے۔ اچانک میرے ذہن پر ایک پراسرار شائبہ ابھرا۔

کاکا، موہنی اور لیڈی مکارنس! میں نے سوچا کہیں یہ تینوں پراسرار کردار ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ تو نہیں ہیں جو صورتیں بدل بدل کر مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کاکا کی مجبوری کی کہانی مجھے وقتی طور پر فریب دینے کی سازش تو نہیں؟ موہنی کی طاقت کی پشت پر کون تھا؟ کاکا یا پھر لیڈی مکارنس؟

میں ابھی ذہنی حس تیز کرنے میں مصروف تھا کہ میرے ذہن میں یکلخت کمبل پوش بزرگ کا خیال ابھر آیا۔ ایک عرصے سے وہ میری رہنمائی کی خاطر سامنے نہیں آئے تھے۔ شاید وہ مجھ سے ناراض تھے اس لیے کہ میں نے ان کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل نہیں کیا تھا مگر ان کا دیا ہوا صندلی انگوٹھی کا تحفہ میری انگلی میں موجود تھا۔ یہ اسی انگوٹھی کی کرامت تھی جو شیطانی قوتیں میرے دل کا حال جاننے سے قاصر تھیں۔ کاکا کے علاوہ موہنی نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ لیڈی مکارنس نے بھی مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بھی اسی قوت کا کھوج لگانے کی خاطر میری شخصیت میں دلچسپی لے رہی ہے ورنہ ایک عام شخص کی حیثیت میں میرے اندر اپنے کوئی خاص بات نہیں تھی جو وہ اپنے قیمتی وقت کا زیاں کرتی۔

میرے ذہن میں شنکر کا تصور ابھرا جس نے داور کے مرجانے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کیا تھا اور میری ہلاکت پر مامور کیا تھا لیکن اسی صندلی انگوٹھی کی کرامت نے اسے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ کاکا نے مجھ سے کہا تھا کہ جب دو قوتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے ایک جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ شاید اسی لیے اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں اس کے خوبصورت اور حسین جسم کو ہاتھ لگانے کی غلطی نہ کروں۔ میں نے صندلی انگوٹھی کی سمت غور سے دیکھا۔ میں اس کی کرامت سے کوئی اہم کام لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ اچانک مجھے کار میں اپنے بہت قریب کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا۔ "کاکا" میرے ذہن میں کاکا کا تصور جاگ اٹھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس لیے کہ ایک لمحے بعد ہی میرے کانوں میں کاکا کی مانوس آواز گونجی تھی۔

"شہباز۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس سے کچھ زیادہ ہی بے کل ہو۔"

"کیا تم میری پریشانیوں کی وجہ نہیں جانتیں؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی اس لیے کہ ابھی تک میرے اور تمہارے دل کی گہرائیوں کے درمیان ایک سیاہ چادر تنی ہوئی ہے لیکن میرا من کہتا ہے کہ تم اس سے بھوش کے بارے میں سوچ رہے ہو۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ مت سوچو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "جب تک موہنی کی شکتی اس کی سہائتا کر رہی ہے تم اس کے خلاف کچھ نہ کر سکو گے۔ کچھ دن اور انتظار کرو۔ دیوتا اس کی شکتیاں واپس کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ موہنی کا انت (انجام) شنکر سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔"

"اور دیوی دیوتا تمہیں دوبارہ سزا دینے کی خاطر تمہارے اوپر اپنا عتاب نازل کر دیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت کاکا کا مشورہ میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکا تھا۔

"تمہارے کارن مجھے سب منظور ہے۔" اس کے لہجے میں پیار کی شدت اور جذبوں کی فراوانی تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ اگر تم نے دوبارہ دیوی دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر کوئی خطرناک قدم اٹھایا تو وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ایک مورتی کی شکل میں تبدیل کر دیں گے پھر تمہارے لیے معافی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔"

"ہاں۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" کاکا نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جواب دیا پھر حسرت بھری آواز میں بولی۔ "تمہارے پریم کے کارن میں بڑے سے بڑا بلیدان دینے کو تیار ہوں۔"

"میں اپنے ایک ایک دشمن کو چن چن کر اذیتناک موت مارنے کا خواہاں ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا تم مجھے اس کے لیے کوئی آسان راستہ بتا سکتی ہو؟"

"اس کے لیے سب سے پہلے موہنی کی شکتی کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر تمہاری آشائیں پوری نہیں ہوں گی۔"

"گویا فی الحال تم مجھے دلاسہ دینے کے علاوہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"نراش مت ہو شہباز۔ اپنی کاکا رانی پر وشواس رکھو، آج جو کالے بادل منڈلا رہے ہیں وہ کل نہیں رہیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں کاکا۔" میں نے صندلی انگوٹھی کی جانب کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے ذہن میں داور کا انجام رقص کر رہا تھا۔

"پوچھو۔"

"کیا تم مجھے اپنے درشن نہیں دو گی؟"

"آج نہیں، پھر کبھی سہی۔"

"کیوں؟ آج کیوں نہیں؟"

"آج میں اس روپ میں نہیں ہوں جس سندر روپ میں تم اپنی کاکا رانی کو دیکھنا چاہتے ہو۔" کاکا کے لہجے میں معمولی سی گھبراہٹ بھی تھی۔

"میں نے تمہیں اس روپ میں بھی پسند کیا تھا جب تم نے ناگن کی شکل اختیار کر کے شنکر کو میرے راستے سے ہٹایا تھا۔" میں نے کاکا کے لہجے کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے مجبور نہ کرو شہباز۔ آج میں تمہارے سامنے نہیں آسکتی۔"

"کوئی خاص وجہ؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر سوال کیا۔

"ہاں۔ تم نے اپنے من مندر میں جس مورتی کو سجا رکھا ہے۔ میں اسے جان بوجھ کر ختم نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اس سے میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔" کاکا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں جا رہی ہوں، لیکن بہت جلد واپس آؤں گی۔"

"کاکا۔" میں نے اسے کئی بار آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید وہ جا چکی تھی۔ میرے ذہن میں متعدد سوالات کلبلانے لگے۔

کیا کاکا کو میرے ارادے کا علم ہو گیا تھا کہ میں صندلی انگوٹھی کی کرامت کو اس پر آزمانا چاہتا تھا؟

"لیکن اگر وہ میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے سے قاصر تھی تو پھر وہ کون سا شبہ تھا جس نے اسے میرے سامنے ظاہر ہونے سے باز رکھا تھا؟"

کیا میرا خیال درست تھا کہ کاکا، موہنی اور لیڈی مکارنس ایک ہی شخصیت کے تین مختلف روپ ہیں؟

کاکا کو اتنی جلدی میں جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

میرا گھر قریب آرہا تھا۔ کاکا کے سلسلے میں میرے ذہن میں مختلف شبہات ابھر رہے تھے لیکن قبل اس کے کہ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچ سکتا۔ اجنہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اسی نادیدہ میاں کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی جسے کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت پر مامور کیا تھا۔

"میرے عزیز۔ جتنی جلدی ممکن ہو گاڑی سے اتر کر دور بھاگنے کی کوشش کرو۔"

"کیوں۔ کیا مجھے کوئی خطرہ درپیش ہے۔" میں نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔ تمہارے دشمنوں نے تمہاری تباہی کے لیے ایک جال بچھایا ہے۔"

"کوئی ٹائم بم؟"

"وقت ضائع مت کرو میرے عزیز ورنہ شاید تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"میاں صاحب (سفید ریش کمبل پوش بزرگ) شاید مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟" میں نے گاڑی کو تیزی سے سڑک کے کنارے روکتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تمہارے سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں اللہ کے اس برگزیدہ بزرگ کی خوشی کی خاطر اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"

"ضد نہ کرو میرے عزیز، اگر دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تو میں پیر و مرشد کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ کان کے پردے پھاڑ دینے والا ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کار کے ٹکڑوں کے ساتھ میں بھی فضا میں بکھر گیا تھا، پھر کیا ہوا؟ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو سکا، میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا۔

*

ایک بار پہلے بھی میرے ساتھ کچھ ایسا ہی حادثہ پیش آچکا تھا لیکن اس وقت میں قسمت سے زندہ بچ گیا تھا لیکن اس بار شاید میں موت کی ابدی نیند سو چکا تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان اس قسم کی آنکھ مچولی کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔ کبھی کوئی مزدور کسی زیر تعمیر عمارت کی آٹھویں منزل سے گرتا ہے اور اسے معمولی سی خراش بھی نہیں آتی اور کبھی اجل کا سرد ہاتھ چلتے چلتے کسی راہ گیر کی گردن پر اپنی گرفت اچانک اس قدر مضبوط کرتا ہے کہ کسی سے مدد مانگے بغیر وہ زمین پر گرتا ہے اور اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔

مجھے اپنی موت کا یقین اسی وقت آچکا تھا جب خوفناک دھماکے سے میری گاڑی کے پرزے فضا میں بکھر گئے تھے۔ میں کسی ربڑ کی بے جان گیند کی مانند اچھلا تھا پھر میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ مجھے اپنی موت کا غم نہیں تھا لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ میں اپنے دشمنوں سے خاطر خواہ انتقام نہیں لے سکا۔ میری موت کی خبر سن کر وہ یقیناً خوش ہوئے ہوں گے۔ سوہنی کی گندی آتما کو قرار آگیا ہوگا لیکن اپنی موت میں خود میرا بھی کچھ حصہ تھا۔ کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت کے لیے اجناء کے قبیلے سے جس نیک دل بزرگ دل کا انتخاب کیا تھا اس نے بروقت مجھے پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں ابھی تک اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"میرے عزیز۔ جتنی جلدی ممکن ہو گاڑی سے اتر کر دور بھاگنے کی کوشش کرو۔"

"وقت ضائع مت کرو ورنہ شاید تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"اگر دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تو میں پیر و مرشد کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

لیکن میں اس کی باتوں پر عمل کرنے کی بجائے اس سے بحث میں الجھ گیا تھا۔ میں نے اس سے میاں صاحب کی ناراضگی کا سبب دریافت کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اسے میرے اس سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے اور پھر وہ ہولناک حادثہ پیش آگیا جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔

مرنے کے بعد بھی شاید میری روح اسی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ میں اس حادثے کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا۔ وہ کسی ٹائم بم کا دھماکا ہی تھا جس نے دنیا سے میرا تعلق منقطع کر دیا تھا۔ لیکن وہ بم میری گاڑی میں کس طرح آگیا؟" میں نے سوچا۔ "شاید اس وقت جب میں ندیم سے اس کے آفس میں بیٹھا گفتگو میں مصروف تھا میرے کسی دشمن نے موقع پا کر وہ آتش گیر مادہ میری گاڑی میں کہیں خفیہ طور پر فٹ کر دیا ہوگا؟ مگر دشمن کا کوئی آدمی میری گاڑی تک کس طرح پہنچنے میں کامیاب ہو گیا؟ جہاں میں نے گاڑی کھڑی کی تھی وہ حصہ عقب کی جانب تھا اور صرف ندیم کی گاڑیوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس حصے میں باقاعدہ ندیم کے خفیہ محکمے کے افراد تعینات رہتے تھے تاکہ کوئی اس قسم کی سازشی کارروائی نہ کر سکے جس کا میں شکار ہوا تھا۔

"سوہنی۔" میرے تصور میں سوہنی کا مکروہ نام گونجا۔ یقیناً اسی نے اپنی پلید طاقت کے ذریعے سے ندیم کے کسی آدمی کو ٹریپ کیا ہوگا جس نے بے ہوشی کے عالم میں موت کے اس خطرناک ڈرامے کو رچانے میں سوہنی کا ساتھ دیا ہوگا۔ سوہنی کی گندی قوت میرے اور ندیم کے سلسلے میں کچھ کرنے سے قاصر تھی لیکن میری کسی شخصیت کو اپنی کالی طاقت کے جال میں پھانسنا اس کے لیے کوئی دشوار نہیں تھا۔ قدیر کی صورت میں اس کی گندی قوت کا تماشا دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی کسی غیبی قوت نے میری مدد کی تھی۔ صندل اور لوبان کا ایک جھونکا میرے دفتر میں داخل ہوا تھا اور وہ طلسم ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا جو قدیر کے دل و دماغ پر مسلط تھا۔

"شہباز۔"

ندیم کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں تڑپ اٹھا۔ شاید وہ میری روح کو آواز دے رہا تھا لیکن میں اس کی آواز سن سکتا تھا لیکن کوئی جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔

"شہباز۔ میرے دوست۔ آنکھیں کھولو، خدا کا بڑا کرم ہے کہ وہ تم معجزاتی طور پر بچ گئے ورنہ....." ندیم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا مگر اس بار اس نے جو کچھ کہا تھا اس سے مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ میں مرا نہیں زندہ ہوں۔

"میرا خیال ہے آپ انہیں فی الحال آرام کرنے دیں۔" ایک اور آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ "ہو سکتا ہے کہ حادثے کی دہشت ابھی تک ان کے ذہن پر مسلط ہو۔"

"ڈاکٹر۔" ندیم نے پریشانی سے سوال کیا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ میرے دوست کو کوئی اندرونی چوٹ تو نہیں آئی جس کی وجہ سے۔"

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "ہم ہر طرح سے امتحان کر چکے ہیں۔ آپ کے دوست حیرت انگیز طور پر اس حادثے سے بالکل محفوظ رہے ہیں۔"

میں شاید مرا نہیں بلکہ زندہ تھا اور کسی ہسپتال میں تھا۔

ندیم اور ڈاکٹر کی گفتگو نے میرے اور موت کے درمیان ایک خوشگوار خلیج پیدا کر دی تھی۔ میں نے آہستہ سے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ ندیم اور ڈاکٹر کے علاوہ ایک خوبصورت سی نرس بھی میرے بستر کے قریب موجود تھی۔

"شہباز۔" ندیم مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئے۔"

"میں اب چلتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "صرف رات رات کی بات ہے، صبح ہم دوبارہ معائنہ کریں گے اس کے بعد آپ اپنے دوست کو گھر لے جا سکتے ہیں۔"

"تھینکس ڈاکٹر۔" ندیم نے بڑی گرم جوشی سے کہا پھر ڈاکٹر اور نرس کے جانے کے بعد بولا۔ "میں نے منت مانی تھی کہ اگر تم بچ گئے تو سو غریبوں میں کھانا تقسیم کروں گا۔"

"تم اور.... منت۔" میں نے مدھم آواز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا، میری قوت آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔

"کیوں۔ کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"ہو تو سہی لیکن۔ تمہارے ساتھ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا مسئلہ ہے۔"

"باتیں کم کرو۔ تمہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔"

"تمہیں حادثے کی اطلاع کس طرح ہوئی تھی؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"حادثے کی اطلاع بھی مجھے میرے اسی کارندے نے دی تھی جس نے تمہاری گاڑی میں پلاسٹک بم فٹ کیا تھا۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا۔" میں حیرت سے چونک اٹھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" ندیم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس کا بیان ہے کہ ایک خوبصورت اور حسین عورت نے اسے اس تخریبی کارروائی پر مجبور کیا تھا اور وہ اس کی خوبصورتی میں اتنا کھو گیا کہ اس کی خواہش کی تکمیل سے انکار نہ کر سکا۔ پھر وہ عورت یکلخت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی اس کے بعد وہ خود بھی بھول گیا تھا کہ وہ ایک خطرناک سازش کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسری بار اسے اس وقت اپنی حماقت کا احساس ہوا جب اسی عورت کی آواز نے اسے تمہیں پیش آنے والے حادثے کی اطلاع دی اور حکم دیا تھا کہ اس کی اطلاع مجھ تک پہنچائی جائے۔"

"سوہنی۔" میں نے مختصراً اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ہو سکتا ہے وہی ہو۔"

"تمہارے آدمی کا کیا بنا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے مار دیا؟"

"پہلے تو وقتی طور پر یہی خیال میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ اس غدار کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دوں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے بس اچانک ہی سوہنی کی کمینگی کا خیال آگیا۔" ندیم نے سرد لہجے میں کہا۔ "ایک طرف اس نے تم کو اپنی گندی قوت کا نشانہ بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اس کی یہ چال تھی کہ میرے ایک کارندے کو میرے ہی ہاتھوں جہنم رسید کرا دے۔"

"مجھے ہسپتال کون لایا تھا؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"ہسپتال کے عملے کو بھی اسی کی فکر لاحق ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "تمہارا کیس ایمرجنسی کا تھا اس لیے وہ سب تمہاری طرف متوجہ ہو گئے تھے پھر تمہاری جانب سے اطمینان ہو جانے کے بعد انہیں بوڑھے کا خیال آیا لیکن وہ تمہیں داخل کرانے کے بعد وہاں موجود نہیں تھا۔"

"اور تمہیں اس ہسپتال کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے کمبل پوش بزرگ کے بارے میں سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"اس ہسپتال کی نشاندہی بھی میرے اسی آدمی نے کی تھی جو سوہنی کی سازش کا شکار ہوا تھا۔"

میں جواب میں مسکرایا تو ندیم نے بڑے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہاری مسکراہٹ کا مطلب سمجھ رہا ہوں، لیکن پریشان مت ہو۔ اب سوہنی یا تمہاری کالکا رانی کی پلید قوتیں دوبارہ میرے کسی آدمی کو اپنا غلام نہیں بنا سکیں گی۔"

"کیا مطلب۔" میں نے تعجب سے ندیم کو دیکھا۔ "کیا تم بھی کسی ایسے کالے علم کے ماہر ہو جو اپنے کارندوں کو ناقابل تسخیر بنا دو گے۔"

"تم نے سراج یا بہرام کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا۔" ندیم نے بڑی خوبصورتی سے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "سراج نے بہرام کی لاش دستیاب کر لی ہے لیکن اس کے فلیٹ کی تلاشی کی حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ بہرام کے فلیٹ میں کہیں کچھ ایسے ثبوت بھی موجود تھے جو اگر تمہارے سراج صاحب کے ہاتھ لگ جاتے تو پھر جوشی جوزف کی گردن قانون کے شکنجے میں تک پھنس سکتی تھی لیکن سوہنی یا پھر تمہاری کالکا رانی کو یہ منظور نہیں تھا۔"

"کیا مطلب۔"

"لاش دستیاب ہونے کے بعد مسٹر سراج اور ان کے کارندوں نے ضروری کارروائی کے بعد بہرام کے اکڑے ہوئے

جسم کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کردیا تھا پھر وہ فلیٹ کی تلاشی لینا چاہتے تھے کہ اچانک فلیٹ میں آگ بھڑک اٹھی اور سب کچھ جل کر راکھ ہوگیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس آگ کے شعلوں سے قرب وجوار کے کسی فلیٹ یا اس کے مکینوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"سراج کا کیا خیال ہے۔"

"سنا ہے وہ بوکھلائے بوکھلائے پھر رہے ہیں۔" مدیم نے بے پرواہی سے کہا۔ "بہرام کی لاش کی دستیابی ان کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے لیکن فلیٹ میں ہونے والی آتش زدگی نے ان کی تمام خوشی ملیامیٹ کردی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کچھ ایسا ہی حادثہ اس مریض کے ساتھ بھی درپیش آجائے جو بھوشن کے لیے ناجائز تجارت کے کاروبار میں ملوث ہے۔" میں نے ایک امکانی خدشے کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔" مدیم نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"اس یقین کی وجہ۔" میں نے مدیم کو کریدنا چاہا۔

"تم اسے میری خود اعتمادی بھی سمجھ سکتے ہو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اس مریض کے اطراف ایسا جال بن دوں گا کہ گندی قوتیں اس کا حصار نہیں توڑ سکیں گی۔ بھوشن کی خوش قسمتی ہی سمجھو کہ یہ خیال مجھے پہلے نہیں آیا ورنہ بہرام کے فلیٹ میں آگ کے شعلے بھی نہیں بھڑک سکتے تھے۔"

"مدیم، ایک بات پوچھوں۔" میں نے اسے بغور گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی روحانی قوت ہے جو تمہاری مدد کررہی ہے۔"

"میرا ایمان۔ خدا کے وجود پر میرا یقین اور اپنی مقدس کتاب کی ان آیات پر مکمل بھروسا جو ہر مرض کا موثر علاج ہوتی ہیں۔ بس اعتقاد شرط ہے۔" مدیم کے لہجے میں ایک عجیب سی نور کی روشنی موجود تھی۔ اس کی آنکھیں روشن چراغ کے مانند جھلملا رہی تھیں۔

"یہ۔ تم بول رہے ہو۔" میں نے مدیم کو حیرت سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے سراج صاحب کو ابھی تک اس حادثے کی اطلاع نہیں ملی ورنہ وہ بھاگے چلے آتے۔" مدیم پھر اپنے موڈ میں آکر بولا۔ "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ابھی تک بہرام کے فلیٹ کی تلاشی میں ناکامی کا سوگ منا رہے ہوں۔"

"کیا تم نے مریض کے آنے کی مکمل تفصیل سراج کو بتا دی ہے۔"

"اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو پورے چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔"

ہم بڑی دیر تک بھوشن جوزف کے موضوع پر بات کرتے رہے پھر نرس نے آکر مجھے سکون کی خاطر نیند کا انجکشن دیا تو مدیم صبح آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔ مدیم کے جانے کے بعد بھی میں حالات کی پیچیدگیوں میں الجھا رہا۔ بہرام کے فلیٹ میں لگنے والی آگ یقیناً انہیں مافوقی قوتوں کی شرارت تھی جو میرے اوپر عرصہ حیات تنگ کردینے کا بیڑا اٹھا چکی تھیں۔ وہ میرے دشمنوں کے لیے کام کررہی تھیں پھر بھلا ان کے خلاف کسی دستاویزی ثبوت کے وجود کو کیسے برداشت کرسکتی تھیں؟

میں خاصی دیر تک موہنی اور کومل ورما کے بارے میں سوچتا رہا پھر یکلخت میرے ذہن میں کاکا کا تصور ابھرا۔ آخری ملاقات میں میں نے اسے سامنے آنے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ گریز سے کام لیتی رہی۔ مجھے ٹالتی رہی۔ بہلاتی رہی پھر میرا اصرار بڑھا تو وہ دیوی دیوتاؤں کی پراسرار باتیں کرنے لگی اور اس کے بعد وہ اچانک رخصت ہوگئی تھی۔ شاید وہ میرے سوالات سے گھبرا کر پہلو بچانا چاہتی تھی یا پھر اجانہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے بزرگ کی آمد کا نتیجہ تھا جس نے اسے چلے جانے پر مجبور کردیا تھا۔

میرے ذہن پر آہستہ آہستہ نیند کے انجکشن کا خمار طاری ہو رہا تھا۔ میری آنکھ کے پپوٹے بوجھل ہونے لگے تھے۔ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ تازہ دم ہونے کے لیے آرام کرنا میرے لیے موثر ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے ایک طویل جماہی لی پھر کروٹ لے کر آنکھیں بند کرلیں۔ نیند کی آغوش میرے لیے کشادہ ہورہی تھی۔ ذہن کے سوچنے اور غور و فکر کی قوتیں آہستہ آہستہ معدوم ہورہی تھیں۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ اس وقت میں جاگ رہا تھا یا نیند کی شدید کیفیتوں سے دوچار تھا جب کاکا کی مانوس آواز نے مجھے میرا نام لے کر پکارا تھا۔ اس کے لب ولہجے میں اس وقت محبت کی آمیزش یا پیار اور جذبوں کی چاشنی نہیں تھی۔ وہ لہجہ بے حد سرد اور سفاک تھا۔

پھر میں نے کاکا کو دیکھا جو میرے بستر کے قریب کچھ فاصلے پر ایسے بھیانک روپ میں کھڑی تھی کہ میرے جسم میں سردی کی ایک لہر سرایت کرگئی۔ اس کی خوفناک آنکھوں سے بھیانک شعلے لپک رہے تھے۔

اس کریہہ منظر کو دیکھ کر میں نے اپنی نگاہیں پھیرنی چاہیں لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے جکڑ کر بے بس کردیا تھا۔ اس حد تک کہ میں اپنی پلکیں بھی جھپکانے سے قاصر تھا۔

کاکا کا وہ روپ اس قدر مکروہ اور ناقابل برداشت تھا کہ مجھے ابکائی سی آنے لگی۔ اس وقت کاکا کے جسم پر مجھے دو کے بجائے چھ یا شاید آٹھ ہاتھ نظر آرہے تھے اس نے اپنے ایک ہاتھ میں ننگا خنجر پکڑ رکھا تھا۔ اس کے دونوں کاندھوں پر جیسے دو خطرناک ناگ اُگ آئے تھے جو ہوا میں پھن کاڑھے لہرا رہے تھے۔ ان کی زبانیں بار بار منہ سے باہر نکل کر لپلپا رہی تھیں اور ہولناک نگاہیں میرے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ کاکا کے ہونٹوں پر

گاڑھا گاڑھا خون پھیلا ہوا تھا جیسے وہ کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ اس کی نگاہوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ اس کی رنگت اندھیرے سے بھی زیادہ سیاہ نظر آرہی تھی۔ سر پر بالوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے پھن اٹھائے ادھر ادھر بکھرے پھر رہے تھے۔

میں دم بخود کاکا کے اس ہولناک روپ کو دیکھنے پر مجبور تھا۔ میرا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا پھر اچانک کاکا نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ اس کے دانت ڈریکولا کی طرح لمبے لمبے بے ہنگم اور نوکیلے تھے۔ مجھے جھرجھری سی آگئی۔

"شہباز خان۔" کاکا کی مکروہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "اس طرح آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"کاکا۔" میں نے سہمی سہمی آواز میں جواب دیا۔ "یہ... یہ تم ہو... یا میں کوئی پریشان خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"میں کوئی سپنا نہیں حقیقت ہوں۔"

"لیکن تمہارا یہ روپ... کیا تم میری خاطر اپنا روپ نہیں بدل سکتیں۔" میں نے التجا کی۔

"کیوں؟" اس نے خون آلود ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم تو میرے پریمی ہو شہباز خان اور پریمی جسے چاہتا ہے اسے من کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ رنگ و روپ اور شریر کا سچے پیار کے آگے کوئی مول نہیں ہوتا۔"

"مگر تم اس روپ میں میرے سامنے کیوں آئی ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

"کیول تمہیں یہ بتانے کی خاطر کہ کاکا اگر تمہیں پیار کرسکتی ہے تو تمہارا خون بھی پی سکتی ہے۔"

"یہ... یہ تم کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔" وہ حقارت سے بولی۔ "یہ سچ ہے کہ میں تمہارے من کے اندر نہیں جھانک سکتی لیکن ابھی میرے پاس اتنی شکتی موجود ہے کہ میں خطرے کی بو سونگھ سکوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش مت کرو۔" وہ مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے حادثے سے پہلے میرا روپ دیکھنے کی آشائیں کیوں کی تھی؟"

"اس لیے کہ مجھے تمہارا وہ روپ پسند ہے۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "اس سے پہلے بھی میں تم سے کئی بار درخواست کرچکا ہوں۔"

"تم... میرے سندر شریر کو چھونا چاہتے ہو۔ میرے انگ انگ سے اپنے من کی پیاس بجھانا چاہتے ہو۔ کیوں؟"

"ہاں۔" میں نے اقرار کیا۔ "میں تمہارے وجود کا یقین کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ گرج اٹھی۔ "حادثے سے پہلے تمہارے من میں اپنی کاکا رانی کے لیے پیار نہیں بلکہ کھوٹ تھا۔ تم دوسروں کی طرح مجھے بھی اپنی کسی شکتی کے زور سے جلا کر راکھ کردینے کے سپنے دیکھ رہے تھے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گنگ سا رہ گیا۔ شاید اس لیے کہ کاکا اپنے جس شبے کا اظہار کررہی تھی وہ غلط نہیں تھا۔ "تم کیول ایک منش ہو شہباز خان۔" وہ بدستور مجھے حقارت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "دھرتی پر کسی نالی میں رینگنے والے اس کیڑے کی طرح جسے کوئی بھی اپنے پیروں تلے مسل کر ختم کرسکتا ہے۔ تم کاکا اور اس کی مہان شکتیوں کا مقابلہ کرنے کا دھیان اپنے من سے کھرچ کر پھینک دو ورنہ بہت گھاٹے میں رہو گے۔"

"کاکا۔" میں نے جواب میں کچھ بہانہ تراشنے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔

"میرے ساتھ چھل کپٹ سے کام لینے کی کوشش مت کرو۔ میں چاہوں تو آنکھ کے ایک اشارے سے تمہیں جلا کر بھسم کرسکتی ہوں۔ پرنتو میں من کے آگے مجبور ہوں۔ میں نے تم سے پیار کیا ہے۔ اس لیے تمہیں اس سے شما کررہی ہوں لیکن ایک بات دھیان میں رکھنا۔ اگر تم نے دوبارہ بھی اپنی کاکا رانی کو دھوکا دینے کی کوشش کی تو وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہوگا۔"

اس بار کاکا کے لہجے میں نرمی تھی۔ میں نے جلدی سے اس نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے مارنے کے لیے میرے دشمن ہی بہت ہیں۔ اگر تم نے بھی مجھ سے منہ موڑ لیا تو میں بالکل بے بس ہوجاؤں گا۔"

"نہیں۔" وہ بڑے یقین سے بولی۔ "جب تک کاکا تمہارے ساتھ ہے کوئی شکتی تمہیں جان سے نہیں مار سکتی۔"

"لیکن وہ حادثہ..." میں نے تیزی سے کہا۔ "کیا دشمنوں نے وہ چال مجھے ختم کردینے کے لیے چلی تھی؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے شہباز۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "موہنی کی پلید آتما نے تمہارے مترا (دوست) کے ایک آدمی کے دماغ پر قبضہ کرکے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی چال چلی تھی لیکن تم بچ گئے۔"

"اس لیے کہ شاید ابھی میری زندگی کے کچھ دن اور باقی ہیں۔" میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"نہیں تم کاکا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔" وہ پھر نفرت سے بولی۔ "تمہیں بچانے میں اسی شکتی کا ہاتھ ہے جو اس سے پہلے بھی تمہاری سہائتا کرچکی ہے۔"

"تم... میں ایسی کسی طاقت سے واقف نہیں ہوں۔" میں نے پھر دروغ سے کام لیا۔ "ہوسکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن۔"

"جس رات تمہیں وہ حادثہ پیش آیا تھا اس سے میں تم سے دور نہیں تھی۔ اگر کوئی اور شکتی تمہاری رکھشا نہ کرتی تو میں

تمہیں بچا لیتی۔"

"میں نے تمہیں آوازیں بھی دی تھیں لیکن تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا۔" کاکا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "حادثے سے پہلے موہنی کی شکتی تمہارے اوپر اپنا منتر کر چکی تھی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے وہاں میری موجودگی کی خبر ہو۔ اگر ایسا ہو جاتا تو شاید اس کا وار خالی نہ جاتا۔"

"کیا تم موہنی کی مہان شکتی کے سامنے آنے سے ڈرتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"تم ان باتوں کا کھوج لگانے میں اپنا سمے مت برباد کرو۔" وہ بڑی گمبھیر آواز میں بولی۔ "سمے کا انتظار کرو۔ دھیرج سے کام لو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اگر اس سے پہلے موہنی یا میرے کسی اور دشمن کی چال کامیاب ہو گئی تو......"

"وہ تمہیں تھوڑا بہت کشٹ ضرور دے سکتے ہیں مگر جب تک کاکا کی چھایا تمہارے ساتھ ہے وہ تمہیں جان سے نہیں مار سکتے۔"

"کاکا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم مجھے یہ بتا سکتی ہو کہ موہنی اور کومل ورما کا کیا چکر ہے؟"

"پانڈے نے تم سے غلط نہیں کہا تھا کہ کومل ورما اب بھی اس کے دفتر میں کام کر رہی ہے اور وہ پانڈے کے علاوہ کسی اور کو نظر نہیں آتی لیکن یہ سب نگاہوں کا فریب ہے۔ وہ جو کومل ورما کا روپ دھارے ہے وہ کوئی اور ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔ "کیا کسی دوسری آتما نے کومل ورما کے جسم پر قبضہ جما لیا ہے۔"

کاکا جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اچانک اس کی نگاہوں میں خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگیں پھر پل بھر میں وہ اپنے مکروہ وجود کو سمیٹ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اسی لمحے کمرے میں ایک اور نسوانی قہقہے کی آواز گونجی۔ میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر دیکھا۔ وہ موہنی تھی۔ وہی موہنی جسے ماسٹر ٹونی نے میرے اشارے پر کومل ورما سمجھ کر اغوا کیا تھا اور اب اس کی اذیت ناک سزا بھگت رہا تھا۔ شاید کاکا نے موہنی کی آمد کو محسوس کر لیا تھا اسی لیے وہ درمیان سے ہٹ گئی تھی۔ اس نے مجھے باور کرایا تھا کہ جب تک اسے اس کی کھوئی ہوئی شکتی واپس نہیں مل جاتی وہ موہنی کے سامنے آنے سے قاصر ہے۔

"تم نے دیکھا شہباز خان۔ تمہاری کاکا رانی میری ہوا پا کر ہی نو دو گیارہ ہو گئی۔" موہنی نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ کاکا مجھ سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کرے گی۔"

"موہنی۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ تم نے میرے بے گناہ باپ کو مار ڈالا۔ میری ماں بھڑکتی آگ کے شعلوں میں جھونکنے کی کوشش کی۔ ٹونی کو زندگی کے لیے معذور کر دیا۔ آخر کیوں؟"

"زنجن لال کی موت کے بارے میں تم کیا جواب دو گے؟" وہ نفرت سے بولی۔ "کومل ورما کے سندر شریر کو تم نے خود اپنے گندے ہاتھوں سے چھلنی کیا تھا۔ اس کی ماں بھی نردوش تھی لیکن تمہارے منتر نے اسے مکان کے ساتھ ہی بھسم کر کے رکھ دیا تھا۔"

"لیکن شروعات ہماری جانب سے نہیں ہوئی تھی۔" میں نے جواز پیش کیا۔ "دشمنی کی ابتدا شنکر نے کی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مگر تم کیوں بھول رہے ہو کہ شنکر اور پنڈت جیسی دھرم مہاراج بھی ہمارے ہی دھرم کے آدمی تھے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"فی الحال اتنا سمجھ لو کہ اگر کوئی مچھلی اپنی ڈار سے بچھڑ جائے تو بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ اسی کارن بڑے گیانی لوگوں نے کہا ہے کہ منش کو ذات پات کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھنا ضروری ہے۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس ملک سے اپنا کاروبار سمیٹ کر کہیں اور چلا جاؤں۔"

"ہاں مگر تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔"

"میں اپنی ماں کی خاطر اب تمہاری شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"اب سمے بیت چکا ہے شہباز خان۔" موہنی نے تلخ لہجہ اختیار کیا۔ "اب تمہارے بوریا بستر گول کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہم نے تمہیں گھیر کر مارنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہوں تو اس سے بھی تمہارا کریا کرم کر سکتی ہوں لیکن مہان شکتیوں نے تمہارے لیے تڑپ تڑپ کر مرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اب اس فیصلے کو کوئی شکتی نہیں ٹال سکتی۔ اذیت ناک موت مرنا تمہارے بھاگ میں لکھا جا چکا ہے۔"

"پھر اب تک تم نے براہ راست میرے اوپر حملہ کیوں نہیں کیا؟" میں ہمت کر کے بولا۔ "ہمارے بے قصور کارندوں کو نقصان پہنچانے سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟"

"من کی شانتی۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جیسی شکتیوں نے ابھی تک مجھے یا میرے منتر کو اپنی پلید شکتیوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے سلسلے میں لاچار ہو۔ تمہارے دیوی اور دیوتا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" موہنی نے ہونٹ چباتے ہوئے

نفرت سے جواب دیا۔ "ابھی ہم تم دونوں کے خلاف اپنی کوششوں میں سپھل (کامیاب) نہیں ہوئے ہیں لیکن ہم نراش بھی نہیں ہیں۔ وہ سمے بھی بہت جلد آئے گا کہ تم ہمارے چرنوں پر لوٹ لوٹ کر جیون کی بھکشا مانگو گے اور ہم تمہیں شما نہیں کریں گے۔ تمہیں اور تمہارے منتر کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا کر اپنی جیت کا جشن منائیں گے۔"

"تم شاید جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔"

"کل کا انتظار کرو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ "تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون دھرتی پر گھٹنے ٹیکنے کو مجبور ہوتا ہے۔"

"میں کل کا انتظار کرنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"آج کے بعد ہماری جنگ صرف ایک دوسرے کی حد تک محدود رہے گی۔ ہم ایک دوسرے کے نردوش لوگوں کا خون نہیں بہائیں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے فیصلہ کن آواز میں جواب دیا۔ "ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر یدھ (جنگ) میں کوئی بھی ہتھیار استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن......"

"میں جا رہی ہوں شہباز خان۔" اس نے زمین پر تھوکتے ہوئے بڑی سرد مہری سے کہا۔ "اب ہماری تمہاری جنگ دھرم کی جنگ ہو گی۔ کون جیتے گا کون ہارے گا اس کا فیصلہ آنے والا سمے کرے گا لیکن ایک بات اپنے من سے نکال دو۔ دھرم کی اس فیصلہ کن جنگ میں تمہاری کاکا کی کوئی شکتی تمہارے کام نہیں آسکے گی۔"

پھر وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ ماورائی قوتوں کی مکروہ صورتیں میری نگاہوں کے سامنے کسی سینما سکرین کی طرح آتیں پھر اوجھل ہو جاتیں۔ کاکا نے میرے سامنے آکر خوف کا اظہار کیا تھا۔ شاید وہ مجھے اپنی قوتوں سے مرعوب کرنا چاہتی تھی جو اتنا بھیانک روپ اختیار کر کے میرے سامنے آئی۔ اسے میرے دل کا حال نہیں معلوم ہو سکا تھا لیکن اسے شبہ ہو گیا تھا کہ میں نے حادثے سے قبل سامنے آنے کی دعوت کیوں دی تھی؟ اس نے مجھے اپنی طاقت کا احساس بھی دلا دیا تھا لیکن موہنی کے سامنے آنے سے پیشتر وہ غائب ہو گئی تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ موہنی کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

میں بدستور ساکت و جامد اپنے بستر پر ان گندی قوتوں کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ایک اور نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے چونک کر نظر کا زاویہ تبدیل کیا تو وہاں کومل ورما اپنے حسن و شباب کی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔

اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس مسکراہٹ میں ایک گہرا طنز بھی چھپا تھا۔

"کیوں شہباز خان۔" اس کے لبوں کو جنبش ہوئی تو فضا میں جیسے مندر کی گھنٹیوں کی آواز بج اٹھی۔

"ہاں...... تم۔" میں نے اسے حیرت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں کہ اس سے تمہاری عقل کام نہیں کر رہی ہو گی۔" اس کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "تم نے تو مجھے میری خواب گاہ میں چوہوں کی طرح چھپ کر گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ مجھے دوبارہ اسی روپ میں دیکھ کر تم حیران ہو گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک لمحے تک مجھے گھورتی رہی پھر اس کے خوبصورت ہونٹوں کو دوبارہ جنبش ہوئی۔

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔"

"کیا؟"

"تم تو خود قانون کے محافظ تھے پھر تم نے میرے اوپر وہ انیائے (ظلم) کیوں کیا تھا۔"

"موہنی اور تمہاری اصلیت جاننے کی خاطر۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر کیا کھوج لگایا تم نے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ تم دونوں ایک ہی وجود کے دو مختلف روپ ہو۔"

"نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "موہنی میری بڑی بہن ہے۔ ہاں ہم دونوں کی شکلیں اتنی ملتی جلتی ہیں کہ اکثر سورگ باشی ماتا جی بھی دھوکا کھا جاتی تھیں۔ ماتا جی یاد ہیں نا تمہیں! وہی جنہیں تمہارے دوست کے ساتھیوں نے مکان کے ساتھ جلا ڈالا تھا۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے۔" میں نے اس کے آخری جملے کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے جھوٹ بولا تھا۔" وہ نفرت سے بولی۔ "موہنی مجھ سے بڑی ہے۔ اس نے کسی کارن گھر چھوڑ دیا تھا اور نہیں چاہتی تھی کہ دنیا والے ہمارے سمبندھ سے واقف ہو سکیں۔ اسی مجبوری کی وجہ سے اس نے مجھے اور ماتا جی دونوں کو منع کر دیا تھا کہ پولیس کو بھی بات سے دور رکھا جائے۔"

"کیا قانون کی نظروں میں دھول جھونکنا تمہارے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے۔"

"پاپ اور پن کے چکر میں مت پڑو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "تمہیں مکتی مل سکتی ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ موہنی دیدی میری بات ضرور مان لیں گی۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں تمہیں صرف دو دن کا سمے اور دلوا سکتی ہوں۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اس عرصے میں تم اپنی ماتا اور حر

دونوں کو ساتھ لے کر کہیں دور چلے جاؤ۔ ہماری اس پوتر جنم بھومی سے بہت دور۔"

"اور اگر میں انکار کردوں تو.....؟"

"یہ تمہارے جیون کی سب سے بڑی بھول ہوگی۔" اس کا لہجہ سفاک ہوگیا۔ "تم نے مجھے مار ڈالا تھا لیکن میں اب بھی تمہارے سامنے اپنے پیروں پر کھڑی ہوں پر تو تمہارا کیا کرم اگر ایک بار ہوگیا تو پھر کبھی اس دنیا میں واپس نہیں آؤ گے۔"

"ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے ہاں آواگون کے مسئلے کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔" میں نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔ "ہمارا اعتقاد ہے کہ موت اٹل ہے اور اس کے لیے جو وقت اور لمحہ مقرر کردیا جاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔"

"کیا بھگوان بھی نہیں۔"

"ہمارے ہاں مٹی کے بھگوان نہیں ہوتے۔" میرے لہجے میں حقارت تھی۔

"پھر میں پورے وشواس سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہارے برے دن آگئے ہیں۔ اب دیوی دیوتاؤں کے عتاب سے تمہیں کوئی شکتی بھی نہیں بچا سکتی۔ کالکا بھی نہیں۔"

"ایک سوال میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو۔"

"اگر کالکا کی شکتی تمہارے اور سوہنی کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تو پھر تم بار بار اس کا نام کیوں دہراتی ہو؟"

"تمہیں کیول اس بات کا وشواس دلانے کے کارن کہ تم گھپ اندھیروں میں بھٹک رہے ہو۔"

"کیا تمہیں صرف یہی کہنے کی خاطر میرے سامنے آنا پڑا ہے۔"

"میں جانتی ہوں شہباز خان کہ تم مضبوط اعصاب کے مالک ہو جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اپنے اوپر تمہیں بہت گھمنڈ ہے پر تو یہ گھمنڈ بہت جلد ریت کے بنائے ہوئے سندر مکان کی طرح ہوا کے ایک جھونکے سے ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ میں جا رہی ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تمہارے جیون کے دن اب گنے چنے رہ گئے ہیں۔"

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی کومل ورما کا خوبصورت وجود بھی پلک جھپکتے میں میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ میں شاید سوتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ نیند کے انجکشن کا اثر میرے اوپر کچھ زیادہ موثر نہیں ہوا تھا ورنہ گہری نیند کی حالت میں اس قسم کی فضولیات سے دوچار نہ ہوتا۔ وہ تمام صورتیں غالباً میرے اپنے ذہن کی پیداوار تھیں جو یکے بعد دیگرے میرے سامنے نمودار ہو رہی تھیں۔ میں ان سے خوفزدہ تھا اور یہی خوف ان صورتوں کی حیثیت میں مجھے مزید ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر مجھے لیڈی کلارنس کا خیال آیا جو ابھی میرے سامنے نہیں آئی تھی مگر کیوں؟ کیا میں لاشعوری طور پر اس سے خوفزدہ نہیں تھا؟

میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے لیکن پھر صندلی خوشبو کے جھونکے نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر کردیں۔ وہ دل و دماغ کو تسخیر کرنے والی خوشبو خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کی آمد کا اعلان تھی جس میں کوئی دھوکا کوئی فریب شامل نہیں ہوسکتا۔ میں اس خوشبو کے کرشمے کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ صندل اور لوبان کی ملی جلی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ میں امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ میرا خیال تھا کہ کمبل پوش بزرگ مجھ سے خفا ہوں گے۔ میں نے ان کی باتوں پر عمل نہیں کیا تھا۔ میں نے اجتماع کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے اس مہمان بزرگ کی بات بھی نہیں مانی تھی جس نے مجھے خطرناک حادثے کی بروقت نشاندہی کی تھی۔ کمبل پوش بزرگ ہی نے اسے میری حفاظت کے لیے تعینات کیا تھا۔

اچانک وہ وقت بھی مجھے یاد آگیا جب بزرگ نے گلے سے لگا کر مجھے بھینچا تھا اور مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ غیبی قوتیں میرے جسم میں منتقل ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ قوتیں کیا تھیں؟ ان کے استعمال کا طریقہ کیا تھا؟ کیا وہ پراسرار قوتیں تھیں یا پھر کمبل پوش بزرگ نے مجھے گلے لگا کر تمام خطرات سے نجات دلادی تھی۔ ناقابل تسخیر بنا دیا تھا؟

کمرے میں کمبل پوش بزرگ کی موجودگی کے احساس ہی نے میرے حوصلے بہت بلند کردیے۔ خوف کا وہ احساس جو کچھ دیر پیشتر میرے اوپر مسلط تھا یکسر ختم ہوچکا تھا پھر میں نے بادل کے اس ٹکڑے کو دیکھا جو اچانک نمودار ہوکر نیچے کی سمت اتر رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنی نظریں جما دیں۔ بادل کا وہ ٹکڑا میرے قریب زمین پر اتر کر چکرانے لگا پھر بجلی اتنے زور سے کڑکی اور بادل اتنی شدت سے گرجے کہ میں نے سہم کر آنکھیں بند کرلیں مگر جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بادل کا وہ ٹکڑا تو غائب ہوچکا تھا اور اس کی جگہ کمبل پوش بزرگ اپنی ٹیڑھی میڑھی لکڑی ہاتھ میں لیے کھڑے مجھے قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مجھ سے سخت برہم ہیں۔ ان کی نگاہوں میں جلال کی سرخی مچل رہی تھی۔

"میرے بزرگ۔" میں نے ہمت کرکے آہستہ سے کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ آپ مجھ سے خفا ہیں۔"

"ابھی تک لنگڑا لنگڑا کر چل رہا ہے بدبخت۔" بزرگ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "زمین پر قدم جمانے کے طریقے سیکھ لے ورنہ یوں ہی اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔"

"مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے میرے محترم۔"

"کبھی بوڑھے برگد کے تنے سے لپٹ جا۔"

"میں نے پہلے بھی عرض کی تھی کہ آپ کی اشاروں کنایوں کی زبان سمجھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھ پر رحم کریں۔ وقت کے شکنجے مجھے جکڑنے کی خاطر اپنا گھیرا تنگ کرتے جارہے ہیں۔"

"مجیرے دھمال کا پاجامہ پہن کر ٹھمکا لگانا شروع کردے۔" بزرگ نے دیوانوں کی طرح اپنی داڑھی کھجلاتے ہوئے جواب دیا۔ "تانک دھنا دھن شروع کردے۔ سب دم دبا کر بھاگ لیں گے۔"

"ان کمینوں نے میرے باپ کو مار ڈالا میری ماں کو زندہ آگ کے شعلوں میں جلانے کی سازش کی ہے۔"

"خاموش رہنے کی عادت چھوڑ کر قہقہے لگانے شروع کردے۔ ایک ایک کرکے سارے پنچھی پھر پھر کرکے اڑ جائیں گے۔" بزرگ نے معنی خیز انداز میں مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "بار بار قلابازی کھائے گا تو چمگادڑ کی طرح الٹا لٹکا رہے گا تمام زندگی۔"

"میرے محترم میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ۔۔۔"

"بدبخت ناہنجار گندی نالی کے کیڑے۔ اپنے میلے لباس پر نظر ڈال اور توبہ کر۔" بزرگ کو جلال آگیا۔ "آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی خواہش ہے تو آنکھوں میں سرمہ لگایا کر۔ ورنہ کتوں کی موت مارا جائے گا۔ بھوں بھوں کرتا پھرے گا اور بچے تیرے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں گے۔"

"مجھے اپنی یہ لکڑی عنایت کردیں۔" میں نے درخواست کی۔

"مینار خاموشی (جہاں پارسیوں کے مردوں کو ڈالا جاتا ہے) کبھی دیکھا ہے۔" بزرگ نے دیدے نچاتے ہوئے سرگوشی کی۔ "نہیں دیکھا تو اب جاکر دیکھ لے۔ بھوکے گدھ مردوں کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں گے۔"

"میرے محترم۔"

"شش۔" بزرگ نے ہونٹ پر انگلی جما کر ادھر ادھر دیکھا پھر سرگوشی کی۔ "آہستہ بول بدبخت۔ اگر کسی نے آواز سن لی تو سارے گدھ ایک ایک کرکے اڑ جائیں گے۔ میری بات غور سے سن۔ ایک غلیل بنالے اور شکار کھیلنا شروع کردے۔ سب کچھ یکساں ہوجائے گا۔"

"آپ شاید ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟" میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "مجھے اپنی ناراضگی کا سبب ہی بتا دیں۔"

"مانے گا میری بات۔"

"آپ حکم دیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں سرتابی کی جرات نہیں کروں گا۔"

"کپڑے اتار کر لنگوٹ باندھ لے اور اکھاڑے میں کود کر پہلوانوں کے ساتھ پنجہ لڑانا شروع کردے۔ دو چار داؤ پیچ سیکھ لے پھر کبوتر اڑانے کی مشق شروع کردے۔ کیا سمجھا؟"

"میں ابھی بھی کچھ نہیں سمجھا۔" میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"پھر بھرا سنا کر بدبخت۔ گلاس میں ڈوب کر بےہوش ہوجا۔" بزرگ نے اس بار جلالی حالت میں مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "جب ساری دمڑی (دولت) لٹ جائے گی پھر چلم بھرا کرنا۔ حقے کی گڑگڑاہٹ پر کولہے مٹکا مٹکا کر چلنا شروع کردینا۔"

بزرگ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مجھ سے پھر خفا ہوگئے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے ابل رہے تھے۔ ایک لمحہ تک وہ مجھے گھورتے رہے پھر نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے گھٹن کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ میرا گلا پیاس کی شدت سے خشک ہو رہا تھا۔ میں نے نرس کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ اس نے میرے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی۔ پانی کا پورا گلاس ختم کرنے کے بعد میرے دل کی دھڑکنیں بتدریج کم ہونے لگیں۔

"آپ سوئے نہیں۔" نرس نے کہا۔ "حالانکہ ہم نے ڈاکٹر کی ہدایت پر آپ کو سکون پہنچانے کی خاطر نیند کا ڈبل ڈوز دیا تھا۔"

میں نے نرس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور کمبل پوش بزرگ کے جملوں کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہوگیا۔ پھر کب میں سوچتے سوچتے نیند کی کیفیت سے دوچار ہوا۔ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔

دوسری صبح میں نیند سے بیدار ہوا تو ندیم کے علاوہ سراج بھی میرے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتا کیا پھر سراج کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی خاص بات۔ آپ اس وقت بہت سنجیدہ نظر آرہے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سراج نے اپنی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "حالات نے ایک نئی کروٹ لے لی ہے۔"

"کیا بھوشن جوزف نے آپ کے خلاف پھر کسی کمینگی کا ثبوت دیا ہے؟"

"مجھے میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔" سراج نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں اس وقت سیدھا اسی کی طرف سے آرہا ہوں۔ جانتے ہیں اس نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے مسٹر سراج کہ میں کل سے ہسپتال میں ہوں۔"

"اس نے مجھے ایک لکڑی کا صندوق دکھانے کی غرض سے طلب کیا تھا۔" سراج نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"جانتے ہیں اس صندوق میں کیا تھا؟ خان جابر کی لاش کے ٹکڑے جو اس کے بیان کے مطابق اسے صبح صبح اپنے بنگلے کے عقبی دروازے پر رکھا ہوا ملا تھا۔"

ندیم جو اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا خان جابر کا نام سن کر اس طرح چونکا جیسے اسے ذاتی طور پر بھی خان جابر سے کوئی پرخاش رہی ہو۔ میں دل ہی دل میں ندیم کی اس بھرپور اداکاری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"خان جابر....." اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سراج سے کہا۔ "اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو شاید خان جابر ایک شہرہ پشت بدمعاش اور دہشت گرد تھا جو پولیس کو بہت عرصے سے درکار تھا۔"

"جی ہاں۔ آپ کی معلومات اس سلسلے میں غلط نہیں ہیں۔" سراج نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ جب سے سراج کو اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ ندیم ہی کی شکایت پر اسے مسز سلیمان شاہ کی جانب سے محتاط رہنے کی وارننگ ملی ہے وہ ندیم سے کچھ اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔

"مسٹر سراج۔" میں نے جلدی سے سراج کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں اس میں بھی خود بھوشن کی کوئی چال نہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" سراج نے کہا۔ "اس نے مجھ کو براہ راست فون کر کے خان جابر کی بازیابی کے احکامات دیے تھے اور اب اسی کے گھر سے خان جابر کی لاش کے ٹکڑے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ممکن ہے اس نے پولیس کو الجھانے کی خاطر ڈبل گیم پلے کیا ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" ندیم نے پھر بڑی معصومیت سے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے خان جابر بھی بھوشن ہی کے لیے کام کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں بھلا بھوشن اسے خود اپنے ہاتھوں سے..... بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ رہے ہیں کہ وہ بھوشن کے لیے کام کر رہا تھا۔" سراج نے ندیم کو گھورا۔

"یہ میرا خیال ہے اور خیال کے اظہار کو ابھی تک قانون کی گرفت میں لینے کی خاطر کوئی قانونی شق وضع نہیں کی گئی۔" ندیم نے اس بار سپاٹ آواز میں کہا۔ "آپ تو بہرحال جانتے ہیں کہ میرا تعلق کس کاروبار سے ہے اور اس کاروبار سے تعلق رکھنے والے کو اپنی لائن کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ضرور ہوتی ہیں۔"

"اور ان کے تعلقات بھی بہت اوپر تک ہوتے ہیں۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے ندیم کو گھورا۔

"رکھنے پڑتے ہیں مسٹر سراج۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ایسا نہ ہو تو ہم جیسے شریف لوگ ایک دن بھی اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں فی الحال اپنے خیال کا اظہار نہیں کر سکتا۔" سراج کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"مسٹر بھوشن نے خان جابر کی لاش کے بارے میں کسی شے کا اظہار کیا ہوگا۔" میں نے جلدی سے سراج کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

"جی نہیں۔ وہ ابھی تک کوئی بیان دینے سے کترا رہا ہے۔ اس نے اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ کبھی اس نے مجھے فون کر کے خان جابر کے لیے کوئی ہدایت کی تھی۔"

"آئی سی' پھر تو اس چال میں بھی بھوشن ہی کی کوئی گہری سازش معلوم ہوتی ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔

"کل ایک اور واقعہ بھی پیش آ چکا ہے۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "خان جابر کی طرح بہرام نامی ایک دہشت گرد بھی پولیس کی لسٹ پر تھا لیکن کل وہ بھی اپنے فلیٹ میں مردہ پایا گیا۔"

میں اس طرح چونکا جیسے بہرام کا نام بھی میرے لیے نیا ہو پھر میرے اصرار پر سراج نے کم و بیش وہی کہانی سنائی جو میں ندیم کی زبانی بڑی تفصیل سے پہلے ہی سن چکا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ خان جابر اور بہرام کی موت ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہوں۔"

"قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن پولیس اپنا کام پوری تندہی سے انجام دے رہی ہے۔" سراج نے کہا پھر ندیم کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب صرف ایک شخص میری لسٹ پر اور رہ گیا ہے اگر ہم اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر بھوشن کو دنیا کی کوئی طاقت قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی۔"

"کیا وہ شخص بھی بھوشن ہی کا کوئی کارندہ ہے۔" میں نے معصومیت سے دریافت کیا۔

ندیم نے پھر اخبار کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ محویت کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے قطعی لاتعلق ہو گیا تھا۔

"سوری مسٹر شہباز۔" سراج نے ندیم پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں فی الحال اس سلسلے میں زبان کھولنے سے قاصر ہوں اس لیے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"دانش کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع ملی؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی تک پولیس دانش کا بھی کوئی سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"مسٹر سراج۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ گھن کے ساتھ گیہوں بھی پس گیا ہو؟ میرا مطلب ہے کہ ہماری اطلاع کے مطابق خان جابر اس وقت میرے گھر کے قریب ہی تھا جب اس میں آگ لگی تھی۔ دانش بھی اس دن سے لاپتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خان جابر کے تعاقب میں گیا ہو اور..... خان جابر اور بہرام کی طرح دانش کو بھی ٹھکانے لگا دیا گیا ہو۔"

"جہاں قانون کی بالادستی حاصل نہ ہو وہاں سب کچھ ممکن ہے لیکن ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

سراج کچھ دیر بعد چلا گیا۔ ندیم بھی ابھی تک اسی انہماک سے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا جیسے اسے سراج کی جانے کی بھی مطلق خبر نہیں ہو سکی۔

"اب یہ اداکاری چھوڑو اور کام کی کچھ بات کرو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔

"کام کی اب صرف ایک ہی بات رہ جاتی ہے۔" ندیم نے اخبار رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں اب یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارے سراج صاحب کو اس مریض کے بارے میں اطلاع دی جائے یا نہیں جو اسٹری کی اطلاع کے مطابق آج رات پہنچ رہا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں سراج کی ایمانداری اور اس کی صلاحیتوں کا یقین نہیں ہے۔"

"بات ایمانداری اور صلاحیتوں کی نہیں ہے بلکہ ان کالی طاقتوں کی ہے جو ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں۔"

"پھر۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی کسی نہ کسی صورت میں اس وقت ائرپورٹ پر موجود رہنا ہوگا جب تمہارے سراج صاحب مطلوبہ مریض کو گرفتار کریں۔"

"فائدہ۔"

"اگر ہماری اطلاع کے مطابق وہ مریض اتنا ہی اہم ہے کہ اس کا بیان بھوشن کو پھنسوا سکتا ہے تو بھوشن یا اس کے خاص کارندے ائرپورٹ پر کسی ہنگامی حالت پر بچانے کے لیے ضرور موجود ہوں گے۔"

"کیا ہمارے علاوہ تمہارے کچھ آدمی ہوں گے؟"

"اس کا جواب تمہیں ائرپورٹ پر ہی ملے گا لیکن ہمیں وہاں میک اپ میں چلنا ہوگا۔"

ڈاکٹر کے آ جانے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس نے معائنے کے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت دے دی اور میں ندیم کے ساتھ ہسپتال سے رخصت ہو گیا۔ راستے میں ہمارے درمیان اسی اہم مریض کی باتیں ہوتی رہیں جو بھوشن کے تابوت میں آخری کیل بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

***

میں دوسرے روز دو پہر کو آفس جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ میں نے دانش کو فون کر کے اپنے لیے دوسری گاڑی منگوا لی تھی۔ گزرے ہوئے حادثے اور رات بھر ہسپتال میں میرے ذہن پر جو کچھ بیتی تھی اس کا ردعمل ابھی تک میرے دل و دماغ پر طاری تھا۔ کالکا' موہنی اور کومل ورما کا یکے بعد دیگرے میرے سامنے آنا الجھے ہوئے ذہن کی پیداوار بھی ثابت ہو سکتا تھا لیکن کمبل پوش بزرگ کی آمد کوئی واہمہ نہیں تھی۔ ان کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد جب میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا اس وقت بھی صندل اور لوبان کی ملی جلی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کی آواز محض ایک اتفاق نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً مجھے ڈھکے چھپے لفظوں میں میری رہنمائی کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ میں ان کے جملے ایک ایک کر کے یاد کرتا رہا پھر جیسے کسی اندرونی قوت نے میرے ذہن کو روشن کر دیا۔ بزرگ کے کہے ہوئے دو جملے گنبد کی صدا کی طرح میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کپڑے اتار کر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں چھلانگ لگا دوں اور پہلوانوں سے پنجہ لڑانا شروع کر دوں۔ غلیل بنا کر شکار کھیلنا شروع کر دوں۔ یہ جملے کسی مجذوب کی بڑ نہیں تھے کمبل پوش بزرگ نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے تلقین کی تھی کہ میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کروں۔ ان سے خوفزدہ ہونے کے بجائے ان کو اپنی قوت بازو کا احساس دلاؤں۔

میرے ذہن میں گرم آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ پھر میں نے اپنی گاڑی کا رخ اچانک پانڈے کی کنسٹرکشن کمپنی کی جانب موڑ دیا۔ پانڈے اس وقت اپنے دفتر ہی میں تھا۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے پانڈے کے دفتر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گرد آیت الکرسی کا حصار باندھ لیا تھا۔ اس لیے مجھے مادیہ قوتوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"آپ۔" پانڈے نے مجھے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔" میں نے پانڈے کے کہے بغیر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ دوبارہ میرے دفتر آنے کے بجائے فون پر گفتگو کریں گے۔" پانڈے کے لہجے میں خوف و ہراس کا ملا جلا رنگ جھلک رہا تھا۔

"مجھے یاد ہے لیکن اس وقت مجھے جو کام درپیش ہے وہ فون پر نہیں ہو سکتا تھا۔"

"مگر..... وہ....."

"آپ پریشان مت ہوں پانڈے جی۔" میں نے اس کی

بوکھلاہٹ کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "کومل ورما کو صرف یہاں میری آمد کا علم ہو سکتا ہے۔ ہمارے درمیان جو باتیں ہوں گی وہ انہیں نہیں سن سکے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ـــ" پانڈے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ شاید مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا آپ کو پورا وشواس ہے کہ کوئی تیسرا ہماری باتیں نہیں سن سکے گا۔"

"آپ پہلے بھی دو بار اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔"

"ہاں۔ مگر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اگر آپ آئیں تو میں آپ سے ملنے سے انکار کر دوں۔"

"میں دراصل آپ کو شہر کے دو دہشت گردوں کی موت کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔" میں نے پانڈے کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے آپ کو ابھی اس کا علم نہ ہوا ہو لیکن خان جابر اور بہرام دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔ شاید اب بھی ان کی لاشیں پولیس ہسپتال کے مردہ خانے میں پڑی ہوں۔"

"آپ ـــ آپ بہرام کے بارے میں مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

"اوہ ـــ" میں مسکرایا۔ "کیا آپ بھی بہرام کے نام سے کسی نہ کسی طرح واقف ہیں؟"

"مسٹر شہباز۔" پانڈے نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا آپ کو پورا وشواس ہے کہ وہ حرامزادہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"آپ اس کا نام سن کر گھبرا کیوں گئے پانڈے جی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں دریافت کیا۔ "آج مجھے پچاس ہزار کی ادائیگی کرنی تھی۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"اس نے موہنی کا حوالہ دے کر مجھ سے رقم تیار رکھنے کو کہا تھا۔"

"کیا وہ آپ سے براہ راست ملا تھا؟"

"نہیں۔ ہمارے درمیان فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"بہرام کا فون موصول ہونے کے بعد سے اب تک کیا موہنی نے آپ کو دوبارہ فون نہیں کیا۔"

"مجھے خود بھی اس بات پر تعجب ہو رہا ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "اگر آپ کے بیان کے مطابق بہرام نرکھ سدھار گیا ہے تو موہنی کو اس کی اطلاع بھی ضرور دینی چاہیے تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب وہ نئی چال چلنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" پانڈے نے کہا پھر جلدی بولا۔ "آپ اس سے کیا مجھے صرف بہرام کی موت کی اطلاع دینے آئے تھے۔"

"نہیں ـــ" میں نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کومل ورما ابھی تک آپ کے ساتھ کام کر رہی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" پانڈے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"پریشان مت ہوں پانڈے جی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں اسے صرف دیکھوں گا کوئی بات نہیں کروں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے مجھے وشواس دلایا تھا کہ میرے سوا اسے کوئی اور نہیں دیکھ سے گا۔"

"آج ایسا نہیں ہو گا۔" میں نے کمبل پوش بزرگ کو یاد کرتے ہوئے پورے یقین سے جواب دیا۔

"ایک بار پھر سوچ لیجیے مسٹر شہباز۔" پانڈے نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "اگر اس نے آپ کو دیکھ لیا تو پھر ہم دونوں میں سے کسی ایک کی موت نشچت ہو گی۔ آپ شاید بچ جائیں لیکن وہ مجھے کبھی شما نہیں کرے گی۔"

"موت اور زندگی خدا یا بھگوان کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔ "ہماری قسمت میں جو بھی لکھا جا چکا ہے اسے دنیا کی کوئی اور طاقت نہیں مٹا سکتی۔"

پانڈے ابھی کوئی آخری فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے گھبرا کر ریسیور اٹھایا پھر دوسری جانب سے اسے کوئی ایسا ہی پیغام ملا تھا جسے سن کر اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ وہ خاموشی سے ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر جب اس نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا تو اس کے ہاتھ کسی خطرے کی وجہ سے لرز رہے تھے۔

"مسٹر شہباز۔" اس نے ریسیور رکھ کر میری جانب دیکھا پھر بڑے خشک اور سرد لہجے میں بولا۔ "میں بنتی کروں گا کہ آپ میرے دفتر سے چلے جائیں اور دوبارہ کبھی مجھ سے کوئی سمبندھ نہ رکھیں۔"

"موہنی۔" میرے ذہن میں موہنی کا نام کسی نیون سائن بورڈ کی طرح چمکنے لگا۔ میں نے پانڈے کی مجبوری کو محسوس کرتے ہوئے اس سے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ خاموشی سے اس کے دفتر سے باہر نکلا اور نیچے جانے والے زینے کی سمت جانے کے بجائے دائیں جانب مڑ گیا جہاں ایک دروازے پر اسی وقت بھی کومل ورما کی تختی آویزاں تھی۔

میں پنجے کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ مایوسی کی حالت میں میں واپسی کے ارادے سے مڑا ہی تھا کہ میرے ذہن میں ایک مانوس آواز ابھری۔

"میرے عزیز۔ دوبارہ پلٹ کر غور سے دیکھو۔ وہ جس کی خاطر تم یہاں تک آئے ہو تمہاری نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں رہے گی۔"

میں دھڑکتے ہوئے دل سے پنجوں کے بل گھوما پھر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ کومل ورما جس کے خوبصورت جسم کو میں نے کبھی گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اس وقت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھی سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھی۔ شاید اسے کمرے میں اپنے سوا کسی دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

"میرے عزیز۔ وقت مت ضائع کرو۔ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو ورنہ تمہیں پھر پچھتانا پڑے گا۔"

یہ وہی آواز تھی جس نے کار والے خوفناک حادثے سے پیشتر مجھے آگاہ کیا تھا۔ میں نے اس وقت مزید کوئی بات مناسب نہیں سمجھی۔ خدا کا نام لے کر مندلی انگوٹھی کو بوسہ دیا پھر آگے بڑھ کر اسے کومل ورما کے جسم سے لگا دیا۔ وہ جذباتی انداز میں چیخی تھی لیکن اس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ دادور کی طرح اس وقت کومل ورما کا حسین جسم بھی شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

میرا خیال تھا کہ کومل ورما کی چیخ کی آواز دفتر کے دوسرے لوگوں نے بھی سنی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں تیزی سے پلٹا اور زینے طے کرتا ہوا نیچے آ کر اپنی کار میں بیٹھ کر دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ موہنی کی روح کومل ورما کے انجام سے بے خبر نہیں ہو گی اور مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مگر یہ بھی میری خوش فہمی تھی۔ میں اپنے دفتر میں داخل ہوا تو موہنی وہاں پہلے سے ایک کرسی پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"میں تمہیں کومل ورما کی موت پر مبارکباد دیتی ہوں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تم نے اچھا نہیں کیا۔ وہ میرے شریر کا دوسرا حصہ تھی۔ تم نے اسے جلا کر راکھ کر دیا پر جواب جو کچھ ہو گا وہ بڑا بھیانک ہو گا۔"

"تم نے میرے والد کو مار ڈالا۔ میری ماں کو زندہ جلانے کی کوشش کی۔ اب اس سے زیادہ بھیانک اور کیا ہو گا۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم اتنے اونچے سروں میں کیوں بول رہے ہو۔" اس نے کالکا کی شان میں بڑی گندی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "اسی نے تمہیں بتایا تھا کہ جب ایک شکتی دوسری شکتی سے ٹکراتی ہے تو کمزور شکتی جل کر خاک ہو جاتی ہے۔"

"پھر تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ میری قوت تم سے زیادہ ہے۔" میں نے فاتحانہ انداز اختیار کیا۔ "کیا اب بھی تمہاری گندی آتما میرا راستہ کھوٹا کرنے سے باز نہیں آئے گی۔"

"یہ سچ بات ہے شہباز خان مگر اب تمہارا جادو نہیں چل سکے گا۔" اس نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی شکتی کا پرکاش کر چکے اب ہماری باری ہے۔"

"جب تم غصہ کرتی ہو تو اور حسین اور سندر نظر آنے لگتی ہو۔" میں اسے والہانہ نظروں سے دیکھ کر مسکراتا ہوا اٹھا۔ "میں اسے بھی کومل ورما کی طرح جلا ڈالنا چاہتا تھا۔"

"مجھ سے دوری رہو شہباز خان۔" وہ غصیلے انداز میں بولی۔ "میرے شریر کو ہاتھ لگانے کا تمہارا سپنا کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اب ہمیں تمہارا کیا کرم کرنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرنا ہو گا۔"

"کیا ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔" میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اگر کالی کے چرنوں میں اپنی ماتا کی بلی (قربانی) دینے کو تیار ہو جاؤ تو پھر ہم ایک دوسرے کے مترا بھی بن سکتے ہیں۔ بولو کیا تمہیں یہ شرط منظور ہو گی۔"

موہنی کا جواب سن کر میرے ذہن میں آگ لگ گئی۔ میں تیزی سے اس کی جانب لپکا لیکن وہ پلک جھپکتے میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ "کیا ماورائی طاقتیں مندلی انگوٹھی کے راز سے واقف ہو گئی ہیں؟"

دفتر میں میری آمد کی اطلاع پا کر دوسرے اسٹاف کے لوگ بھی میری خیریت دریافت کرنے آ گئے لیکن ان میں عارفہ نہیں تھی۔ اپنے آفس میں داخل ہوتے وقت میں نے اسے اس کے کیبن میں بیٹھے دیکھا تھا۔ پھر اس نے میری خیریت دریافت کرنے کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی۔ کیا وہ مجھ سے خفا تھی؟ مگر کیوں؟" دوسرے تمام اسٹاف کے جانے کے بعد میں ابھی عارفہ کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ انٹرکام کا بزر بجا۔

"یس۔" میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"سر ـــ سر سلیمان شاہ کا فون آپ کے لیے صبح سے دو مرتبہ آ چکا ہے۔" عارفہ نے بتایا۔ اس کے لب و لہجے سے اس کی خفگی کی وجہ جان گیا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ ماہ رخ سے اتنی الرجک کیوں ہے؟ اس نے ایک بار پہلے بھی مجھ سے کھل کر ماہ رخ کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ اس روز مجھے اس کی باتوں کے اندر ایک لطیف سا حسد کا جذبہ محسوس ہوا تھا لیکن میں اسے ٹال گیا تھا مگر آج میں نے سنجیدگی سے عارفہ کے بارے میں غور کیا۔ وہ میری اسٹینو تھی۔ میری سیکریٹری تھی اس لیے دوسروں کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ قریب رہتی تھی۔ اسے مجھ سے انس تھا لیکن شاید اس انس کے پیچھے محبت کا جذبہ بھی کارفرما تھا جس کا شبہ مجھے اس دن ہوا جب اس نے ماہ رخ کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور آج شاید

وہ جذبہ رقابت کی اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ میری خیریت دریافت کرنے بھی نہیں آئی تھی۔ میں سنجیدگی سے عارفہ کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک باکردار لڑکی تھی۔ صورت شکل کے اعتبار سے بھی اسے خوبصورتی کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا تھا۔

مجھے امی کا خیال آیا۔ وہ ادھر متعدد بار مجھ سے شادی کا تقاضہ کر چکی تھیں۔ انہوں نے کھل کر یہاں تک کہا تھا کہ اگر مجھے ذاتی طور پر کوئی لڑکی پسند ہے تو وہ اسے بھی بحیثیت بہو قبول کرنے کے لیے خوشی خوشی تیار ہیں۔ جواب میں میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ میں ابھی تک کسی کی زلف کا اسیر نہیں ہوا ہوں مگر اس وقت میں نے عارفہ کے بارے میں غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے دل کے اندر سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے۔ میں اپنی لاعلمی پر مسکرا دیا۔

"سر۔" عارفہ کی خنک آواز دوبارہ ابھری۔ "کیا محترمہ ماہ رخ صاحبہ سے لائن ملا دوں۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" میں نے پہلی بار قدرے بے تکلفی کا اظہار کیا۔

"میں آپ کی سیکریٹری ہوں سر۔" وہ بدستور سنجیدہ تھی۔ "آپ کے حکم کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔ اس لیے میرے چاہنے نہ چاہنے سے بھلا کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"

"مس عارفہ۔"

"آپ نے مجھے بتایا بھی تھا سر کہ ایک کاروباری ادارے کے مالک ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے اونچی سوسائٹی اور ہائی سرکل کے لوگوں سے تعلقات رکھنا کس قدر اہم ہے۔" وہ میری بات سنے بغیر بولی۔ "بڑے لوگوں سے تعلقات ہوں تو وہ آڑے وقتوں میں بے حد کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔"

"کیا آپ اس وقت مصروف ہیں؟"

"کوئی حکم؟"

"ذرا میرے کمرے میں تشریف لائیے۔"

دو منٹ بعد وہ میرے کمرے میں ہاتھ میں نوٹ بک اور پنسل لیے داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اس وقت معصومیت اور خفگی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ میں نے اسے پہلی بار غور سے دیکھا۔ وہ حسین کہے جانے کی مستحق تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا سر۔" وہ میری محویت کو محسوس کر کے بولی۔ اس کا انداز ماتحتوں جیسا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" میں نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو وہ جھجک یا سرکتے ہوئے بیٹھ گئی۔ "مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ آرڈر کریں سر۔"

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھ سے غلط بیانی نہیں کریں گی۔" میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"میں نے آج تک یہی کوشش کی ہے کہ آپ کے احکام کو کوئی ٹھیس نہ پہنچ پائے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ آج کل آپ اپنے کام میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔" میں نے باس بن کر کہا۔

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔" وہ متذبذب سی ہو گئی۔

"اور اگر میں آپ کی معافی کی درخواست رد کر دوں تو۔؟"

"تو آپ مجھے ملازمت سے برطرف بھی کر سکتے ہیں۔"

"آپ نے یہ نہیں دریافت کیا کہ آپ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے؟"

"اگر آپ نے کوئی بات محسوس کی ہے تو میں اس کی صفائی نہیں پیش کروں گی۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ اس کی پلکوں کے گوشے نمناک سے ہو رہے تھے۔ اس کی معصومیت کچھ اور جاذب نظر ہو گئی۔

"آپ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے کہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔" میں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"میں ــــ کبھی نہیں سر ــــ" اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

"آپ نے میرے بارے میں جو اندازے قائم کیے ہیں وہ قطعی بے بنیاد ہیں۔" میری آواز میں اپنائیت تھی۔

"بھلا آپ کے سلسلے میں کوئی اندازہ قائم کرنے کا حق کہاں؟"

"پلیز مس عارفہ۔" میں نے اسے ٹوکا پھر کرسی پر پہلو بدل کر بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "مجھے گھما پھرا کر بات کرنے کا سلیقہ نہیں آتا اس لیے اگر آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ آپ پورے دفتر میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ اس کی خفگی کے تاثرات یکلخت ہی کائی کی طرح چھٹ گئے تھے۔

"آپ کو میری صاف گوئی بری تو نہیں لگی۔"

"جی نہیں۔" اس نے شرماتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ایک درخواست اور کروں گا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک بار چل کر میری امی سے مل لیں۔"

"جی۔" وہ چونک اٹھی۔

"اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کے بعد سے آپ مجھ سے ایک دوست کی حیثیت سے ملیں گی۔" میں نے اس کے چہرے کے دھنک رنگوں کو بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رہا ماہ رخ کا سوال تو میں اس سے ایک کاروباری ضرورت کی خاطر ملتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلے میں مجھے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔"

وہ میری باتوں کا مفہوم بھانپ گئی۔ اس لیے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف دراز پلکیں اٹھا کر مجھے بڑے پیار سے دیکھا پھر جلدی سے اٹھی اور باد صبا کے مست خرام جھونکے کے مانند کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں کچھ دیر تک عارفہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر دفتری کاموں میں مصروف ہو گیا۔

شام کو ٹھیک چھ بجے میں دفتر سے اٹھ گیا۔ امی کو میرا انتظار تھا۔ قدرت کے کرشمے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر انسان اسی خدائے بزرگ و برتر کے اشارے پر چلتا ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں دوپہر میں عارفہ سے کھل کر بات کر چکا تھا اور گھر پہنچ کر لباس تبدیل کر کے ناشتے کی میز پر بیٹھا ہی تھا کہ امی نے میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ میز پر میرے علاوہ ندیم بھی تھا جو کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

"شہباز۔" امی نے مجھے مخاطب کیا۔ "کیا تو میری زندگی کی آخری خواہش کبھی پوری نہیں کرے گا۔"

"امی۔" میں چونکا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"غلط مت سمجھو۔" وہ ممتا کے جذبوں سے سرشار ہو کر مسکرائیں۔ "میں تمہارے سر پر سہرا دیکھنے کی بات کر رہی تھی۔"

"وہ تو آج ہی ممکن ہے لیکن شاید آپ کو وہ لڑکی پسند نہ آئے جسے شہباز نے پسند کیا ہے۔" ندیم نے جلدی سے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ آخر ایسی کیا بات ہے؟" امی نے سوال کیا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے امی۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس نے دراصل اپنے لیے جو لڑکی پسند کی ہے وہ کرسچین ہے۔ اس کا خیال ہے کہ پہلے اسے مشرف بہ اسلام کر کے عیسائیت ختم کرا دے۔ اس کے بعد آپ سے ملوائے لیکن لڑکی کا کہنا کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا کہتی ہے؟" امی نے ندیم کی بکواس کو سچ سمجھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ نکاح دو حصوں میں ہو گا۔" ندیم بدستور سنجیدہ تھا۔ "پہلا حصہ کسی چرچ میں پادری کے ہاتھوں انجام پائے گا اور دوسرا حصہ کوئی مولوی مکمل کرے اور شادی کے بعد وہ اس وقت اسلام قبول کرے گی جب اس کے ہاں کوئی چاند سا بچہ پیدا ہو گا۔"

"لیکن یہ بھلا کس طرح۔۔۔؟"

"آپ بھی درست کہہ رہی ہیں اور لڑکی بھی اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔" ندیم نے امی کی بات کاٹ کر اپنی بکواس جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں جتنے بھی لوگ یا مخلوقات ہیں ان سب کو اپنے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اس لڑکی نے بھی یہی خواہش کی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ہی وہ مشرف بہ اسلام ہو گی۔ اس لیے کہ خدانخواستہ اگر کہیں شادی کے بعد بچہ پیدا ہونے کی کوئی صورت میں پیش نہ آ سکے تو وہ واپس اپنے مذہب کی طرف لوٹ جائے۔ دوسری صورت میں اس کی حیثیت کالے کوے جیسی ہو گی جس نے مور کا پر لگا کر خود کو مور سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ نہ اسے موروں نے قبول کیا نہ کووں نے۔"

"میں سمجھ گئی۔" امی مسکرائیں۔ "یہ مذاق کر رہا ہے۔"

"میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں اسے کیسینو کی دنیا سے نکال کر کسی سرکس میں مسخرے کی آسامی دلا دی جائے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم شادی پر آمادہ ہو جاؤ۔ میں سرکس کی ملازمت قبول کر لوں گا۔"

"تم دونوں ہمیشہ اسی طرح مجھے باتوں میں ٹال دیتے ہو لیکن شہباز بیٹے۔" ماں کی آواز رندھ سی گئی۔ "زندگی کا کوئی بھروسا نہیں کون جانے کب۔۔۔"

"امی حضور۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے پھر دل دکھانے والی بات شروع کر دی۔ آپ پریشان نہ ہوں امی۔ میں نے اب آپ کے حکم کی تعمیل کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"کیا تو نے میرے لیے کوئی بہو پسند کر لی ہے؟"

"جی ہاں۔ کسی دن ملواؤں گا آپ سے۔" میں نے نظریں جھکا کر دبی زبان میں کہا۔

"زندہ باد۔" ندیم نے بچوں کی طرح نعرہ لگایا پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "ذرا میں بھی تو اس جونک کا نام سنوں جو تم جیسے پتھر کو لگ گئی ہے۔ کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"تم اسے اسی وقت سے جانتے ہو جب تمہاری اور نسیم کی شادی نہیں ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ندیم نے کڑوا سا منہ بنایا۔ "کیا اب مجھے اسے بھابی کہنا پڑے گا۔"

"پھر تم نے اپنی باتیں شروع کر دیں۔" امی نے پوچھا۔ "مجھے بھی تو پتا چلے کہ آخر وہ کون لڑکی ہے۔ کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے اس کا خاندان کیسا ہے۔ لوگ کیسے ہیں؟"

"وہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے اس کے خاندان کے بارے میں بھی دریافت نہیں کیا اس لیے کہ مجھے خاندان والوں سے نہیں بلکہ لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے حق میں ایک اچھی رفیق سفر ثابت ہو گی۔"

"کہاں رہتی ہے؟"

"ایک درمیانہ درجہ کے فلیٹ میں۔" میں نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ شاید اس کا کوئی ایسا بزرگ

موجود نہیں ہے جو اس کی ذاتی پسند یا ناپسند میں رخنہ اندازی ڈال سکے۔"

"تو وہ کرتی کیا ہے؟" امی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ایک دفتر میں سیکریٹری ہے۔" ندیم پھر بول پڑا۔ "تنخواہ نہایت معقول ہے۔ لڑکی خاصی قبول صورت اور مشرقی حسن کا نمونہ ہے لیکن اس دفتر کا مالک۔ میرا خیال ہے کہ وہ کچھ زیادہ اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"اور تم اس سے شادی کرو گے؟" امی نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"امی آپ بھی کس کی بات کا یقین کر رہی ہیں۔" میں نے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکی انتہائی مخلص شریف اور ہزاروں خوبیوں کی مالک ہے۔"

"میں مانتا ہوں لیکن آنٹی کو ذرا یہ بھی بتاؤ کہ اس کا باس کتنا نیک اور شریف النفس واقع ہوا ہے اور کس کردار کا مالک ہے۔" ندیم نے مسخرانہ انداز میں کہا۔ "کم از کم میں تو اس شخص کو قابل بھروسا نہیں سمجھتا۔ آگے تم جانو اور تمہاری مرضی۔"

"شہباز بیٹے" امی کچھ اور سنجیدہ ہو گئیں۔ "مجھے تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک ماں کی حیثیت سے اتنا حق تو ہے کہ اپنی ہونے والی بہو کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں۔ کیا وہ شادی کے بعد بھی ملازمت کرتی رہے گی؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے امی سے کہا۔ "شادی کے بعد اس کی حیثیت ملازموں جیسی نہیں رہے گی۔ وہ کاروبار میں برابر کی شریک بن جائے گی۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"میں سمجھاتا ہوں آنٹی آپ کو۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "دراصل وہ لڑکی جس کا نام عارفہ ہے شہباز کے دفتر میں روز اول سے سیکریٹری کی خدمات انجام دے رہی ہے۔ بڑی مخلص دیانتدار اور محنتی لڑکی ہے۔ قبول صورت بھی ہے اور کئی موقعوں پر وہ ہمارے شہباز صاحب کے لیے جان کی بازی بھی لگا چکی ہے۔"

"تم نے تو مجھے ان باتوں سے ڈرا ہی دیا تھا۔" امی نے ندیم کو بڑے پیار سے گھرکی دی پھر مجھ سے بولیں۔ "اگر وہ بچی تمہیں پسند ہے تو مجھے بھی بغیر دیکھے پسند ہے لیکن میں ایک بار اس سے ملنا ضرور پسند کروں گی۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے کہا۔ "بھلا آپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تو کسی آسمان سے اتری ہوئی حور سے بھی شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیا تمہارے اور اس کے درمیان بات طے ہو چکی ہے؟"

"جی نہیں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "آخری فیصلہ آپ کو کرنا ہو گا اور جو سچ پوچھئے تو میں نے آج ہی پہلی بار اسے آپ سے ملنے کو کہا ہے۔"

"تمہیں اس سے پیار ہے؟"

"صرف اس حد تک وہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے اور ہر اعتبار سے میرے معیار پر پوری اترتی ہے۔ کل کیا ہو گا یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں آنٹی کہ عارفہ ہمارے شہباز کے حق میں ایک آئیڈیل بیوی ثابت ہو گی اور اب آپ جیسی معزز اور محبت کرنے والی خاتون کے تو پاؤں دھو دھو کر پینا اپنے لیے اعزاز سمجھے گی۔"

"خدا نہ کرے۔" امی نے بڑے لاڈ سے کہا۔ "میں تو اپنی بہو کو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھوں گی۔"

امی بڑی دیر تک عارفہ کے بارے میں کرید کرید کر سوال کرتی رہیں۔ ندیم انہیں سنجیدگی سے بتاتا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ امی عارفہ کی تعریفیں سن کر اس کو پسند کرنے لگی تھیں۔ پھر ندیم نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی اور مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہمیں ابھی کیسینو جا کر اپنے حلیوں میں ایسی تبدیلیاں کرنی تھیں کہ کوئی دوسرے کو بھی نہ پہچان سکیں۔ آج کی درمیانی رات کو بھوشن کا کارندہ مریض بن کر پہنچ رہا تھا اور بھوشن کو قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کا دارومدار ہماری کامیابی پر منحصر تھا۔

فلائیٹ نمبر ۳۳ کا ارائیول ٹائم بارہ بج کر پچاس منٹ پر تھا۔ ہم ائیرپورٹ پر ٹھیک گیارہ بجے پہنچ گئے۔ اگر ہم کیسینو سے ایک ساتھ نہ چلے ہوتے تو شاید ہمارے لیے ایک دوسرے کو شناخت کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ ندیم نے بڑی مہارت سے اپنا اور میرا میک اپ کیا تھا۔

بھوشن کا وہ مریض ہمارے لیے بہت اہم تھا۔ اس لیے ہم نے بنفس نفیس اس کی گرفتاری میں سراج کی مدد کی ٹھانی تھی۔ مجھے یقین تھا میرے اور ندیم کے علاوہ وہاں ندیم نے اپنے کچھ اور قابل اعتماد آدمیوں کو بھی ضرور متعین کیا ہو گا لیکن میں ماسٹر کی کے علاوہ کسی اور سے واقف نہیں تھا۔ اس لیے کہ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی میک اپ میں ہی ہو۔ ماسٹر کی جو عام حالات میں ایک مفلوک الحال اچکا نظر آتا تھا اس وقت تھری پیس سوٹ اور فرنچ کٹ داڑھی میں کسی اعلیٰ خاندان کا ایک صاحب حیثیت فرد نظر آ رہا تھا۔ اس نے چہرے پر سنہری فریم کی عینک لگا رکھی تھی اور منہ میں پائپ دبائے بڑے خوبصورت انداز میں پائپ پینے میں مصروف تھا۔

وقت گزاری کی خاطر ہم نے ائیرپورٹ کے ڈائننگ ہال کا انتخاب کیا جہاں اور بھی افراد موجود تھے۔ ماسٹر کی ہم سے تین چیئر چھوڑ کر بیٹھا تھا لیکن ہم سے اس طرح بے نیاز نظر آ رہا تھا جیسے اس سے پہلے اس نے ہماری شکلیں بھی پہلے کبھی نہ دیکھی

ہوں۔ موسم میں خنکی ہونے کے باوجود وہ اس وقت ٹھنڈا فالودہ پینے میں مصروف تھا۔

"کیا ماسٹر کی کے علاوہ تمہارے کچھ اور آدمی بھی ائیرپورٹ پر موجود ہیں۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے مدھم آواز میں ندیم کو مخاطب کیا۔

"میں نے ان کی گنتی نہیں کی تھی لیکن میرا اندازہ ہے کہ ماسٹر کی نے ساتھ آدمیوں کو ضرور اہم مقامات پر تعینات کیا ہو گا۔ وہ ایسے مواقع پر کسی مکڑی ہی کی طرح خوبصورت جال بننے کا عادی ہے۔"

"کیا اس وقت وہی ہمارے مشن کو کنٹرول کرے گا۔"

"صرف اس حد تک کہ ہمارے کسی آدمی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔" ندیم نے بے پرواہی سے کہا۔ "میں نے صرف ایک بات کی تاکید کی ہے۔ ہمارے کسی آدمی کو پولیس یا دشمن کے کسی آدمی کے ہاتھوں میں نہیں جانا چاہیے۔ خواہ اسے گولی کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔"

"کیا اس وقت بھوشن کے آدمی بھی ائیرپورٹ پر موجود ہوں گے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ بھوشن کو اپنے اس قدر اہم اور قیمتی آدمی کی کوئی فکر لاحق نہ ہو گی۔"

مجھے اپنے سوال پر خود اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ظاہر تھا کہ جب ندیم نے اس مریض کے لیے اتنی رازداری سے کام لیا تھا تو بھوشن خود اس کے مقابلے میں زیادہ محتاط ہو گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ طاغوتی قوتوں کو کسی طرح ہمارے پروگرام کی بھنک مل گئی ہو اور انہوں نے بھوشن کو اس سے باخبر کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں صرف دو ہی باتیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ یا تو بھوشن نے مریض کی آمد کا پروگرام تبدیل کر لیا ہو گا یا پھر سراج کے ایکشن کے وقت شدید ٹکراؤ اور خون خرابا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ندیم نے مجھے سنجیدہ دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ بھوشن کے مریض کو گرفتار کرنے کے لیے سراج کو بڑی مہارت سے کام لینا ہو گا ورنہ شدید ہنگامے کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"جہاں تین مختلف گروپ ایک ہی مقصد کے لیے زندگی اور موت کی بازی کھیلنے کو سرگرم عمل ہوں۔ وہاں سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ سراج اپنے ذرائع استعمال کر کے مطلوبہ شکار کو جہاز سے اترنے سے پہلے ہی دبوچ لیتا اور کسی دوسرے راستے سے ائیرپورٹ سے باہر نکال لے جاتا۔" میں نے دبی زبان میں کہا۔ "ایسی صورت میں ہنگامے کی صورت سے بچا جا سکتا تھا۔"

"نہیں۔" ندیم نے بڑے یقین سے جواب دیا۔ "تمہیں شاید ابھی تک بھوشن کے ہائی سرکل میں تعلقات کا علم نہیں ہے۔ سراج اگر کوئی خفیہ راستے کی خاطر حکومت کے کسی ادارے سے مدد مانگتا تو اس کی خبر بھوشن کو سب سے پہلے مل جاتی۔"

"میرا خیال ہے ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" ندیم چونکا۔

"ہمیں اتنا لمبا چوڑا کھڑاگ پھیلانے کے بجائے بھوشن کو ختم کرا دینا چاہیے تھا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"پہلے میرے ذہن میں بھی خیال ابھرا تھا لیکن میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔ مقابلے پر آنے والے پہلوان کو اگر عوام کے سامنے اکھاڑے میں چت کیا جائے تو اس جیت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک ندیم کی دستی گھڑی پر جو ایک پاورفل ٹرانسمیٹر بھی تھی۔ مدھم آواز میں سگنل آنے شروع ہو گئے۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ میں ندیم کے برابر والی سیٹ پر ہونے کے باوجود اسے بمشکل سن سکا تھا۔ پھر میں نے ندیم کو سیدھا ہاتھ اٹھا کر اس پر جھکتے دیکھا۔ اب دستی گھڑی اور اس کے منہ کا فاصلہ بہت کم ہو چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ندیم نے بدستور میری جانب دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ مجھ سے مخاطب ہو۔ میری پوری توجہ ندیم کے چہرے پر مرکوز تھی۔ ماسٹر کی چونکہ میرے سامنے والی میز پر تھا اس لیے میں اس کی حرکات و سکنات بھی دیکھ رہا تھا۔

"گلو منسٹر اور بھوشن اس وقت وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہیں۔" گھڑی پر ماسٹر کی کی آواز سنائی دی۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنا منہ صاف کیا تھا۔

"کیا پروگرام ہے؟"

"پارسل۔"

"ٹھیک۔" ندیم نے سرگوشی کی۔ "لیکن کام اتنی احتیاط سے ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"او کے۔"

پھر ندیم نے اپنا ہاتھ دوبارہ میز پر رکھ لیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔

"پارسل سے ماسٹر کی کا کیا مقصد تھا؟" میں نے استفسار کیا۔

"کبھی کسی ایسی پہاڑی تفریح گاہ پر جانے کا اتفاق ہوا ہے جب وہاں برف پڑ رہی ہو۔" ندیم نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"حیرت ہے ورنہ یہ تو ایک عام سی بات ہے کہ جب برف باری کی وجہ سے راستے بند ہونے لگیں تو مخصوص گاڑیوں سے فوری طور پر راستہ صاف کر دیا جاتا ہے تاکہ ٹریفک کے نظام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو سکے۔"

"لیکن۔"

"فکر مت کرو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "ہماری دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں سمجھا جاتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر میری نظر اس بیرے پر پڑی جو ماسٹر کی میز پر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بل کا چرمی فولڈر موجود تھا۔ ماسٹر نے اسے کھول کر دیکھا پھر جیب سے کیش کارڈ نکال کر اس میں رکھ دیا۔ اس کے سامنے رکھے ہوئے فالودے کا گلاس خالی ہو چکا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ایک خیال تیزی سے ابھرا۔ ماسٹر کی ایک لمحے کو بھی اپنی میز سے نہیں اٹھا تھا۔ جس وقت ندیم نے دستی گھڑی پر سگنل موصول کیے تھے۔ اس سے ایک منٹ پہلے بھی وہی بیرا ماسٹر کی میز پر نظر آیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ بیرا بھی ہمارے مشن کا ایک اہم حصہ ہے۔ غالباً اسی کے ذریعے ماسٹر کی کو لاء منسٹر اور بھوشن کے وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہونے کی اطلاع ملی تھی اور اب بل کی ادائیگی میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا۔ وہ بھی دراصل کوئی اہم پیغام تھا۔

میری نظر بیرے پر جم کر رہ گئی۔ وہ کاؤنٹر پر جانے کے بجائے ایک دوسری میز پر رکا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی آرڈر لینے کی خاطر اس میز تک گیا تھا پھر وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے واپس ہو کر ماسٹر کی کو دوبارہ بیرا پیش کیا تھا۔ اس کے بعد وہ بیرا لے کر دوبارہ کاؤنٹر کی جانب چلا گیا۔ ایک منٹ بعد ہی میں نے اس آدمی کو اٹھتے دیکھا تھا۔ بیرا جس کی میز پر رکا تھا پھر بیرے کی واپسی کے بعد ماسٹر کی بھی اپنا کیش کارڈ اور بیرا میں رکھی ہوئی رقم لے کر اٹھ گیا تھا۔

"کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"کیا تمہارے کارندے بہ آسانی لاء منسٹر اور بھوشن کو راستے سے ہٹا دیں گے؟" میں نے ندیم کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"قبل از وقت میں یقین سے نہیں کہہ سکتا البتہ میں نے ماسٹر کی کو شاید ہی اپنے کسی پلان میں ناکام ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"لاء منسٹر کی موجودگی نے یقینی طور پر سراج کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہو گا۔" میں نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی فرض کی ادائیگی میں آسانی سے ہار تسلیم کرنے والا آفیسر نہیں ہے۔ ہاں اگر خود لاء منسٹر نے اسے کوئی اور ڈیوٹی سونپ دی تو وہ مجبور ہو جائے گا۔"

"خواہ کچھ بھی ہو بھوشن کے مریض کو ہر حالت میں اپنے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔" میں نے تلملا کر کہا۔ "اگر سراج کو اس فرض کی ادائیگی سے روک دیا گیا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم کس حیثیت میں اس پر ہاتھ ڈالو گے؟" ندیم نے سوال کیا۔

"یہ بعد میں سوچا جائے گا لیکن میں اسے ہاتھ سے نکلنے نہیں دوں گا۔"

"جذباتی ہونے کی حماقت مت کرنا ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تو کیا وہ مریض۔"

"فکر مند نہ ہو اگر وہ پولیس کے جال میں نہ پھنسا تو ہمارے آدمی بھی اسے ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔" ندیم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "چلو اٹھو ہمیں نیچے چل کر بھی حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔"

میں ندیم کے ساتھ نیچے آ گیا۔ اس وقت بارہ بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ فلائٹ نمبر [illegible] کے آنے میں اب صرف پینتیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ ہم نے لوگوں کے ہجوم پر نظر ڈالی۔ ادھر ادھر گھوم کر دیکھا لیکن سراج یا پولیس کے محکمے کا کوئی فرد نظر نہیں آیا۔ میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مریض کو کسی قیمت پر بھی بھوشن کے مشن کی کامیابی کا سبب نہیں بننے دوں گا۔ بھوشن جوزف سے براہ راست میری کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن وہ طاغوتی قوتوں کے اشارے پر مجھے نیچا دکھانا چاہتا تھا اور مجھے اپنی شکست منظور نہیں تھی۔

پھر اچانک پر فلائٹ لینڈ کرنے کا اعلان ہوا تو میرے علاوہ ندیم کی تشویش بھی بڑھ گئی لیکن اسی وقت میری نظر سراج پر پڑی جو اپنی جیپ سے اتر کر لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی دوسرا آدمی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ یا تو یوں ہی روٹین چیک کے ارادے سے ادھر آ نکلا ہو یا پھر اسے کسی بڑے آفیسر کو ریسیو کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

"تمہارے سراج صاحب بھی خاصے سمجھدار ہوتے جا رہے ہیں۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ وہ یہی طریقہ اختیار کرے گا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے ماتحت سادہ لباس میں پہلے ہی سے ہجوم میں موجود ہوں گے اور وقت پڑنے پر سامنے آ جائیں گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جہاز کے مسافروں کی آمد شروع ہو چکی تھی اور میری نظریں ان میں کسی مریض کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں جو ہمیں مطلوب تھا پھر یکلخت میری نگاہیں چمک اٹھیں۔ دو ہٹے کٹے آدمی ایک وہیل چیئر پر بیٹھے ایک ایسے مریض کو ساتھ لا رہے تھے جو ماسٹر کی کی انفارمیشن پر پورا اترتا تھا۔ میرے اعصاب میں کھنچاؤ کی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے جیب میں پڑے ہوئے اپنے آٹومیٹک ریوالور کو چیک کیا

بس پر سامنے بھی فٹ تھا۔

"یہی ہے ہمارا مطلوبہ مریض۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ جو ہٹے کٹے آدمی اسے لا رہے ہیں یہ بھوشن ہی کے خاص آدمی ہوں گے لہٰذا کسٹم آفیسر کو شاید اوپر سے ہدایت ملی ہو گی کہ وہ اس مریض کو اپنی نگرانی میں شیڈ سے باہر تک بحفاظت پہنچا دے۔"

میں نے ندیم کی بات کا جواب دینے کے بجائے پلٹ کر پارکنگ لاٹ کی سمت دیکھا جہاں دو ایمبولینسیں بیک وقت موجود تھیں۔ ایک پر ریڈ کراس کا نشان تھا اور دوسری کسی پرائیویٹ رفاہی ادارے کی تھی۔ مریض کو شاید ان ہی دونوں میں سے ایک پر جانا تھا۔ میری نظر سراج پر پڑی جو آہستہ آہستہ اس کی جانب قدم بڑھا رہا تھا جہاں سے مریض کو باہر لایا جاتا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ مریض کی جسمانی کیفیت اور چہرے پر چھائی ہوئی زردی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اپنے قدموں سے دو قدم چلنے سے بھی مجبور تھا۔ ندیم نے بھی اسی کی طرف قدم اٹھا دیے۔ میں نے اس کی پیروی میں جلدی نہیں کی تھی کسی خیال کے تحت میں ان دونوں ایمبولینسوں کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ریڈ کراس کی ایمبولینس میں ایک باوردی ڈرائیور موجود تھا جب کہ دوسری ایمبولینس کی ڈرائیونگ سیٹ پر نظر پڑتے ہی میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ ماسٹر کی کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا لیکن اس وقت وہ تھری پیس میں اور فرنچ کٹ داڑھی کے بجائے اپنے اسی حلیے میں تھا جس میں میں نے اسے پہلی بار ندیم کی گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھے دیکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ لاپرواہی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

جس وقت وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا مریض شیڈ سے باہر آیا اس سے پہلے سراج نے آگے بڑھ کر کسٹم آفیسر سے کوئی بات کی تھی۔ میں دور تھا اس لیے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سن سکا لیکن سراج کے جواب میں کسٹم آفیسر نے جیب سے ایک ہی کاغذ نکال کر سراج کو دکھا دیا تھا اور وہ ہونٹ چباتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں ہٹے کٹے آدمیوں کے ہونٹوں پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ ہجوم کے درمیان سے وہیل چیئر کو چلاتے ہوئے ریڈ کراس والی ایمبولینس کی جانب بڑھ رہے تھے کہ اچانک ان میں سے ایک کی کنپٹی سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر فرش پر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ دوسرے شخص نے پھرتی دکھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا انجام بھی پہلے سے مختلف نہیں ہوا۔ ہجوم سے چلائی جانے والی گولی اس کی پیشانی پر لگی اور وہ اوندھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ کسٹم آفیسر بوکھلا کر تین چار قدم پیچھے ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ حیرت انگیز ہی تھا۔ ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے

کئی آوازیں فضا میں اجل بن کر چلے گئے۔ مریض اس وقت بھی گردن جھکائے وہیل چیئر پر بیٹھا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

غالباً بھوشن، سراج اور ندیم کے سادہ لباس والے آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ائرپورٹ پر موجود پولیس اور سیکیورٹی کا عملہ بھی خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ گولیاں مختلف سمت سے چل رہی تھیں۔ فائرنگ سائلنسر لگے ہوئے اسلحے سے ہو رہی تھی اس لیے کسی ایک سمت کا تعین کرنا ممکن نہ تھا۔ میں نے سراج کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ کسٹم آفیسر کے ساتھ ہی کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک لاؤنج میں لگے ہوئے سارے الارم ایک ساتھ جاگ اٹھے۔

"حالات پر قابو پانے اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے ضروری

ہے کہ وزیٹرز لاؤنج بالکل خالی کر دیا جائے۔ اس لیے تمام حضرات سے التماس ہے کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے لاؤنج سے کم از کم سو گز کے فاصلے پر چلے جائیں۔"

اس اعلان نے مسافروں اور ان کے لواحقین میں افراتفری پھیلا دی وہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر سر اٹھائے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ندیم مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے لیے اب وہاں کھڑا رہنا مشکل تھا اس لیے میں قدم اٹھاتا ہوا اس ایمبولینس کے قریب چلا گیا جس پر اس وقت بھی ماسٹر کی بے پرواہی سے بیٹھا لوگوں کی بھگدڑ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

ہجوم کائی کی طرح چھٹ رہا تھا کہ میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جو بڑی بے جگری سے وہیل چیئر کی جانب قدم بڑھا رہے تھے کہیں قریب سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے لیکن ان چاروں کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ شاید انہوں نے بلٹ پروف پہن رکھے تھے۔ میں تیزی سے لپک کر ماسٹر کی والی ایمبولینس میں سوار ہو گیا۔

"تمہیں ندیم کی جانب سے کیا ہدایت ملی ہے۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"سوری۔" اس نے بدستور بے پرواہی سے جواب دیا۔ "میں باس کے علاوہ کسی اور کو جواب دہ نہیں ہوں۔"

"ایسی صورت میں ہمارے مطلوبہ مریض کو مخالف پارٹی کے لوگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" میرے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"تم ایمبولینس کو فٹ پاتھ سے چڑھا کر لاؤنج میں مریض کے قریب لے چلو۔ میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"لیکن ...."

"وقت مت ضائع کرو۔" میں نے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر کوئی ایکشن کرنا ہو گا ورنہ ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"مسٹر ندیم کی ہدایت تھی کہ آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ میں ندیم کو جواب دے دوں گا۔"

ماسٹر کی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ماسٹر کی۔" میں نے جیب سے اپنا آٹومیٹک ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا تم کو یہاں اس وقت اس ایمبولینس میں بلا مقصد کھڑے رہنے کا حکم ملا ہے۔"

"نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "باس کے حکم کے مطابق نمبر تھری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ مریض کو میری ایمبولینس تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد مجھے اسے باس کے بتائے ہوئے ایڈریس تک پہنچانا تھا۔"

"میں ہی نمبر تھری ہوں۔" میں نے سوچ میں ایک آخری چانس لیا۔ شاید میں ماسٹر کی کے لیے صرف نمبر تھری کا پاس ورڈ ہی مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس نے میری سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر یقینی جھلک رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ عمل کرنے پر مجبور ہو گیا۔

لاؤنج میں ابھی تک موت اور زندگی کا کھیل جاری تھا۔ چاروں افراد جو مریض کی جانب بڑھ رہے تھے ان پر متواتر گولیاں برس رہی تھیں لیکن ابھی تک انہیں نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ماسٹر کی نے تیزی سے ایمبولینس کو ایک ذرا سا بائیں جانب کاٹا پھر تیزی سے فٹ پاتھ پر چڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں دھواں پھیلانے والا بم پھینک رہا ہوں۔ اسی عرصے میں ہمیں مریض کو اغوا کر لینا ہو گا۔ اگر دیر ہو گئی تو پھر ہم میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔"

"میں ایکشن کے لیے بالکل تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

ایمبولینس تیزی سے ریورس گیئر میں مریض کے قریب ہو رہی تھی پھر اس سے پیشتر کہ مخالف پارٹی کوئی جوابی کارروائی کرتی ایک زوردار دھماکہ ہوا اور چاروں طرف دھوئیں کے بادل منڈلانے لگے۔ میں تیزی سے ایمبولینس سے کودا اور پھر شاید میری قسمت ہی اچھی تھی جو میں ان چاروں سے ٹکرائے بغیر مریض تک پہنچ گیا۔ میں نے ایک ہی جھٹکے میں اسے وہیل چیئر سے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور سانس روکے روکے ایمبولینس میں داخل ہوتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولا۔

"جلدی چلو۔ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"برو۔" ماسٹر کی نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا پھر ایمبولینس کو آندھی اور طوفان کی طرح دوبارہ سڑک پر لے آیا۔ سڑک پر آتے ہی اس نے اپنی رفتار خطرناک حد تک بڑھا دی تھی لیکن کچھ گاڑیاں ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں اور خودکار آتشیں اسلحہ سے ہمیں روکنے کی خاطر گولیوں کی بارش شروع ہو چکی تھی۔

ٹریفک کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ پولیس کی پٹرول کار اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی لیکن ان پر قتل کرنے کو کوئی پارٹی بھی تیار نہیں تھی۔ وہ مریض بھوشن کے لیے اتنا ہی اہم تھا کہ اس کے لیے کوئی پاگل کتوں کی طرح ہماری بوٹیاں نوچ ڈالنے کی خاطر لپکے چلے آ رہے تھے۔ میں مریض کے ساتھ پچھلی نشست پر تھا۔ اس کی حالت اب غیر ہونے لگی تھی اس لیے میں نے اسے سیٹ پر چت لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں اب ہونقوں کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور چہرے پر موت کے سائے منڈلا رہے تھے۔ شاید ساری پوزیشن اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اسی لیے وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ بچ جانے کی صورت میں بھی اسے اپنی موت ہی کا خطرہ لاحق تھا۔

"باہر کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے ماسٹر کی سے دریافت کیا۔

"وہ ابھی تک ہمارے تعاقب میں دیوانوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔"

"کیا ایمبولینس میں کوئی خودکار اسلحہ بھی موجود ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں جوابی فائرنگ کر کے انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس لیے کہ میں درمیانی فاصلہ برابر بڑھاتا جا رہا ہوں۔" ماسٹر کی نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا۔ "شہری حدود سے باہر نکلنے کے بعد وہ ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے۔ اس کے علاوہ گاڑی بھی بلٹ پروف ہے کوئی گولی اس پر اثر نہیں کر سکے گی۔"

"پانی۔" اچانک مریض نے کراہتے ہوئے کہا۔ ناہموار زمین پر گاڑی کے ہچکولوں نے یقیناً اس کے سارے انجر پنجر ڈھیلے کر دیے ہوں گے۔

"گھبراؤ نہیں۔" میں نے تسلی دی۔ "تمہاری منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"

"تم۔ تم کس پارٹی کے آدمی ہو؟" مریض نے مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور میں نے جلدی سے جیب میں رکھے ہوئے پاور فل ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آن کر دیا۔ اس کی گفتگو ہمارے لیے بہت اہم ثابت ہو سکتی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" اس بار میں نے قدرے بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہم۔ میرا خیال ہے کہ تم باس کی پارٹی کے آدمی نہیں ہو۔"

"باس سے تمہاری مراد غالباً بھوشن جوزف سے ہے۔ کیوں؟" میں نے سوچ میں سوال کیا۔

"ہم۔ گویا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔" وہ مردہ آواز میں بولا پھر گاڑی کی چھت کو گھورنے لگا۔

"تمہارا اندازہ کیا ہے؟ کیں بتا دو۔"

"صحت۔ تم بھوشن کے آدمی نہیں ہو سکتے ورنہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا۔

"تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں سرد مہری سے بولا۔ "ہمارا تعلق کسی دوسری پارٹی سے ہے۔"

"پولیس یا کسٹمز" وہ چونکا تھا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن تمہیں ایک بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ اب تمہاری زندگی کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جو بھی اصلیت ہے اسے سیدھی طرح اگل دو ورنہ ہم ٹیڑھی انگلیاں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہم۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ تم ایک مریض کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"تم مریض ضرور ہو لیکن ہمارے لیے لاکھوں اور کروڑوں کی آسامی ہو۔"

"ک۔ کیا مطلب؟"

"سیدھی ٹانگ۔ ران۔ آپریشن۔" میں نے سفاک اور معنی خیز لہجہ اختیار کیا۔ "کیا اب بھی تمہیں کسی مزید حوالے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

"اگر تم اس حد تک جانتے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکے گی۔"

"ہم تمہاری زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں، لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"تم نے اب تک بھوشن جوزف کے لیے ناجائز تجارت کے سلسلے میں جو بھی خدمات انجام دی ہیں وہ شرافت سے اگل دو۔"

"اس سے کیا حاصل ہو گا؟"

"زندگی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہم خفیہ طور پر تمہارا علاج کرانے کے بعد اپنے ذرائع سے کسی ایسے آزاد علاقے میں بھیج دیں گے جہاں بھوشن کے فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے۔"

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیدھی ٹانگ ران اور آپریشن کے حوالے کے بعد وہ سمندری جھاگ ہی کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ باہر سے اب بھی گولیوں کی آواز آ رہی تھی لیکن اس کی شدت میں بتدریج کمی ہو رہی تھی۔ ماسٹری ہر لمحہ ایمبولینس کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس وقت بھی بالکل بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو مائی ڈیئر؟" میں نے دوبارہ مریض کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ہمارے ساتھ تعاون کرو۔"

"تمہارا تعلق۔؟"

"پریشان مت ہو۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہمارا تعلق کسی قانونی ایجنسی سے نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"ہمیں بھی بھوشن ہی کی لائن کا آدمی سمجھو۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اس باسٹرڈ کے ہاتھ لمبے ہیں اس لیے وہ متعدد بار ہمیں چھوٹے بڑے نقصان پہنچا چکا ہے لیکن اب ہماری باری ہے۔"

"تم بھوشن کو شاید پوری طرح نہیں جانتے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "اگر اسے شبہ بھی ہو گیا تو وہ تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو چن چن کر کھا جائے گا۔"

"ہم دونوں جس راستے پر چل رہے ہیں اس میں موت اور زندگی کا کھیل ہونا قدرتی بات ہے مگر تم کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اب تم پوری طرح ہمارے جال میں پھنس چکے ہو۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" اس نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

"تم کب سے بھوشن کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"دو سال سے۔"

"تمہارے ذمے کیا کام ہے؟"

"بھارتی منڈیوں سے ہیرے اور جواہرات اسمگل کرنا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "طریقہ کار کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ تمہیں ہو چکا ہے۔ ویسے کیا تم یقین کرو گے کہ اگر اس بار میں بچ جاتا تو پھر مجھے اس گندے فرائض کی انجام دہی کے لیے مجبور نہ کیا جاتا۔"

"مکمل وضاحت کرو۔"

"یہ میرا چوتھا پھیرا تھا اور جس سرجن نے میرا آپریشن کیا تھا اس نے بھوشن کو یقین دلایا تھا کہ اگر پانچویں بار آپریشن ہوا تو زندہ نہ بچ سکوں گا۔ شاید اس لیے کہ وہ آپریشن کے بعد میرے اوپر کچھ ایسی ادویات کا استعمال کرتے تھے جو میرے لیے زہر سے کم نہیں تھیں۔" اس نے ایک لمحے کو سانس لیا پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپریشن کے بعد میرے اوپر غنودگی طاری ہو جاتی ہے پھر مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے میرا پورا جسم مفلوج ہو گیا ہو۔"

"لیکن اس وقت تو تم ہوش مندوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے اسے مشتبہ نظروں سے گھورا۔

"میرے اعصاب چونکہ چار آپریشنوں کے بعد خاصے کمزور ہو گئے تھے اس لیے اس بار مضر رساں ادویات کم مقدار میں استعمال کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی تین بار کی شاندار کامیابی کے بعد اس باسٹرڈ بھوشن کو شاید اس بات کا یقین ہو گیا کہ کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ اگر تم واقعی اس کے مخالف پارٹی کے فرد ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ اس کے مراسم کتنے اوپر تک ہیں۔"

"تم بھوشن کے جال میں کس طرح پھنسے تھے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا تم پہلے سے ہی ناجائز تجارت کے کاروبار میں ملوث تھے؟"

"نہیں۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا اس کے چہرے پر شدید کرب اور حقارت کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔

"پھر۔ تم اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ کیوں ہو گئے؟ لمبے کمیشن کی لالچ؟"

"آخ تھو۔" اس نے نفرت سے تھوک دیا پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "میں تم کو اس ولد الحرام کے تخم کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ اس کام کے بعد اگر میں مر بھی گیا تو مجھے اپنی موت پر کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"صحت۔ تمہیں میری بیوی کو اس کی قید سے آزاد کرانے کا وعدہ کرنا ہو گا۔"

"تمہاری بیوی؟"

"ہاں۔" اس نے حقارت سے جواب دیا۔ "آج سے دو سال پہلے میں اس حرامی کتے کا ڈرائیور تھا۔ وہ سور کا تخم مجھ پر بہت بھروسا کرتا تھا۔ دن رات مجھے اس کی خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس لیے اس نے ملازمت کے کچھ دنوں بعد ہی مجھے اپنے بنگلے میں ایک سرونٹ کوارٹر دے دیا اور اس کے بعد—اس کے بعد اس حرامزادے کی نظر میری بیوی پر پڑ گئی جو بہت خوبصورت اور معصوم تھی۔ عورت کے سلسلے میں وہ ماں کا تخم انتہا بدنیت واقع ہوا ہے کہ شاید نشے کی حالت میں اپنی بہن کی شناخت بھی نہ کر پائے۔ میری معصوم بیوی کو برباد کرنے کے بعد اس مردود نے کچھ تصویریں بھی بنالی تھیں جن کے ذریعے وہ مجھے آج تک بلیک میل کر رہا ہے۔"

"تمہاری بیوی کہاں رہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔ باہر سے گولیوں کی آواز آنی بند ہو چکی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ اس۔ نے اس غریب کو کہاں رکھا ہے؟ لیکن اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس پھیرے کی کامیابی کے بعد وہ اسے آزاد کر دے گا۔"

"کیا اس کی آزادی کے بعد تم اسے قبول کر لیتے؟" میں نے الجھتا ہوا انداز اختیار کیا۔

"ہاں۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر جواب دیا پھر بڑے کرب سے بولا۔ "یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد میں اسے گولی مار کر اپنا خاتمہ بھی کر لیتا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ اس بار کی کامیابی کے بعد تمہاری بیوی تمہیں واپس مل جاتی؟"

"کیا مطلب؟" اس نے وضاحت طلب نظروں سے میری سمت دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ ناجائز تجارت میں جو افراد کام کے نہیں رہ جاتے ان کی حیثیت بھی ریس کے گھوڑوں جیسی ہوتی ہے جنہیں گولی مار کر زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا جاتا ہے۔" میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری بیوی کو اپنا کام نکل جانے کے بعد پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

مریض کی نگاہوں میں نفرت کے شعلے ناچ اٹھے پھر اس نے مجھے بھوشن جوزف کے بارے میں اپنی ایک ایک معلومات سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ "کیا تم میری ایک آخری خواہش پوری کر دو گے۔"

"وہ کیا؟"

"میں اس سور کے بچے کو اپنے ہاتھوں سے گولی مارنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری یہ خواہش حالات کے عین مطابق ہے۔ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے لیکن تمہیں کچھ دنوں تک ہماری قید میں رہنا پڑے گا۔" میں نے کہا۔ "اس وقت تک کے لیے جب تک بھوشن تمہاری تلاش میں تھک کر ہار نہیں جاتا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کیا تمہارا نام ہری رام ہے۔"

"تمہیں یہ نام کہاں سے معلوم ہوا؟"

"پیسنجر لسٹ سے۔" میں نے اپنے فرضی سوال کو نبھانے کی خاطر کہا۔

"میں کسی ہری رام سے واقف نہیں ہوں۔ میرا نام شرما ہے۔ کرشن شرما۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

ٹھیک اسی وقت ایمبولینس کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ مریض کو اگر میں نے بروقت سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ اچھل کر فرش پر ہی گرا ہوتا۔ خود میں بھی اپنی پوزیشن برقرار نہ رکھ سکا۔ ٹرینک میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں نے مریض کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ غالباً وہ بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہو گیا تھا۔

"اب پریشانی کی بات نہیں ہے۔" ماسٹری کی آواز ابھری۔ "ہم کچے راستے پر اتر چکے ہیں۔"

"تو وہ جو لوگ ہمارا تعاقب کر رہے تھے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"ان کا اب دور دور تک کوئی نشان نہیں ہے۔" ماسٹری

نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا تھا۔ میں نے ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آف کر دیا۔

☆

ایمبولینس ایک زمین دوز کشادہ کمرے میں جا کر رکی تھی۔ غالباً وہاں کے دروازے ریموٹ سے کنٹرول کیے جاتے تھے جو گاڑی کسی بھی جگہ نہیں رکی تھی۔

میں نے نیچے اتر کر دیکھا۔ وہ کمرا بیک وقت بیڈ روم بھی تھا اور ڈرائنگ روم بھی کرشن شرما کو میں نے ماسٹر جی کی مدد سے گاڑی سے نیچے اتار کر بستر پر لٹا دیا۔ وہ ابھی تک بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار تھا اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا اگر میں نے اس کی گفتگو ٹیپ نہ کی ہوتی تو یقیناً مجھے اس کی بے ہوشی کی تشویش ہوتی لیکن اب میں زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا؟" میں نے ماسٹر جی سے پوچھا۔

"اگر کیا گیا ہوتا تو اب تک شاید یہ عمارت ایک دھماکے سے ختم ہو چکی ہوتی۔" ماسٹر جی نے کہا۔ "تم شاید بھوشن کی پارٹی اور اس کے پالتو شکاری کتوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ پاتال میں بھی اپنے شکار کو زندہ رہنے کی مہلت نہیں دیتے۔"

"کیا یہاں کسی ڈاکٹر یا سرجن کا فوری طور پر بندوبست نہیں ہو سکتا؟"

"کیوں؟"

"یہ مریض ہمارے لیے بہت اہم ہے اگر یہ مر گیا تو ایک کار آمد گواہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" میں نے اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی بے ہوشی میرے لیے پریشان کن ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ماسٹر جی نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر بڑے سفاک لہجے میں مریض کی سمت گھورتے ہوئے بولا۔ "ویسے بھی باس کا حکم تھا کہ اسے اغواء کرنے کے بعد گولی مار دی جائے۔"

"لیکن ہیرے جواہرات کا ثبوت؟"

"فکر مت کرو۔" اس نے بدستور مریض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی کچھ دیر میں یہاں ایک سرجن اور کیمرا مین بھی پہنچنے والے ہیں۔ ہم اس کی باقاعدہ مووی بنائیں گے اور سرجن اور مووی بنانے والے ہمارے گواہ ہوں گے۔"

"لیکن۔۔۔؟"

"سوری۔ میں باس کے حکم کا پابند ہوں۔ ویسے بھی اس مریض کی اہمیت ہمارے لیے ختم ہو چکی ہے۔"

پھر میں نے دیکھا کہ کرشن ورما نے بڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہوں میں موت کے سائے سمٹ آئے تھے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" وہ بلبلائی انداز میں بولا۔ "مجھے گولی مت مارو۔ صرف میری آخری خواہش پوری کر دو۔ اس کے بعد تم کہو گے تو میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا اگر میں مر گیا تو میری آتما کیتا کے لیے بھٹکتی پھرے گی۔"

"گیتا؟" میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میری دھرم پتنی کا نام ہے۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہیں اتنی آسانی سے نہیں مرنے دیں گے۔" ماسٹر جی نے مسکرا کر کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم واقعی بے ہوش ہو یا بے ہوشی کا ڈھونگ رچا کر ہماری باتیں سننا چاہتے ہو۔"

کرشن ورما نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔" میں نے ماسٹر جی کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔

"لیکن کبھی کبھی حالات کے پیش نظر میں بچوں کی بات پر بھی مجبوراً یقین کر لیتا ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نمبر تین نہیں ہو۔" ماسٹر جی نے کہا۔ "باس بھی میری طرح کوئی کام ادھورا نہیں کرتا۔ نمبر تھری کی شناخت مجھے ائیرپورٹ پہنچنے سے پہلے کرا دی گئی تھی۔"

"پھر؟"

"حالات ہی ایسے تھے کہ مجھے تمہارے کہنے پر عمل کرنا پڑا۔" اس نے کہا۔ "اس وقت زیادہ سوچنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ ایک لمحہ ضائع ہو جاتا تو شاید ہماری کامیابی ناکامی میں بدل چکی ہوتی؟"

"بھوشن اور لالہ منشی پر کیا بیتی؟" میں نے اپنی معلومات کی خاطر پوچھا۔

"انہیں وی آئی پی لاؤنج میں جو مشروب پیش کیا گیا تھا اس میں بے ہوشی کی دوا بھی شامل تھی چنانچہ وہ اس وقت کسی بڑے ہسپتال کے وی آئی پی روم میں اطمینان سے پڑے بے ہوشی کی نیند سو رہے ہوں گے۔"

ہمارے درمیان ابھی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ کمرے میں یکلخت سبز رنگ کی روشنی کا تیز جھماکا ہوا۔ میں اچھل کر ایک قدم پیچھے ہو گیا۔ میری گرفت جیب میں پڑے ہوئے آٹو میٹک پر مضبوط ہو گئی۔

"گھبراؤ نہیں میرے دوست۔" ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک قسم کا سگنل تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہمیں اب کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اور غالباً ہمارے مطلوبہ آدمی بھی باہر موجود ہیں۔"

پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ماسٹر جی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دروازے پر چھ عدد افراد موجود تھے جن میں سے دو کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور تین نقاب پوش تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سب مشین گن لیے ان کو کور کیے کھڑے تھے۔ ان کے اندر آتے ہی خودکار دروازہ پھر بند ہو گیا پھر ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر دونوں افراد کی آنکھوں کی پٹیاں کھول دیں۔ وہ دونوں ہی پھٹی پھٹی نظروں سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف اور دہشت کی تمام تر علامتیں پوری شدت سے موجود تھیں۔ ان میں ایک شخص جو سوٹ میں ملبوس تھا اور صورت و شکل سے صاحب حیثیت نظر آ رہا تھا اس کی نگاہیں بستر پر پڑے مریض پر جم گئیں۔ شاید اب وہ زبردستی وہاں لائے جانے کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

"وقت مت ضائع کرو سرجن داؤدی۔" ماسٹر جی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ حالات کے تقاضے ہی کچھ ایسے تھے کہ ہمیں تمہیں زبردستی یہاں لانا پڑا۔ عام حالات میں شاید تم بھی ہمارے لیے خدمت انجام دینے پر آمادہ نہ ہوتے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" وہ شخص جسے سرجن داؤدی کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہمارے اس مریض کا ایک چھوٹا سا آپریشن۔" ماسٹر جی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کی ایک ران پر آپریشن کے ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان ٹانکوں کو کھول کر اندر کے زخم کی صفائی کرنی ہوگی۔"

"اور یہ مووی کیمرا۔"

"یہ تمام صورت حال کی منظر کشی کرے گا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔"

"آئی سی۔" سرجن داؤدی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ یقینی طور پر کسی غیر قانونی کام میں ملوث ہو اور مجھے بھی اس میں شریک ظاہر کر کے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"بات اگر غیر قانونی نہ ہوتی میرے دوست تو اس وقت یہ مریض یہاں ہونے کے بجائے تمہارے آپریشن تھیٹر میں ہوتا۔" ماسٹر جی نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ "رہا تمہیں اپنے جرم میں شریک کر کے بلیک میل کرنے کا مسئلہ تو میرے تینوں نقاب پوش بھی آپریشن کے وقت تمہارے اردگرد مشین گنیں تانے کھڑے ہوں گے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہوگا کہ تمہیں خودکار اسلحے کے زور پر یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔"

سرجن داؤدی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ شاید اسے یقین ہو گیا کہ اسے جس مقصد کے لیے اغواء کیا گیا تھا اس کی تکمیل کیے بغیر اس کی گلو خلاصی نہ ہوگی۔ وہ مریض کے قریب جا کر اس ران کا معائنہ کرنے لگا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مووی بنانے والے کی حالت غیر ہو رہی تھی وہ کیمرے کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کا ری ایکشن تھا جس کی باعث وہ کانپ رہا تھا۔

"خود کو سنبھالو مسٹر۔" ماسٹر جی نے سرد لہجے میں مووی والے کو مخاطب کیا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے تمہاری چھٹی کر کے تمہارا کام اپنے کسی آدمی کو سونپنا پڑے۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ "تم جو چاہو گے میں وہی کروں گا۔"

ایک نقاب پوش نے میڈیکل بکس سرجن داؤدی کے قریب لے جا کر رکھ دیا پھر وہ تینوں رائفلیں تانے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش کھڑا ندیم کی صلاحیتوں پر غور کر رہا تھا جس نے بھوشن کے خلاف ثبوت جمع کرنے کے لیے ایک انتہائی موثر طریقہ کار اختیار کیا تھا۔

سرجن داؤدی کے ہاتھ مہارت سے کرشن ورما کے ٹانکے کھول رہے تھے۔ مووی کیمرا برابر چل رہا تھا۔ صرف میں اور ماسٹر جی اس کے قریب سے دور کھڑے تھے۔ ٹانکا کھولنے کے بعد جب اندر سے ایک پولی تھین کی تھیلی برآمد ہوئی تو سرجن داؤدی نے حیرت سے ماسٹر جی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟"

جواب میں ماسٹر جی نے اشارہ کیا تو ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر سرجن داؤدی کے ہاتھ سے وہ تھیلی لے کر جب اسے کھولا تو سرجن کی آنکھیں بھی حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پولی تھین کی تھیلی سے دس ہیرے اور جواہرات برآمد ہوئے تھے جو مووی کیمرے کی تیز فلش لائٹ میں جگمگا رہے تھے۔ ایک ایک منظر ریکارڈ ہو رہا تھا۔

"کیوں سرجن۔" ماسٹر جی نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اسمگلنگ کرنے کا یہ سائنٹفک طریقہ پسند نہیں آیا؟"

سرجن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ معاملے کی سنگینی میں اپنی شمولیت کے بارے میں نتائج پر غور کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سرجن کو کمرے سے باہر لے جایا گیا اور مووی بنانے والے کے کانوں میں روئی کی اچھی خاصی مقدار ٹھونس دی گئی۔

"کرشن ورما یا ردی شنکر۔" ماسٹر جی کی سرد آواز پھر کمرے میں گونجی۔ "اب تم شروع ہو جاؤ۔ اول سے آخر تک ایک ایک بات بیان کرتے چلے جاؤ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تم کوئی غلط بیانی نہیں کرو گے ورنہ شاید تم بھی قانون کے شکنجوں سے نہ بچ سکو اور تمہاری آخری خواہش پوری کرنے کی حسرت بھی دل کی دل ہی میں رہ جائے۔"

کرشن ورما کے چہرے سے شدید نقاہت ٹپک رہی تھی لیکن اسے ماسٹر جی کے حکم کی تعمیل کرنی ہی پڑی۔ کم و بیش اس نے وہی تمام باتیں دہرائی تھیں جو اس سے پہلے میں ریکارڈ کر چکا تھا۔ آخر میں اس نے اس خواہش کا اظہار بھی بڑی غمگین آواز میں کیا تھا کہ اگر اسے زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی موقع

میسر آگیا تو وہ بھوشن جوزف سے اپنی بیوی گیتا کا بہت بھیانک انتقام لے گا۔ اپنے بیان میں اس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ بیرون ملک میں مائیکل اسٹرانگ نامی ایک سرجن آپریشن کر کے خفیہ طور پر وہ ہیرے جواہرات رکھتا تھا جسے ہندی سومو نامی سرجن بعد میں نکالنے کا کام سرانجام دیتا تھا۔

کام مکمل ہونے کے بعد سرجن داؤدی اور سودی والے کو دوبارہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر واپس لے جایا گیا۔ ویڈیو ٹیپ ماسٹر کی نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ آڈیو ٹیپ بدستور میری جیب میں محفوظ تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ بھوشن جوزف اب کسی قیمت پر بھی نہ بچ سکے گا۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"کیوں؟ کیا اتنے ثبوت کے باوجود وہ خود کو بے گناہ ثابت کر سکے گا۔"

"ناممکن بھی نہیں ہے۔" ماسٹر کی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھوشن ان تمام ثبوت کو یک طرفہ کارروائی بھی کہہ سکتا ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ جس وقت فلائٹ نمبر 613 نے لینڈ کیا تھا اس وقت وہ تراسزادہ لاہ و منسٹر کے ساتھ تھا۔"

"اَی۔ ی۔" میں ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"اب ہمیں واپس چلنا ہوگا۔" اس نے میرے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا زیادہ دیر اس میک اپ میں رہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیا ندیم کو مشن کی کامیابی کی اطلاع مل چکی ہوگی۔"

"ہاں۔ اس کے جسم پر دو نہیں سیکڑوں آنکھیں ہیں۔"

میں خاموشی سے ماسٹر کی کے ساتھ ہو لیا۔ میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ بھوشن کو آسانی سے سکون کا سانس نہیں لینے دوں گا۔

☆☆☆

دفتر جاتے وقت بھی میرا ذہن ندیم کے بارے میں الجھ رہا تھا۔ گزشتہ رات نہ تو وہ گھر واپس ہوا تھا نہ ہی اس کا کوئی فون آیا تھا۔ میں نے رات کو کئی بار کیسینو کے نمبر پر اسے رنگ کیا لیکن دوسری جانب سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔ صبح سے بھی میں نے ندیم سے رابطہ قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن ابھی تک مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ کیسینو کے منیجر نے بھی اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ مختلف وسوسے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ ائرپورٹ پر وہ مریض کے آنے کے بعد اچانک ہی مجھ سے جدا ہو گیا تھا پھر اس کے بعد وہ کہاں گیا؟ کیا وہ ابھی تک کسی خاص مشن پر کام کر رہا تھا! خدانخواستہ ائرپورٹ پر ہونے والی فائرنگ میں زخمی ہو کر کسی ہسپتال میں پڑا تھا؟ دونوں ہی صورتوں میں اسے کم از کم مجھ سے

رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا؟

پھر یکلخت میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ کرشن ورما کے حصول کے لیے اچانک ہی تین پارٹیوں کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ ایک پارٹی پولیس کے سادہ لباس والوں کی تھی۔ دوسری کا تعلق یقیناً بھوشن جوزف سے ہوگا۔ وہ مریض ان کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ اسے نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔ تیسری پارٹی ندیم کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ندیم ان کی نظر میں آگیا ہو اور اسے اغواء کر لیا گیا ہو؟

بہرحال میرا ذہن مختلف امکانات پر غور کر رہا تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ ندیم جہاں بھی ہے محفوظ ہے لیکن وہ تھا کہاں؟ یہ سوال میرے لیے تشویش کا سبب بنا ہوا تھا۔ میں ٹھیک ساڑھے دس بجے دفتر میں داخل ہوا تو سراج وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات چغلی کھا رہے تھے کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے اور کسی شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہے۔ اس کی پریشانی کا سبب یقینی طور پر کرشن ورما ہی تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کرشن ورما کے باہر آنے کے بعد سراج نے کسٹم آفیسر کے قریب جا کر کچھ کہا تھا اور جواب میں اسے کوئی ایسا ہی حکم نامہ دکھایا گیا تھا جسے دیکھ کر وہ تلملا کر رہ گیا تھا لیکن صبح ہی صبح اس کا میرے پاس آنا کیا معنی رکھتا تھا؟ کہیں اس نے مجھے میک اپ میں ہونے کے باوجود شناخت تو نہیں کر لیا تھا؟ یا پھر ندیم اسی کے قبضے میں تھا اور وہ مجھے ندیم کے بارے میں بتانے کی غرض سے آیا تھا؟

"خیریت۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔ "صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟"

"کچھ باتیں ایسی ہیں جس کے سلسلے میں میں اپنے محکمے کے کسی آفیسر سے بھی تبادلہ خیال نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میں؟"

"آپ بھی پولیس میں ایک اونچے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اکثر کچھ ایسی باتوں کی پیش گوئیاں بھی کی تھیں جو بعد میں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔" میں مسکرا دیا۔ "انسان کی چھٹی حس اکثر اسے کسی آنے والے خطرے سے قبل از وقت آگاہ کر دیتی ہے لیکن میں نہ دست شناس ہوں نہ ہی ستاروں کی چال اور برج وغیرہ کا حساب کتاب لگا کر یقینی طور پر کوئی پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"

"اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ آپ مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکیں گے۔"

"عزت افزائی ہے آپ کی۔" میں نے انکسار سے کام لیا۔ جواب میں وہ ایک لمحے خاموش رہا پھر کرشن ورما کے بارے میں فون پر ملنے والی اطلاع اور ائرپورٹ پر پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا مسٹر شہباز کہ خان جابر اور بہرام کی موت کے بعد ایک ایسا آدمی میری لسٹ پر ہے جس کی گرفتاری اور بیان حاصل کرنے کے بعد ہم بھوشن جوزف پر ہاتھ ڈال سکتے تھے۔"

"کیا وہی مریض۔" میں نے سادگی سے دریافت کیا۔

"ہاں۔" سراج نے کہا۔ "وہ دراصل بھوشن جوزف کے لیے ناجائز تجارت کا کام سرانجام دیتا تھا۔ کم از کم میری اطلاع یہی ہے لیکن جس وقت میں نے اسے حراست میں لینے کی کوشش کی کسٹم کے ایک سینئر آفیسر نے مجھے ایک ایسا کاغذ دکھایا جس کے بعد میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔"

"کیا درج تھا اس کاغذ میں؟"

"چیف منسٹر کا حکم نامہ جس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ اس مریض کو کوئی ایجنسی پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

"اَی۔ ی۔ گویا بھوشن جوزف نے مریض کو کلیئر کرانے کی خاطر اپنے پورے اثر و رسوخ سے کام لیا تھا۔"

"اس کے علاوہ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اس مریض کو حاصل کرنے کی خاطر تین مختلف پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔" سراج نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک کا تعلق پولیس فورس سے تھا۔ وہ سب میرے قابل اعتماد اور بھروسے کے آدمی تھے لیکن میں بروقت انہیں چیف منسٹر کی طرف سے جاری کیے جانے والے حکم نامے کے سلسلے میں نہیں بتا سکا تھا۔ دوسری پارٹی بھوشن کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی لیکن تیسری پارٹی۔"

"اس کا تعلق کس گروہ سے تھا؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ٹکراؤ کی وہ صورت اسی تیسری پارٹی کی وجہ سے شروع ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی اس مریض کی اہمیت کا علم رہا ہو اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتے ہوں۔"

"کیا آپ کے سادہ لباس والوں نے کسی مشتبہ فرد کو حراست میں بھی لیا ہے۔"

"جی نہیں۔ صورت حال بس اچانک ہی خراب ہو گئی تھی پھر مسافروں اور ہجوم میں بھگدڑ کے باعث ہم کسی کو حراست میں لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھے۔"

"اور اس کے بعد مریض چھو منتر ہو گیا۔"

"اس کے علاوہ ایک خاص بات اور بھی تھی۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ اسے صرف اپنی حد تک محدود رکھیں گے۔"

"اگر وہ بات اتنی ہی اہم ہے تو پھر جانے دیجئے۔" میں نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ آپ غلط نہ سمجھیں۔" سراج نے جلدی سے وضاحت کی۔ "میں یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ اسے خفیہ رکھنے کی خاطر مجھے پریس والوں سے بھی درخواست کرنی پڑی ہے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ میں رات کو ایک پل بھی نہیں سو سکا۔"

"ایسی کیا اہم بات تھی؟"

"جس وقت ائرپورٹ پر افراتفری مچی تھی اس وقت بھوشن جوزف اور ناہ و منسٹر بھی وی آئی پی لاؤنج کے مخصوص کمرے میں موجود تھے۔ ان دونوں کو بے ہوشی کی حالت میں پایا گیا تھا۔ اب وہ ملٹری ہسپتال میں ہیں۔"

"آپ نے ان دونوں کی موجودگی کے سلسلے میں کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھوشن بھی وہاں اسی مریض کی خاطر موجود ہوگا اور ناہ و منسٹر بھوشن کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اس کے ساتھ تھا۔"

"مریض کے بارے میں کوئی سراغ ملا؟"

"ابھی تک اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔" سراج نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "پولیس کا مخصوص دستہ تمام رات مختلف مقامات پر چھاپے مارتا رہا ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اوپر سے بار بار فون موصول ہو رہے ہیں کہ اس کو ہر قیمت پر جلد از جلد بازیاب کیا جائے۔"

لیکن اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا انٹرکام کا بزر بجا اور میں

نے سراج سے معذرت کرتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔ "سر۔ مسٹر ندیم کی کال ہے۔" عارفہ کی آواز سنائی دی۔ "میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ آپ اس وقت سراج صاحب کے ہمراہ مصروف ہیں۔ اس کے باوجود وہ آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ملا دیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ مسٹر سراج اس وقت تمہارے پاس کس مقصد سے آئے ہوں گے؟" ندیم نے کہا۔ "میری بات ختم ہوتے ہی تم اس طرح چونکنا جیسے تم مجھ سے قطعی ناواقف ہو۔ سراج کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"کون ہو تم؟" میں نے ندیم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چونک کر دریافت کیا۔

"تمہارے سراج صاحب کو جس مریض کے سلسلے میں پریشان ہونا پڑ رہا ہے وہ اس وقت ایمبیسڈر ہوٹل کی دوسری منزل پر روم نمبر دو سو بائیس میں بے ہوشی کی حالت میں موجود ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس بار میں نے چونکنے کی اداکاری نہیں کی تھی۔ ندیم کی بات سن کر مجھے حیرت ہی ہوئی تھی۔

"وہ مریض اب ہمارے لیے کار آمد نہیں رہا۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "ہمیں جو ثبوت درکار تھے وہ مل چکے ہیں۔ ایک بات اور ایمبیسڈر میں بھوشن جوزف کا نام بھی شیئر ہولڈروں کی فہرست میں موجود ہے۔"

"تم یہ باتیں مسٹر سراج سے بھی براہ راست کر سکتے ہو۔" میں جھلاتے ہوئے خشک لہجہ اختیار کیا۔

"اچھے جا رہے ہو، لیکن تم نے ماسٹری کو نمبر تین کا حوالہ دے کر عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔" ندیم نے جواب دیا۔ "قسمت ہی تھی جو بچ گئے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ماسٹری کو اس بات کا علم تھا کہ تم نمبر تھری نہیں تھے۔"

"پھر؟"

"پچویشن کے پیش نظر اس نے تمہاری بات مان لی تھی۔ اچھا بائی بائی، شام کو گھر پر ملاقات ہوگی۔"

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہوا تو میں نے غصہ سے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ سراج کو یہ بتانا مقصود تھا کہ میں دوسری جانب گفتگو کرنے والے سے واقف نہیں ہوں۔

"کون تھا؟" سراج نے پوچھا۔ اپنے نام کو سن لینے کے بعد وہ بھی چونکا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی بلاوجہ آپ کو پریشان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں۔" میں نے الجھتے ہوئے جواب دیا۔ "دوسری جانب سے آپ کے لیے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ پولیس کو مطلوبہ مریض اس وقت ایمبیسڈر ہوٹل کے روم نمبر دو سو بائیس میں بے ہوشی کی حالت میں موجود ہے اور اس ہوٹل میں شیئر ہولڈروں کی لسٹ پر بھوشن کا نام بھی ہے۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ یہ انفارمیشن آپ کو ٹریپ کرنے کی خاطر بھی کی جا سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اگر بھوشن کا تعلق ایمبیسڈر ہوٹل سے ہے تو پھر مریض کا وہاں ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں بھوشن ہی کی کوئی چال ہو۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "اس دوغلے صفت کمینے سے کوئی بات بعید بھی نہیں ہے۔ خان جابر اور بہرام کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اسی حرامزادے کے کسی آدمی نے کال کیا ہو۔"

"پھر۔"

"ایمبیسڈر کے روم نمبر دو سو بائیس کو چیک کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" سراج نے کہا پھر اس نے میرے آفس سے اٹھ کر جانے میں کچھ زیادہ ہی جلدی کا مظاہرہ کیا تھا۔

✻

شام کو ندیم سے گھر پر ملاقات ہوئی تو وہ خاصا الجھا الجھا سا نظر آ رہا تھا۔

"تم کل رات سے کہاں غائب تھے؟" میں نے پوچھا۔ "میں نے تمہارے ہر ٹھکانے پر پیغامات چھوڑے تھے لیکن تم سے رابطہ نہیں ہو سکا۔"

"جھک مارتا پھر رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے کہا۔ "تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

"شاید۔" اس بار ندیم نے خود پر قدرے قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ بھوشن اور اس کے گرگے ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سراج نے ہمارے مطلوبہ مریض کو ایمبیسڈر ہوٹل سے بازیاب کرا لیا ہے لیکن زندہ حالت میں نہیں۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے دراصل اس بات کا علم بعد میں ہوا تھا کہ اس ہوٹل میں بھوشن کی پارٹنر شپ ہے۔ ورنہ میں کرشن ورما یا ہری رام کو وہاں بھجوانے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔"

"گویا اسے بھوشن کے کسی آدمی نے مار دیا۔"

"ظاہر ہے۔ جب وہ ہوٹل کا سلیپنگ پارٹنر ہے تو اس کے آدمی بھی وہاں ضرور موجود ہوں گے جنہوں نے مریض کو پہچان کر بھوشن کو اطلاع دی اور اس نے بہرام کی طرح اسے بھی ختم کرا دیا۔ وہ شخص اب اس کے لیے بھی کار آمد نہیں رہا تھا۔ زندہ رہتا تو بھوشن کے لیے پریشانی کا سبب ضرور بن سکتا تھا۔"

"لیکن سراج کے بیان کے مطابق تو بھوشن اور لالہ منشر دونوں ملٹری ہسپتال میں بے ہوش پڑے تھے پھر۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہر حکم بھوشن ہی کی طرف سے جاری ہوتا ہو۔ اس کی عدم موجودگی میں خاص خاص موقع پر اس کے کسی قابل اعتماد آدمی کو بھی اس قسم کے اختیار حاصل ہوں گے۔"

"لیکن وہ ویڈیو ٹیپ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ماسٹری کا خیال درست ہے۔" ندیم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "مریض کے مر جانے کے بعد اب اس ٹیپ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ بھوشن یہی کہے گا کہ اس کے کسی دشمن نے اسے پھنسوانے کی خاطر وہ ٹیپ بنوائی ہے۔ ظاہر ہے ہم کسی کرائے کے آدمی کو بھی حاصل کر کے اس سے وہی کردار ادا کرا سکتے تھے جو مریض نے ادا کیا ہے۔"

"لیکن ایک مہرا ابھی ایسا باقی ہے جو ہمارے لیے بھوشن کے خلاف اہم گواہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"تم شاید سرجن داوڑی کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"آج صبح وہ بھی چل بسا۔" ندیم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے اس کی موت کو ہارٹ فیل قرار دیا ہے۔"

"منور جس نے ویڈیو فلم تیار کی تھی۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ بھی کل رات سے لاپتا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "گویا بھوشن کے آدمیوں نے تمام ثبوت ایک ایک کر کے مٹا دیے۔"

"اس کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی وہی سب کچھ کرتے جو بھوشن نے کیا ہے۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا پھر کچھ توقف سے بولا۔ "لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی ہار تسلیم کر لیتے ہیں۔ سچ پوچھو تو مجھے خوشی ہے کہ بہت عرصے بعد اپنے ہی جیسے کسی ہم پلہ سے واسطہ پڑا ہے۔"

"روی سوسو کے بارے میں کیا خیال ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "کرشن ورما نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہی سرجری کر کے ہیش ہیرے جواہرات برآمد کیا کرتا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے یقین ہے کہ مریض نے غلط نہیں کہا ہوگا لیکن کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہم سرجن سوسو پر بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ چیف منسٹر سے اس کے ذاتی اور براہ راست تعلقات ہیں۔"

"گویا اتنی بھاگ دوڑ اور اچھل کود کے باوجود ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے بڑے جوش و خروش سے آگے بڑھے تھے۔"

"اگر وہ مریض زندہ حالت میں سراج کو مل جاتا تو بات بن سکتی تھی۔"

"کیا تم اسے ایمبیسڈر بھیجنے کے بجائے کسی اور طریقے سے سراج کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں یا میرا کوئی آدمی سراج کی نظروں میں آئے۔"

"اب صرف ایک طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہم براہ راست بھوشن کو ٹارگٹ بنا کر ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سلا دیں۔"

"جذباتی مت بنو۔" ندیم نے کہا۔ "تم ان مافوق قوتوں کو فراموش کر رہے ہو جو قدم قدم پر ہمارے آڑے آ رہی ہیں۔ بھوشن بھی ان ہی گندی قوتوں کی ایک پیداوار ہے۔ جس کی کہانی خان جابر سے شروع ہوئی تھی۔ بھوشن نے صرف خان جابر کو بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی کوشش میں وہ ملوث ہوتا چلا گیا۔"

"پھر تو ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "ہم ناپاک اور گندی طاقتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔"

"اس کا مشورہ میرے بجائے تمہاری کاکا رانی زیادہ بہتر طور پر دے سکتی ہے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے اس طرح لپک کر ریسیور اٹھا لیا جیسے اسے کسی کی کال کا انتظار رہا ہو۔

میرے دماغ کی ساری چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ صندل انگوٹھی اور کمبل پوش بزرگ کی کرامت کی وجہ سے میں محفوظ تھا۔ ندیم کے ساتھ بھی کوئی ایسی ہی صورت تھی جس کی وجہ سے موہنی یا کسی اور قوت نے اسے ابھی تک نشانہ نہیں بنایا تھا لیکن وہ اب تک ہر اس رستے کو بند کرنے میں کامیاب رہی جس پر ہم نے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ حالات کا یہ سلسلہ کھنڈر کی منحوس ذات سے روپ نگر میں شروع ہوا تھا اور ابھی تک جاری تھا۔ قدم قدم پر اس کی شاخیں پھوٹتی جا رہی تھیں۔ بہت سارے بے گناہ دو طاقتوں کے بیچ پس کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ میرے والد بھی ان مرنے والوں میں شامل تھے "اگر کاکا نے بروقت مدد نہ کی ہوتی تو شاید ماں کا سایہ بھی میرے سر سے اٹھ چکا ہوتا۔" میں نے کچھ سوچ کر کاکا کو یاد کیا۔

"تمہاری بڑی کرپا ہو جو تم نے اپنی کاکا رانی کو یاد کیا۔" کاکا کی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔ شاید اس کی قوت ندیم کے مکان کی حدود میں نہیں داخل ہو سکتی تھی۔

"میں بڑی شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے دل پر جبر کر کے لگاوٹ کا اظہار کیا۔ "کیا تم میرے کسی کام نہیں آسکتیں۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے کیا سہائتا چاہتے ہو لیکن ابھی میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟"

"موہنی کو دیوی دیوتاؤں کا آشیرباد حاصل ہے۔" کاکا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے کومل ورما کو ختم کر کے میرے لیے اور دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے وضاحت چاہی۔

"کومل ورما دراصل موہنی کا ایک دوسرا روپ تھی۔ تم نے اسے جلا کر موہنی کی مہان شکتی کو للکارنے کی بھول کی ہے۔"

"لیکن یہ بات تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتائی تھی۔" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے کہ میں نے جو بات تمہیں بتائی تھی اسی کے کارن میں اس سے مجبور ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"داور یاد ہے تمہیں۔" کاکا نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب دو مہان شکتیاں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے ایک جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ مجھے اب پورا وشواس ہو گیا ہے تمہارے پاس بھی کوئی شکتی ہے جس نے پہلے داور کو اب موہنی کو جلا کر راکھ کر دیا۔"

"جس دن مجھے حادثہ پیش آیا تھا شاید اس دن تم نے بھی اسی اندیشے کی وجہ سے مجھے اپنا روپ دکھانے سے انکار کیا تھا۔" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"کیا؟"

"کیا اب بھی تم انکار کرو گے کہ تم اس شکتی کو نہیں جانتے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے۔" کاکا کے لہجے میں کاٹ تھی۔ "جس سمے تم نے کومل ورما کے سندر شریر کو ہاتھ لگایا تھا اس سمے میں تم سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسی کارن مجھے وشواس ہو گیا ہے کہ تم اس شکتی سے جانکاری رکھتے ہو لیکن تم نے مجھے اندھیرے میں ہی رکھا۔"

"غلط فہمی کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔" میں نے انجان بننے کی کوشش کی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون سی قوت ہے جو میری مدد کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے جس طرح تمہارے دیوی دیوتا تمہاری مدد کر رہے ہیں اسی طرح کوئی رحمانی قوت میری بھی مدد کر رہی ہو۔"

"عارفہ کے بارے میں کیا کہو گے بھولے ناتھ۔" کاکا نے چٹخے کے انداز میں جواب دیا۔ "کیا تم سوگند کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تمہیں اس بارے کوئی لگاؤ نہیں۔"

"وہ میری سیکرٹری ہے اس لیے مجھ سے قریب بھی رہتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب۔۔۔"

"نہیں شہباز۔ تم کاکا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اس سمے میں جا رہی ہوں۔ دوبارہ پھر آؤں گی لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تم نے کسی اور سندری کو اپنے من میں بسایا تو کاکا سے تمہارے سارے سمبندھ ٹوٹ جائیں گے۔

پھر تم کاکا کو سارا جیون نہ پا سکو گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کاکا تمہارے جیون سے دور ہو گئی تو کوئی دوسری سندری بھی اس کی جگہ نہ لے سکے گی۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔"

"لیکن عارفہ۔"

"میری بات پر اطمینان سے دھیان دینا پر تو ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لو۔ اگر تم نے کاکا کے من کو ٹھیس پہنچائی تو یہ سودا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"کیا تم بھی موہنی کی طرح میرے خون کی پیاسی ہو جاؤ گی۔"

"اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" کاکا نے سرد مہری سے جواب دیا پھر میں نے اسے کئی آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

کاکا کی باتوں نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے کھلے لفظوں میں مجھے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اگر میں نے عارفہ کی طرف سے اپنا خیال نہ بدلا تو عارفہ کی زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ مجھے اپنی بے بسی کا احساس ہوا تو میری رگوں میں گردش کرنے والے خون کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔

ندیم ابھی تک فون پر گفتگو میں مصروف تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر خون کی تمازت دو چند نظر آ رہی تھی شاید فون پر بھی اسے کوئی مایوس کن اطلاع موصول ہوئی تھی۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا۔

"ایک اور اہم ثبوت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔" ندیم نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مائیکل اسٹرانگ جو سرجری کرنے کے بعد کرشن ورما کی ران میں ہیرے جواہرات رکھتا تھا اسے بھی گولی مار دی گئی۔ ابھی بیرون ملک سے مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔"

فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ ندیم نے لپک کر کال ریسیو کی پھر ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری جانب سراج تھا۔ اس نے بھی مجھے کرشن ورما کے بارے میں وہی کہانی سنائی جو ندیم مجھے بتا چکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ سراج سے سرجن داؤدی کے بارے میں دریافت کروں لیکن پھر میں نے

اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

ندیم سراج سے میری گفتگو کے دوران ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

☆

کاکا کی باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ میری وجہ سے اب تک بہت سارے افراد موت کی نیند سو چکے تھے اور اب شاید عارفہ کی باری تھی۔ وہ بے قصور اور معصوم لڑکی جس کا گناہ صرف اتنا تھا کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی۔ میں نے رسٹ گھڑی پر نظر ڈالی اس وقت شام کے ساڑھے سات کا عمل تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے عارفہ کے نمبر ڈائل کیے۔ کال خود اسی نے ریسیو کی تھی۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

"اس وقت میرا خیال کیسے آ گیا؟" وہ ایک لمحے کو جھجکی پھر سنبھل کر بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ہاں۔ مجھے تم سے ایک بہت اہم کام ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن کام بتانے سے پہلے تم وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گا تم اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرو گی۔ کوئی وجہ دریافت نہیں کرو گی۔"

"ایسا کیا کام درپیش ہے۔"

"پہلے وعدہ کرو۔ اس کے بعد بتاؤں گا۔"

"آپ حکم دیجئے۔" اس نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ وہ اس وقت مجھ سے دور تھی لیکن اس کی آواز سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حکم دیجئے کہتے وقت اس کے معصوم چہرے پر دھنک رنگ ضرور جاگ اٹھے ہوں گے مگر یہ وقت احساسات کا نہیں بلکہ عمل کا تھا چنانچہ میں نے سنبھل کر کہا۔

"عارفہ۔ جتنی جلدی ممکن ہو تم اپنا ضروری سامان کسی اٹیچی میں رکھ کر میرے پاس چلی آؤ۔"

"لیکن اس وقت۔"

"مجھ پر بھروسا کرو۔ یہ وقت تفصیل بتانے کا نہیں ہے۔"

"پھر بھی۔"

"بحث مت کرو۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "تم مجھ سے میری بات پر عمل کرنے کا وعدہ کر چکی ہو۔"

میں نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ میں سیدھا اٹھ کر ماں کے پاس گیا وہ کسی عبادت میں مشغول تھیں۔ میرے چہرے کو ایک ماں کی نگاہوں سے دیکھا تو شاید انہیں میری گھبراہٹ کا علم ہو گیا۔ جلدی سے دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"کیا بات ہے بیٹے۔ تم مجھے کچھ فکرمند نظر آ رہے ہو۔"

"امی۔" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ کہا کرتی تھیں کہ میں جتنی جلدی ممکن ہو اپنا گھر بسا لوں۔"

"یہ میری بڑی دیرینہ آرزو ہے۔"

"میں اس وقت آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔"

"میں نے جس لڑکی کو پسند کیا ہے وہ کچھ ہی دیر میں اپنا ضروری سامان سمیٹ کر یہاں پہنچنے والی ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ماں کی حیرت بے جا نہیں تھی۔

"میری وجہ سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "تفصیل میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا لیکن اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر لڑکی آپ کو پسند نہ آئی تو میں اس سے شادی کرنے کا خیال دل سے نکال دوں گا مگر جب تک وہ خطرے میں ہے اس وقت تک اسی چھت کے نیچے آپ کے سائے میں رہے گی۔"

"تم اس لڑکی کی بات تو نہیں کر رہے ہو جو تمہارے دفتر میں کام کرتی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا اس وقت تم نے اسے یہاں آنے کو کہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"مگر بیٹے کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اس وقت یہاں آ جائے گی؟"

"نہیں آئے گی تو مجھے اس کی موت کا بے حد افسوس ہو گا۔" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" ماں نے چونک کر پوچھا۔ "اسے کس قسم کا خطرہ لاحق ہے؟"

"کچھ طاغوتی قوتیں اسے میرے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔" میں نے ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر میری آواز رندھ گئی۔ "ان ہی کالی اور ناپاک طاقتوں نے مجھے باپ کے سائے سے بھی محروم کیا تھا۔ اگر خدا کی رحمت اور آپ کے بڑے ابا کی دعاؤں نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید وہ گندی اور منحوس قوتیں آپ کو بھی۔۔۔" میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ میرے آنسو ماں کے گالوں پر بہے تو وہ تڑپ اٹھیں۔ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑے پیار سے بولیں۔

"پریشان مت ہو میرے بچے۔ موت اور زندگی اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا کی رحمتیں اور بڑے ابا کی دعائیں ضرور تمہاری حفاظت کریں گی۔"

میں ماں سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ملازم نے آکر عارفہ کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے ماں کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھیں اور جا کر عارفہ کو اندر لے آئیں۔ اس کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ کبھی وہ میری سمت دیکھتی اور کبھی سہمی سہمی نگاہوں سے

ای حضور کو دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ مت بیٹی۔" ماں نے بڑی شفقت سے عارفہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اچھا کیا جو میرے پاس چلی آئیں۔ مجھے ماں ہی سمجھو۔ یہاں تمہیں میرے ہوتے ہوئے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔"

"شکریہ" عارفہ نے میری طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ میری چھٹی حس کسی بری خبر کی اطلاع دے رہی تھی پھر وہی ہوا جس کا میں نے اندازہ لگایا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری جانب سے کسی نووارد نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر شہباز کہ تمہاری عارفہ اب تک جل بھن کر کسی جلے ہوئے بکرے کی شکل اختیار کر چکی ہو گی۔"

میں نے جلدی سے فون کا مائک آن کر دیا تاکہ عارفہ بھی ہونے والی گفتگو سن سکے پھر میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "کون ہو تم؟"

"اگر میں نے تمہاری عارفہ بیگم کو سوہنی کی ماں کی طرح آگ میں جلا کر بھسم کر دیا ہے تو یقیناً تم مجھے اپنا دوست نہیں کہو گے۔"

اس آواز کو سن کر امی حضور کے علاوہ خود عارفہ کے چہرے پر بھی پریشانی کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "لیکن تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ آگ کو سرد کرنے کے بجائے اور ہوا دے گا۔ اگر تم مرد ہوتے تو ایک معصوم لڑکی کے بجائے مجھ سے مقابلہ کرتے۔"

"فکر مت کرو۔ وہ گھڑی بھی دور نہیں جب ہم تمہیں گریبان سے گھسیٹ کر اپنے قدموں پر خارش زدہ کتوں کی طرح لوٹنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"تمہاری یہ حسرت تمہیں قبر تک بھی لے جا سکتی ہے۔"

"اس کا فیصلہ اتنی جلدی مت کرو مسٹر شہباز۔" دوسری جانب سے سرد لہجے میں جواب ملا۔ "تمہاری وجہ سے ہمارے باس کو اپنے دو قیمتی آدمیوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ میرا اشارہ کرشن دیما اور مائیکل اسٹرانگ کی طرف ہے۔ کیا اب بھی اس کی وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ میں نے تمہاری چہیتی کو بھڑکتی ہوئی آگ میں روسٹ کرنے کے لیے کس کے حکم کی تعمیل کی ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" میرے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ "میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنی نامردی کا ثبوت کس کے اشارے پر دیا ہے۔"

"اتنی عقلمندی کی باتیں مت کرو مائی ڈیئر۔ کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔" بولنے والے نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"عارفہ کے خلاف جس نے بھی انتقامی کارروائی کی ہے اسے یہ سودا بڑا مہنگا پڑے گا۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "عارفہ کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔"

"زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش کرو گے تو منہ کے بل زمین پر گر کر خود کو زخمی کر لو گے۔ بہتر یہی ہے کہ اب عارفہ کی موت کو ایک اتفاقیہ حادثہ سمجھ کر بھول جاؤ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ کوئی گندی قوت ہے جو تمہارے ذہن کو ریموٹ کنٹرول کی طرح اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر رہی ہے۔ تمہاری حیثیت ایک بے جان کھلونے سے زیادہ نہیں۔"

"کھلونے بولا نہیں کرتے۔"

"بولتے ہیں لیکن اپنی مرضی سے نہیں۔ اس میں بھی کسی نئی تکنیک کا دخل ہوتا ہے۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "تمہیں اس وقت شاید خود بھی نہیں معلوم کہ تم کس کے اشاروں پر رقص کر رہے ہو۔"

جواب میں دوسری جانب سے خاموشی چھا گئی۔

"کاکا۔" میرے ذہن میں ایک ہی نام ابھرا۔ کچھ دیر قبل اسی نے مجھے عارفہ کے سلسلے میں دبی زبان میں دھمکی دی تھی۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر عارفہ کو اس کے فلیٹ سے ہٹنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"شہباز۔" ماں نے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"مائی گاڈ۔" عارفہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر میں نے فلیٹ نہ چھوڑا ہوتا تو شاید اس وقت۔"

"خدا جو کرتا ہے بہتری کرتا ہے۔" میں نے ماں اور عارفہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خدا کی ذات پر مکمل یقین ہے۔ زندگی مال و اسباب کے مقابلے میں زیادہ قیمتی شے ہے۔"

"شہباز۔" ماں نے کہا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ باطل قوتیں یا تمہارے دشمن عارفہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے شبہ تھا اور میرا شبہ درست ثابت ہوا۔"

"کیا اس میں بھی ان ہی طاقتوں کا دخل ہے۔ جنہوں نے نسیم کی ماں اور انکل کو۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے عارفہ کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لیے اب ضروری ہو گیا ہے کہ جب تک حالات سازگار نہ ہوں۔ تمہیں اسی مکان کی چار دیواری تک محدود رہنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دشمن اسی غلط فہمی کا شکار رہیں کہ وہ اپنے ناپاک اور گندے عزائم میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"

"میں خود اب اس بچی کو ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے دور نہ ہونے دوں گی۔" امی نے عارفہ کو اپنے سینے سے لگایا تو عارفہ کے اندر کا غبار آنسوؤں کی شکل میں اس کی حسین آنکھوں سے بہہ نکلا۔

میرے لیے اب خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ میں اپنے دشمنوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں ان کے مقابلے میں اپنی شکست مرتے دم تک قبول نہیں کروں گا۔

کاکا۔ بھوشن جوزف اور پانڈے جی کا نام میرے ذہن میں گرم آندھی کی طرح چکرا رہا تھا۔ اس کے علاوہ لانسٹر اور سوہنی سومو بھی میری فہرست میں شامل تھے۔ میرا دماغ انہیں ترتیب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

☆☆☆

میں نے دشمنوں کو عارفہ کی موت کا یقین دلانے کی خاطر تین روز کے لیے آفس بند کر دیا تھا۔ اس عرصے میں صرف گھر تک یا پھر ندیم کے کیسینو تک محدود رہا۔ سراج نے ان تین دنوں میں کئی بار فون کر کے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ دفتر کے دوسرے لوگوں کے بھی فون آتے رہے۔ میں سوگوار انداز میں ان سے باتیں کرتا۔

ماں نے عارفہ کو قبول کر لیا تھا۔ عارفہ کو اپنے فلیٹ کے جلنے کے دکھ سے زیادہ میری ماں کے ساتھ رہنے میں خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ماں نے کئی بار مجھ سے اصرار کیا کہ میں کسی قاضی کو خاموشی سے بلا کر عارفہ کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنا لوں لیکن میں نے ماں کو ٹال دیا۔ میرے دشمنوں نے میرے گرد جو حصار کھینچ رکھا تھا میں اسے توڑ کر باہر نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایسے حالات میں خود مجھے اپنی زندگی کا بھی بھروسا نہیں تھا۔ عارفہ کو اپنا کر میں اس کا مستقبل برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے بہت سارے پلان پک رہے تھے مگر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ طاغوتی قوتوں کی جانب سے بھی خاموشی تھی۔ ابھی تک سوہنی یا کاکا میں سے کسی نے بھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا حالانکہ کاکا کو عارفہ کی فرضی موت پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

ندیم میرے اندر سلگنے والے آتش فشاں کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مجھے اندر سے کریدنے کی بہت کوشش کی لیکن میں اسے بھی ہنس ہنس کر ٹالتا رہا۔ اس نے میری خاطر بہت ساری قربانیاں دی تھیں۔ میں اسے مزید کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی ندیم میرے پاس بیٹھا میرے وجود میں بھڑکتے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے ریسیور اٹھا لیا پھر اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تمہاری کال ہے۔"

"کہہ دو میں اس وقت گھر پر نہیں ہوں۔"

"اسے میری بات کا یقین نہیں آئے گا اس لیے کہ اس نے تمہیں باہر تمام جگہ تلاش کرنے کے بعد ہی یہاں فون کیا ہو گا۔"

"کون ہے؟" میں نے بیزاری سے پوچھا۔

"سوہنی۔"

میں نے جھپٹ کر ندیم کے ہاتھوں سے ریسیور لے لیا۔ دوسری جانب سے سوہنی کی زہر آلود آواز سنائی دی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں عارفہ کی موت کا بہت دکھ ہے۔ اسی کارن میں نے تمہیں فون کیا ہے کہ تمہارا کچھ دکھ بانٹ سکوں۔"

"میرے زخموں پر نمک چھڑکنا چاہتی ہو۔" میں نے دیدہ و دانستہ جھلا کر جواب دیا۔

"نمک نہیں بلکہ مرچ۔" اس نے ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا پھر یکلخت سنجیدگی سے بولی۔ "ابھی تمہارا زخم تازہ ہے اس لیے میں تمہیں ایک اور خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"نسیم۔" وہ تلخ انداز میں بولی۔ "تم نے اسے بڑے پریم سے بہن بنایا تھا۔ اس کا بھوشیہ بنانے اور سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ میں جانتی ہوں شہباز خان کہ نسیم سندر ہے لیکن تم بھی جانتے ہو کہ کسی سندر چیز کو نظر نہ لگ جائے اس لیے اس کے شریر پر کہیں کالا داغ لگا دیتے ہیں۔ تم ایسا کرنا بھول گئے تھے پرنتو میں نے یاد رکھا۔ اس سے تمہیں یہی خوشخبری سنانے کے کارن فون کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہونے لگی تھیں۔

"پریشان مت ہو۔ اس کا جیون کالی کے چرنوں پر بھینٹ نہیں چڑھا۔ کیول اس کے چہرے کو ضرور داغ دیا ہے کہ اسے کسی دشمن کی نظر نہ لگ سکے۔ تم چاہو تو یہ خوشخبری اپنے مترو کو بھی سنا سکتے ہو۔"

"یہ کمینگی ہے۔" میں چیخ اٹھا۔ "اگر تمہاری شکتی مہان ہے تو پھر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرو۔ دوسروں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"میری ماں تمہیں یاد ہے۔" اس نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "تمہارے مترو نے اسے زندہ جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ میں نے بھی تمہاری عارفہ کے بارے میں یہی سوچا تھا لیکن مجھے خوشی ہے کہ یہ کام تمہاری کاکا رانی نے پورا کر دیا۔ بہت گھمنڈ تھا نا تمہیں اپنی کاکا پر۔"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے غصے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ندیم نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میں

نسیم کے بارے میں بتا کر اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے کہ سوہنی کی کال کے کچھ دیر بعد ہی مدیم کو اس سانحے کی اطلاع راجو نے لندن سے فون پر دی تھی۔ مدیم نے اس خبر کو بڑے صبر و تحمل سے سنا۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھ رہا تھا۔ میری طرح اس کے اندر بھی راکھ میں دبی دبی چنگاریاں شعلوں کی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ فون رکھنے کے بعد اس نے مجھے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "نسیم ایک خطرناک حادثے کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئی لیکن اس کی خوبصورت پیشانی پر ایک داغ رہ گیا ہے۔ سرجنوں کا خیال ہے کہ وہ داغ ہمیشہ قائم رہے گا۔"

"لیکن حادثے کی نوعیت؟"

"میں عقل کل نہیں ہوں۔" مدیم نے تلملا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم انکار کر سکو گے کہ ابھی اس سوہنی نے تمہیں فون پر یہی اطلاع دی تھی۔" پھر وہ میرے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا خواب گھر سے باہر نکل گیا۔

نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع نے مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ سوہنی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ عارفہ کے فلیٹ کو کاکا کے اشارے پر خاکستر کیا گیا تھا۔ شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا اس لیے کہ آخری ملاقات میں خود کاکا نے اپنی زبان سے کچھ ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ قسمت نے اگر میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو عارفہ بھی میری خاطر بے قصور ماری جاتی۔ اتفاق ہی تھا جو میں نے ایک خطرے کو محسوس کر کے عارفہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

"لیکن کیا کاکا کو اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ اسے اپنے ناپاک ارادے میں مایوسی ہوئی ہے؟" میرے ذہن میں یہ سوال بجلی بن کر کوندا اسی لمحے کاکا کی آواز دور سے میرے کانوں میں گونجی۔

"شہباز۔ سوہنی نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"کھل کر کہو کاکا رانی۔" میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "اب تم مجھے کس بات کا یقین دلانا چاہتی ہو۔"

"میری بات کا وشواس کرو۔ میں نے تمہاری عارفہ کے گھر کو آگ نہیں لگائی۔ یہ سب سوہنی کے کرتوت ہیں۔ شاید اس نے میری اور تمہاری بات سن لی تھی اس لیے وہ ایک خطرناک چال چلنے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک طرف اس نے عارفہ کے گھر کو آگ لگائی اور دوسری طرف میرے خلاف تمہارے من میں کھوٹ بھر دیا۔ پر جواب میں بھی ایسا سبق دوں گی کہ مرنے کے بعد اس کی آتما بھی بیاکل رہے گی۔"

"کاکا۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم نے کہا تھا اگر میں نے تمہارے سوا کسی اور سندری کو من میں بسایا تو تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی۔"

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن..."

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں

اسلم راہی ایم۔اے کے تاریخی ناول

سراج منیر (اول و دوئم)	500/-
طارق بن زیاد	200/-
مقدس دیوداسی	175/-
سرابوں کے صحرا	200/-
رقص درویش	300/-
وحشت کے بھیڑیے	250/-
غرناطہ کا چوپان	300/-
شیر شاہ سوری	300/-
سندھ کا سورما	250/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

تمہارے ساتھ پریم بندھن میں بندھنے کو تیار ہوں۔" بولو۔ کیا تم میرے پیار کی خاطر وہی سندر روپ اختیار کر کے میرے پاس نہیں آسکتیں جس میں میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔"

"پریم شریر کے بندھن کا نام نہیں ہے شہباز۔" کاکا نے جواب دیا۔ "سچا پریم وہ ہوتا ہے جو من کی گہرائیوں میں سما جائے۔"

"تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن جسم کے اپنے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

"جو من کو نہ مار سکے وہ مہان شکتی کبھی پراپت نہیں کر سکتا۔"

"میں تمہاری خاطر اس پر بھی تیار ہوں' لیکن ایک شرط ہے۔"

"حکم دو میرے دیوتا۔" وہ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ "تمہاری داسی تمہاری ہر آگیا کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھتی ہے۔"

"اگر تم مجھی ہو تو پھر سوہنی کو میرے راستے سے ہٹا دو۔"

"شہباز اگر میں نے ایسا کیا تو دیوی اور دیوتا پھر مجھے پجاری سوتی بنا دیں گے' پھر میں کوئی دوسرا جنم' دوسرا روپ نہیں اختیار کر سکوں گی۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہاری سورتی کو من میں بسا کر زندگی گزار دوں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تم شاید کاکا کا امتحان لینا چاہتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"چلو۔ یہی سمجھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے تھوڑے تامل سے جواب دیا۔ "میں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے کا وچن دیتی ہوں جس سے سوہنی کو بھی دساسی کی طرح تمہارے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ اگر میں کامیاب ہو گئی تو پھر دیو تاؤں کے سراپ (عتاب) سے بچ سکتی ہوں۔"

"تمہیں نسیم کی زندگی کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"چنتا مت کرو شہباز۔ اب سوہنی اپنے کالے کرتوتوں میں کامیاب نہیں ہو گی۔ اب میں اسی سمے تمہارے پاس آؤں گی جب سوہنی کا کریا کرم پورا ہو جائے گا۔"

پھر کاکا چلی گئی لیکن میں نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ میری چھٹی حس گواہی دے رہی تھی کہ مافوق الفطرت قوتیں بھیس بدل بدل کر مجھے ریگستان میں پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے دوڑنے پر مجبور کر رہی ہیں۔

❋

پانڈے نے مجھے ریسپشن سے بیس میں اپنے آفس میں دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس وقت وہ اپنے دفتر میں تنہا نہیں تھا۔ پستہ قد اور دوہرے بدن کا ایک اور شخص اس کے سامنے بیٹھا بڑے بھونڈے انداز میں سگریٹ پی رہا تھا۔ انداز بازاری ہی تھا۔ وہ صورت شکل اور لباس کے اعتبار سے اچھا آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے جینز اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیکٹ کے نیچے سیاہ رنگ کی ایک بنیان نما شرٹ تھی جس میں سرخ اور پیلے رنگ میں ایک خونخوار شیر کو ایک سہمے ہوئے بکرے پر جھپٹتے دکھایا گیا تھا۔ چہرے پر خاصی گھنی داڑھی تھی لیکن فوری طور پر میرے دل میں یہی خیال ابھرا کہ وہ داڑھی اصلی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔

پانڈے کے چہرے پر بھی مجھے الجھن اور خوف کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ میرے سامنے اپنی چیک بک کھولے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے رنگ میں زردی شامل ہو گئی تھی۔

"تم؟"

"ہاں۔" میں نے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "سیوک کو راکشش کہتے ہیں اور شاید ہم ایک بار مل بھی چکے ہیں۔"

"مجھے اس وقت ایک ضروری کام نپٹانا ہے۔ کیا تم کچھ دیر بعد نہیں آ سکتے۔"

"تم اپنا کام نپٹا لو جب تک میں یہیں بیٹھ کر سستانے لگتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ میری نظریں پانڈے کے علاوہ اس پستہ قد شخص پر بھی تھیں جو مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی موجودگی میں نہیں کیے جاتے۔" پانڈے نے کن انکھیوں سے پستہ قد آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب بزنس سیکرٹ ہے۔"

"مجھ سے کیا پردہ مسٹر پانڈے۔" میں نے بدستور بدلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ میرے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔ "میں تو تمہیں ہر رنگ میں دیکھ چکا ہوں۔ پہلی ملاقات یاد ہے تمہیں جب میں تمہارے بیڈ روم میں آیا تھا اور تم..."

"بھگوان کے لیے۔" پانڈے تیزی سے بولا۔ "میں تم سے بنتی کرتا ہوں کہ اس سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد جو تم کہو گے مجھے منظور ہو گا۔"

پستہ قد آدمی کے چہرے کے تاثرات خطرناک ہونے لگے تھے پھر اس کا سیدھا ہاتھ جیکٹ میں بائیں سمت رینگ گیا تھا۔ وہ بغل ہولسٹر سے کوئی اسلحہ نکالنا چاہتا تھا لیکن اس نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ پہلی بار براہ راست مجھ سے بڑے کھردرے اور سرد لہجے میں مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم اس وقت ایک ضروری بزنس ڈیل کر رہے ہیں جس میں کسی تیسرے شخص کی موجودگی برداشت نہیں کی جا سکتی۔" اس کی آواز میں چیلنج تھا۔ میں اپنے چاروں طرف آیت الکرسی کا حصار قائم کیے ہوئے تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے ایک نظر بھر کر اس شخص کو دیکھا جس کے تیور ہر لمحہ خطرناک ہوتے جا رہے تھے پھر بڑی بے پروائی سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف؟"

"لوگ مجھے ٹائیگر کے نام سے جانتے ہیں۔" وہ غرایا۔ "اور جو مجھ سے واقف ہیں وہ میرے سائے سے بھی دور رہنے کی

کوشش کرتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہارے سائے سے دور ہی ہوں۔" میں نے کرسی پر پہلو بدل کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات بتانی ضروری سمجھتا ہوں۔ میں ان اجنبیوں سے بات کر کے اپنا وقت برباد نہیں کرتا جو مجھے پہلی نظر میں اچھے نہ لگے ہوں۔"

"تم۔۔" اس نے مجھے ایک موٹی سی گالی دی پھر اپنا آٹومیٹک ہولسٹر سے نکال لیا جس پر سائلنسر بھی موجود تھا۔ وہ آٹومیٹک کا رخ میری سمت کرتا ہوا بڑے خوفناک لہجے میں بولا۔ "کیا تم شرافت سے زندہ اٹھ کر جانا پسند کرو گے یا۔۔"

"بھگوان کے لیے۔" پانڈے نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میرے آفس میں کوئی خون خرابہ نہ کرنا ورنہ میری کاروباری ساکھ تباہ ہو کر رہ جائے گی۔"

"بری بات ہے بالک۔" میں نے ٹائیگر سے کہا۔ "تم ابھی اتنے جوان نہیں ہوئے ہو کہ اس قسم کے ہتھیار سے کھیلو۔ میری مانو تو اسے واپس اپنے ہولسٹر میں رکھ لو۔ ایک بات اور تمہارے چہرے پر یہ نقلی داڑھی کچھ زیادہ اچھی نہیں لگ رہی۔ کیا تم مجھے اپنا اصلی روپ دکھانا پسند کرو گے۔"

ٹائیگر تیزی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فیصلہ کن آواز میں غرایا "میں صرف تین تک گنوں گا اس کے بعد مجھے تمہاری موت پر کوئی افسوس نہ ہو گا اس لیے کہ انسان کی خون سے ہولی کھیلنا میری عادت ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اچانک غیر ارادی طور پر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھوس آواز میں کہا اور وہ اس طرح میرے حکم پر دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا جیسے میری آواز نے اسے عمل تنویم کے زیر اثر کر دیا ہو۔ اب اس کی خونخوار آنکھیں جھپکے بغیر میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سیدھا ہاتھ اس نے نیچے گرا لیا تھا۔ پانڈے اپنی کرسی پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

یکلخت مجھے کمبل پوش بزرگ کا خیال آ گیا جنہوں نے ایک بار مجھے اس طرح نظر بھر کر دیکھا تھا کہ میں لرز اٹھا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ اس نیک بزرگ نے اپنی کچھ مخفی طاقتیں میرے اندر منتقل کر دی تھیں۔ شاید اس وقت وہی غیبی قوت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے آزمانے کی خاطر ٹائیگر کو دوبارہ ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

"تمہارا اصلی نام کیا ہے؟"

"رندھیر۔" اس نے کسی معمول ہی کی طرح جواب دیا۔ اس کی آنکھیں اب ویران سی نظر آ رہی تھیں۔

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"پانڈے جی سے دس لاکھ کا چیک وصول کرنے۔"

"کس کے حکم سے؟"

"مجھے نہیں معلوم" اس نے جواب دیا۔ "مجھے فون پر باس نے یہی حکم دیا تھا۔"

"تمہارے باس کا نام کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم" رندھیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارا باس ہی ہے۔"

"تھری فائیو کے کوڈ نمبر سے۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "بہرام نے ایک بار مجھے یہ کوڈ نمبر بتایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس کوڈ کے حوالے کے بعد جو حکم بھی ملے اس پر عمل کروں۔"

"بہرام اب کہاں ہے؟" میں نے بہرام کے نام پر چونکتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا سمبندھ تھا تمہارا اس کے ساتھ؟"

"وہ۔ وہ میرا استاد تھا لیکن اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے مار ڈالا گیا ہے اور اب میں اس کی جگہ تھری فائیو کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔"

"پانڈے سے دس لاکھ وصول کر کے تم اس کا کیا کرتے؟"

"مجھے صرف رقم وصول کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔"

پانڈے کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی ٹائیگر یا رندھیر کی جانب گھورنے لگتا۔

"اب تمہیں میرے حکم پر عمل کرنا ہو گا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کیا تمہارے پاس آٹومیٹک کے علاوہ اور کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"اپنے نشانے پر تمہیں وشواس ہے۔"

"آج تک کوئی اڑتی ہوئی چڑیا بھی میری گولی سے بچ کر نہیں جا سکی۔"

"گڈ۔ آدمی کام کے ہو۔" میں نے ایک نظر پانڈے کو دیکھا پھر رندھیر سے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "تم اب پانڈے جی پر صرف دو فائر کرو گے اس طرح کہ ایک گولی سیدھے ہاتھ پر لگے اور دوسری الٹی ٹانگ پر۔ میں تمہیں صرف تین منٹ دے رہا ہوں اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہی عمل مجھے تمہارے ساتھ کرنا پڑے اور ہاں ایک بات کا دھیان رکھنا کہ پانڈے جی کو مرنا نہیں چاہیے۔"

میرا حکم سن کر رندھیر تیزی سے اٹھا۔ اب اس کا رخ پانڈے کی سمت تھا اور آٹومیٹک فضا میں آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ "بھگوان کے لیے" پانڈے کانپتا اور لرزتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہذیانی انداز میں گڑگڑایا۔ "میرا سارا دھن لے لو لیکن مجھے گولی مت مارو۔ میں تم سے بنتی کرتا ہوں۔"

لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ میری خواہش کے عین مطابق تھا۔ رندھیر کا نشانہ واقعی سچا تھا۔ آفس میں دوبار مدھم آواز میں "ٹھک ٹھک" کی آواز ابھری اور پانڈے کراہتا ہوا زمین پر الٹ گیا۔ اس کے سیدھے ہاتھ اور الٹی ران سے خون ابل رہا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور رندھیر کو مخاطب کر کے ٹھوس آواز میں بولا۔

"میں جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے ٹھیک دس منٹ بعد تم یہ آٹومیٹک اپنی کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دو گے۔ کیا تم میرا حکم سن رہے ہو۔"

"ہاں۔" رندھیر نے خوابیدہ کیفیت میں میرے الفاظ دہرائے۔

پانڈے فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ میرے لیے اب وہاں مزید رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں خاموشی سے آفس سے باہر نکلا اور بڑے اطمینان سے چلتا ہوا عمارت سے باہر آ کر اس طرف چل دیا جہاں میں نے دو فرلانگ کے فاصلے پر اپنی کار کھڑی کی تھی لیکن اس وقت میری کار کی نمبر پلیٹ بدلی ہوئی تھی۔ مصلحتاً اس کا اہتمام میں نے پانڈے کے آفس جانے سے پہلے ہی کر لیا تھا۔

میں دراصل نسیم کا انتقام لینے کی خاطر پانڈے کے دفتر گیا تھا لیکن وہاں رندھیر کی موجودگی نے میری مشکل حل کر دی تھی۔

دس منٹ بعد میں اپنی گاڑی میں بیٹھا سول لائنز ایریا کی طرف جا رہا تھا اور کمبل پوش بزرگ کی بخشی ہوئی اس طاقت کے بارے میں غور کر رہا تھا جس کے بارے میں مجھے پہلی بار علم ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل اور میری چھٹی حس گواہی دے رہی تھی کہ اب میں ان طاغوتی، شیطانی اور ناپاک قوتوں سے بھی آسانی سے نبرد آزما ہو سکتا ہوں جنہوں نے عرصہ حیات مجھ پر تنگ کر رکھا تھا۔

وہ آواز سو فیصد میری اپنی ہی تھی جس نے ٹائیگر کو بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا لیکن اس میں میرے ارادے یا کسی جذبے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس کسی غیبی اشارے کے تحت غیر ارادی طور پر وہ کلمات میری زبان سے ادا ہو گئے تھے۔ وہ یقیناً ان ہی کمبل پوش بزرگ کی کرامت تھی جس نے میری زبان میں ایک مقناطیسی تاثیر پیدا کر دی تھی۔ ایک معجزہ تھا جو قدرت کے اشارے پر رونما ہو گیا تھا۔

مگر ایک بات اپنی جگہ طے تھی مجھے یقین تھا کہ اس سفید ریش بزرگ نے اپنی کچھ طاقتیں روحانی طور پر میرے اندر منتقل کر دی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹائیگر کے ہاتھوں میری موت یقینی تھی۔ اسی نے بہرام کا حوالہ بھی دیا تھا جسے شہر کا سب سے بڑا بدمعاش اور دہشت گرد کہا جاتا تھا۔ سراج کے بیان کے مطابق بہرام پولیس لسٹ پر سرفہرست تھا لیکن اسے اونچے حلقوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسے افراد کی حمایت حاصل تھی جو برسر اقتدار پارٹی کے اندر خاصی مضبوط کرسیوں پر براجمان تھے جن کا محض ایک اشارہ کسی بھی اہم سے اہم ترین فائل کو نذر آتش کر دینے کے لیے کافی تھا۔

پانڈے بظاہر بے قصور تھا خود لاکانے بھی اعتراف کیا تھا کہ اس کی حیثیت کسی ایسے کھلونے جیسی تھی جسے ریموٹ کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ وہ دس لاکھ کا چیک بھی موہنی کے اشارے پر ہی کاٹنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی تھا کہ پانڈے صرف ایک بزنس مین ہے جو صرف اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی تھا۔ کسی نفع یا نقصان کی خاطر وہ کسی کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کا عادی نہیں تھا۔

لیکن نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع نے میرے اندر سلگتے ہوئے آتش فشاں کو پھر سے کرید دیا تھا۔ نسیم بے قصور تھی، معصوم تھی ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھی تھی لیکن اسے سزا صرف اس لیے ملی تھی کہ وہ مجھ سے متعلق تھی۔ حقیقت و انصاف "جزا و سزا" میں بھی حیثیت کو بڑا دخل ہوتا ہے چنانچہ موہنی کی قوت نے اسے صرف مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے ایک حادثے سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تو نسیم کو اپنی ناپاک طاقت کے ذریعے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ نسیم کو زندگی بھر کے لیے ایک عذاب میں مبتلا کر کے مجھے ذہنی طور پر چرکے پہنچانے کی متمنی تھی۔ نسیم کے انتقام کے جواب میں ہی میرا ذہن پانڈے کی طرف گیا تھا۔ وہ بھی بے قصور تھا مگر میں بھی اسے ایک کرب ناک سزا دے کر موہنی کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتا ہوں۔

اتفاق ہی تھا جو ٹائیگر کی وہاں موجودگی نے میری مشکل آسان کر دی تھی۔ پانڈے کے زخمی ہونے اور ٹائیگر کی خودکشی کے بعد یہ معاملہ محض ان دونوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ پولیس کی تفتیش کے بعد یہی رپورٹ مرتب ہوتی کہ ٹائیگر جو کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں تھا کسی خطرناک ارادے سے پانڈے کے دفتر گیا ہو گا پانڈے نے اسے دس لاکھ کا چیک لکھ دیا تھا مگر پھر کسی بات پر معاملہ طول پکڑ گیا اور ٹائیگر نے اپنے حریف کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد اسے کسی وجہ سے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ پانڈے کے آفس سے زندہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا چنانچہ پولیس کے ہاتھوں میں پھنس کر عدالت سے سزائے موت یا عمر قید سے بچنے کی خاطر اس نے خودکشی کو ترجیح دی ہو گی۔

میرے ذہن میں پانڈے اور ٹائیگر کے تصادم کا جو خاکہ ابھرا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ کبھی کبھی تقدیر مہربان ہو کر انسان کے لیے ایسے راستے پیدا کر دیتی ہے کہ وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور اس پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میرے ساتھ بھی کچھ

ایسا ہی اتفاق سرزد ہوا تھا۔

اپنے مفروضوں کی تصدیق کی خاطر میں نے گاڑی کی نمبر پلیٹ دوبارہ تبدیل کی اور اپنے اصل حلیے میں سراج کے پاس اس کے دفتر چلا گیا۔ میری توقع کے عین مطابق سراج اس وقت ذہنی طور پر بڑا منتشر نظر آ رہا تھا۔

"آپ!" اس نے مجھے اپنے دفتر میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"میں آپ کو ایک ضروری اطلاع دینے آیا ہوں۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "گندی قوتیں پھر سے میرے خلاف سرگرم عمل ہو گئی ہیں۔ لندن میں نسیم کو ایک حادثہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے اس کا خوبصورت چہرہ داغدار ہو گیا ہے۔"

"کیا یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہو سکتا؟" سراج نے عین پولیس والوں جیسا انداز اختیار کیا۔

"ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے حادثوں کو آپ کیا کہیں گے؟" میں نے تلخ انداز اختیار کیا۔ "پوسٹ مارٹم کی وہ رپورٹ جو میرے والد کی موت پر تیار ہوئی تھی اور ڈاکٹروں نے جو بیانات دیے تھے اس سلسلے میں آپ کا جواب کیا ہوگا؟ خان جابر اور بہرام کی موت کے باوجود ابھی تک دانش لاپتہ ہے۔ جو مریض ہوش کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو سکتا تھا وہ پولیس کے ہاتھ آ گیا تھا لیکن کس حالت میں؟ کیا یہ سب کچھ محض اتفاق تھا؟"

"آپ شاید صحیح کہہ رہے ہیں۔" سراج نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "خود میں بھی ایسے ہی واقعات سے دوچار ہو رہا ہوں جس نے میری عقل گم کر کے رکھ دی ہے۔ ہر وہ مشکوک آدمی جو ہمیں مطلوب ہوتا ہے وہ مردہ حالت میں پایا جاتا ہے۔"

"کوئی نئی اطلاع؟"

"جی ہاں۔" سراج نے کہا پھر ٹائیگر کی خودکشی اور پانڈے کے زخمی ہونے کی کہانی سناتے ہوئے بولا۔ "ٹائیگر بہرام کا دست راست تھا اس لیے وہ ہمارے کام آ سکتا تھا لیکن اس نے بھی پراسرار طور پر خودکشی کر لی حالانکہ پانڈے کے دفتر میں کام کرنے والوں کا بیان ہے کہ انہوں نے نہ تو گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں نہ ہی پانڈے جی کے آفس کے اندر کسی قسم کی افراتفری پائی گئی۔"

"پانڈے کا کیا بنا؟" میں نے مصنوعی پریشانی کا اظہار کیا۔ "ان کی حالت تشویش ناک تو نہیں ہے؟"

"میرا ایک انسپکٹر اس ہسپتال میں موجود ہے جہاں مسٹر پانڈے کا آپریشن ہو رہا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے پانڈے بچ جائے گا لیکن کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔"

"کیا دس لاکھ کا وہ چیک پولیس کے ریکارڈ پر آ گیا ہے؟"

"جی ہاں۔ محض کاغذی کارروائی کی حد تک۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہ چیک کسی کے نام پر نہیں کاٹا گیا تھا۔ اس پر سیلف درج ہے اور پانڈے کے مکمل دستخط بھی نہیں ہیں۔"

"مکمل دستخط سے آپ کی کیا مراد ہے۔" میں نے وضاحت چاہی۔

"پانڈے اپنے کاروباری چیک پر جے ایس پانڈے کے دستخط کیا کرتا تھا جبکہ جو چیک پولیس کو ملا ہے صرف جے ایس اور پی اے تک درج ہے۔"

"آئی سی۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "تو پانڈے کے دستخط مکمل کرنے سے پہلے ہی دونوں فریق کے درمیان کوئی بدمزگی پیدا ہو گئی تھی اور اسی بدمزگی کے نتیجے میں پانڈے کو گولی ماری گئی لیکن ٹائیگر یا رندھیر کی خودکشی کے بارے میں آپ یہاں کیا کہیں گے؟"

"اس کا جواب شاید وہ نووارد دے سکتا ہے جو پانڈے کے دفتر میں کھیلے جانے والے سنگین ڈرامے سے کچھ قبل وہاں آیا تھا۔"

"دفتر والوں نے اس کی شناخت کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"وہ نووارد کا صرف حلیہ بتا سکے ہیں۔" سراج نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "دفتر والوں کا بیان ہے کہ اس شخص کو وہاں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی ہوش کی کوئی خطرناک چال ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہرام، خان جابر پولیس کو مطلوب، مسافر اور پھر اس کے بعد ٹائیگر۔ کیا سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں نہیں ہو سکتیں؟"

"میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن....." سراج کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"لیکن کیا؟" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"جہاں تک ماورائی قوتوں کا معاملہ ہے تو اس کے ناقابل یقین واقعات میں خود اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا ہوں لیکن ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"گندی طاقتوں کی پراسرار کارگزاریوں کے خلاف جواب میں انتقامی کارروائی کون کر رہا ہے؟" سراج نے الجھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب تک ایک طرف سے جو عمل ہوا ہے دوسری جانب سے اس کا رد عمل بھی ضرور ہوا ہے۔"

"سمجھا۔" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ "دوسری شخصیت میرے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ناپاک اور اور کالی قوتیں میرے ہی پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں۔"

"آپ غلط مطلب اخذ کر رہے ہیں مسٹر شہباز!" سراج نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "ہو سکتا ہے ہمیں ٹریک سے ہٹانے کی خاطر خود نادیدہ قوتیں ہی یہ کھیل کھیل رہی ہوں لیکن....."

"آپ نانا" ندیم کا نام لیتے لیتے رک گئے۔" میرا لہجہ تیکھا ہو گیا۔ "وہ بہرحال میرا کلاس فیلو ہے، جگری دوست ہے اور نسیم کے رشتے کی وجہ سے ہمارے درمیان ایک خاص تعلق بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اگر آپ کے شبہے کے مطابق پس منظر میں ندیم کا ہاتھ کام کر رہا ہے تو کیا آپ اسے ایک فطری عمل نہیں کہیں گے؟"

"اوہ۔ آپ شاید برا مان گئے۔" سراج نے ایک بار پھر وضاحت کی۔ "کبھی آپ کا تعلق بھی پولیس کے محکمے سے رہ چکا ہے، ہم کسی امکان یا پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ویسے ایک بات آپ کو بہرحال ماننی پڑے گی کہ مسٹر ندیم کا تعلق جس کاروبار سے ہے اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔"

"مسٹر سراج! آپ نے شاید وہ مثل ضرور سنی ہوگی کہ یار کا تعلق یار کی یاری سے ہوتا ہے اس کے افعال یا کاروبار سے نہیں۔" میں نے اس بار زیادہ تلخی سے جواب دیا۔ "آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اکثر اپنی چھٹی حس کے حوالے سے آپ کے سامنے کچھ شبہات کا اظہار مختلف مواقع پر کیا تھا جو بعد میں حرف بحرف درست ثابت ہوئے تھے۔ ان باتوں کی بنیاد پر اگر آپ میرے خلاف بھی پولیس کے نکتہ نگاہ سے کچھ مشکوک ہوں تو میں اس پر کوئی اعتراض کرنے کے بجائے اسے بھی آپ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں ہی سے تعبیر کروں گا۔"

"پلیز مسٹر شہباز..... یقین کیجئے کہ میرا مطلب وہ نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"سوچنا اور سمجھنا ہر فرد کا بنیادی حق ہے جسے قانون کی کسی بھی شق سے قابل گرفت نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے اس وقت یہاں آ کر آپ کو ڈسٹرب کیا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ۔"

پھر میں تیزی سے سراج کے کمرے سے باہر نکل گیا اور اس غریب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ٹائیگر کو ٹھکانے لگانے اور پانڈے سے نسیم کا انتقام لینے کے بعد میرے حوصلے بلند ہو گئے۔ کرسی اور طاقت کا نشہ صرف وہی خوب جانتے ہیں جو اس کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ شراب کا نشہ جز وقتی ہوتا ہے، کچھ دیر تک انسان کے قدم لڑکھڑاتے ہیں اس پر سرور و کیف کی لہر آتی ہے لیکن پھر گزر جاتی ہے لیکن طاقت کا نشہ دو آتشہ ہوتا ہے۔ اس میں انسان کے قدم میں کوئی لرزش کوئی کپکپاہٹ نہیں ہوتی بلکہ اس کے قدم اور مضبوطی سے زمین پر جم جاتے ہیں۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ کمبل پوش بزرگ نے مجھے جو قوت بخشی تھی اس نے میرے اندر ایک نیا جوش، ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ اب تک دشمن مجھے قدم قدم پر بے بس کرنے کی خاطر چوٹ دیتے رہے تھے، اب میری باری تھی۔

سراج ایک ذہین اور دیانت دار آفیسر تھا۔ اس نے کسی مقابل پارٹی کا شبہ ظاہر کر کے یقیناً اپنی دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ تالی بھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اس کے لیے دوسرے ہاتھ کی بھی ضرورت ہوتی ہے یہ بات ایک عام آدمی بھی جانتا ہے۔ سراج تو پھر ایک تجربہ کار آفیسر تھا۔ میں اس کمرے سے ناگواری کا اظہار کر کے اٹھا تھا۔ ٹائیگر کی موت سراج کے لیے بھی یقیناً خوشخبری ہی ثابت ہوئی تھی۔ میرے لیے ضروری تھا کہ فوری طور پر پانڈے سے مل کر اس کے دل سے اپنے خلاف شکوک کو دور کر سکوں۔ کول دیا کی موت کے بعد اس نے یقیناً میری طاقت کا تھوڑا سا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ راکیش اس لیے کے ایک معمہ ضرور تھا مگر اس نے پہلی ملاقات کے وقت ہی اس بات کے شبہے کا اظہار کیا تھا کہ میں شہباز کا کوئی ماتحت ہوں۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ یہی بیان پولیس کو بھی دے سکتا تھا۔ ہر چند کہ سراج یا پولیس ڈیپارٹمنٹ کو میرے دور کرنے میں راکیش نامی کوئی آدمی نہ ملتا لیکن میں پولیس کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ راکیش نامی کسی شخص کی عدم موجودگی میں وہ یہ شبہ بھی کر سکتے تھے کہ میرے ہی کسی آدمی نے راکیش کا میک اپ اختیار کر کے پانڈے کو زخمی کرنے کی سازش کی ہوگی۔ ممکن تھا میرا اندیشہ غلط ہی ثابت ہوتا لیکن بہرحال میرے دل کے اندر ایک چور تھا جس کی پردہ پوشی میرے لیے ضروری تھی۔

میں روپ نگر میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر رہ چکا تھا مجھے اس کا علم بخوبی تھا کہ پولیس اگر ایک بار کسی پر شبہ کر لے تو آخری دم تک اسے دور کرنے کے لیے سرگرداں رہتی ہے۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ندیم بھی اچانک نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع پا کر چلا گیا تھا۔ اس کا ابھی تک کوئی پتا نہیں تھا۔ صرف ایک خیال سا تھا کہ شاید وہ پہلی فلائٹ سے لندن چلا گیا؟ لیکن مجھے اس کی تصدیق کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں ندیم کے بارے میں غور کرنے لگا۔ نسیم اسی کے کیسینو میں ایک ڈانسر تھی۔ وہ بلاشبہ خوبصورت جسم اور دلکش چہرے کی مالک تھی لیکن ندیم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی پھر میں نے نسیم کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ اس کے حالات جاننے کے بعد اسے ایک بھائی کا پیار دیا تو ندیم کا زاویہ نگاہ بھی بدل گیا۔ میرے کہنے پر اس نے نسیم کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ نسیم سے کس قدر پیار کرتا تھا۔ حالات کے منجدھار سے دور رکھنے کی خاطر ہی اس نے نسیم کو لندن میں چھوڑ دیا تھا۔ راجو اور ندیم کے جاں نثاروں کی ایک ٹیم نسیم کی حفاظت پر مامور تھی لیکن وہ لوگ بہرحال نادیدہ قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے موہنی کی گندی قوت اپنا کام کر گئی۔

پھر یکلخت ندیم کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کے حوالے سے میرے ذہن میں ولیم پاکر کا نام ابھرا جو ندیم کے

داماد کی اختراع تھی اس نام کے ذہن میں ابھرتے ہی میرے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ مجھے دور کا وہ مرحل گیا جس کی مجھے فکر لاحق تھی چنانچہ میں نے گاڑی ایک پبلک بوتھ کے قریب روکی۔ بوتھ میں جاکر سراج کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو۔" دوسری جانب سے سراج ہی کی آواز ابھری۔ وہ ابھی تک الجھا ہوا تھا۔

"شہباز تمہارے پاس کس غرض سے آیا تھا؟" میں نے ولیم پوکر کی آواز بناتے ہوئے خشک لہجے میں دریافت کیا۔

"تم... شاید..."

"شاید نہیں، میں یقیناً ولیم پوکر ہی بول رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں ایک ذہین آفیسر سمجھا تھا لیکن تم نے میرے بہت سے ٹرمپ کارڈز ضائع کر دیے۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس مریض کا ہے جس کی لاش تمہیں ایمبیسڈر ہوٹل سے ملی تھی۔ اس کا بیان اس بھوشن کو پھنسوا سکتا تھا۔"

"لیکن۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے راستے میں کیا دشواریاں پیش آئی تھیں" میں نے روکھے انداز میں کہا۔ "بہرحال بھوشن نے اگر میرا حصہ شرافت سے نہ دیا تو شاید وہ بھی اس دولت پر اکیلے قابض نہ رہ سکے گا۔ تم قانون کے محافظ ہو۔ اس لیے اپنے خول اور دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ تمہارے لیے حد بندیوں کو پھلانگنا ناگزیر ہے لیکن مجھ پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ میں جب چاہوں بھوشن کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں لیکن میں اسے اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔ ابھی مجھے اس سے بہت سارے حساب برابر کرنے ہیں۔"

"تم نے مسٹر شہباز کا نام کیوں لیا تھا؟" سراج کا یہ سوال میری توقع کے عین مطابق تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا وہ دوست بلاوجہ درمیان میں آکر الجھ جائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں تمہیں اتنا کند ذہن نہیں سمجھتا تھا۔" میں نے قدرے جھلا کر کہا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ تمہارے دوست کے گھر کو آگ لگانے میں خان جابر کا ہاتھ تھا۔ خان جابر جو بہرام کا استاد تھا اور یہ دونوں حرامزادے بھوشن کے خاص آدمی تھے۔ کیا تم اب بھی دو اور دو چار نہیں کر سکتے؟"

"کیا مسٹر شہباز کے مکان کو بھوشن کے اشارے پر نذر آتش کیا گیا تھا۔"

"تم نے میری تمام محنت پر پانی پھیر دیا ڈی ایس پی۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "مریض مسافر اور بہرام دونوں تمہارے ہاتھ سے نکل گئے لیکن میں نے اب بھی اپنی ہار تسلیم نہیں کی۔"

"اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کرنا تھا وہ کر چکا ہوں لیکن اسے ابتدا سمجھو۔"

"کیا؟" سراج کا چونکنا قدرتی امر تھا۔ "کیا ٹائیگر کی موت"

"نہیں۔" میں نے جلدی سے سراج کی بات کاٹی۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ٹائیگر بھی بہرام اور خان جابر کے سلسلے کی ایک درمیانی کڑی تھا؟ ٹائیگر کی موت کے بعد میں اس ولد الحرام بھوشن کو بھی الٹی میٹم دے چکا ہوں کہ اگر اب بھی اس نے مجھے جائیداد کا وہ حصہ میرے حوالے نہ کیا جس کا میں حقدار ہوں تو پھر اس کا انجام بھی ان لوگوں سے مختلف نہ ہوگا جو موت کی نیند سو چکے ہیں۔"

"مگر پانڈے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟"

"براہ راست مجھے تمہارے پانڈے جی سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن وہ جو دس لاکھ کا چیک لے کر ٹائیگر کے حوالے کر رہا تھا وہ بھی کیش ہونے کے بعد بھوشن ہی کے کھاتے میں جمع ہو جاتا اسی لیے میں نے اسے ایک معمولی سزا دی ہے۔" میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "گھبراؤ نہیں۔ پانڈے مرے گا نہیں لیکن اتنا ضرور یاد رکھے گا کہ اگر دوبارہ اس نے بغیر سوچے سمجھے کوئی دوسرا چیک کاٹنے کی حماقت کی تو وہ اس کی زندگی کا بھی آخری چیک ہو سکتا ہے۔"

"کیا میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟" سراج نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر تم بھی مجرموں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔ میری مانو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"تمہارے مشورے کا بہت بہت شکریہ ڈی ایس پی۔" میں نے الفاظ چباتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "فی الحال میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم مسٹر شہباز کو کچھ دنوں کے لیے خاموش اور دور دور رہنے کا مشورہ دے دو۔ بھوشن اور اس کے زرخرید شکاری کتوں کی وجہ سے تمہارے دوست کو جو نقصان پہنچا ہے اب اسے ولیم پوکر پورا کرے گا۔"

اس کے بعد میں نے رابطہ منقطع کیا اور دوبارہ آکر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ خوشی بھی تھی کہ ولیم پوکر کے فرضی کردار نے میری ایک بڑی مشکل آسان کر دی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا احساس بھی تھا کہ ولیم پوکر کا نام سن کر سراج کے ذہن میں ایک کھلبلی ضرور مچ گئی ہوگی۔

دوسرے دن میں ہسپتال پہنچا تو پانڈے کو آپریشن کے بعد وی آئی پی روم میں منتقل کیا جا چکا تھا جہاں ایک سب انسپکٹر اور چار مسلح پولیس والے باقاعدہ تعینات تھے۔ کسی ملاقاتی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن سب انسپکٹر چونکہ سراج کی وجہ سے مجھ سے واقف تھا اس لیے مجھے پانڈے سے ملنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

پانڈے اس وقت ہوش و حواس میں تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"مجھے وشواس تھا کہ آپ میری خیریت دریافت کرنے ضرور آئیں گے۔"

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟"

"سب قسمت کے کھیل ہیں۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "منش بھگوان کی مرضی کے خلاف کیا کر سکتا ہے۔"

"ڈاکٹروں کا کیا کہنا ہے۔ آپ ٹھیک تو ہو جائیں گے؟"

"زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے وشواس تو دلایا ہے کہ میرا ہاتھ اور پاؤں دوبارہ کام کرنے لگے گا۔ آگے جو بھاگیہ میں لکھا ہے وہ تو ہر حال میں ہو کر رہے گا۔"

میرے اور پانڈے کے درمیان وہی گفتگو ہوتی رہی جو پہلے سے میرے علم میں تھی پھر اچانک پانڈے نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پوچھئے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر میں آپ کے کسی کام آسکا تو میری خوش قسمتی ہوگی۔"

"کیا آپ راکیش نامی کسی آدمی سے واقف ہیں؟"

"راکیش۔" میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چونکتے ہوئے اس نام کو دہرایا۔ "آپ نے یہ نام کہاں سنا ہے؟"

"وہ دو بار مجھ سے ملا تھا اور دونوں ہی بار خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑا۔" پانڈے نے میرے چہرے کے تاثرات کو بغور گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "کل جب ٹائیگر یا رندھیر نامی بدمعاش نے مجھ پر گولی چلائی اس سے بھی وہ میرے آفس میں موجود تھا۔ اسی کے کہنے پر ٹائیگر نے مجھے زخمی کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ راکیش بھی کوئی خطرناک آدمی ہے۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "ایک بار وہ مجھ سے مل چکا ہے۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی سازش کی تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"آئی سی۔" پانڈے نے پرخیال انداز میں جواب دیا۔ "پھر تو وہ ہم دونوں کے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔ پچھلی ملاقات میں اس نے مجھ سے بھی کچھ ایسی ہی باتیں کی تھیں جیسے وہ آپ کا کوئی خاص آدمی ہے۔ پر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اسے ہم دونوں کو چیٹ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی اور ٹائیگر وہ تو راکیش کے سامنے بالکل بھیگی بلی بن گیا تھا۔"

"مجھے سراج صاحب سے کچھ تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔" میں نے کچھ توقف سے پوچھا۔ "کیا آپ دس لاکھ کا وہ چیک ٹائیگر کے ہی لیے کاٹ رہے تھے؟" پانڈے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک اس کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

"آپ پریشان نہ ہوں پانڈے جی۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "ہمارے درمیان جو گفتگو ہو گی وہ کوئی اور نہیں سن سکے گا۔"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن..."

"میرا خیال ہے کہ اس چیک کے پیچھے بھی موہنی کا ہاتھ ہوگا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے مگر ایک بات اور بھی مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"کیا؟"

"پچھلی بار آپ جب میرے دفتر آئے تھے اس کے بعد سے کومل ورما مجھے نظر نہیں آئی۔"

"آئی سی۔" میں نے بات بنائی۔ "ہو سکتا ہے کہ کومل ورما اور موہنی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہوں اور کومل ورما کی حیثیت میں آپ کے دفتر میں کام کرنے کا جو مقصد تھا اس کے پورا ہو جانے کے بعد وہ آپ کے سامنے نہ آرہی ہو۔"

"لیکن اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"کبھی ملاقات ہوئی تو پوچھ کر بتاؤں گا۔" میں نے ازراہ تفنن کہا لیکن پانڈے میرے طنز کو نہیں سمجھ سکا بدستور سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بات مجھے اور بے کل کر رہی ہے۔ اگر ٹائیگر موہنی کے اشارے پر میرے پاس چیک لینے آیا تھا تو پھر اس کی آتمانے ٹائیگر کی رکھشا کیوں نہیں کی؟"

"اوہ۔" میں نے پانڈے کو الجھانے کی خاطر کہا۔ "مندی آتمائیں ہر قسم کا روپ اختیار کر سکتی ہیں۔ کیا راکیش بھی موہنی ہی کا کوئی تیسرا روپ نہیں ہو سکتا اور اس نے محض الجھانے کی خاطر ایک نیا ڈرامہ پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے مسٹر شہباز لیکن جب میں اس کی آتما کے اشارے پر چل رہا ہوں تو پھر اسے مجھے نقصان پہنچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ٹائیگر کا ہاتھ ذرا بہک جاتا تو گولیاں آپ کی ران اور ہاتھ پر لگنے کے بجائے دل یا کنپٹی پر بھی لگ سکتی تھیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں جواب دیا تو پانڈے نے میرے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ راکیش ہی نے ٹائیگر کو حکم دیا تھا کہ میں مرنے نہ پاؤں اور گولیاں میرے سیدھے ہاتھ اور الٹی ران پر لگنی چاہئیں۔"

"وان منٹ۔" میں نے بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ٹائیگر اور راکیش دونوں ایک ساتھ آپ کے

پاس آئے تھے؟"

"نہیں۔ پہلے ہامجر آیا تھا اس کے کچھ دیر بعد راکیش آیا تھا۔"

اسی لیے سراج کمرے میں داخل ہوا تو میں پانڈے سے ہاتھ ملاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ سراج کی طرف میں نے دیدہ و دانستہ کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی بلکہ اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مسٹر شہباز" سراج نے مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ "مجھے آپ سے ایک بات کی وضاحت کرنی ہے۔"

"پھر کبھی سہی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے اور آپ۔ آپ تو جب چاہیں پولیس کے دو کارندے بھیج کر مجھے اپنے دفتر میں بھی طلب کر سکتے ہیں۔" میں نے زہرخند سے کہا پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا' میں دراصل سراج کو اس بات کا پوری طرح احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس نے اگر میری ذات پر "دوسری پارٹی" ہونے کا شبہ کیا ہے تو وہ غلط ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا جس میں ابھی تک مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

ندیم کے بارے میں میرا خیال غلط نہیں تھا وہ فوری طور پر نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی خبر سن کر لندن روانہ ہو گیا تھا میرے اس خیال کی تصدیق کیسینو کے منیجر نے کر دی تھی لیکن وہ اس بات کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا کہ اس کی واپسی کب تک ہو گی۔

دفتر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے لندن میں ندیم سے رابطہ قائم کیا' عارفہ اگر ہوتی تو یہ کام وہ انجام دیتی لیکن وہ دوسروں کی نظروں میں مرچکی تھی اور میں نے اس کی سیٹ پر ابھی کسی دوسرے کو تعینات نہیں کیا تھا۔ ندیم سے میری گفتگو زیادہ طویل نہیں ہوئی۔ اس کے بیان کے مطابق نسیم حسب معمول صبح کے وقت اپنا ناشتہ تیار کر رہی تھی کہ گیس کا چولہا یک دم اتنی تیزی سے بھڑکا کہ وہ بوکھلا گئی پھر اس سے پیشتر کہ وہ سنبھل کر خود کو محفوظ کر سکتی آگ کے شعلوں نے اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد نسیم کو اس وقت ہوش آیا جب وہ ہسپتال میں تھی۔

"ڈاکٹروں کا کیا خیال ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔ "اس کے چہرے کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟"

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" ندیم نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "موہنی کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ نسیم کی پیشانی پر ایک سیاہ داغ نمایاں طور پر باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ پٹیاں تبدیل کرتے کرتے وہ نشان مٹ جائے اور یہ بھی ممکن ہے وہ پھیل کر پوری پیشانی کو سیاہ کر دے۔ ڈاکٹر ابھی تک خود بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔"

"اس کے صحت مند ہونے میں کتنے دن لگیں گے؟"

"اس بارے میں ابھی کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔"

"پریشان مت ہو۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "ایک دو روز میں میں بھی....."

"نہیں۔" ندیم نے سختی سے تاکید کی "تم یہاں آنے کی حماقت نہ کرنا۔ اگر تم میدان سے ہٹ گئے تو آنٹی اور عارفہ کو بھی کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"لیکن۔"

"مجھے اس بات کا علم ہے میرے دوست کہ تم نسیم کو بہت پیار کرتے ہو لیکن یہ کیوں بھول رہے ہو وہ اب میرے وجود کا بھی ایک اہم حصہ بن چکی ہے۔" ندیم نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں نسیم کی دیکھ بھال کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ حالات کچھ بہتر ہوں تو میں اسے لے کر واپس آجاؤں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"میرا مشورہ ہے کہ تم نسیم کو لے کر یہاں آجاؤ۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ملک میں بھی دنیا کے بہترین سرجن اور ڈاکٹر موجود ہیں۔"

"عارفہ کا کیا حال ہے؟" ندیم نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی زندگی کی اطلاع ابھی کسی اور کو نہیں ملی؟"

"نہیں۔۔۔ فی الحال لوگ اسے مردہ ہی سمجھ رہے ہیں۔"

"شہباز۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔ "میرا ایک مشورہ مانو گے۔"

"کہو؟"

"تم پہلی فرصت میں عارفہ کے ساتھ شادی کر لو' آنٹی کی خواہش بھی ہے اور پھر زندگی اور موت کا کیا بھروسہ۔ کون جانے کس وقت کس کی آنکھ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے اور دوسروں کے دلوں کی حسرت دل کی دل میں ہی رہ جائے۔"

"تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "عارفہ مجھے بھی پسند ہے امی کو بھی لیکن ابھی حالات موافق نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ دوبارہ بیوی بننے کے بعد بیوہ ہو جائے۔"

"یہ حالات اس وقت بھی تھے جب میں نے نسیم کو اپنایا تھا' اس کی ماں کا عبرتناک انجام یاد ہے نا تمہیں۔" ندیم نے دلیل پیش کی۔ "مافوقی قوتیں اور ہمارے بدترین دشمن اس وقت بھی ہمارے خلاف ایک کے بعد دوسرا محاذ کھول رہے تھے۔ کسی وقت بھی کوئی سنسناتی ہوئی زہر آلود گولی میری زندگی کا چراغ گل کر سکتی تھی' ایسی صورت میں نسیم کو بھی وہی صدمہ پیش آسکتا تھا جس کا اظہار تم عارفہ کے لیے کر رہے ہو۔"

"میں تمہاری بات کی تردید نہیں کروں گا۔ قدرت کو جو

منظور ہوتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ جب تم اور نسیم......"

"تم شادی کا یقین دلاؤ میں نسیم کو واپس لانے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی امی سے تمہاری خواہش کا اظہار کروں گا۔"

"بہت خوب..." ندیم نے پہلی بار ہنس کر کہا۔ "گویا مزے تم اڑاؤ گے اور ساری ذمے داری کا انحصار مجھ پر ہو گا۔"

"ہاں۔" میں نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا "تمہارا کاندھا مجھے اپنے سے زیادہ مضبوط محسوس ہوتا ہے۔"

"چلو یہی سہی لیکن تم آمادہ تو ہوئے۔"

"ایک بات سے ڈر لگتا ہے۔" میں نے ایک لطیف مذاق کیا۔ "کہیں عارفہ سے شادی ہونے کے بعد تم میرے رقیب نہ ہو جاؤ۔"

"بکواس نہیں۔" ندیم نے خوشی کا اظہار کیا۔ "پہلے میں شرارتاً عارفہ کے ہاتھوں کی کافی کی فرمائش کرتا تھا اور اب تو مجھے اس کا پورا پورا حق حاصل ہو گا۔"

"او کے۔ میں تمہیں بہت جلد خوش خبری سناؤں گا۔ نسیم کا خیال رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر ریسیور رکھ کر عارفہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ شاید ایک عرصے سے مجھے پسند کرتی تھی لیکن اس نے کسی زاویے سے بھی کبھی مجھے اس کا احساس نہیں ہونے دیا تھا لیکن درمیان میں ماہ رخ کے آجانے کے بعد اس کے اندر کی قوت زیادہ دنوں تک اپنے پیار کی پردہ پوشی نہ کر سکی۔ وہ کھل کر میرے سامنے آگئی۔ اس کا وہ معصوم سا انداز مجھے اچھا لگا تھا۔ میں نے پہلی بار سنجیدگی سے اس کی خواہش پر غور کیا تو ہر اعتبار سے میرے انتخاب کی مستحق ثابت ہوئی' پھر حالات نے اسے میری دہلیز تک پہنچا دیا۔ اب وہ مجھے محبوب نہیں بلکہ محسن سمجھ رہی تھی۔

میں عارفہ کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی کی آواز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ "ہیلو... شہباز اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"موہنی بول رہی ہوں۔"

"تم۔" یکلخت میرا موڈ آف ہو گیا۔ "کس لیے فون کیا ہے؟"

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"اب کیا بات باقی رہ گئی ہے۔"

"عارفہ"

"عارفہ!" میں عارفہ کا نام سن کر چونک اٹھا۔

"ہاں۔" موہنی کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ "مجھ سے ایک بھول ہو گئی تھی' میں نے عارفہ کے فلیٹ کو خود پھونکنے کے بجائے اس کی ذمے داری اپنے ایک سیوک کو سونپ دی تھی۔ اس نے مجھے وشواس دلایا ہے کہ تمہاری عارفہ رانی کوئلے کا روپ دھارنے کے بعد راکھ کے ڈھیر میں بدل گئی تھی۔ پر نہ جانے کیوں میرا من کہتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی بھول چوک ضرور ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا من کہتا ہے کہ عارفہ ابھی مری نہیں۔۔۔ زندہ ہے۔"

"مجھے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ "کیا تم گندی اور ناپاک شکتی کے زور سے اصلیت نہیں معلوم کر سکتیں؟"

"تم نے اپنے چاروں اور سیاہ بادلوں کا جو گھیرا ڈال رکھا ہے اسے بس ایک پل کے لیے درمیان سے ہٹا دو پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ موہنی کتنی مہان شکتیوں کی مالک ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے تضحیک آمیز انداز اختیار کیا۔ "تم مہان شکتیوں کی مالک ہونے کے باوجود میرے معاملات میں مجبور و بے بس ہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔"

"یہ خوشی زیادہ دن قائم نہیں رہ سکے گی۔" موہنی کا لہجہ سرد اور سفاک ہو گیا۔ "میں اس منڈل کو بہت جلد توڑ دوں گی جس کے اندر تم نے بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔"

"میں اس دن کا بڑی شدت سے انتظار کروں گا۔" میں نے کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ موہنی کے فون نے میرا اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا تھا۔

***

کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی وہ لڑکی یقیناً خوبصورت اور حسین کہلانے کی مستحق تھی جو اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹیں بار بار اپنے مخروطی ہونٹوں پر سجا کر مریضوں کو اٹینڈ کر رہی تھی' اس کی مسکراہٹ مریضوں کے لیے زندگی کی نوید بھی کہی جا سکتی تھی لیکن میں وہاں اس کی مسکراہٹ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے نہیں گیا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ جب اس نے ایک غیر ملکی مریض کو خلاف توقع بہت زیادہ سنجیدہ پایا تو ایک لمحے کو خود بھی سنجیدہ ہو گئی۔

وہ مریض ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اکثر مریضوں کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ اس کے چہرے کی ساخت ہی کچھ ایسی تھی کہ دیکھنے والا ایک لمحے کو اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس غیر ملکی مریض نے بیل ٹاپ کی پتلون پر چاکلیٹی رنگ اور چیک ڈیزائن کا ایک جیکٹ پہن رکھا تھا جس کے کالر اس حد تک اٹھے ہوئے تھے کہ اس کے گلے کا بس ایک معمولی سا حصہ نظر آرہا تھا۔ سر پر ہیٹ تھی جس پر روایتی انداز میں کسی پرندے کے سفید و سیاہ پر نظر آرہے تھے۔ گول چہرے پر اس کی لمبی اور خمیدہ ناک کچھ عجیب بے ڈھنگی سی لگ رہی تھی آنکھوں پر

سیاہ رنگ کا چشمہ تھا جس کا فریم دور ہی سے بہت قیمتی نظر آ رہا تھا۔ عمر زیادہ نہ ہونے کے باوجود اس نے الٹے ہاتھ میں واکنگ اسٹک پکڑ رکھی تھی۔ ہونٹوں کے درمیان ایک موٹا سا سگار تھا جس سے خارج ہونے والے دھوئیں کی مہک پورے ویٹنگ لاؤنج میں لہرا رہی تھی۔ وہ آدھے گھنٹے سے زیادہ کاؤنٹر کے قریب ہی کھڑا اپنے نمبر کا انتظار کر رہا تھا۔ اس عرصے میں ایک بار بھی اس نے سگار کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جس کے باعث جلی ہوئی سگار کی راکھ نے ابھی تک اپنے وجود سے علیحدگی نہیں اختیار کی تھی۔ اس کی نظریں بار بار دستی گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ ہر بار وہ سیدھا ہاتھ بلند کر کے اپنی دستی گھڑی کو دیکھتا پھر شانے جھٹک کر ٹہلنے میں مصروف ہو جاتا۔ الٹے ہاتھ کے بجائے اس نے سیدھے ہاتھ پر گھڑی باندھ کر لوگوں کو بتایا "اپنی قدامت پسندی کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ چہرے بشرے اور چال ڈھال سے وہ کسی اونچے طبقے کا فرد نظر آتا تھا پھر جب وہ کاؤنٹر کے قریب پہنچا تو اس نے جلتا ہوا سگار بدستور ہونٹوں اور دانتوں کے درمیان چباتے ہوئے بڑے کھردرے لہجے میں کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی اس خوب صورت اور حسین لڑکی کو مخاطب کیا۔

"تمہارا نام شاید مونا عابد ہے؟" اس خمیدہ ناک والے کا لہجہ بھی غیر ملکیوں ہی جیسا تھا۔

"جی۔" لڑکی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟"

"مجھے سرجن سے ملنا ہے۔" اس نے لڑکی کے سوال کو نظر انداز کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔

"کیا آپ نے پہلے سے وقت لے رکھا ہے؟"

"میں ایک ایمرجنسی کے تحت آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے لیکن باس بغیر۔۔۔"

"تم یہ چٹ اپنے باس تک پہنچا دو پھر تمہاری ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔" خمیدہ ناک والے نے کھردرے لہجے میں تیزی سے کہا پھر ایک ٹائپ شدہ پرچی چیسٹر کے اندرونی جیب سے نکال کر لڑکی کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی جس پر محض معروف 'بھوشن جوزف' کے حروف موجود تھے۔

لڑکی نے پرچی پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے کے تاثرات یکلخت بدل گئے۔ وہ جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اس کمرے کے اندر داخل ہو گئی جس پر بڑے بڑے سنہری حروف میں ڈاکٹر سرجن مدی سومو اور اس کی لمبی چوڑی ڈگریاں تحریر تھیں۔ خمیدہ ناک والے نے دوبارہ ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کے الٹے ہاتھ میں بدستور واکنگ اسٹک موجود تھی، سیدھا ہاتھ اس نے لڑکی کے جانے کے بعد چیسٹر کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

لڑکی کی واپسی میں دیر نہیں لگی۔ اس نے کاؤنٹر پر پہنچ کر نووارد غیر ملکی سے کہا۔

"آئی ایم سوری سر۔ مجھے آپ کے بارے میں یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ۔۔۔"

"کیا سرجن میرے واسطے کچھ وقت نکال سکتا ہے یا نہیں؟" اس بار بھی اس نے لڑکی کا جملہ مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا۔

"ایک مریض اندر موجود ہے، اس کے بعد ہی آپ کا نمبر ہے۔"

"گڈ۔" نووارد نے خوشی کا اظہار بھی بڑی گمبھیر سنجیدگی سے کیا پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "کیا سرجن جس وقت مریضوں کو دیکھتا ہے اس وقت اس کے پاس کوئی اور بھی ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی اٹینڈنٹ وغیرہ۔"

"جی نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "باس پرائیویسی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ جب تک بل نہ دیں کسی مریض کی موجودگی میں عملہ کا کوئی فرد بھی اندر جانے کی جسارت نہیں کرتا۔"

پھر اندر جو مریض تھا اس کے باہر آنے کے بعد خود لڑکی نے اسے سرجن کے کمرے تک چھوڑا تھا۔ خمیدہ ناک والا اندر داخل ہوا تو خود کار دروازہ اس کے پیچھے دوبارہ بند ہو گیا۔ سر کی محض ایک خفیف جنبش سے اس نے سامنے میز پر بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر کے سرجن کو وش کیا پھر خود اعتمادی سے ٹہلتے ہوئے ایک ایسی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ سرجن کے علاوہ باہر دروازے پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

"یہ پہلا اتفاق ہے کہ مسٹر بھوشن نے پہلے سے مجھے مطلع نہیں کیا ورنہ ان کی معرفت جب بھی کوئی مریض آتا ہے اس کا نام وی آئی پی لسٹ پر درج کر لیا جاتا ہے۔" سرجن مدی سومو نے بڑی خندہ پیشانی سے کہا۔ "آپ کو میرے پاس آنے میں کسی زحمت کا سامنا تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ مجھے آپ کے یہاں کا ایڈمنسٹریشن بہت پسند آیا اور خاص طور وہ کاؤنٹر گرل جس نے یہاں تک آنے پر میری مدد کی۔"

"یہ بھی اس کے فرائض کا ایک حصہ ہے۔" سومو نے بدستور انگریزی میں کہا۔ "آپ کیا پینا پسند کریں گے، ہاٹ یا کولڈ؟"

"تمہارے پاس ایک بہت ہی اہم ضرورت کے پیش نظر آیا ہوں۔" نووارد نے جلا ہوا سگار ہونٹوں سے علیحدہ کر کے بڑی بے دردی سے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام مجھے مسٹر بھوشن ہی کے کسی ذریعے سے معلوم ہوا ہے۔"

"کیا آپ کو براہ راست مسٹر بھوشن نے نہیں بھیجا؟" سرجن سومو نے اس بار نووارد کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" نووارد نے مسکرا کر کاروباری انداز اختیار کیا۔ "تمہیں تمہاری مطلوبہ فیس مل جائے گی۔ اس فیس

سے بہت زیادہ جو تم عام مریضوں سے لیتے ہو۔"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"سرجری۔" نووارد نے کہا۔ "تمہیں میرے ایک کارندے کی سرجری کرنی ہوگی جو دو روز بعد یہاں سے خلیج کے علاقوں کی طرف سفر کرنے والا ہے۔ اس کی سیٹ جہاز میں پہلے سے بک کرا دی گئی ہے۔"

"مریض کہاں ہے؟"

"تم حامی بھرو تو وہ مریض بھی آ جائے گا۔" اس بار نووارد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"آپریشن کا فیصلہ میں مرض کی نوعیت جانے بغیر نہیں کرتا۔" سرجن سومو نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ نووارد کی بے تکلفی اور اس کے تکلم کا انداز شاید اب سرجن کو پسند نہیں آ رہا تھا۔

"پوڈر۔" نووارد نے ایک لمحے کے بعد کن انکھیوں سے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے ساتھ ہی اس نے چیسٹر کی جیب سے اپنا فاؤنٹین پین نکال لیا۔

"پوڈر۔" سرجن نے حیرت سے وضاحت چاہی۔

"سرجن۔ کیا تم اس قلم کی قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہو جو میرے ہاتھ میں موجود ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ابھی کسی پوڈر کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔" سرجن کے چہرے سے اب بے زاری مترشح تھی۔

"پوڈر کی گفتگو سے پہلے تمہیں اس قلم کی قیمت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تاکہ ہم زیادہ دوستانہ ماحول میں کھل کر کوئی ڈیل کر سکیں۔"

"ڈیل۔ میں سمجھا نہیں؟"

"یہ قلم جو بظاہر بہت معمولی نظر آ رہا ہے میں نے اسے دو ہزار ڈالر میں حاصل کیا ہے۔"

"شاید یہ کسی مشہور اور معروف شخصیت کی ملکیت رہا ہوگا۔" سرجن نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"یہ دراصل فاؤنٹین پین نہیں ہے مائی ڈیئر۔" نووارد نے مسکراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "یہ انتہائی طاقت ور پین گن ہے جس کے اندر دو گولیاں آ جاتی ہیں لیکن نشانہ اگر سچا ہو تو اسے استعمال کرنے والے کو دوسری گولی چلانے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔" سرجن نے اپنی ریوالونگ چیئر پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی ہے کہ آخر آپ کو مسٹر بھوشن کا نام استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر تم پوڈر کے حوالے سے سرجری کی نوعیت بھی آسانی سے سمجھ لو۔" [illegible]

"تمہیں ہری رام یا کرشن ورما کی موت کی اطلاع مل چکی ہوگی۔" نووارد نے اس بار سپاٹ انداز اختیار کیا۔ "وہی مریض جس کی سرجری ہیلن ملک مائیکل اسٹرانگ کرتا تھا اور تم باقی کام یہاں انجام دیتے تھے۔"

"کون ہو تم؟" سرجن چونکا۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"بھوشن کی طرح تم مجھے بھی ایک کاروباری شخص سمجھ سکتے ہو۔ وہ سرجری کے ذریعے ہیرے جواہرات کا کاروبار کرتا تھا اور میں۔۔۔ میں بھی سرجری ہی کے ذریعے پوڈر کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور یہ خدمت ہر قیمت پر تمہیں انجام دینی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اب تم سمجھ چکے ہو گے کہ پوڈر سے میری مراد ہیروئن ہے جسے تم سرجری کے ذریعے میرے آدمی کے جسم میں اس طرح محفوظ کرو گے کہ کوئی اس کا سراغ نہ پا سکے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے بارے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی نہیں سرجن۔" نووارد نے بڑی حقارت سے کہا۔ "غلط بیانی کہو۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں بھوشن جوزف کی طرح تم بھی گراس بریڈ ہو۔ کیا تم انکار کر سکو گے کہ تمہاری ماں کا تعلق بھی ایک معمولی درجے کے ہندو گھرانے سے تھا جس نے سوموٹا ہی ایک سرمایہ دار کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا لیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو شاید تم آج اس مقام تک کبھی نہ پہنچ سکتے۔"

سرجن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بڑی نفرت سے نووارد کو گھور رہا تھا پھر اچانک نووارد نے قلم کا رخ اس کی طرف کر کے کلپ پر انگلی جماتے ہوئے بڑی سفاکی سے کہا۔

"نہیں سرجن۔ تم اپنا ہاتھ کال بیل سے دور ہی رکھو بہتر ہوگا۔ کہ دونوں ہاتھ اوپر کر کے میز پر رکھ لو اور اگر تم نے اپنے پیروں کے استعمال سے بھی کسی خفیہ کال بیل کو استعمال کرنے کی چالاکی کی تو تمہاری موت یقینی ہوگی۔ تمہاری اطلاع کے لیے بھی عرض کر دوں کہ میرے تین ساتھی باہر مریضوں کے درمیان موجود ہیں جو تمہاری موت کے بعد مجھے یہاں سے بچ کر نکل جانے میں میری مدد کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ مقابلے کی صورت میں تمہارے علاوہ تمہارے کچھ کارندے بھی کام آ جائیں۔"

"موت اور زندگی سے کھیلنا میرا پیشہ ہے۔" سرجن نے تھوڑے توقف کے بعد خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں نے زندگی میں کبھی کوئی جرم نہیں کیا، نہ ہی کسی جرائم پیشہ کا ساتھ دیا ہے۔ میں کسی ہری رام یا کرشن ورما کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کر دوں۔ سرجن مائیکل اسٹرانگ بھی بھوشن کے کاروبار میں ہی ملوث ہونے

کی وجہ سے اس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے۔"
"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ۔"
"موزنٹ ناک نان سنس۔" تورادو نے جو میرے سوا کوئی اور نہیں تھا سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "زندگی دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔" سرجن سوموتو نے جواب نہیں دیا۔
"کیا تم میرا نام جاننا پسند کرو گے؟" میں نے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔
سرجن سوموتو اس بار بھی خاموش رہا۔
"میں جوزف کا کزن ہوں۔ ولیم پوکر۔" میں نے سرد لہجہ برقرار رکھا۔ "بھوشن نے میرا جائز حق دینے سے انکار کردیا ہے لیکن اب وہ خود بھی اس بے پناہ دولت کو تنہا استعمال نہیں کر سکے گا۔"
"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" سوموتو نے مردہ لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر اب پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے۔
"تم اگر بھوشن کے خلاف گواہی دے کر میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو تمہاری زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پولیس کے لیے وعدہ معاف گواہ بن جانے کی صورت میں تم خود کو قانون سے رعایت حاصل کرنے کا مستحق بھی ثابت کر سکتے ہو۔"
"تمہارا خیال غلط ہے۔" ردی سوموتو نے جواب دیا۔ "اس کے ہاتھ تمہاری توقع سے بھی زیادہ لمبے ہیں۔ وہ مجھے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔"
"اور انکار کی صورت میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔" میرے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔ "فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔"
"تم مجھے جو موت مارو گے وہ مجھے منظور ہے لیکن بھوشن۔ میں جانتا ہوں کہ وہ غداروں کو کتنی اذیت ناک اور بھیانک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔" ردی سوموتو نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم بے شک مجھے گولی مار دو لیکن بھوشن کے خلاف کوئی بیان دینے کو تیار نہیں ہوں۔"
"پھر سوچ لو۔ کیا تمہارا یہ آخری فیصلہ ہے؟"
"ہاں۔ آخری اور اٹل فیصلہ۔"
مجھے یقین تھا کہ اب ردی سوموتو میرے کسی کام کا نہیں رہ گیا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ تم زندگی کو داؤ پر لگا رہے ہو حالانکہ تم اگر چاہو تو بچنے کی راہ بھی اختیار کر سکتے ہو۔"
"نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑے مایوس لہجے میں کہا۔ "بھوشن اپنے مخصوص اور غدار لوگوں پر ایسے خفیہ پہرے لگا دیتا ہے جس سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا ہے۔ مائیکل اسٹرانگ ہی کی مثال لے لو وہ یہاں سے ہزاروں میل دور تھا لیکن تمہاری اطلاع کے مطابق اسے بھی گولی ماردی گئی ہے۔ بھوشن کو یقیناً اس بات کا شبہ لاحق ہوگا کہ اگر وہ زندہ رہا اور اس نے پولیس کی تفتیش کے دوران اپنی زبان کھولی تو بھوشن کی حیثیت کمزور پڑ جائے گی چنانچہ اس نے وقت سے پہلے ہی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ تم نہیں جانتے اس کے آدمی خطرناک شکاری کتوں کی مانند مشکوک افراد کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔"
"لیکن وہ ابھی تک میرے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکے۔"
میں نے زہر خند سے جواب دیا۔
"یہ تمہاری قسمت ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تم زیادہ عرصے تک اس کا مقابلہ کر سکو گے۔ جس دن بھی اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ تم ہی جوزف کے کزن ولیم پوکر ہو، وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"
"تو کیا۔۔۔" میں چونکا۔ "کیا اس نے تمہیں بھی میرے سلسلے میں [illegible] کر دیا تھا۔"
"ہاں۔ اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں خاص طور پر غیر ملکیوں سے گفتگو کرتے وقت بہت محتاط رہوں۔"
"تمہاری اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ ہمارے درمیان ہونے والی اب تک کی تمام گفتگو میرے چیسٹر سے [illegible] ہوئے طاقتور ریکارڈر [illegible] پر محفوظ ہو چکی ہے۔ اس کے بارے میں تم پولیس کو اپنی صفائی میں کیا کہو گے؟"
"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" ردی سوموتو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھو۔"
"ایز یو وش مائی ڈیئر۔" میں نے پسٹل کی کلپ پر اپنا ہاتھ کچھ مضبوط کرلیا۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے سر پر موت کے سائے منڈلاتے دیکھ کر [...] جائے گا لیکن اب بھی وہ سینہ تانے بیٹھا تھا۔ مرنے کی خاطر پوری طرح آمادہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی خواہش کا احترام کرنے کی ٹھان لی لیکن ٹھیک اسی وقت ردی سوموتو کی آنکھیں اچانک غیر متحرک ہو کر اپنے حلقوں میں جم کر رہ گئیں۔ اب اس کے دیکھنے کا انداز بھی بدل چکا تھا پھر یکلخت اس کے [...] ہوئے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور میں چونکے بغیر نہ رہ سکا وہ آواز سو فیصد سوہنی کی تھی جو ردی سوموتو کے منہ سے خارج ہو رہی تھی۔
"میں جانتی ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جو نظر آ رہے ہو [...] من کہتا ہے کہ تم شہباز خان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے۔"
سوہنی کا گندہ علم اور ناپاک قوتیں بھی شاید مجھے نہیں پہچان سکی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ اسے اپنی حقیقت سے آگاہ کر کے اس کی بے بسی کا احساس دلاؤں۔ کومل ورما [...] ہاتھوں اپنے کیفر کردار تک پہنچ گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ [...] حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد سوہنی بھی میرا [...]

بگاڑ سکے گی لیکن پھر میں نے فوری طور پر اپنا ارادہ ترک کردیا۔ وہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی تھی لیکن قانون کے نگہبانوں یا پھر میرے حریفوں کو میری اصلیت سے آگاہ کر کے میرے راستے میں دشواریاں ضرور پیدا کر سکتی تھی چنانچہ میں نے ردی شگر کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ایک اچھے اداکار بھی ہو۔ اگر اسٹیج کی دنیا سے متعلق ہوتے تو شاید اپنی خوبیوں کے سبب بہت نام پیدا کر سکتے تھے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بدلی ہوئی زنانی آواز سن کر ایک لمحے کو میں بھی چکرا گیا تھا۔"
"میں ردی سوموتو نہیں۔ سوہنی بول رہی ہوں۔" سوہنی نے مجھے ردی سوموتو کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "وہی سوہنی جو اس کومل ورما کی بہن ہے جسے تم نے مار ڈالا تھا۔"
"سوہنی۔ کومل ورما۔" میں نے بھرپور اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ردی سوموتو کو دیکھا۔ "کیا تم ایک سرجن ہونے کے علاوہ بلیک میجک کے فن پر بھی عبور رکھتے ہو۔"
"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو، سوہنی [illegible] تمہارے فن کا بھید جان چکی ہے۔"
میں نے اس بار بھی ردی سوموتو کو ایسے انداز میں دیکھا جیسے اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ مجھے علم تھا کہ سوہنی صرف بول رہی ہے۔ میری اصلیت معلوم کرنے کی خاطر وہ چالبازی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ خود کالکا نے بھی کہا تھا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ لندن میں بھی مکارنس نے بھی ایک بار مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ میرے اندر محض اس لیے دلچسپی لے رہی ہے کہ میں وہ پہلا شخص تھا جس کی گہرائیوں تک پہنچنے میں اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اس نے دعوی کیا تھا کہ بہت جلد اس دھند کے سحر کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے گی جس کی وجہ سے اس کی دوربین نگاہیں میرے دل کا حال جاننے سے قاصر تھیں لیکن وہ بھی ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔
سوہنی نے بھی متعدد بار مجھے اس بات کی دھمکی دی تھی کہ جس دن وہ اس گھپ اندھیرے کے جال کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا، اس کی طاقت تو ابھی تک اس بات کا سراغ بھی نہیں لگا سکی تھی کہ عارفہ زندہ ہے یا آگ میں جل کر خاک ہو چکی ہے، وہ یقیناً مجھے کریدنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ردی سوموتو۔" میں نے بدستور غیر ملکیوں کے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم شاید اپنی ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے کچھ وقت حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھو، اب تمہاری موت تمہارا مقدر بن چکی ہے۔"
"رک جاؤ۔" اچانک ردی سوموتو اپنی اصلی آواز میں بولا۔ "میں تمہارے کہنے پر بھوشن جوزف کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہوں۔ چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔"
میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا، خود کو نادیدہ طاغوتی قوتوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی خاطر جلدی سے آیت الکرسی پڑھ کر اپنے گرد اس کا حصار کھینچا پھر سرد لہجے میں بولا۔
"تم ولیم پوکر کو کوئی فریب نہیں دے سکو گے۔ باسٹرڈ! میں سمجھ رہا ہوں کہ وقتی طور پر میرے ہاتھوں سے نجات حاصل کرنے کے خواہش مند ہو۔ اس کے بعد تم بھی زہریلے ناگ کی طرح اپنی کینچلی بدل لو گے لیکن میں تم کو اس کا موقع نہیں دوں گا۔"
میں نے پسٹل کی کلپ کو دبا دیا۔ کمرے میں ہلکی سی چٹ کی آواز ہوئی پھر ردی سوموتو بھگوان کی پوجا جیسے انداز میں اس حد تک جھکتا چلا گیا کہ اس کا سر میز تک گیا۔ میری چلائی گولی ہی اس کی پیشانی کے درمیان لگی تھی جس نے اس کا بھیجہ بھی ضرور پاش پاش کر دیا ہو گا۔
میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ سوہنی جا چکی تھی۔ وہ میرے راستے میں دشواریاں بھی پیدا کر سکتی تھی چنانچہ میں نے جلدی سے ردی سوموتو کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر واش روم کے اندر ڈالا۔ خون کے دھبوں کو تیزی سے صاف کیا پھر نہایت آرام سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر سوہنی کی گندی روح وہاں موجود بھی ہوئی تو اس نے صرف ردی سوموتو کو مرتے دیکھا ہو گا۔ میری نقل و حرکت سے واقف نہیں ہو سکے گی اس لیے میں نے بدستور اپنے اطراف حصار باندھ لیا تھا جس کے اندر کوئی اور طاقت داخل نہیں ہو سکتی تھی۔
باہر آ کر میں نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا جائے حادثہ سے بہت دور نکال لے گیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں ولیم پوکر ہی کی آواز میں میں نے ایک بوتھ سے فون کر کے سراج کو ردی سوموتو کی موت کی اطلاع دی تھی۔
"ون منٹ۔" سراج نے تفصیل کے بعد بے چینی کا مظاہرہ کیا۔ "کیا تم مجھے اس کی موت کی وجہ نہیں بتاؤ گے؟"
"صرف اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ردی سوموتو ہی وہ سرجن تھا جو بھوشن کے قیمتی مریضوں کا آپریشن کر کے ہیرے جواہرات کی تھیلیاں برآمد کرنے کی ڈیوٹی انجام دیتا تھا۔"
"تم یہ بات پولیس کو پہلے بھی بتا سکتے تھے۔"
"فائدہ کیا ہوتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہاری پولیس نے بہرام کے سلسلے میں کیا کیا تھا؟ میں نے تمہیں جس اہم ترین مریض کی اطلاع دی تھی کہ وہ بھوشن کو قانون کے آہنی شکنجوں میں جکڑنے کے لیے بہت موثر ہو سکتا تھا، لیکن تم اس موقع پر بھی بے بس ہو گئے تھے۔ ٹائیگر کی موت نے بھی تمہارے

راستے سے ایک اہم ثبوت مٹ گیا۔ صرف پانڈے باقی ہے لیکن وہ بوشن کے سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکے گا۔"

"کیا تمہاری نظر میں ابھی ایسے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو بوشن کو حراست میں لینے میں میری مدد کر سکیں۔"

"معمول سے ملنے والی کال یا پھر کسی بڑی ہستی کی ایک چٹ تمہارے قانون کو پھر سے بے بس کر دے گی۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "ابھی میرے پاس ایک حربہ ہے جس کے استعمال کے بعد بوشن کو دن میں تارے نظر آجائیں گے لیکن اب میں تمہیں کوئی ٹپ نہیں دوں گا۔ میں خود اس حرامزادے سے اپنا حصہ حاصل کروں گا۔"

"جذباتی بن کر تم خسارے میں رہو گے، میری بات مانو۔"

میں نے سراج کی پوری بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی، سلسلہ منقطع کر کے فون بوتھ سے باہر آگیا۔

ندیم کی آواز سن کر میں اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو دن چڑھ چکا تھا۔ میں نے باہر آکر عجیب سماں دیکھا۔ نسیم جس کی پیشانی پر ابھی تک پٹیاں بندھی تھیں۔ میری ماں کے سینے میں چھپی آہستہ آہستہ سسک رہی تھی، عارفہ اس کے قریب ہی بیٹھی اس کو تسلی دے رہی تھی۔ میں نے ندیم کی سمت دیکھا لیکن اس کا چہرہ کسی قسم کے اندرونی جذبات کے اظہار سے یکسر عاری تھا، اس نے بس ایک نظر مجھ پر ڈالی تھی، پھر نسیم کی جانب متوجہ ہوگیا۔

میں قدم بڑھاتا ماں کے قریب گیا، میں نے نسیم کو ہولے سے آواز دی تو ایک لمحہ کو اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ اور سہمی سہمی سی نظر آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہ پہلی جیسی تازگی اور شگفتگی نہیں تھی۔ میں نے قریب جا کر اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "رو کیوں رہی ہے پگلی۔ ابھی تیرا بھائی زندہ ہے۔ یہاں ایک سے بڑا ایک سرجن اور ڈاکٹر موجود ہے، میں تیرے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تو ضرور اچھی ہو جائے گی۔" پھر میں بھی جذباتی ہو گیا۔ "میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تیری پیشانی کے داغ کو مٹانے کی خاطر میرے جسم کا ایک ایک قطرہ خون بھی کام آیا تو دریغ نہیں کروں گا۔"

"ہاں نسیم، پریشان مت ہو۔" عارفہ نے کہا۔ "پلاسٹک سرجری نے اب بہت ترقی کر لی ہے، وہ بوڑھوں کو بھی حیرت انگیز طور پر جوان بنا دیتی ہے، تمہاری پیشانی کا داغ مٹانا تو ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ماں نے دعا دی پھر نسیم کو دوبارہ اپنی شفقت بھری آغوش میں سمیٹ کر بولی۔ "تمہارے آنے کا

مجھے شدت سے انتظار تھا۔ پوچھو کیوں؟"

"کیوں؟" نسیم نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں عارفہ اور شہباز کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اب تم بھی آگئی ہو تو اس نیک کام میں دیر نہیں ہوگی۔ میں آج شام ہی ان دونوں کا نکاح پڑھوا رہی ہوں۔"

"امی حضور۔" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس میں تیری بہت سن چکی، اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔" ماں نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

نسیم نے میری شادی کی خبر سنی تو اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے۔ اس کے اداس چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ندیم بدستور اپنی کسی سوچ میں گم تھا۔

"ندیم۔" ماں نے اسے آواز دی تو وہ اس طرح چونکا جیسے سوتے سوتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

"جی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تم نے میرا فیصلہ سن لیا ہے نا۔ میں آج شام کو عارفہ اور شہباز کو دلہا دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں اور ایک دوست اور بھائی ہونے کے ناتے اس نکاح کا سارا انتظام تمہیں کرنا ہوگا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں آنٹی۔" ندیم نے بڑے پیار سے کہا۔

"جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

"اور اگر میں نے تمہیں نکاح کے وقت قبول کرنے کے بجائے نامنظور کردیا تو۔" میں نے کن انکھیوں سے عارفہ کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے شرماتے ہوئے ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتی ماں کے کمرے میں چلی گئی۔

"آپ نے مجھے بہن کہا ہے۔" نسیم نے میری سمت دیکھا۔ "کیا میری خاطر بھی آپ آنٹی کی خوشی پوری نہیں کریں گے۔"

"سنجیدہ مت ہو۔" میں مسکرایا۔ "میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔"

پھر اسی شام عارفہ سے میرا نکاح ہو گیا جس میں سوائے قاضی کے باہر کا اور کوئی آدمی شریک نہیں ہوا تھا۔ ماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نسیم اور عارفہ کو بھی بے حد مسرت تھی۔ ندیم نے بھی گلے لگا کر مجھے مبارکباد دی تھی لیکن مجھے اس کی ہنسی میں بھی سنجیدگی کا شبہ سا ہو رہا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے اسے تنہائی میں کریدا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"ابھی بہت وقت پڑا ہے پھر بھی اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ آج تمہاری زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے آج اس کے سوا اور کچھ نہ سوچو۔"

"تم شاید مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے پھر مجھے باتوں میں اڑانے کی کوشش کی۔ بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ایک بات کہوں یقین کرو گے۔"

"کیا؟"

"آج دلہن بنی ہوئی عارفہ مجھے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نسیم سے بھی زیادہ۔"

"بکو مت۔ تم مجھے کھل کر بتاؤ آخر بات کیا ہے؟"

"ایک بات کا خیال رکھنا۔ بزرگوں اور دوست و احباب کا بھی یہی کہنا ہے کہ سہاگ رات ہر انسان کی زندگی میں صرف ایک بار آتی ہے اور یہی وہ رات ہے جب دولہا دلہنوں کے درمیان سے حجاب کے پردے سرکتے ہیں۔ میں تمہیں قدم جما کر میدان میں اترنے کا مشورہ دوں گا۔"

"بہتر ہے، میں جناب کے اس قیمتی مشورے کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا پھر اپنی ضد پر آگیا۔ "اب وہ بات کہو جو تمہارے پیٹ میں ہے۔"

ایک لمحے کے لیے وہ خاموش ہو گیا پھر بڑے عجیب فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"تم میرے بہت عزیز دوست ہو، لیکن اس کے باوجود تمہیں شاید میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ ہم طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ اس درمیانی عرصے میں میں نے کیا کیا کھیل کھیلے کیسے کیسے خطروں کے پرپیچ راستوں سے ہو کر گزرا ہوں یہ صرف میں جانتا ہوں۔ میرے لیے شکست تسلیم کرلینا ایسا ہی تھا جیسے کوئی خوف سے ڈر کر سربازار ننگا ہونے پر مجبور ہو جائے۔ میں نے مجبوری کے اس احساس کو اپنے اعصاب پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ کسی سرکش موج کی طرح کناروں سے ٹکرایا ضرور لیکن پھر بپھرے ہوئے سمندر کی طرف واپس لوٹ گیا۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ موت کا جو وقت مقرر ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔ شاید اسی خیال نے ہمت اور حوصلہ دیا۔ میں نے جس پروفیشن کو اپنایا ہے اس میں ہر ہر قدم پر موت کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہمارے درمیان ہمیشہ ایک رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ بڑا کاروباری اسی کو سمجھا جاتا ہے جس نے بڑے بڑے بدمعاش، شاطر لفنگے اور دہشت گرد پال رکھے ہوں۔ نسیم سے شادی سے پیشتر میں سب سے بڑا کاروباری آدمی سمجھا جاتا تھا لیکن اب۔۔۔ صرف اپنی سابقہ ساکھ سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔"

"میں نے جناب سے شرافت یا بدمعاشی پر تقریر کرنے کی فرمائش نہیں کی تھی صرف اتنا پوچھا تھا کہ۔۔۔"

"نسیم سے شادی کے بعد میں نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا کہ اب میری زندگی صرف اپنی زندگی نہیں رہی۔ اس میں کوئی اور بھی حصہ دار بن گیا ہے جسے ہر ہر قدم پر میری ضرورت ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے خود کو خاصا تبدیل کر لیا ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آج سے عارفہ بھی تمہاری زندگی میں ساجھے دار بن رہی ہے۔ میرا مشورہ ہے اب کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر اس کے بارے میں بھی ضرور غور کرنا۔"

"میں اب بھی حضور کی تقریر کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔"

"میرا اشارہ ڈیم پوکر کے فرضی کردار کی طرف ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارا کیا خیال ہے مسٹر شہباز خان؟ کیا مجھے حالات کا علم نہیں ہے؟" اس نے مجھے بڑی اپنائیت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "ٹائیگر کی خودکشی، پانڈے کا زخمی ہونا اور اب سدی سومرو کا انجام۔ مجھے ان تمام باتوں کی ایک ایک تفصیل معلوم ہے۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "گویا تم نے میرے پیچھے باقاعدہ اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔"

"ہاں۔ اس لیے کہ تم نرے اخروٹ ہو۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا براہم کے فلیٹ کو آگ فرشتوں نے لگائی تھی؟ کرشن ورما کو تمہارے سراج صاحب کے ہاتھوں تک پہنچنے سے پہلے کس نے ختم کردیا تھا۔ سرجن داؤدی اور مائیکل اسٹرانگ کی موت کے بعد تمہیں اس بات کا احساس ہو جانا چاہیے تھا کہ اب بوشن کی بساط پر صرف سدی سومرو ہی ایک قیمتی اور اہم مہرہ باقی رہ گیا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا

بھوشن کے شکاری کتے اس کی نگرانی پر مامور نہیں رہے ہوں گے؟"

"لیکن۔"

"تم نے شاید شام کے اخبارات نہیں دیکھے جس میں روی سومو کے قتل ہو جانے کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم خبر بھی شائع ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"ایک کار کی تباہی جسے نامعلوم دہشت گردوں نے گولیاں مار مار کر چھلنی بنا دیا تھا۔ اس تباہ شدہ کار میں سے چار لاشیں برآمد ہوئی ہیں جنہیں پولیس نے شناخت کر لیا ہے۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "وہ چاروں قتل و غارت گری اغوا برائے تاوان اور حرام کاری کے متعدد کیس میں پولیس کو ایک عرصے سے مطلوب تھے۔ شاید اسی لیے پولیس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان چاروں کی موت کسی انتقامی کارروائی کا نتیجہ ہے۔"

"مگر۔"

"وہ روی سومو کے قتل کے بعد تمہارا تعاقب کر رہے تھے۔" ندیم نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "اگر ماسٹر کی نے بروقت فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان چاروں کے بجائے تم پولیس ہسپتال کے سردخانے میں پڑے ہوتے۔"

"میں بھی تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ موت کا جو وقت طے کر دیا گیا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "بہرحال میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے ان آدمیوں کی نقل و حرکت کا بھی خیال رکھوں گا جو سائے کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔ "کیا روی سومو کے بعد بھی کچھ افراد تمہاری ہٹ لسٹ پر باقی رہ گئے ہیں؟"

"سہاگ رات زندگی میں صرف ایک بار آتی ہے۔" میں نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "باقی باتیں پھر کبھی فرصت سے ہوں گی۔"

عارفہ سے شادی کے بعد میں دو روز تک دفتر نہیں گیا۔ میں نے واسانی کو بتا دیا تھا کہ میں کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں اس لیے مجھے تنگ نہ کیا جائے۔ ان دو دنوں تک میں نے سوائے عارفہ کے کسی دوسری جانب توجہ نہیں دی۔ [illegible] خوش تھی۔ عارفہ تو ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے ہاتھوں میں قارون کا خزانہ آگیا ہو۔ دو دنوں میں ایک بار سراج بھی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی شادی کے بارے میں اسے بھی اطلاع دینی مناسب نہیں سمجھی۔ وہ ابھی تک میرے گزشتہ برتاؤ کی وجہ سے مجھ سے شاکی تھا۔ عارفہ سے شادی کی خوشی کے باوجود میں نے سراج کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ سراج کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

مجھے گھر کے باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ میرے دشمن کیا کر رہے تھے؟ بھوشن نے روی سومو کے قتل کا کیا اثر لیا تھا؟ کاکا اور موہنی نے خاموشی کیوں اختیار کر رکھی تھی؟ میں نے ان تمام باتوں کو سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف عارفہ کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ تیسرے روز جب میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا تو عارفہ کچھ سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی سنجیدگی کا سبب پوچھا تو میرے قریب آکر بولی۔

"میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ میری موت کی جھوٹی خبر کو زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ میں جب بھی اس چار دیواری کی حدود سے باہر قدم نکالوں گی۔ ہمارے دشمنوں کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ میں زندہ ہوں۔ اس کے بعد نادیدہ اور گندی قوتیں پھر آپ کے راستے میں دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گی۔"

وہ شاید ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ کاکا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ میں نے اس کے علاوہ کسی اور کو چاہا تو میرا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ موہنی کو بھی اس بات کا شبہ تھا کہ عارفہ آگ میں جلنے سے بچ گئی ہے۔ جب اسے اپنی ناکامی کا علم ہو گا تو وہ یقیناً کسی انتقامی جذبے کا اظہار ضروری سمجھے گی۔ مجھے بھوشن کی جانب سے بھی خطرہ لاحق تھا۔ جو واقعات گزر چکے تھے وہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھے۔ اگر میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا کہ پلید طاقتیں بدھے کی پشت پناہی کر رہی ہیں تو پھر یہ ممکن تھا کہ انہوں نے بھوشن کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہو کہ اس کے نقصانات کا سبب میری ذات سے وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ کوئی جوابی کارروائی کرتا تو اسے فطرت کے خلاف نہیں کہا جا سکتا تھا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ یہاں انسان چند روپوں کی خاطر کسی اجنبی کے پیٹ میں چھرا گھونپ دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ جبکہ بھوشن کو تو میری وجہ سے کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس کے خاص خاص آدمی بھی اسی نقصان میں شامل تھے لیکن میں ان تمام خطروں کے باوجود محض گھر کی چار دیواری کے اندر تمام زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ میرا ایمان تھا کہ موت برحق ہے اور اس کا ایک وقت متعین کر دیا گیا ہے جو اٹل ہے۔ احتیاط کرنے اور برائیوں سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن ناگہانی اور مشیت ایزدی کو کون ٹال سکتا ہے؟ حالات نے مجھے گلے تک ملوث کر رکھا تھا۔ موت اگر میرا مقدر بن چکی تھی تو وہ مجھے میرے گھر میں بھی آسکتی تھی۔

ایک لمحے کو میرے ذہن میں وہ تمام پرانی یادیں زندہ ہو گئیں،

ساتھ شادی کرنے کے بعد دو دنوں تک میں فراموش [illegible] میں نے دشمنوں کے خلاف جو قدم آگے کی جانب بڑھایا تھا اسے پیچھے لانا میرے اپنے اختیار کی بات بھی نہیں تھی۔ میں نے عارفہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر اس کی دراز زلفوں کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہیں خدا کی ذات پر یقین ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ گھبرا گئی۔

"پھر اسی کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ وہ جو بھی کرتا ہے اس میں انسان کی بھلائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور شامل ہوتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میری پریشانی بھی اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔"

"پریشان مت ہو۔ [illegible] اپنا خیال رکھوں گا۔" میں نے عارفہ کو تسلی [illegible] روانہ ہو گیا۔ دفتر پہنچ کر میں پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک کاکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ وہ شاید میرے بہت قریب تھی لیکن اس نے خود کو انسانی پیکر میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ شاید کومل دیا کی موت نے اسے بہت محتاط کر دیا تھا۔

"شہباز۔۔۔ میرا مشورہ ہے کہ تم واپس گھر چلے جاؤ۔"

"کوئی خاص مصلحت؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے کہ آج کا دن تمہارے اوپر بھاری ہے۔" وہ بدستور سنجیدگی سے بولی۔ "حالات نے مجھے بے بس کر دیا ہے ورنہ میں موہنی کو اپنی شکتی کے زور سے شکری کی طرح شکست کر دیتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہ۔۔۔ وہ تمہارے خلاف بڑا مضبوط جال بن رہی ہے۔"

"کیا تم مجھے اس کی چال سے آگاہ بھی نہیں کر سکتیں؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں مجبور ہوں شہباز۔ میرا کہا مان لو ابھی وقت ہے۔ تم واپس گھر لوٹ جاؤ۔"

"نہیں کاکا رانی۔ میں تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا۔" میں نے بریف کیس اٹھا کر گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "موہنی نے اگر میرے لیے اپنی شیطانی قوتوں سے کوئی جال بنا ہے تو رحمانی قوتیں اس جال کی بندشوں کو کچے دھاگے کی طرح توڑ بھی سکتی ہیں۔"

"کیا تمہیں اب اپنی کاکا رانی کی باتوں پر وشواس نہیں ہے؟"

"بات وشواس کی نہیں حق و باطل کی ہے اور میں باطل قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر موت کو ترجیح دینا زیادہ پسند کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔" کاکا نے حسرت بھری آواز میں جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گی کہ موہنی نے جو جال تمہارے لیے بچھایا ہے اس کا کوئی توڑ کر سکوں پر تم وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اپنا دھیان رکھنا۔"

پھر کاکا چلی گئی اور میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا اپنے دفتر میں آگیا۔ میری دو دنوں کی غیر حاضری میں اچھا خاصا کام جمع ہو گیا تھا جسے صرف میں نمٹا سکتا تھا۔ میں نے واسانی کو بلا کر اس سے دفتری معاملات کے بارے میں دریافت کیا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کو کھانا کھا رہا تھا کہ سراج کا فون آگیا۔

"شہباز صاحب۔" اس نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔ "میرا تبادلہ ہیڈ کوارٹر میں کر دیا گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس تبادلے کی پشت پر بھوشن جوزف کا ہاتھ ہے لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کروں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کے تبادلے کے سلسلے میں۔"

"شکریہ مسٹر شہباز لیکن میں چاہتا ہوں کہ بھوشن اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" سراج کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ "مجرم جب خود کو بہت زیادہ طاقتور سمجھنے لگتا ہے تو پھر اسی زعم میں اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور یہی غلطیاں اسے قانون کے شکنجوں میں پھنسا جانے کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں لیکن۔"

"فی الحال آپ کی ہمدردی کے دو الفاظ ہی میرے لیے بہت ہیں۔ اگر کبھی ضرورت پڑی تو آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔" سراج نے میری بات کاٹ کر بڑی گمبھیر آواز میں جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں دوبارہ کاموں میں مصروف ہوا تو ندیم کا فون آگیا۔

"سنا ہے تمہارے سراج صاحب عتاب میں آگئے ہیں۔"

"یہ سب بھوشن جوزف کی کمینگی ہے۔"

"مجھے علم ہے۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے مستند ذرائع سے یہ بھی علم ہوا ہے کہ وہ لاء منسٹر کے ساتھ مل کر تمہیں بھی نقصان پہنچانے کا کوئی پلان کر رہا ہے۔"

"تمہاری ماہ رخ بیگم کس دن کام آئیں گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے بے فکری سے کہا۔ "کیا وہ بھی بھوشن کے آگے خود کو مجبور سمجھ رہی ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ تم ماہ رخ کی طاقت کا غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ اب بھی اس کی پلکوں کی ایک جنبش لاء منسٹر کی کرسی کو ہلا سکتی ہے۔ بھوشن تو اس کے لیے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا لیکن۔۔۔" ندیم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"بھوشن اور لاء منسٹر کے بارے میں اس سے بات کی تھی

لیکن جانتے ہو وہ اس کام کے لیے کیا معاوضہ طلب کر رہی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ صرف ایک رات کے لیے اپنے خلوت کدے میں تمہاری میزبانی کے فرائض انجام دینا چاہتی ہے۔ شاید وہ تم سے بھی پچھلی ملاقات میں اس بات کا اظہار کر چکی تھی۔"

"آئی ایم سوری مائی ڈیئر۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ "پہلے کی بات اور تھی لیکن اب میں عارفہ کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔"

"میں بھی تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ماہ رخ جیسی عورتیں بالکل جونک ہی کی طرح ہوتی ہیں جو ایک بار کسی سے چمٹ جائیں تو آخری دم تک اس کا خون چوستی رہتی ہیں۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"فکر مت کرو۔ ماہ رخ کے علاوہ بھی میرے پاس متعدد دوسرے موثر ذرائع موجود ہیں۔ کام اگر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو پھر ہمیں مجبوراً "دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ بہرحال میں تمہیں اب اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا۔ باقی باتیں رات کو ہوں گی۔ بشرطیکہ تم عارفہ کے بجائے کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزار سکو۔"

"ڈونٹ بی نان سینس۔" میں نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا پھر ریسیور رکھ کر دوبارہ ضروری فائلوں میں مصروف ہو گیا۔ کام اتنا زیادہ تھا کہ مجھے وقت کا کوئی احساس نہ رہا۔ میں فائلوں میں گم تھا کہ واسٹی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"سر مجھے آپ سے ایک ضروری اور بڑی اہم بات کرنی ہے۔"

میں نے نظر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی کی سمت دیکھا۔ اس وقت شام کے پونے چھ کا عمل تھا۔

"کیا بات ہے مسٹر واسٹی؟ تشریف رکھیے۔" میں نے تھکن دور کرنے کی خاطر انگڑائی لیتے ہوئے واسٹی کو مخاطب کیا۔

"سر" واسٹی نے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں آپ کے لیے ایک بری خبر لایا ہوں۔"

"کیا؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"مسٹر عابد کو پولیس نے کسٹم ہاؤس کے باہر سے گرفتار کر لیا ہے۔"

"گرفتار کر لیا گیا ہے۔" میں چونک اٹھا۔ "کیوں؟"

"ان کے بریف کیس سے ضروری کاغذات کے بجائے کنٹرا بینڈ (contraband) سونا برآمد ہوا ہے۔"

"اس وقت عابد کہاں ہے؟" میں نے تیزی سے فائل بند کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔ میرے ذہن میں کاکا کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ عابد کے خلاف وہ خطرناک جال موہنی کے علاوہ کسی اور نے نہیں بچھایا ہو گا۔

"علاقے کے پولیس اسٹیشن میں۔" واسٹی نے کہا۔ "مجھے اس کلرک نے اطلاع دی ہے جو گرفتاری کے وقت عابد کے قریب ہی موجود تھا۔"

میں نے فوری طور پر ندیم کو حالات سے باخبر کیا پھر تیزی سے اس علاقہ پولیس اسٹیشن کی سمت روانہ ہو گیا جہاں واسٹی کی اطلاع کے مطابق عابد کو رکھا گیا تھا۔

"کیوں شہباز خاں۔ اب تمہارے دل کی دھڑکنیں کیا کہہ رہی ہیں؟" موہنی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"یہی کہ تم بزدل ہو، کمینی ہو۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "چھپ کے چھرا مارنے والے کو میری زبان میں یہی کہا جاتا ہے۔"

"مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔" وہ میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "جانتے ہو عابد نے پولیس کو اپنا کیا تحریری بیان دیا ہے؟ اس نے اعتراف کر لیا ہے کہ تم بہت دنوں سے کاروبار کی آڑ میں سونے کی ناجائز تجارت کیا کرتے رہے ہو۔ میں چاہتی تو تمہیں بھی رنگے ہاتھوں گرفتار کرا سکتی تھی لیکن مجھے چوہے اور بلی کا کھیل زیادہ پسند ہے۔ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اور تمہاری گندی قوتیں کس کے لیے کام کر رہی ہیں۔"

"یدھ (جنگ) اور پریم میں سب چلتا ہے۔" وہ مجھے چڑانے کی خاطر بولی۔ "بھوشن کو تمہارے حرنے کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی بھوشن کی پریشانیوں کے سامنے دادو بن جاؤ اور ابھی کھیل شروع ہوا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ برق رفتاری سے گاڑی چلاتا ہوا مطلوبہ پولیس اسٹیشن پہنچا جہاں عابد کی کار پہلے سے موجود تھی اور پولیس کا ایک سپاہی اس کی نگرانی کر رہا تھا۔

میں قدم اٹھاتا ہوا تیزی سے انسپکٹر انچارج کے کمرے میں پہنچا تو ایک بار پھر چونک اٹھا۔ انسپکٹر کی کرسی پر مجھے وردی میں وہی رام دیال نظر آیا جو روپ نگر میں میرا ماتحت رہ چکا تھا۔ اسی نے جمنی کی گرفتاری پر ٹھاکر کی حمایت میں دبی زبان میں احتجاج کیا تھا۔ مجھے میرے دوسرے ماتحت بدر اقبال نے بھی بتایا تھا کہ رام دیال مذہب کے معاملات میں بہت زیادہ متعصب واقع ہوا ہے۔ رام دیال نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو رام دیال کے ہونٹوں پر ایک مکروہ شیطانی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

رام دیال کی نگاہوں میں میرے لیے نفرت ہی نفرت نظر آئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھ گیا تھا لیکن اس احترام کے پس منظر میں بھی وہ تمام تر خباثتوں کے ساتھ مجھ پر خنداں زن تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک گہرا طنز تھا۔ ایک گالی تھی۔ انتقام کا ایک جذبہ تھا۔ کبھی وہ میرا ماتحت تھا۔ میرے ایک اشارے پر عمل کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا مگر وہ اس وقت بھی متعصب تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے دھرم کے لوگوں کے لیے آنکھیں بند کر لینے کا عادی تھا۔ ٹھاکر کو خوش کرنے کی خاطر اس نے اس وقت میری مخالفت کی تھی جب میں نے جمنا کو ایک الزام میں گرفتار کر کے جیل میں بند کیا تھا لیکن اب۔

اب وقت کے دھارے بدل چکے تھے۔ ہوا کا رخ تبدیل ہو چکا تھا۔ مانا کہ میں شہر کا ایک بڑا باعزت کاروباری شخص تھا۔ بڑوں کے حلقے میں ہمیشہ مجھے احترام کے قابل سمجھا جاتا ہے لیکن رام دیال قانون کا محافظ تھا اور قانون کے تقاضے پورے کرنے والوں کے لیے چھوٹے بڑوں کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

میں نے رام دیال کے چہرے کی جانب سے نظریں ہٹا کر عابد کی طرف دیکھا جو دو مسلح سپاہیوں کے درمیان گردن جھکائے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی گردن کچھ اور جھک گئی۔ اس کی نگاہوں میں لرزتے ہوئے آنسو اور بے بسی کا احساس اس کی بے گناہی کا ثبوت تھے لیکن اس کے باوجود وہ مجرم تھا۔

اس کے بریف کیس سے دفتری کاغذات کے بجائے ناجائز سونا برآمد ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کی پشت پر کس کا ہاتھ تھا۔ موہنی کی پلید روح نے مجھ سے ناہید اور ہوری سوموکے قتل کا انتقام لیا تھا۔ پانڈے کا زخمی ہونا بھی اس کے انتقامی جذبوں کا ایک سبب تھا۔ اسی نے مجھے عابد کے سلسلے میں اپنی طاقت کا ایک چھوٹا سا چمکار دکھایا تھا۔ اس سے پہلے کاکا کی روح نے مجھے کسی آنے والے خطرے سے باخبر بھی کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آج کا دن مجھ پر بھاری ہے۔ اس نے مجھ سے گھر واپس لوٹ جانے کی درخواست کی تھی۔ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ موہنی کے اس مضبوط جال کو توڑنے کی کوشش کرے گی جو میرے خلاف بنایا جا رہا تھا۔ میں نے کاکا کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ عمل کر لیتا شاید تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا اس لیے کہ عابد کا تحریری بیان ہی میرے خلاف ایک اہم ثبوت تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بیان عابد نے اپنی مرضی سے نہیں موہنی کی گندی قوت کے زیر اثر آنے کے بعد دیا ہو گا۔ وہ میرا بڑا قابل اعتماد اور وفادار ملازم تھا۔ میں اس کے خلاف نہیں سوچ سکتا تھا۔

کاغذات کے بریف کیس سے سونے کا برآمد ہونا بھی موہنی کے اسی مضبوط جال کی نشاندہی کر رہا تھا جس کے بارے میں کاکا نے مجھے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے دل نے ایک بار پھر سے گواہی دی کہ کاکا اور موہنی ایک ہی تھیلی کے

چنتے ہیں۔ دیوی دیوتاؤں نے کالکا کو اسی لیے سزا دی تھی کہ اس نے شنکر کو میرے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ وہ سب کچھ جو میں نے ندیم کی موجودگی میں دیکھا تھا وہ ایک فریب نظر بھی ہو سکتا تھا۔

"کس وچار میں گم ہیں سر؟" رام دیال کے "سر" کہنے میں بھی تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "پدھاریے آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ میرے بعد رام دیال بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ایک ایک حرکت' ایک ایک انداز میری موجودہ پوزیشن کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"اچھا ہوا جو آپ خود آ گئے ورنہ مجھے سپاہیوں کو بھیج کر آپ کو بلوانا پڑتا۔" رام دیال نے پھر میرا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔ "آپ تو میرے افسر رہ چکے ہیں۔ پولیس کی نوکری سے آپ کا سمبندھ بھی پرانا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ قانون اندھا ہوتا ہے۔"

"میرے آدمی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے رام دیال کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اس کا کارن میرے پاس ہے۔ پرنتو میں بھی یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ کو اتنی جلدی اپنے آدمی کی گرفتاری کی اطلاع کس طرح مل گئی؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے رام دیال۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کسی قدر سخت انداز میں جواب دیا۔ "تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔"

"شما چاہتا ہوں جناب۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "آپ کا ذاتی مسئلہ اب قانونی مسئلہ بن گیا ہے اور ایک تفتیشی افسر ہونے کے ناتے مجھے آپ سے ہر قسم کا سوال کرنے کا پورا پورا ادھیکار ہے۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ کے اس آدمی نے تحریری بیان دیا ہے کہ آپ کاروبار کی آڑ میں ناجائز سونے کی کالی تجارت بھی کرتے ہیں۔" رام دیال نے عابد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے افسرانہ شان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "میری فائل پر اس کا وہ بیان موجود ہے جو اس نے اپنی مرضی سے دیا ہے۔"

"کیا وہ بیان کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں لیا گیا ہے؟"

"دھیرج سے کام لیں شری مان شہباز جی۔" اس نے زہر خند سے کہا۔ "آپ قانون کی نظروں میں مشکوک ہو چکے ہیں۔ اس لیے آپ کو زیادہ اونچی آواز میں بات نہیں کرنی چاہیے۔ ویسے اگر آپ کی اچھا (خواہش) ہے کہ میں آپ کے آدمی کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کروں تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ مجھے وشواس ہے کہ آپ کا یہ آدمی اپنا بیان نہیں بدلے گا۔"

"تم نے جو بیان لیا ہے وہ جبر و تشدد سے بھی لیا جا سکتا ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے گھورا۔ "عدالت میں جانے کے بعد ایسے کاغذی بیانات کی حیثیت بدل بھی جایا کرتی ہے۔"

"اور آپ اس ناجائز سونے کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو آپ کے آدمی کے بریف کیس سے برآمد ہوا ہے؟"

"وہ بھی میرے آدمی کو پھانسنے کی خاطر ایک شاطرانہ چال کہی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ "آپ کا خیال ہے کیا دس لاکھ کا سونا پولیس اپنی طرف سے بھی کسی کے سر تھوپ سکتی ہے؟"

"اس شہر میں میرے بہت سارے کاروباری مخالفین بھی ہیں۔ وہ میری ساکھ خراب کرنے کی خاطر دس لاکھ تو کیا پچاس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔"

"پچاس لاکھ۔ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔" رام دیال نے کرسی پر دونوں کہنیاں ٹکا کر آگے جھکتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "آپ چاہیں تو میں یہ سارا معاملہ پچیس لاکھ میں بھی ختم کر سکتا ہوں۔"

"تم۔ مجھ سے رشوت طلب کر رہے ہو؟" میں اپنے غصے کو برداشت نہ کر سکا۔

"چھی چھی' یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ ابھری۔ "میں تو آپ کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔"

"رام دیال۔ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔" میں نے سخت آواز میں کہا۔ "تم گندی قوتوں کے اشارے پر میرے ساتھ جو کھیل کھیل رہے ہو اس کی بساط پلٹ بھی سکتی ہے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بڑے ہی تلخ انداز میں جواب دیا۔ "آپ کے حسر شری سراج صاحب اب اس علاقے کے ڈی ایس پی نہیں رہے۔ وہ ہوتے تو شاید آپ کی سیوا ضرور کر دیتے۔"

"تم۔"

"ایک بات اور دھیان سے سن لیں مسٹر شہباز۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا۔ "یہ قانونی چکر ہیں جس میں پھنس جانے کے بعد بڑے بڑے بلوانوں کی ہوا بھی نکل جاتی ہے۔"

قبل اس کے کہ میں رام دیال کی بات کا کوئی جواب دیتا ندیم دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ کی تعریف؟" رام دیال نے ندیم کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے پوچھا۔

"خادم کو ندیم کہتے ہیں اور میں شہباز خان کا بڑا پرانا دوست ہوں۔"

"آئی سی۔" رام دیال نے بڑی خباثت سے کہا۔ "گویا آپ اپنے متر کی سہائتا کرنے آئے ہیں۔"

"اپنا تفصیلی تعارف تم سے پھر کسی وقت فرصت سے کراؤں گا۔" ندیم نے حقارت سے کہا پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر رام دیال کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "فی الحال یہ مسٹر عابد کی ضمانت کا پروانہ ہے۔"

رام دیال نے ایک نظر عدالت کی جانب سے جاری ہونے والے ضمانت کے کاغذات پر ڈالی پھر ندیم کو مخاطب کر کے بڑی فرعونیت سے بولا۔

"میں مسٹر عابد کو ایک جرم سے آزاد کر کے دوسرے جرم میں بھی گرفتار کرنے کی شکتی رکھتا ہوں پرنتو میں ایسا کروں گا نہیں۔"

"تم نے اگر کوئی ایسی حماقت کی تو تمہارے کاندھوں پر چمکتے ہوئے ان ستاروں کی تعداد کم بھی ہو سکتی ہے اور ممکن ہے تمہیں فوری طور پر معطل بھی کر دیا جائے۔" ندیم نے درشت لہجہ اختیار کیا۔

رام دیال کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اچانک کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ شاید وہ کسی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ندیم پر مرکوز تھیں جیسے وہ نگاہوں نگاہوں میں تول رہا تھا پھر وہ کچھ توقف کے بعد بولا۔ "مسٹر ندیم' دنیا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔"

"یہی مشورہ میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔" ندیم نے بے پرواہی سے جواب دیا تو رام دیال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"رام دیال سے دشمنی مول لے کر تم اچھا نہیں کر رہے ہو مسٹر ندیم۔"

"اس کا فیصلہ تو آنے والا سمے ہی کر سکتا ہے۔" ندیم مسکرا دیا۔

"تم شاید۔" رام دیال کچھ کہتے کہتے رک گیا لیکن اس کی شعلہ بار نگاہیں بدستور ندیم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ غالباً وہ کوئی سخت بات کہنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن کسی مصلحت کی خاطر اس نے خاموشی کو ترجیح دی تھی۔

"مسٹر عابد کے سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" ندیم نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تم اسے ضمانت پر رہا کرنے کو تیار ہو یا۔"

"عدالت کے حکم نامے کے بعد تمہارے آدمی کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" رام دیال نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "تم مسٹر عابد کو لے جا سکتے ہو پرنتو ایک بات یاد رکھنا۔ رام دیال سے تمہاری دوسری ملاقات بھری عدالت میں ہو گی جہاں ٹھوس ثبوت تمہارے نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں ہو گا۔"

جواب میں ندیم نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا پھر ہم عابد کو لے کر تھانے سے باہر آ گئے۔ میں نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے علم تھا کہ اس کی ذہنی حالت کیا ہو گی۔ اس کے چہرے پر ابھی تک الجھن اور ذہنی کشمکش کے ملے جلے تاثرات منڈلا رہے تھے۔

"باس۔" اس نے خود ہی مجھے مخاطب کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ سب کچھ۔"

"تمہیں فی الحال ذہنی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "تم ابھی گھر جاؤ اور جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔"

"لیکن باس۔"

"جذباتی نہ ہو عابد۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "تم میرے خاصے پرانے ساتھی ہو۔ مجھے تمہاری ذات اور کارکردگی پر مکمل اعتماد ہے۔"

"شکریہ باس۔" اس نے ایک لمبی سانس لے کر گردن جھکائی پھر خاموشی سے اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری کالکا رانی یا موہنی پھر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہیں۔" ندیم نے عابد کے جانے کے بعد کہا۔

"میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن اس کے بریف کیس سے ناجائز سونا برآمد ہوا ہے۔ وہ اپنا تحریری بیان بھی دے چکا ہے تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"وہ بیان عابد نے موہنی کی گندی قوت کے زیر اثر آ کر دیا ہو گا۔"

"بہرحال' قانون دستاویزی ثبوت اور عابد کے بیان پر ہی انحصار کرے گا۔"

"پھر اب کیا ہو گا؟" میں نے ندیم کو رام دیال کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "روپ نگر میں بھی یہ میرے مخالفین میں سے تھا۔ وہ میرے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں برتے گا۔"

"کیا کالکا اس بار تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی؟" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سے پیشتر تو وہی ایسے موقعوں پر کام آتی رہی ہے۔"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے کالکا کو یاد کیا۔

"شہباز۔" کالکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "دیوی اور دیوتاؤں نے موہنی کے ہاتھ بہت مضبوط کر دیے ہیں۔ میں

نے اسی لیے تمہیں بتایا بھی تھا کہ وہ تمہارے خلاف ایک مضبوط جال بن رہی ہے۔ رام دیال کی ترقی اور تمہارے ٹرسراج کے تبادلے میں بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ اسی نے تمہارے سیوک کے دماغ پر بھی اپنا قبضہ جمالیا ہے۔"

"اور وہ سونا؟"

"وہ بھی موہنی کی شرارت ہے۔"

"تم۔ تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو؟" میں نے تیزی سے کہا۔ "اس سے پہلے تو اسے موقعوں پر۔"

"تب بات اور تھی لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔" کالکا نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر جلدی سے بولی۔ "اب صرف ایک ہی طریقہ تمہارے تُری کو بچا سکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تم اس شکتی کے بارے میں بتا دو جس نے ہمارے درمیان سیاہ بادل جما رکھے ہیں تو دیوی دیوتا مجھے شما کر دیں گے اور پھر۔ پھر تمہاری کالکا رانی موہنی سے زیادہ بلوان ہو جائے گی۔ ابھی سے باقی ہے شہباز، مجھے بتا دو کہ کون تمہاری سہائتا کر رہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس روحانی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" میں نے کمبل پوش بزرگ کے کہنے پر سختی سے عمل کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں اب شاید اپنی کالکا پر وشواس نہیں رہا؟"

"یہ تمہارا خیال ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں لیکن من اس بات کی گواہی نہیں دیتا۔" کالکا نے کہا۔ "کومل ورما کی موت مجھے الجھا رہی ہے۔"

"تم عابد کے سلسلے میں کیا کر سکتی ہو؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں۔ میں مجبور ہوں شہباز پھر بھی میں کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی کام آسکوں۔"

پھر کالکا کی آواز نہیں سنائی دی۔ ندیم میری خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے تم اچانک خاموش کیوں ہو گئے تھے؟"

"کالکا سے باتیں کر رہا تھا۔"

"پھر کیا جواب دیا اس نے؟"

"وہ اپنی مجبوری کا اظہار کر رہی ہے۔ کومل ورما کی موت نے اس کی شکتی کم کر دی ہے۔"

"قطعی بکواس۔" ندیم نے جھلا کر کہا۔ "میں ان باتوں کو ماننے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔ وہ ایک حسین فریب ہے ایک خوب صورت جھوٹ ہے جو قدم قدم پر تمہیں بہکانے کی کوشش کر رہی ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہیں ڈبل کراس کر رہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "بہرحال ہمیں عابد کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اگر عابد کسی بد روح کے تابع ہے تو پھر اس نے تمہارے ساتھ ہوش مندوں جیسی بات کیوں کی تھی؟"

"ممکن ہے اس ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن کو آزاد کر دیا گیا ہو؟" میں نے خیال ظاہر کیا۔

پھر ہم وہاں زیادہ دیر نہیں رکے۔ ندیم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا اور میں سیدھا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا ذہن بدستور عابد والے کیس میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے پیشتر جب بھی شنکر یا پنڈت دھرم داس نے مجھے پھانسنے کے لیے کوئی جال بچھایا تھا کالکا نے بڑی خوب صورتی سے اس کا توڑ کیا تھا۔ موہنی کی تندی قوت کے مقابلے میں بھی وہ میری مدد کر چکی تھی لیکن شنکر کی موت کے بعد سے وہ ایک محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئی تھی یا پھر وہ مجھ سے میری روحانی قوتوں کا راز اگلوانے کی خاطر محض ایک ڈھونگ رچا رہی تھی۔ عابد کے سلسلے میں بھی اس نے یہی کہا تھا کہ اگر میں اپنے اور اس کے درمیان سے وہ سیاہ چادر ہٹا دوں جس نے اس قوت کی رسائی میرے ذہن اور دل کی گہرائیوں تک ناممکن بنا دی تھی تو وہ عابد کو بچا سکتی تھی لیکن میں نے اس کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ مجھے ایک جھوٹا دلاسا اور تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

شاید ندیم کا خیال درست تھا کہ وہ مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی منظر گھوم گیا جب روپ نگر میں شنکر کی ایما پر میں نے اس مورتی کو پہاڑوں کے درمیان ایک دلدلی جھے سے برآمد کیا تھا۔ شنکر نے کالکا کی مورتی کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کچھ دنوں تک اسے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھنے کی گزارش کی تھی پھر کالکا نے انسانی روپ میں آکر درخواست کی تھی کہ میں اسے کبھی شنکر کے حوالے نہ کروں۔ اس نے مجھے اپنی لازوال قوت کے بارے میں بھی بتایا تھا جس کا مظاہرہ وہ متعدد بار کر چکی تھی۔ زندگی کے کئی موڑ پر اس نے حیرت انگیز طور پر میری مشکلات کو پلک جھپکتے میں آسان کر دیا تھا۔ پھر اچانک پنڈت جی دھرم درمیان میں آگیا۔ شنکر نے اسے اپنا گرو بتایا تھا۔ اسی کے کہنے پر میں نے کالکا کی مورتی شنکر کے حوالے کر دی تھی پھر شنکر کی موت تک کالکا کی قوت میرا ساتھ دیتی رہی۔ اس کے بعد جب سے کمبل پوش بزرگ نے اپنی صندلی انگوٹھی مجھے تحفتہً دی تھی

کالکا کے انداز بدل گئے تھے۔ وہ اس کے بعد بھی مجھ سے دل لبھانے والی لگاوٹ کی باتیں کرتی تھی لیکن ساتھ ساتھ مجھ سے وہ راز بھی حاصل کرنا چاہتی تھی جس کے بارے میں بزرگ نے مجھے سختی سے تاکید کر رکھی تھی کہ اس انگوٹھی کا علم میرے علاوہ کسی دوسری شخصیت کو نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی ایک قابل حیرت بات تھی کہ وہ صندلی انگوٹھی جو میں ہمیشہ اپنی انگلی میں پہنے رہتا تھا لیکن میرے علاوہ کسی اور کی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسی انگوٹھی کی کرامت نے پہلے داور کو پھر کومل ورما کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

میں خاصی دیر تک ماضی کی یادوں میں گم رہا پھر عابد کا خیال دوبارہ مجھے پریشان کرنے لگا۔ رام دیال میرا پرانا دشمن تھا۔ وقت اور حالات نے اسے اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ مجھ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کر سکے۔ عابد کا بریف کیس اور اس کا اقبالی بیان رام دیال کے قبضے میں تھا۔ ناجائز سونے کی اسمگلنگ کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔ اگر عابد کو سزا ہوتی تو میں بھی نہیں بچ سکتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ عابد کے مقابلے میں میری سزا کی مدت زیادہ طویل ہوتی۔ معاشرے میں میرا بھرم خاک میں مل سکتا تھا۔ میری کاروباری ساکھ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو سکتی تھی۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا۔ والد صاحب کے بعد میں اپنی ماں کا آخری سہارا تھا۔ یہ سہارا بھی چھن جانے کے بعد ان کی حالت بھی غیر ہو سکتی تھی۔ عارف کو حالات کے بارے میں کچھ علم ضرور تھا لیکن وہ آخر کب تک میرا انتظار کر سکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میرے بعد عارف بھی شیطانی قوتوں کا شکار ہو جاتی۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

میں ابھی ذہنی خلفشار میں مبتلا تھا کہ ایک فلک شگاف نسوانی قہقہہ میرے دماغ میں گونجنے لگا پھر موہنی کی مکروہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"کن سوچوں میں گم ہو شہباز خان؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تم نے دیکھا شہباز خان۔ تمہاری کالکا رانی اس بار تمہارے کسی کام نہیں آسکی۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اب اس کا دھیان من سے نکال پھینکو۔ اب وہ تمہاری کوئی سہائتا نہیں کر سکے گی۔"

"کس لیے آئی ہو؟" میں نے تلملا کر پوچھا۔

"یونہی بس۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ "تم تو وہ ہو شہباز خان، جو کبھی بڑے اونچے سروں میں باتیں کیا کرتے تھے۔ بڑا گھمنڈ تھا تمہیں اپنے آپ پر اور اب اتنی جلدی ہمت ہار گئے کیا کوئی چتا آن پڑی ہے؟"

"موہنی۔"

"ہاں کہو مہاراج۔" وہ تیزی سے میرا جملہ کاٹتے ہوئے بولی۔ "کیا یہ داسی تمہارے کسی کام آسکتی ہے؟"

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں تو۔"

"بات بڑی پرانی ہو چکی ہے اور اس کا سمے بھی بیت چکا ہے۔" وہ میری کمزوری کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تمہارا دماغ بھی سمے کے ساتھ ساتھ کمزور ہو گیا۔ تمہیں شاید یاد نہیں رہا۔ میں نے تم کو وچن دیا تھا کہ میں تمہارے لیے جیون کے تمام راستے بند کر دوں گی۔ تمہارا انت (خاتمہ) کومل ورما اور میری سورگ باشی ماں سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا اور تم۔ تم تو ابھی سے ہمت ہار گئے۔"

"تم۔ تم شاید میرا مذاق اڑا رہی ہو؟" میں جھلا گیا۔

"ابھی تو کیول میں تمہارا مذاق اڑا رہی ہوں شری شہباز خان۔" وہ بڑے طنز سے بولی۔ "ذرا اپنے سیوک عابد کو عدالت کے کٹہرے تک پہنچنے دو۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ دنیا تمہارا مذاق اڑائے گی۔ میں تمہیں سسکا سسکا کر اور تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔ ابھی تو مجھے تمہارے بہت سارے حساب کتاب چکتے کرنے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے۔"

"موہنی سے جان چھڑانے کا کوئی راستہ اختیار کرو گے؟"

"ہاں۔ میں اپنے آپ کو گولی مار لوں گا۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "تمہاری ماتا کا کیا بنے گا؟ تمہاری یاد میں وہ رو رو کر اندھی ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے وہ اپنا ذہنی توازن بھی کھو بیٹھے۔ ذرا دھیان دو شہباز خان۔ کیا تم اپنی ماں کی اس چتا کو اپنی بھٹکتی ہوئی آتما کی نظروں سے دیکھ سکو گے۔"

"اس کا تصور صرف تمہارے دھرم میں ہے۔" میں تلملا کر بولا۔ "ہمارے مذہب میں مرنے کے بعد انسان دنیا کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے پھر اس کا کوئی تعلق کسی بات سے نہیں رہ جاتا۔"

"اچھا کیا بھولے ناتھ جو تم نے مجھے یہ بھی بتا دیا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب میری شکتی تمہیں اس طرح جکڑے گی کہ تم اپنے آپ کو گولی بھی نہیں مار سکو گے۔" موہنی کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ "تمہیں زندہ رہنا ہوگا۔ اپنی تباہی و بربادی کا تماشا دیکھنے کی خاطر۔ ابھی تو بات شروع ہوئی ہے۔ کل کیا ہوگا یہ تم نہیں جانتے پر تو موہنی کی آتما اور شکتی آنے والے کل میں جھانک سکتی ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں شہباز خان کہ تمہارے شریر پر ایک لنگوٹی بھی نہیں ہے۔ تمہارے بدن پر سارے جہان کی کیچڑ اور دھول جمی ہوئی ہے۔ تم اپنے پیروں پر

کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں ہو۔ دھرتی پر کسی حقیر کیڑے کی طرح رینگ کر ایک ایک دانے کی بھیک مانگ رہے ہو لیکن لوگ اپنی ناک پر رومال رکھ کر تمہارے پاس سے کترا کر گزر رہے ہیں۔ تمہارے شریر کے گند کی بدبو دور دور تک پھیل رہی ہے۔ تمہارے زخموں کے بیچ سفید سفید کیڑے بلبلا رہے ہیں اوہ۔"

"بکواس بند کرو۔" میں چیخ اٹھا۔ "تمہارے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے۔"

"ذرا مجھے یہ بتاؤ میرے بھولے ناتھ۔ تم موہنی کی مہان شکتی سے کٹی پانے کی خاطر کیا راستہ اختیار کرو گے؟"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"تم میرے سامنے اپنے اسی روپ میں آؤ جس میں ماسٹر ٹونی نے تمہیں اغوا کیا تھا۔"

"سپنے دیکھنا چھوڑ دو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے، کیا داور اور کومل ورما کی موت کے بعد بھی میں تمہارے قریب آنے کا پاگل پن کروں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک مہان شکتی ہونے کے باوجود مجھ سے خوف زدہ ہو؟" میں مسکرایا۔

"بات خوف زدہ ہونے کی نہیں ہے لیکن انسان کھلی آنکھوں سے کبھی بھی نہیں نگل سکتا اور پھر دیوی نے بھی یہی کہا ہے کہ منش کو بہت سوچ بچار کے بعد پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔"

"اس قوت سے ڈرتی ہو جس نے داور اور کومل ورما کو جلا کر راکھ کر دیا تھا؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔

موہنی کی سمت سے کوئی جواب نہیں ملا۔

"کیوں؟ اب تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟ اگر مہان شکتی ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔"

موہنی نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا پھر اچانک میرے کانوں میں اجناء کے قبیلے کے اس بزرگ کی آواز گونجی جسے کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت پر تعینات کیا تھا۔ شاید اسی بزرگ کی آمد کا نتیجہ تھا جو موہنی کی آتما اس کے سامنے قدم نہیں جما سکی تھی۔

"میرے عزیز۔ شیطانی قوتیں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔"

"پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"پریشان مت ہو؟ خدا پر بھروسا رکھو۔ میاں صاحب کی ذات بابرکت بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

"لیکن اس بار حالات کا رخ میرے خلاف ہے۔"

"مذہب سے لاعلمی اور گمراہی انسان کو دربدر خاک چھاننے پر مجبور کر دیتی ہے۔" بزرگ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بھول رہے ہو۔ فرعون جیسے ملعون کے دربار میں ساحروں نے ہزاروں کی تعداد میں سانپ اور اژدہے ان پر چھوڑ دیے تھے پھر حضرت موسیٰ نے خدا کا نام لے کر اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے ایک خوفناک سانپ کی شکل اختیار کر کے ساحروں کے چھوڑے ہوئے تمام سانپوں اور اژدہوں کو ہڑپ کر لیا تھا۔"

"میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھا۔"

"گھبراؤ مت۔ وقت کا انتظار کرو۔ خدا جب اپنے کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو خود اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ طاغوتی قوتوں سے مطلق ہراساں مت ہو اور اس بات پر ایمان اور اعتقاد رکھو کہ حق کے مقابلے میں باطل کی فتح کبھی نہیں ہوئی۔ فی الحال میں یہی کہنے کے لیے آیا تھا۔ میری باتوں کو فراموش نہ کرو بیٹا۔"

اس کے بعد دوسری جانب سے مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ نہ جانے کیا راز تھا کہ اب میرے دل کو قرار آ گیا تھا۔

رات میں خاصی دیر سے سویا تھا۔ شیطانی قوتوں نے رام دیال کے ساتھ مل کر میرے خلاف جو جال بنا تھا وہ خاصا مضبوط تھا۔ کالکا کی حمایت کے بغیر کوئی چھٹکارا ممکن نہیں تھا لیکن وہ مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس دلا رہی تھی۔ خدا جانے سچ بول رہی تھی یا جھوٹ۔ بہرحال میرے لیے ایک نئی پریشانی نے سر اٹھایا تھا۔

میں بڑی دیر تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا پھر مجھے ٹائیگر یاد آ گیا جس نے پانڈے کے دفتر میں میرے اوپر ریوالور تان لیا تھا۔ اس کے تیور بے حد خطرناک تھے۔ ایسے وقت میں کسی غیبی قوت نے میری مدد کی تھی۔ میں کمبل پوش بزرگ کی بخشی ہوئی اس نادیدہ قوت کا کرشمہ رام دیال کے سامنے پیش کر سکتا تھا لیکن شاید قدرت کو میرا امتحان منظور تھا جو اس وقت میرے ذہن میں کوئی ایسا خیال نہیں آیا بہرحال مجھے اس بات کا کامل یقین تھا کہ ماسٹر ٹونی کے علاوہ جس طرح میرے دوسرے کارندوں کو طاغوتی قوتوں نے اپنے سحر میں پھانس لیا تھا اسی طرح انہوں نے عابد کے سلسلے میں بھی اپنی کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔

مجھے ابھی تک دانش کے بارے میں بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ ایک دو بار میں نے ندیم سے پوچھا بھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید کسی مصلحت کے پیش نظر ٹال گیا تھا۔ ان ہی پریشان خیالات میں غوطے لگاتے لگاتے کسی وقت میں نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا لیکن غالباً میں بہت دیر تک نہیں سو سکا تھا جب مجھے ایسا لگا

جیسے کوئی بازو تھام کر آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو خلاف توقع لیڈی مکارنس کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اٹھانوے سال کی وہ خمیدہ ناک والی بدشکل اور بے ہنگم بڑھیا میرے سامنے کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی وہی چمک موجود تھی جو میں نے پہلی ملاقات میں دیکھی تھی۔ حسب معمول وہ اپنے اسی پرانے لباس میں تھی۔ اس کی چمک دار نگاہوں میں اس وقت بھی ساحرانہ انداز موجود تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ مجھے گھورے جا رہی تھی۔ اس کی پیشانی بھی شکن آلود تھی۔ شاید وہ مجھ سے خفا تھی یا پھر اس کے شیطانی ذہن میں کوئی ساحرانہ چال گردش کر رہی تھی۔ میں نے اسے کئی بار مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یا تو میں گنگ ہو کر رہ گیا ہوں یا پھر کسی نادیدہ قوت نے میری قوت گویائی سلب کر رکھی تھی۔ خاصی دیر تک وہ میری نگاہوں میں نگاہیں ڈالے کھڑی رہی پھر اس کی سپاٹ آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"مجھے پہچانو تو میرے عزیز۔ میں وہی لیڈی مکارنس ہوں جس کے اوپر آج بھی لندن کی پولیس مکارنس کے قتل کا شبہ کر رہی ہے مگر ابھی تک کسی نے مجھ سے بازپرس کرنے کی جرأت نہیں کی۔ جانتے ہو کیوں؟ اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں کہ لیڈی مکارنس بلیک میجک پر بھی پوری طرح حاوی ہے۔ اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ پتھر کی لکیر ثابت ہوتی ہے۔ میری کوئی پیش گوئی آج تک بھی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ میں جدھر سے گزر جاتی ہوں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔ یہ میری برسوں کی ریاضتوں کا نتیجہ ہے۔"

وہ ایک لمحے سانس لینے کو رکی پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"تم وہ پہلے شخص ہو جس کو میں نے اپنی زمین دوز لائبریری کی سیر کرائی تھی۔ وہ سب کچھ نظر کا فریب نہیں تھا۔ ایک حقیقت ہے۔ کیا تم نے خود ان کھوپڑیوں سے اپنی زبان میں باتیں نہیں کی تھیں جن کو مرے ہوئے سیکڑوں اور ہزاروں سال بیت چکے ہیں لیکن میری ساحرانہ طاقت نے آج تک ان کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں رونما ہونے دی اور تم پنڈت جسی دھر کو کیوں بھول رہے ہو کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے اس کٹے ہوئے سر کو ہوا میں معلق کر کے کمرے میں طلب کیا تھا۔ اس نے تمہاری موجودگی میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ بہت جلد قید سے رہائی حاصل کر لے گا لیکن وہ آج بھی پنجرے میں بند کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے سب کچھ یاد ہے۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں تمہاری ذات میں صرف اس لیے دلچسپی لینے کو آمادہ ہو گئی ہوں کہ اس راز کو پانا چاہتی ہوں جس نے تمہارے وجود کے گرد ایک ایسی سیاہ چادر تان رکھی ہے جس کے اس پار میری نظریں بھی نہیں پہنچ سکیں۔ تم نے میرے استفسار پر کہا تھا کہ تم ان نادیدہ قوتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"ہاں۔ میں نے یہی کہا تھا۔"

"تم نے جھوٹ کہا تھا۔" لیڈی مکارنس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "تم ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو لیکن لیڈی مکارنس کو فریب نہیں دے سکتے۔ مجھے علم ہے کہ تمہیں زبان بند رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گی۔ میں اپنی طاقت سے اس معمے کو حل کروں گی چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی زندگی بھی کیوں نہ داؤ پر لگانی پڑے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ حرف بہ حرف صحیح تھا۔

"میں جس بلندی پر پہنچ چکی ہوں اسے کوئی دوسرا نہیں چھو سکا لیکن تم وہ واحد شخص ہو جو میری ذات پر شاید شبہ کر رہے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ہو سکتا ہے میرا خیال غلط ہو لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم مجھے بھی کالکا، موہنی اور کومل ورما جیسی حقیر قوتوں کی صف میں شمار کر رہے ہو۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ مجھے کئی بار اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ موہنی، کالکا، کومل ورما اور لیڈی مکارنس یہ سب ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں۔

"جانتے ہو مسٹر شہباز۔ میرے بچے کہ میں نے اس وقت تم سے گہری نیند میں ملاقات کرنی کیوں ضروری سمجھی ہے؟"

"نہیں۔"

"اس لیے کہ تم مجھے بہت عزیز ہو۔ عزیز نہ ہوتے تو میں تمہیں اس لائبریری کی سیر بھی نہ کراتی جو اگر منظر عام پر آ جائے تو دنیا کے عجائبات میں اسے پہلے نمبر پر ہونے کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم یہ جان کر خوش نہیں ہو گے کہ میری اس لائبریری میں ایک نئے شیشے کے پنجرے کا اضافہ ہوا ہے۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے اس میں تمہاری کالکا کی وہ مورتی بند کر رکھی ہے جسے تم نے شنکر کے لیے حاصل کیا تھا۔"

"کیا؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں میرے عزیز۔ وہ مورتی اب میری لائبریری کی زینت بن چکی ہے لیکن ابھی وہ نامکمل ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میری ایک معمولی سی غلطی سے کالکا کی بدروح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مجھے اسی کی تلاش ہے اور میں بڑے یقین اور اعتماد سے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ ایک دن کالکا کی روح بھی میری مٹھی میں ہو گی۔ وہ میرے عجائب خانے میں ایک باب کا اضافہ کرے گی۔"

"کیا یہ فوری طور پر ممکن نہیں ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر سوال کیا۔

"نہیں۔" لیڈی مکلارنس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو لوگ مچھلی کا شکار کھیلنے میں مکمل تجربہ رکھتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب خلاف توقع کوئی بڑی مچھلی نشست راڈ میں پھنس جائے تو اسے اس وقت تک ڈھیل دینی پڑتی ہے جب تک وہ تھک کر نڈھال نہ ہو جائے دوسری شکل میں ڈور ٹوٹ جانے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور جو مچھلی ایک بار نشست راڈ میں پھنس کر نکل جائے وہ دوبارہ آسانی سے شکار نہیں ہوتی۔ اسی اصول کے پیش نظر میں کالکا کی بدروح کو ڈھیل دے رہی ہوں لیکن وہ زیادہ عرصے تک میری دسترس سے دور نہیں رہے گی۔"

"کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھو؟"

"کالکا اور موہنی۔"

"اور کومل ورما بھی۔" لیڈی مکلارنس نے تیزی سے جواب دیا۔ "یہ سب ایک ہی قوت کے تین مختلف روپ ہیں۔ ایک تمہیں ڈراتا ہے 'دوسرا' تھپکی دے دے کر سلاتا ہے اور تیسرا تمہاری مدد کر کے تمہیں اندھیروں میں بھٹکنے پر مجبور کرتا ہے۔"

"اوہ۔ آئی 'سی۔" میں نے حیرت سے کہا۔ میرا ذہن ایک لمحے کو چکرا کر رہ گیا۔

"تمہارے ماتحت مسٹر عابد کے ساتھ بھی ایک نئی سازش کی گئی ہے اور تمہیں غلط فہمی میں رکھا گیا ہے۔" لیڈی مکلارنس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ پہلے کالکا نے تمہیں کسی خطرے سے باخبر کیا تھا اور اپنی مجبوری کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی پھر موہنی نے کالکا کی طاقت کا مذاق اڑایا تھا۔"

"ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔"

"مسٹر سراج کی تبدیلی اور رام دیال کی تعیناتی کے پیچھے بھی تمہاری کالکا رانی کا ہاتھ ہے۔" اس بار لیڈی مکلارنس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو اندھا کر دیتی ہیں۔ بے پناہ طاقت' کثیر المال و دولت اور کوئی حسین و جمیل عورت۔ کالکا نے بھی ایک حسین عورت کے روپ میں ہی تمہیں شکار کیا تھا۔ وہ قدم قدم پر تمہارا اعتماد حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد کرتی رہی۔ یہ سچ ہے کہ پہلے وہ تم پر مہربان تھی لیکن جب مذہب کا مسئلہ درمیان میں آگیا تو وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے کہنے پر تمہیں نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو گئی۔"

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے لیڈی مکلارنس کو دیکھ رہا تھا جو کالکا کی شخصیت کو بے نقاب کر رہی تھی پھر اس نے ایک ثانیے کی خاموشی کے بعد کہا۔

"جانتے ہو لیڈی مکلارنس کی ساحرانہ قوتوں نے اس وقت اتنا طویل سفر کیوں اختیار کیا ہے؟"

"کیوں؟"

"تمہاری مدد کرنے کے لیے میرے عزیز۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔ "کالکا یا موہنی نے تمہارے ساتھی کو برباد کرنے کی خاطر مسٹر عابد کو جس سازش کا شکار کیا ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو گی۔"

"لیکن رام دیال کے قبضے میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔"

"میں ان کو بھی دیکھ لوں گی۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں چھوٹے موٹے کھیل تماشے دکھانے اور شعبدہ بازی کی قائل نہیں ہوں لیکن صرف تمہاری خاطر۔ تمہاری خاطر میرے عزیز میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تھینک۔"

"اگر مگر کے چکر میں مت پڑو میرے بچے۔ اپنے دوست کی صلاحیتوں پر اعتبار کرو۔" لیڈی مکلارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر وہ غلط راستوں کا مسافر نہ ہوتا تو اپنے وجود کے اندر چھپی ہوئی ان لازوال طاقتوں کا استعمال بھی کر سکتا تھا جو نیلے آسمان نے اسے تحفتہً دی تھیں لیکن اب وہ بہت دور نکل گیا ہے۔ اتنی دور کہ شاید اب اس کی واپسی بھی ممکن نہیں۔"

"عابد کا کیا بنے گا؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔ "رام دیال کی تعیناتی اگر موہنی یا کالکا کے اشارے پر ہوئی ہے تو وہ مجھے آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔ خطرے کی تلوار ہر وقت میرے سر پر لٹکتی رہے گی۔"

"ڈونٹ وری مائی چائلڈ۔ گاڈ از گریٹ اور اب تم آرام کی نیند سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔"

اس کے بعد لیڈی مکلارنس کی شخصیت آہستہ آہستہ دھوئیں میں تحلیل ہو کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور میرا ذہن ایک بار پھر نیند کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

میں نے دفتر میں قدم رکھا تو عابد وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اداس اداس گردن جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ شرمندگی کے احساس نے شاید ابھی تک اسے پژمردہ کر رکھا تھا یا پھر وہ اپنے ناکردہ گناہوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ وہ میرا قابل اعتماد مخلص تھا۔ میں نے اسے تمام آؤٹ ڈور کام سونپ رکھے تھے۔ اسے سیاہ و سفید کا پورا پورا حق دے رکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ناپاک قوتوں نے مجھے پھانسنے کے لیے اسے محض چارے کے طور پر استعمال کیا ہے لیکن عابد۔ ممکن ہے اسے اس بات کا غم لاحق ہو کہ اگر عدالت نے اس کے اقبال جرم اور ناجائز سونے کے تحویل میں رکھنے کے جرم میں کسی لمبی سزا کا مستحق قرار دے دیا تو اس کا اثر میری ذات پر بھی پڑنا لازم تھا۔

میں چند لمحے دروازے پر کھڑا اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتا رہا پھر اس نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو میری سمت دیکھ کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہوں کی لالی بتا رہی تھی کہ گزری ہوئی رات اس نے پلکوں کے نیچے گزاری ہو۔ شاید وہ ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ بڑا ستا ستا سا نظر آ رہا تھا۔

"کیسے ہو عابد؟" میں نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے بڑی اپنائیت سے مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہوں سر۔" اس نے مضمحل لہجے میں جواب دیا پھر میرا اشارہ پا کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفافہ نکال کر ہاتھوں سے میرے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے اس میں؟" میں نے لفافے کو ہاتھ لگائے بغیر سوال کیا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ شاید اس نے مجھے بچانے کی خاطر اپنا استعفیٰ پیش کیا ہے۔ غالباً اس نے سوچا ہو گا کہ میری ملازمت سے سبکدوش ہو جانے کے بعد وہ تنہا اپنے ناکردہ جرم کی پاداش میں سزا کا حقدار ہو گا۔

"آپ خود ہی دیکھ لیں سر۔" اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"مسٹر عابد۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم نے میری ملازمت سے علیحدگی کا پروانہ پیش کیا ہے تو یہ میرے اور میری فرم کے حق میں زیادہ برا ثابت ہو گا۔ جانتے ہو کیوں؟ تم پولیس کو ایک بار تحریری بیان دے چکے ہو کہ تم سونے کی تجارت کا مذموم کام میری وجہ سے کر رہے ہو۔ اس لیے اب اگر تم نے اپنا بیان بدلا تو میرے لیے کچھ نئی دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"یہ میرا استعفیٰ نہیں ہے سر۔"

"پھر؟"

"یہ بھی میرا تحریری اقبال جرم ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "میں نے اس میں یہی لکھا ہے کہ میں آپ کی کمپنی کی آڑ میں ایک بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھ رہا تھا جس کا آپ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"اور وہ بیان جو تم پہلے دے چکے ہو؟"

"وہ پولیس کے جبر و تشدد کا نتیجہ تھا۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "وہ بیان پولیس نے آپ کو محض ملوث کرنے کی خاطر مجھ سے جبری طور پر لیا تھا۔"

"اس کا جواز کیا پیش کرو گے؟"

"پولیس کا مفاد۔" اس نے جواب دیا۔ "اس طرح وہ آپ سے لمبی لمبی رقموں کا مطالبہ کرنے کا پلان بنا رہے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس بیان کے بعد میرا نام اخباروں میں نہیں آئے گا؟ میری فرم کی ساکھ خراب نہیں ہو گی؟ نہیں مائی ڈیئر عابد تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ پولیس کے لیے میرے خلاف ایک نیا باب کھول دے گا۔"

"میں سمجھا نہیں سر؟"

"یہ بیان جو تم اب دے رہے ہو یہ تم نے میری ایما پر دیا ہے۔ جس کے عوض میں نے تمہیں پانچ لاکھ روپے دیے تھے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پانچ لاکھ' جس کے بدلے میں کوئی بھی مجرم اپنے بیان سے منحرف ہو سکتا ہے۔"

"لیکن سر؟"

"جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔" میں نے اپنے سامنے پڑا ہوا لفافہ کھولے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "شاید وہ قوتیں جو تمہارے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذ کو سونے کے روپ میں تبدیل کر سکتی ہیں وہ اتنی کمزور نہیں ہیں کہ تمہارے دوسرے بیان کے بعد میرا پیچھا چھوڑ دیں گی۔"

"آپ شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر۔"

فون کی گھنٹی بجی تو وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب سراج تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے شہباز صاحب؟"

"وہی جو اس سے پہلے ہوتا آرہا ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "میرے دشمن شاید آخری سانس تک میرا پیچھا چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"

"شاید اسی لیے مجھے اس علاقے سے ہٹایا گیا تھا جہاں رام دیال جیسا بدنام زمانہ انسپکٹر تعینات ہے۔" سراج کے لہجے میں جھلاہٹ تھی پھر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "کیا میں آپ

کے کسی کام آسکتا ہوں؟"

"کل تک اس واقعے کی اطلاع شاید پریس تک نہیں پہنچی تھی لیکن کل جو اخبارات شائع ہوں گے وہی میری ساکھ کو تباہ کرنے کی خاطر۔"

"اس سلسلے میں آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" سراج نے تیزی سے جواب دیا۔ "رام دیال نے کل ہی مسٹر عابد کو ضمانت پر رہا کرنے کے بعد پریس سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"میں سمجھا نہیں۔ اخبار والے تو ایسی خبروں کی تلاش میں تھانے تھانے بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

"اتفاق ہی سمجھیے جو میرے ایک ماتحت نے بروقت مجھے اس حادثے کی اطلاع کر دی۔ میں رام دیال کی کمینگی سے پوری طرح واقف ہوں۔ انتہائی کینہ پرور اور متعصب واقع ہوا ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ مسٹر عابد کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد فوری طور پر پریس والوں کو فون کر کے درخواست کی کہ آپ کے خلاف کوئی خبر اس وقت تک کسی بھی اخبار میں نہیں آنی چاہیے جب تک عدالت کوئی فرد جرم عائد نہ کر دے۔" سراج نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے والد مرحوم نادر خاں صاحب میرے کرم فرماؤں میں سے تھے مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔"

"میں آپ کا یہ احسان کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔" میں نے سچے دل سے کہا۔ "آپ نے میری برسوں کی محنت کو برباد ہونے سے بچا لیا ورنہ۔"

"قصہ کیا تھا؟" سراج نے مجھے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"وہی مکروہ اور گندی قوتیں جو اس سے پیشتر بھی میرے خلاف کئی محاذ بنا چکی ہیں۔"

"مجھے علم ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عین موقع پر قدرت نے آپ کو بال بال بچا لیا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اب بھی قدرت آپ کا ساتھ دے گی اور رام دیال کو منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"میں کچھ باتیں ذاتی طور پر آپ سے مل کر کرنا چاہتا ہوں۔ شام کو آپ کہاں مل سکتے ہیں؟"

"میں گھر پر آپ کا انتظار کروں گا۔"

میں نے سراج سے گفتگو کرنے کے بعد عابد کی جانب دیکھا جو اب بھی ملول نظر آرہا تھا۔

"مسٹر عابد آپ کو فی الحال صرف آرام کی ضرورت ہے۔ کم از کم دو روز تک آپ دفتر سے چھٹی کریں اور جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھولنے کی کوشش کریں۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"بس۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ رام دیال مجھے گھر پر بھی سکون سے رہنے دے گا؟"

"آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میرا کچھ تعلق قانون سے بھی رہ چکا ہے۔ جب تک آپ کو عدالت کے روبرو پیش نہ کیا جائے رام دیال آپ کو پریشان کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔"

جواب میں عابد نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کھلے لیکن پھر وہ اپنا ارادہ ترک کر کے اٹھا اور نظریں جھکائے میرے آفس سے باہر چلا گیا۔

سراج کے فون آجانے کے بعد کم از کم میری یہ پریشانی دور ہو گئی تھی کہ عابد والی خبر اخبارات میں شائع ہو جانے کے بعد مجھے کتنا شدید دھچکا پہنچ سکتا تھا پھر میرے ذہن میں لیڈی مکارنس کا خیال جاگا جس نے گزشتہ رات مجھ سے خواب میں باتیں کی تھیں۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ عابد والے کیس میں کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کاکا کی مورتی اب اس کی لائبریری میں محفوظ ہے لیکن تا حال وہ اس کی روح کو قابو نہیں کر سکی تھی۔ اس نے اعتراف کیا تھا کہ اس کی ایک معمولی سی غلطی نے کاکا کی مورتی سے اس کی آتما کو فرار ہو جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس نے مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا تھا کہ سوہنی اور کاکا ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں جو بھیس بدل کر مجھ سے کسی بے جان کھلونے کی طرح کھیل رہی تھیں۔ کاکا کو دیوی دیوتاؤں کا آشیرباد حاصل تھا۔ وہ مجھے اپنے خوب صورت جال میں پھانس کر ماہی بے آب کی طرح مارنے کی خواہش مند تھی لیکن ابھی تک کمبل پوش بزرگ کی صندلی انگوٹھی اور ان کی روحانی قوتیں میرا تحفظ کر رہی تھیں۔ خدا کے اسی برگزیدہ بزرگ نے اجنا کے قبیل کے ایک مہربان کو بھی رہنمائی کے لیے تعینات کر دیا تھا۔ خود مجھے بھی اپنے خدا پر مکمل یقین تھا۔ میں حالات سے ہراساں نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ خدا اپنے بندوں کے حق میں جو کرتا ہے اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان کسی مشکل میں الجھ کر بھٹک جائے ورنہ اس مالک دو جہان نے جو راہیں مقرر کر دی ہیں اس پر چلنے والا کبھی زندگی اور حالات سے مایوس نہیں ہوتا۔ ایمان کی روشنی ہمیشہ اس کی رہبری اور رہنمائی کرتی رہی ہے۔

پھر سوچتے سوچتے میرا ذہن جوزف کی طرف بھٹک گیا۔ اگر لیڈی مکارنس اور سراج کا بیان درست تھا تو پھر رام دیال کے تبادلے میں اس کا ہاتھ بھی شامل ہو سکتا تھا۔ ابھی تک بظاہر ہم کھل کر ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئے لیکن در پردہ حالات نے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن ضرور بنا دیا تھا۔ اب تک جو حالات پیش آچکے تھے ان کے پیش نظر مجھے اس بات کا اعتراف تھا کہ بھوشن جرائم کی دنیا کا پرانا اور تجربہ کار کھلاڑی

ہے۔ اس نے ابھی تک اپنے پیچھے پولیس کی آسانی کے لیے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا۔ سری رام کرشن شرما سے لے کر ٹائیگر سب ہی اس کے لیے کار آمد تھے لیکن وہ ایک ایک کو اپنی ساکھ برقرار رکھنے کی خاطر راستے سے ہٹاتا گیا۔ اسے یقیناً میرے بارے میں علم ہو گا۔ خان جابر اور بہرام دونوں اسی کے گرگے تھے۔ خان جابر نے میرے مکان میں آگ لگا کر میری ماں کو زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔ اس خطرناک کام کے لیے اسے گندی قوتوں نے آمادہ کیا ہو گا جو میرے خلاف برسر پیکار تھیں۔ بہرام بھی میری اطلاع کے مطابق اس سازش میں شریک تھا۔ ایسی صورت میں یہی سوچا جا سکتا تھا بھوشن مجھ سے متعارف نہ ہونے کے باوجود میرے خلاف ماؤس ٹریپ بن رہا تھا۔ ندیم نے ولیم پوکر کی شخصیت کو پیدا کر کے بھوشن کے خلاف یقیناً کچھ ذہنی پریشانیاں پیدا کر دی تھیں۔ اسی فرضی کردار کی آڑ لے کر میں نے روی سومو کو موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن اس کی موت میرے اعمال میں ایک سنگین گناہ کے اضافے کے سوا اور کسی کام نہیں آسکی تھی۔ اگر وہ بھوشن کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ ہو جائے تو اس کی گواہی ہمارے لیے خاصی کار آمد ثابت ہو سکتی تھی لیکن وہ بھوشن کی شخصیت سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ موت کو گلے لگانے پر آمادہ ہو گیا۔

ماسٹر نے کرشن شرما کے آپریشن کے دوران جو ویڈیو کیسٹ تیار کی تھی وہ ابھی تک ندیم کے پاس محفوظ تھا۔ کرشن شرما سے گفتگو کا ایک آڈیو کیسٹ میری تحویل میں بھی تھا جس میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہی بھوشن جوزف کے لیے ہیرے جواہرات کی اسمگلنگ کا کام انجام دیا کرتا تھا پھر اچانک میرے ذہن میں کرشن شرما کے حوالے سے گیتا کا نام ابھر آیا۔ اس نے کہا تھا کہ بھوشن نے اس کی بیوی کو اپنے قبضے میں کرنے کے بعد ہی اسے ناجائز تجارت پر مجبور کیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق گیتا کا شمار خوبصورت اور حسین عورتوں میں کیا جاتا تھا اور بھوشن عورتوں کے معاملے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ندیدہ واقع ہوا تھا۔ گیتا کے نام کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ اگر گیتا کو کسی طرح بازیاب کر لیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موت کی خبر سننے کے بعد بھوشن کے کرتوتوں کے خلاف زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتی مگر اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ بھوشن نے ابھی تک اسے زندہ رہنے دیا ہو گا۔ ممکن ہے کرشن شرما کی گرفتاری اور اس کو مروانے کے بعد اس نے گیتا کو بھی اپنی راہ سے ہٹا دیا ہو۔ یوں بھی وہ افراد جو عورت کو کھلونا سمجھتے ہیں اس کے ساتھ دل بہلانے کے بعد اسے توڑ کر کسی نئے کھلونے کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور پھر گیتا بھوشن کے لیے خان جابر اور بہرام سے زیادہ اہم بھی نہیں تھی۔

خاصی دیر تک ذہنی جمناسٹک کرنے کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا اور ماہ رخ کے نمبر گھمانے لگا۔ ندیم کے بیان کے مطابق وہ ایک کامیاب شکاری تھی اور اپنے شکار کو پھانسنے میں خاصی تجربہ کار بھی تھی۔ اگر وہ بھوشن کو کسی طرح ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو کام بن سکتا تھا۔

"ہیلو۔" تیسری گھنٹی پر دوسری جانب سے جس نے کال ریسیو کی وہ ماہ رخ کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔"

"زہے نصیب۔" وہ میری آواز سنتے ہی ترنگ میں آگئی۔ "آج میری یاد آپ کو کیسے آگئی؟"

"معافی چاہتا ہوں۔" میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ "ادھر کچھ مصروفیات زیادہ تھیں اس لیے۔"

"کیا اب بھی اتنی فرصت نہیں ہے کہ آپ فون کرنے کے بجائے بنفس نفیس مجھے اپنی میزبانی کا موقع دیتے۔" اس کے لہجے میں بے باکی اور عریانیت کا عنصر شامل تھا۔ وہ میری نظروں کے سامنے نہیں تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ جملہ ادا کرتے وقت ایک توبہ شکن انگڑائی ضرور لے رہی ہو گی یا پھر اس کی خمار آلود اور ساحرانہ آنکھوں میں کئی جام چھلک اٹھے ہوں گے۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ضروری بات۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر لٹکتی آواز میں کہا۔ "ضروری باتیں فون پر نہیں ہوا کرتیں اور میرے دروازے بھی ابھی تک آپ کی خاطر کھلے ہوئے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی مگر۔"

"آپ غالباً" اسی تو میرے تیر اور تو میرے بیر کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے بھوشن، جوزف کا نام لینے کے بجائے محاورے سے کام لیا۔

"آپ خاصی ذہین بھی واقع ہوئی ہیں۔" میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں میری اور آپ کی بات پہلے بھی ہو چکی ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہوتے پھر بھی وہ۔۔۔ تھوڑی بہت فیس ضرور وصول کر لیتا ہے اور میں۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "میں شاید آپ کو بہت کھل کر بتا چکی ہوں کہ آپ کے کام کے عوض میرا کیا معاوضہ ہو گا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آسانی سے ٹریپ ہو جائے گا؟"

"یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ صرف میری فیس پر غور کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بہ مشکل جواب دیا۔ "میں کسی وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔"

"اور میں اس وقت کا بڑی بے چینی سے انتظار کروں گی۔"

ندیم مجھے کھل کر بہت صاف صاف لفظوں میں ماہ رخ کے بارے میں بتا چکا تھا' شادی سے پہلے بھی وہ غلط روش کا شکار تھی پھر اس نے سلیمان شاہ جیسے بااثر آدمی کو اپنے جال میں پھانسنے کے بعد اس سے شادی کر لی تھی اور اب وہ لوگ بھی جو اس کے ماضی سے واقف تھے اسے باعزت خاتون کے نام سے یاد کرنے پر مجبور تھے' شادی کے بعد جہاں ماہ رخ کو تحفظ مل گیا تھا وہاں سلیمان شاہ بھی اپنے مطلب کی خاطر اسے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا تھا۔

میں اپنی پارسائی کا دعویٰ نہیں کرتا' جس شخص سے کوئی معمولی سی لغزش بھی سرزد ہو جائے اسے پارسا نہیں کہا جا سکتا' میں نے تو حالات کے بھنور میں پھنس کر کئی جرم کر ڈالے تھے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ تھی کہ میرا دامن ابھی تک کسی عورت کے سلسلے میں پاک تھا' ماہ رخ کی فیس ادا کرنے کے بعد میں بھوشن کو قانون کے شکنجوں میں پھنسوا سکتا تھا لیکن اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ بھوشن کے ٹوٹ جانے کے بعد طاغوتی قوتیں میرا پیچھا چھوڑ دیں گی؟ بہرحال انسان اپنی انا اور ضد کی خاطر سب کچھ کر گزرتا ہے' میں بھی اپنی ذات میں اندر سے کسی موم کی طرح پگھلنا شروع ہوا تھا کہ کمرے میں صندل اور لوبان کی ملی جلی تیز خوشبو پھیلنے لگی' اس کے ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ یہ خوشبوئیں خدا کے اسی برگزیدہ کمبل پوش بزرگ کے وجود سے پھوٹتی تھیں جو ابھی تک میری مدد کر رہا تھا۔

میں سنبھل کر بیٹھ گیا پھر میں نے دیکھا کہ خدا کا وہ نیک دل بندہ اپنی تمام تر مجذوبانہ کیفیتوں کے ساتھ ہاتھ میں وہی ٹیڑھی میڑھی لکڑی تھامے میرے سامنے موجود ہے۔ اس کی قہر آلود نظریں میرے وجود کا احاطہ کر رہی تھیں' ان آنکھوں میں جلال تھا جو میرے دل کو لرزا دینے کے لیے بہت کافی تھا' میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھرنے لگے۔

"میرے بزرگ۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھے آپ کی رہنمائی کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"حق اللہ۔" جواب میں نعرہ بلند ہوا۔

"دشمن میری گھات میں ہیں۔" میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ "میں آزاد ہونے کے باوجود بڑا بے بس ہو گیا ہوں۔"

"حق اللہ۔" بزرگ نے مجھے گھورتے ہوئے پھر وہی نعرہ بلند کیا۔

"آپ خدا کے برگزیدہ بزرگ ہیں' میرے راستے میں ہر طرف تاریکی پھیل رہی ہے۔"

"حق اللہ۔"

"مجھے اندیشہ ہے کہیں میں اپنی راہ سے بھٹک نہ جاؤں۔"

جواب میں بزرگ کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے اٹھنے لگے' ان کا لاغر جسم کپکپانے لگا' شاید میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل آئی تھی۔ "میرا ذہن میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔" میں نے خود کو سنبھالا۔

"آنکھیں کھول لے مردود۔" بزرگ نے حقارت سے جواب دیا۔ "سمندر میں سر کے بل کودنے کا ارادہ ترک کر دے ورنہ پھر ابھرنا مشکل ہو جائے گا۔"

"لیکن؟"

"گھڑی کی ٹک ٹک کی آوازیں غور سے سنا کر نہیں تو پھر بغلیں بجانی شروع کر دے۔"

"وہ قدم قدم پر میرے لیے دشواریاں کھڑی کر رہے ہیں۔"

"گلشن پر آج تھوک دے۔ صحرا کی طرف دوڑ لگا دے۔" بزرگ نے جوشیلے انداز میں جواب دیا۔ "تمے کا گودہ تجھے ہڑپ کر جائیں گے' مغلیل ہاتھ میں لے کر باہر نکل اور تمام تیلیوں کو ایک ایک کر کے توڑ دے پھر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا۔"

"میں آپ کے اشاروں کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔" میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کی ہدایت کی ضرورت ہے۔"

"منہ پیٹ لے۔ زبان کاٹ کر کتوں کے آگے ڈال دے پھر ننگا ہو جا۔ سڑکوں پر ٹھمکے لگانا شروع کر دے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں میرے بزرگ۔ آپ شاید مجھ سے خفا ہیں یا پھر میری مدد نہیں کرنا چاہتے۔"

جواب میں بزرگ نے دیوانہ وار قہقہے لگانے شروع کر دیے' جسم کے زخموں کو ناخنوں سے کرید کر پورا کر لیا' اس کے بعد اپنی لکڑی کو زور سے زمین پر مار کر "حق اللہ" کا نعرہ بلند کیا پھر گول گول چکر کھانا شروع کر دیا' ان پر مجذوبیت کا عالم طاری ہو رہا تھا' بڑی دیر تک وہ پھرکی کی طرح چکر لگا لگا کر "حق اللہ۔ حق اللہ۔ یا ہو اور ہو اللہ" کا ورد کرتے رہے پھر تھک کر زمین پر بیٹھ گئے' ان آنکھوں سے اب آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

"اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہے تو میں اس کے لیے معافی کا طلب گار ہوں۔"

"مجھ پر تھوک رہا ہے بدبخت۔ آسمان کی طرف دیکھ جہاں چیلیں پر پھیلائے اڑ رہی ہیں۔"

"صوبھی اور کاکا کی ناپاک قوتیں میرے خلاف برسرپیکار ہیں' میں زیادہ دنوں تک ان کی گندی اور پلید طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" میں نے سنجیدگی سے عرض مدعا کی۔

"سن۔" بزرگ نے اچانک چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میری ایک بات مانے گا۔"

"آپ حکم دیں۔ میں سرتابی کی جرات نہیں کروں گا۔"

"تو بھی سورتی بن جا۔ کوڑیوں کے مول بکا کر۔ بھونچال آ جائے گا تو پھر اس میں کپڑے اتار کر ناچنا شروع کر دینا۔ سمجھ رہا ہے۔"

"ہم۔ میرے پاس اب خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔" میں نے بے بسی کا اظہار کیا۔

بزرگ کے منہ سے جھاگ اڑنے لگے' آنکھوں سے چنگاریاں جاری ہو گئیں' ان کا پورا جسم اس طرح جھٹکے کھا رہا تھا جیسے بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا ہو' بڑی دیر تک وہ مجھے پلکیں جھپکائے بغیر ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے پھر یکلخت قہقہہ لگا کر بولے۔

"کوٹھے پر چڑھ جا۔ طبلے اور سارنگی کے ساتھ ساتھ تالیاں بجایا کر۔"

"خدا کے لیے۔" میں گڑگڑانے لگا۔ "میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں' میری مدد کیجیے ورنہ۔"

"توبہ کر بدبخت۔" بزرگ نے لرزتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر غلاظت اچھال رہا ہے۔ نابدان کے کیڑے۔"

"مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ میں شاید دیوانہ ہو گیا ہوں۔"

"دیوانہ۔" بزرگ نے دیدے نچا نچا کر مجھے سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھا پھر بڑی ادا سے بولے۔ "مجھے الو بنا رہا ہے۔ تیری داڑھی کہاں اڑ گئی' کیا دیمک چاٹ گئی؟ تیرے چہرے کا کنول کہاں ہے؟ کپڑے تار تار کر لے' حلق پھاڑ کر تان لگا کر لٹ ابھی سلجھا جا رے بالم' پھر تیرے پیچھے بھی مجمع اکٹھا ہو جائے گا۔ خاک اٹھا کر سر میں مالش کیا کر' دماغ کی چولیں چرچرانا چھوڑ دیں گی' لیکن ایک بات یاد رکھ۔" وہ پھر سنجیدہ ہو گئے' چاروں طرف عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑی مدھم آواز میں کہا۔ "زلفوں میں بھی الجھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ الجھ کر رہ جائے گا۔ جوئیں مارنی شروع کر دے۔ سر صاف ہو گیا تو پھر چودہ طبق بھی روشن ہو جائیں گے۔ جانتا ہے روشنی کیا ہوتی؟ آسمانوں پر کڑکنے والی بجلی۔ تو بھی کمر باندھ لے' جب بجلی چمکا کرے تو ڈر کر آنکھیں بند کر لیا کر۔ کسی کونے کھدرے میں دبک جایا کر۔ طوفانوں سے ڈرا کر۔ بادل گرجیں گے تو دل ضرور دھڑکے گا۔ پھر برسات ہو گی۔ برسات ہو تو ناچنا شروع کر دے اور پھر ٹھمکے لگا کر گانا شروع کر دے۔ لٹ ابھی سلجھا جا رے بالم۔ سمجھ رہا ہے نا میری بات۔"

"میں مر جاؤں گا لیکن دشمنوں سے ہار نہیں مانوں گا۔" پھر عاجزی اختیار کی' بزرگ کی باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں' وہ یقیناً اشاروں کنایوں میں مجھے کچھ سمجھا رہے تھے' جو لوگ اللہ کے قریب ہوتے ہیں وہ کھل کر بات نہیں کرتے' روشن ضمیر ہو جانے کے بعد اور محتاط ہو جاتے ہیں' مجذوب کا درجہ حاصل ہو جائے تو پھر اللہ کا قرب انہیں دنیا سے بے نیاز کر دیتا ہے' وہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو جاتے ہیں مگر اللہ نے جو باتیں راز رکھی ہیں وہ ان کی زبان سے بھی کھل کر ادا نہیں ہوتیں' وہ ڈھکے چھپے لفظوں اور جملوں میں انسان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی عارفانہ باتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں' صرف وہی سمجھتا ہے جسے قدرت کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے' ابھی شاید قدرت کی جانب سے میرے لیے ہدایت کا حکم نامہ جاری نہیں ہوا تھا جو میں خدا کے اس برگزیدہ بندے کی باتوں کی تہہ تک پہنچ سکتا۔ میرے اطراف ابھی تک دھند طاری تھی جس نے مجھ سے قوت بصارت چھین لی تھی یا پھر حالات کی تلخیوں اور پے در پے والے حادثات نے مجھے گھیر رکھا تھا' مجھے سنبھلنے اور قدم جمانے کا موقع نہیں دے رہی تھیں' گھٹن کے احساس نے میرا سانس لینا بھی دشوار کر رکھا تھا۔

"جینا چاہتا ہے؟" بزرگ نے مجھے گھورا پھر لکڑی سے زمین پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے کے بعد بولے۔ "جوا کھیلنا شروع کر دے۔ کوڑیاں پھینکنے کا گر سیکھ لے تو پھر پو بارہ ہو جائیں گے۔ گھوڑوں پر داؤ لگانا شروع کر دے' پہلی ریس میں سات نمبر کا گھوڑا جیتے گا لے بھاؤ سے لیکن سنبھل کر کھیلنا' وہ پیچھے سے دلکی لگاتا ہوا آئے گا اور سب سے آگے نکل جائے گا۔ سب اس کی جیت پر بوکھلا جائیں گے۔ جب دوسری ریس نہ کھیلنا ورنہ پٹ جائے گا' تیسری ریس میں بھی تیرے ستارے گردش میں ہوں گے اس کے بعد۔ ہاں چوتھی ریس میں آٹھ نمبر پر قسمت آزمانا اور آخری ریس میں چھ نمبر پر اپنی تمام جمع پونجی لگا دینا۔ چاندی ہی چاندی ہو جائے گی۔ مگر ایک بات غور سے سن لے دوسری بار ریس کی طرف جانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ کسی بدکے ہوئے گھوڑے کی دولتی تجھے لہولہان کر دے گی۔" بزرگ نے سٹے کا نمبر بتانے والوں کی طرح کہا۔ "میں نے جو نمبر بتائے ہیں انہیں بھول مت جانا۔ ترتیب اگر بگڑ گئی تو پھر روئے گا۔ لٹ ابھی سلجھا جا رے بالم۔ لٹ ابھی۔"

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔" میں نے تڑپ کر کہا۔ "میرا ہاتھ تھام کر سیدھے راستے پر لگا دیجیے۔"

"دلدل میں پھنس جائے گا۔" بزرگ نے تیزی سے مجھے ٹوکا پھر جلدی جلدی پلکیں جھپکا کر بولے۔ "پگڈنڈی پگڈنڈی چلنے کی عادت نہیں تو چمگادڑ کی طرح درخت سے الٹا لٹک کر رہ جائے گا۔"

"پھر مجھے اپنی یہ آڑی ترچھی لکڑی عنایت کر دیں۔" میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ "یہی میرے لیے بہت ہو گی۔"

"دم دبا کر بھاگ لے' کوئی تیری دم میں نمدہ فٹ کرنے

آ رہا ہے یا حق۔" بزرگ نے خوفزدہ لہجے میں کہا پھر حق ہو۔ ہو حق کا نعرہ لگاتے ہوئے میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

میں ان کی باتوں پر غور کرنے لگا لیکن مجھے اس کا موقع نہ مل سکا' رام دیال سینہ تانے دندناتا ہوا اور پولیس والوں کے ساتھ میرے آفس میں داخل ہوا تو میرے خیالات کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا' میں نے رام دیال کو غور سے دیکھا' اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ موجود تھی' وہ یقیناً" کسی مقصد کے تحت آیا تھا۔ میں ابھی اس کی آمد کے مقصد کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کبھی میں آپ کا ماتحت بھی رہ چکا ہوں شہباز صاحب کیا آپ مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہیں گے؟"

"کس مقصد سے آئے ہو؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے قدرے تلخی سے سوال کیا۔

"جمنا یاد ہے آپ کو۔ وہی روپ نگر والی جمنا جو شنکر کی رکھیل تھی۔" رام دیال نے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے اسے آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کروا دیا تھا لیکن پھر نتیجہ کیا نکلا؟"

"میں تمہاری اس بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"جمنا شنکر کے جنتر منتر سے آزاد ہو گئی تھی اور آپ کو بڑی مایوسی ہوئی تھی۔"

"رام دیال۔" میری پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "نہ میرا تعلق اب پولیس سے ہے اور نہ میرے پاس فضول باتوں کو سننے کا وقت ہے۔"

"میری مصروفیات بھی یہاں آ کر بہت بڑھ گئی ہیں۔" اس نے طنز کیا۔ "روپ نگر ایک چھوٹا اسٹیشن تھا جہاں ہمارا واسطہ چھوٹے چھوٹے مجرموں سے پڑتا تھا لیکن یہاں تو بڑے بڑے سورما پڑے ہیں۔ اور ایک پولیس افسر ہونے کے ناتے خطرناک قسم کے مجرموں کی سرکوبی کرنا میرا فرض ہے۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"میرے پاس کس لیے آئے ہو۔" میرا لہجہ اور سخت ہو گیا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں شہباز جی۔ ابھی سونے سے بھرا ہوا بریف کیس اور آپ کے خلاف مسٹر عابد کا تحریری بیان میرے پاس موجود ہے۔"

"پھر۔"

"میں مسٹر عابد سے ملنا چاہتا ہوں۔" رام دیال نے افسرانہ شان سے کہا۔ "مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"پھر میں کیا کروں؟" میں نے بدستور بے پروائی سے پوچھا۔

"مسٹر عابد۔"

"وہ عدالت کے حکم نامے کے تحت ضمانت پر ہے اور اس کی ضمانت مسٹر ندیم نے دی ہے' تم اگر چاہو تو ندیم سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔"

"کیا آپ مجھے مسٹر عابد کا پتا بتانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کریں گے؟"

"میرا وقت بہت قیمتی ہے رام دیال۔ تم عابد کا پتا لینے کی خاطر میرے ان ڈور چیف مسٹر وانی سے ملو۔"

"او کے مسٹر شہباز۔" رام دیال نے تیکھے لہجے میں جواب دیا۔ "اب ہماری ملاقات عدالت میں ہو گی۔" پھر وہ تیزی سے مڑا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا دفتر سے باہر چلا گیا۔

شام کو میری ملاقات گھر پر ندیم۔ عارفہ تو۔۔۔ خاصا بشاش بشاش نظر آ رہا تھا' نسیم' عارفہ اور امی سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے' میں کمرے میں داخل ہوا تو عارفہ نے بڑی قاتلانہ نظروں سے دیکھا پھر نسیم کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئی' یہ اس کا روز مرہ کا معمول تھا' میں جب بھی تھکا ماندہ دفتر سے گھر لوٹتا وہ ہمیشہ اسی طرح کے جذبوں سے مجھے خوش آمدید کہتی کہ میری دن بھر کی تھکن دور ہو جاتی تھی' مجھ سے شادی کرنے کے بعد اس کے حسن میں کچھ اور نکھار آ گیا تھا' وہ مجھے پا کر بہت خوش تھی' مجھے بھی احساس تھا کہ میں نے اتنے عرصے تک عارفہ کی نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھ کر غلطی کی تھی' وہ انتہائی وفادار' محبت کرنے والی اور سلیقہ مند لڑکی تھی لیکن میری وجہ سے گھر کی چار دیواری میں گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور تھی' طاغوتی طاقتوں کو ابھی تک یہی شبہ تھا کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے' میں بھی یہی چاہتا تھا کہ گندی قوتوں سے عارفہ کو دور رکھوں' وہ اگر دوبارہ کالکا یا موہنی کی نگاہوں میں آ جاتی تو میری پریشانیاں بڑھ سکتی تھیں' عارفہ کی اپنی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

نسیم کے زخم بھی اب بھرنے لگے تھے۔ ندیم شہر کے مشہور پلاسٹک سرجن سے اس کا علاج کرا رہا تھا۔ اس کے علاج پر بے دریغ روپے خرچ کر رہا تھا' اس کے پاس دولت کی کمی بھی نہیں تھی۔

نسیم نے مجھے دیکھا تو ملازم کو جا کر چائے کا آرڈر دے آئی' میں بھی سب کے ساتھ بیٹھ گیا' میں نے وہیں سب کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی' ندیم میری ماں کے سامنے بالکل بچوں کی طرح چہکنے لگتا تھا شاید وہ اس طرح میری ماں کو احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ ابھی تنہا نہیں ہیں' اب بھی بہت سے لوگوں کو ان کی ضرورت ہے' عارفہ تو دن رات ان کے ایک ایک کام کا خیال رکھتی تھی' ماں نے بھی اسے بیٹیوں کی طرح قبول کر لیا تھا' پھر نسیم کے آ جانے سے گھر کی رونقیں اور بڑھ گئی تھیں۔

"تم اتنی دیر تک کہاں تھے؟" ندیم نے عارفہ کی طرف انکھیوں سے دیکھ کر مجھے شکایت بھری آواز میں مخاطب کیا۔

"دفتر شام ساڑھے چار بجے تک رہتا ہے اور اس وقت شام کے سات بج رہے ہیں۔ کہاں رہے اتنی دیر؟"

"کیوں۔ تمہیں کیا ضروری کام پیش آ گیا تھا؟"

"کام نہ ہو جب بھی انسان کو وقت پر گھر آنا چاہیے۔"

"آئی سی۔" میں مسکرایا' ندیم عارفہ کے دل کی ترجمانی کر رہا تھا۔

"صرف آئی سی سے کام نہیں چلے گا' میں بہت دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ جب سے تم نے معصوم عارفہ کی جگہ نئی سیکرٹری رکھی ہے دفتر میں تمہاری مصروفیات بڑھتی جا رہی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے کوئی فرنگن ہے۔" نسیم نے بھی ندیم کا ساتھ دیا' میں سمجھ رہا تھا کہ وہ سب مل کر مجھے چھیڑ رہے ہیں' امی بھی زیر لب مسکرا رہی تھیں۔

"ایسی ویسی۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں جب بھی شہباز سے ملنے دفتر گیا وہ ہمیشہ اسی کے دفتر میں دکھائی دی' اپنی سیٹ پر تو وہ شاید ہی ایک منٹ کو ٹکتی ہے' کسی نہ کسی بہانے کوئی نہ کوئی کام نکال کر ٹپک پڑتی ہے شہباز کے سر اور یہ بھی سارے کام چھوڑ کر اسی سے ہنس ہنس کر باتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

"سنا ہے اس کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہے۔" عارفہ نے مسکرا کر ندیم سے کہا۔

"ہائیں۔ تم ہنس رہی ہو' تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو سارے گھر کے برتن توڑ ڈالتا' کبھی شہباز سے سیدھے منہ بات نہ کرتا۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "واہ یہ بھی کوئی انصاف ہے' اگر تمہیں اسی طرح بھنورے کی طرح ڈال ڈال اور پات پات بھٹکنا تھا تو بیچاری عارفہ کو کسی معصوم گائے کی طرح گھر لا کر کھونٹے سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔" آخری جملہ ندیم نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کیا تھا۔

"اچھا ہوا جو تم عورت نہیں ہوئے۔" امی نے مسکراتے ہوئے ندیم کو چھیڑا۔ "جس کی ساس ہوتے اس بہو کی تو زندگی اجیرن کر دیتے۔"

"امی۔ آپ بھی بیٹے کا ساتھ دے رہی ہیں؟" ندیم نے شکوہ کیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں آپ کی باتوں کا مقصد۔" عارفہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جب تک آپ کو کافی نہیں ملے گی آپ اسی طرح بولتے رہیں گے۔"

"اب ہوئی بات۔" ندیم نے چہکتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اب تو سیدھی انگلیوں سے گھی نکالنے کا زمانہ ہی ختم ہو گیا' اگر تم نے شرافت سے پہلے ہی اپنے ہاتھ کی کافی پلا دی ہوتی میں اب تک اس ظالم کو نہ جانے کتنی بار گولی مار چکا ہوتا۔"

"آپ ہر وقت کیوں چھیڑتے رہتے ہیں عارفہ کو۔" نسیم نے عارفہ کے ڈرائنگ روم سے باہر جانے کے بعد کہا۔

"خبردار جو تم نے درمیان میں آنے کی کوشش کی۔" ندیم نے نسیم کو گھورا۔ "ندیم میرا بھائی ہے اور اس رشتے سے عارفہ اور میرا دیور بھابھی کا رشتہ ہوتا ہے اور جب تک دیور بھابھی میں اس قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ ہو کچھ لطف نہیں آتا۔"

"کہاں سے سیکھی ہیں تم نے اس قسم کی باتیں؟" امی نے ندیم سے پوچھا تو وہ بڑے بھولپن اور معصومیت سے بولا۔

"یہ سب شہباز کی دوستی کا نتیجہ ہے ورنہ پہلے تو مجھے سیدھی طرح بات کرنی بھی نہیں آتی تھی۔"

خاصی دیر تک اسی قسم کی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی پھر امی نماز پڑھنے چلی گئیں اور عارفہ اور نسیم رات کے کھانے کا اہتمام کرنے کی خاطر کچن میں گئیں تو میں ندیم کے ساتھ اٹھ کر باہر لان پر آ گیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "آج بہت موڈ میں دکھائی دے رہے ہو' کیا کوئی نیا کیسینو کھولنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔" ندیم نے کہا پھر بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "تمہارے رام دیال صاحب آج مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"اوہ۔ وہ میرے پاس بھی آیا تھا مگر میں نے اسے دھتکار دیا' کمینہ مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"کرنا بھی چاہیے اس لیے کہ ابھی تک سونے سے بھرا ہوا بریف کیس اور عابد کا وہ تحریری بیان جو اس نے تمہارے خلاف اسمگلنگ کے جرم میں ملوث ہونے کی بابت دیا ہے وہ ابھی تک انسپکٹر رام دیال کی تحویل میں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ شادی کے بعد سے تم موٹی عقل کے ہوتے جا رہے ہو۔" ندیم بولا۔ "اتنے اہم ثبوت رام دیال کے قبضے میں موجود ہیں کہ وہ پہلی ہی پیشی میں عدالت سے درخواست کر کے تمہارا جسمانی ریمانڈ بھی حاصل کر سکتا ہے۔"

"آج عابد دفتر آیا تھا۔" میں نے ندیم کو سنجیدگی سے عابد کے ساتھ ہونے والی تمام گفتگو بتاتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے' کیا عابد اگر اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہو جائے تو رام دیال نے جو کیس براہ راست میرے خلاف بنانے کی کوشش کی ہے وہ کمزور نہیں پڑے گا۔"

"ممکن ہے پڑ بھی جائے لیکن عابد کے بارے میں بھی سوچا ہے۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "اس غریب کو بڑی لمبی سزا ہو جائے گی۔ خود کو بچا کر کسی اور کو مصیبت سے دوچار کرنا میرے نزدیک بڑی بزدلی ہے۔"

"پھر؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تمہیں ہی اپنی شرافت کا چولا اتارنا ہوگا۔ اس طرح کام بن سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"ماہ رخ۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس نے مجھے فون کرکے بتایا تھا کہ تم نے بھوشن کے سلسلے میں اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔"

"اور کیا کہا تھا اس نے؟"

"تم شاید اسے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ بڑی صاف گو عورت ہے' اس نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے کام کے عوض وہ تمہاری ذات کی قربانی چاہتی ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ نہ صرف بھوشن کے سلسلے میں بہت موثر ثابت ہوگی بلکہ رام دیال کے کس بل نکالنے میں اس کی آنکھوں کی ایک جنبش ہی بہت ہوگی۔"

"نہیں۔" میں نے کمبل پوش بزرگ کی باتیں یاد کرتے ہوئے جواب دیا۔ "خواہ حالات میرے خلاف کتنی ہی سنگین صورت کیوں نہ اختیار کرلیں میں ماہ رخ کی خاطر اپنی شرافت کی قربانی نہیں پیش کرسکتا۔ یہ عارفہ کی حق تلفی بھی ہوگی اور۔"

"اور کیا؟"

"انسان کے قدم اگر ایک بار گندی گلی پر پڑ کر ربٹ جائیں تو پھر اس کا سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"سوچ لو۔" ندیم کا لہجہ معنی خیز ہوگیا۔ "اس کا نام بھی ماہ رخ ہے' سلیمان شاہ کی بدولت اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہوگئے ہیں' ایک مقصد پورا کرنے کی خاطر تم کو اغواء کرالینا اس کے لیے کچھ زیادہ دشوار بھی نہ ہوگا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا میں موم کا بنا ہوا ہوں جو اس کی گرمی سے پگھل جاؤں گا۔"

"یہ بعد کی بات ہوگی لیکن میں ماہ رخ کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ سلیمان شاہ سے وابستہ نہیں ہوئی تھی' اس کی آنکھوں میں ایسا سحر ہے کہ بے جان چیزیں بھی اس کے زد سے نہیں بچ سکتیں۔"

"تم شاید مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کررہے ہو۔" میں نے ندیم کو بڑی سنجیدگی سے گھورا۔

"گراہم یاد ہے تمہیں۔ جرائم کی دنیا میں اسے آج بھی آکٹوپس ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن گرشیا نے اسے اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کررکھا تھا' میں اسی گرشیا کی بات کررہا ہوں جو ماہ رخ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے' ایک بار اس نے بھی تمہیں پھنسنے کی خاطر اپنے آدمیوں سے اٹھوالیا تھا' اگر لیڈی مکلارنس نے بروقت تمہاری مدد نہ کی ہوتی تو پھر وہی باتیں ہوسکتی تھیں' یا تو گرشیا تمہیں اپنی آنکھوں کے سحر سے تسخیر کرلیتی یا پھر اب تک تمہارے وجود کا کوئی سراغ بھی باقی نہ بچتا۔"

"ناممکن ہے۔" میں نے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا۔ "دنیا کی کوئی طاقت مجھے جھکنے پر مجبور نہیں کرسکتی' میں کسی بھی ایسی صورت میں موت کو زندگی پر ترجیح دینا زیادہ مناسب سمجھوں گا۔"

"گڈ۔" ندیم بے تکلفی سے مسکرایا۔ "میں تمہاری زبان سے یہی جملہ سننا چاہتا تھا۔"

"گویا تم اب تک مجھے پریشان کررہے تھے۔"

"نہیں۔ کسوٹی پر کھ رہا تھا۔" ندیم شرارت آمیز انداز میں مسکرایا پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے ابھی تک دریافت نہیں کیا کہ رام دیال اور میرے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟"

"اس نے یقیناً تم سے عابد کا پتا پوچھا تھا؟"

"تمہارا اندازہ درست ہے لیکن جانتے ہو میں نے کیا جواب دیا۔"

"کیا؟"

"خاموشی۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے تعجب سے دریافت کیا۔

"میں نے اپنے ملازموں کو صرف اشارہ کیا تھا جنہوں نے رام دیال کو بڑے شگفتہ الفاظ میں سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ خیریت چاہتا ہے تو خاموشی سے الٹے قدموں واپس لوٹ جائے۔"

"اور وہ چلا گیا؟"

"ہاں۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔" ندیم نے بے پرواہی سے کہا۔ "شاید وہ میری اور میرے آدمیوں کی طاقت کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا' اسی میں اس کی بہتری بھی تھی ورنہ دوسری صورت میں وفادار ملازم اس کی تھوڑی بہت خیروعافیت ضرور کرتے جس کا مجھے کوئی غم نہ ہوتا۔"

"برا ہوا۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "اب وہ اور خطرناک ہوجائے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں' اس لیے کہ جب تک مقابلہ برابر کا نہ ہو کھیل میں لطف نہیں آتا' اس کے علاوہ ایک نفسیاتی وجہ اور بھی تھی؟"

"وہ کیا؟"

"انسان فطرتاً" اتنا برا نہیں ہوتا جتنا حالات اسے بنا دیتے ہیں اور ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب انسان یا تو اندر سے کمزور ہو یا پھر اپنی حد سے تجاوز کرکے حماقت انگیز حرکتیں شروع کردے۔" ندیم نے بدستور بے پرواہی سے جواب دیا۔ "رام دیال کے ساتھ دوسری صورت پیش آئے گی۔ وہ بے حد اشتعال

انگیز حالت میں کیسینو سے نکلا تھا' اس کے دو ماتحتوں کے سامنے اس کی بے عزتی ہوئی تھی اور اب مجھے پورا یقین ہے کہ مجھ سے انتقام لینے کی خاطر کوئی نہ کوئی قدم بہت جلد بازی میں اٹھانے کی حماقت کرے گا۔ میرا تجربہ ہے کہ جو قدم جذبات کی رو میں بہک کر یا انتہائی جلد بازی میں اٹھائے جائیں وہ دوسرے فریق کے لیے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہ پہلی فرصت میں اس بات کی کوشش کرے گا کہ عابد کی ضمانت منسوخ کرادے۔"

"پھر اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"تمہیں شاید پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "انسان موت سے بچنے کی خاطر اکثر اپنے ناکردہ گناہوں کو بھی تسلیم کرلینے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ ایک بار اگر رام دیال عابد کا ریمانڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو پھر اس کی پوزیشن ہمارے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہوجائے گی۔"

"وہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھانے کی حماقت نہیں کرے گا۔"

"تم اس قدر یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ رام دیال نے کہا تھا کہ اگر تم اسے پچیس لاکھ کی رقم پیش کردو تو وہ سارے مقدمات ختم بھی کرسکتا ہے۔" ندیم نے کہا۔ "غالباً اسی وجہ سے رام دیال نے عابد کا بیان کسی مجسٹریٹ کے روبرو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن اب وہ ہم سے کسی قسم کی سودے بازی کی حماقت نہیں کرے گا۔" میں نے کہا۔ "تم نے شاید ابھی کے ماتحتوں کے سامنے اس کی بے عزتی کرکے اچھا نہیں کیا' میں جانتا ہوں کہ جب کوئی آفیسر کسی سے بدلہ لینے کی ٹھان لے تو پھر وہ ہزاروں طریقے اختیار کرسکتا ہے۔"

"بہرحال۔ تیر تو اب کمان سے نکل چکا ہے۔" ندیم نے شانے اچکاتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔

"کیا تم ذاتی طور پر ماہ رخ کے اثرورسوخ کو استعمال نہیں کرسکتے؟"

"مثلاً۔"

"رام دیال کا تبادلہ اور سراج کی دوبارہ اپنی کرسی پر واپسی۔"

"فرق کیا پڑے گا؟" ندیم نے کہا۔ "جو ثبوت پولیس کی فائل پر آچکے ہیں وہ ختم تو نہیں کیے جاسکتے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ملازم نے آکر مجھے فون کی اطلاع دی' میں اس کے ساتھ ہی اٹھ کر اندر چلا گیا' ریسیور اٹھا' ہیلو کہا تو دوسری جانب سے موہنی کی منحوس آواز آئی'

"کیسے ہو شہباز خان۔ سنا ہے کہ تمہارا کوئی سیوک ہے۔؟"

"فون کرنے کا مقصد بیان کرو؟" میں نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے نفرت سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ موہنی کی شکتی اپرم پار ہے' اگر تم اس کے چرنوں پر سر رکھ کر دیا کی بنتی کرو تو میں تمہاری سہائتا بھی کرسکتی ہوں پرنتو اس کے لیے بھی تمہیں میری شرط ماننی پڑے گی۔"

"کیا؟"

"میں کیول یہ جاننا چاہتی ہوں کہ عارفہ کا کیا بنا۔ وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے؟"

"میں تمہیں اس کا جواب دے سکتا ہوں لیکن میری بھی ایک شرط ہوگی؟" میں چیختے ہوئے بولا۔

"وہ کیا؟"

"مجھے یہ بتادو کہ تمہارے اور کالکا کے درمیان کیا سمبندھ ہے؟"

"تم ابھی تک اپنی کالکا رانی کو نہیں بھولے؟" موہنی نے نفرت سے جواب دیا۔ "چنتا مت کرو' تمہاری کالکا کا انجام بھی اب خراب ہونے میں زیادہ سمے باقی نہیں رہ گیا۔ میں دیکھوں گی کہ وہ تمہاری کیا سہائتا کرسکتی ہے۔"

پھر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہوگیا' میں نے ریسیور رکھ دیا پھر بڑی سنجیدگی سے ایک اہم پہلو پر غور کرنے لگا۔

اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ لیڈی مکلارنس نے خواب میں مجھے کالکا کے بارے میں جو باتیں بتائی تھیں وہ صحیح تھیں؟

"کس کا فون تھا؟"

"موہنی کا۔" میں نے ندیم کی آواز سن کر چونکتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات؟"

"ہاں' وہ کہہ رہی تھی کہ اگر میں اس کے قدموں میں جھکنے پر آمادہ ہوجاؤں تو وہ بدبخت مجھے معاف بھی کرسکتی ہے۔"

"پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ موہنی' کالکا اور لیڈی مکلارنس ایک ہی شخصیت کے تین روپ ہیں جو مجھے بہکانے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"اس خیال کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟"

جواب میں' میں نے لیڈی مکلارنس سے خواب میں ہونے والی تمام گفتگو ندیم کے سامنے دہرادی۔ وہ بڑی توجہ سے میری باتیں سنتا رہا پھر کچھ دیر تک کسی گہری سوچ میں غرق رہنے کے بعد بولا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم لیڈی مکلارنس کو موہنی' کالکا یا کومل کی ذات سے علیحدہ ہی رکھو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے ندیم کو غور سے دیکھا۔

"میں لیڈی مکلارنس کو اس وقت سے جانتا ہوں جب تم نے پولیس کی ملازمت اختیار نہیں کی تھی۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لندن میں اس کی پراسرار شخصیت کسی خطرناک جادوگرنی سے کچھ زیادہ ہی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ مکلارنس کی موت کا سبب اسی کو سمجھا جارہا ہے۔ لندن پولیس کے مختلف محکمے ایک طویل عرصے سے اس کے خلاف کسی اہم ثبوت کی تلاش میں سرمار رہے ہیں لیکن آج تک انھیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی بہرحال میں تمہیں یہ باور کرانا چاہ رہا ہوں کہ کاکا، کومل ورما اور موہنی کی پراسرار شخصیتیں شنکر کے بعد تمہارے تعاقب میں لگی ہیں۔ اس وقت سے جب تم روپ نگر میں تعینات ہوئے تھے اور میں لیڈی مکلارنس کے چرچے اس سے بہت پہلے سے سن رہا ہوں۔"

"کیا تم براہ راست بھی کبھی اس خمیدہ ناک والی عورت سے ملے ہو؟"

"نہیں۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "میں اس بات کی قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے آج تک کبھی بھی کسی تیس سال سے زیادہ عمر کی عورت کے ساتھ ملاقات کرنے کی حماقت نہیں کی۔"

"ماہ رخ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس کی عمر بلاشبہ اس وقت تیس سے تجاوز کرچکی ہے لیکن پہلی بار میں اس سے جب ملا تھا اس وقت وہ چھبیس سال سے زیادہ کی نہیں تھی۔"

"اس قسم کے دعوے کرتے وقت تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔"

"وہ بھی چونکہ مونث ہے اس لیے کبھی کبھار بھولے بھٹکے آجاتی ہے لیکن میں نے اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ نہیں دی۔"

"بہت ذہین واقع ہوئے ہو۔"

"تم اسے میری صاف گوئی بھی کہہ سکتے ہو۔"

"کیا نسیم کو تمہارے ماضی کے بارے میں علم ہے؟"

"پتا نہیں ویسے ہم نے آج تک کبھی کسی کے ماضی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی اور ہونا بھی یہی چاہیے۔" ندیم نے کہا۔ "دانش ور بھی اس رائے پر متفق ہیں کہ شادی کے بعد دونوں فریق ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں چنانچہ پرانی زندگی کے بارے میں سوچنا کسی زاویے سے بھی مناسب نہیں ہوتا۔"

"گویا تم نے فلسفے کے بارے میں خاصا کچھ پڑھ رکھا ہے۔"

"قطعاً نہیں۔" ندیم نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں نے آج تک کبھی فلسفے کی کتاب کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا۔ شاید اس لیے کہ انسان کی روز مرہ کی زندگی، اس کے روز و شب اور اس کی ایک ایک حرکات و سکنات بذات خود ایک فلسفہ ہیں۔ انسان اگر اس فلسفے کو سمجھنے میں کامیاب ہوجائے تو پھر اسے کتابی فلسفے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔"

"لیڈی مکلارنس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے دوبارہ اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ وہ کاکا کو اپنی پراسرار قوتوں کے جال میں پھانس سکتی ہے؟"

"نا ممکن بھی نہیں ہے۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "ویسے ایک بات جو لیڈی مکلارنس کے بارے میں خاص طور پر مشہور ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں جتنی باتوں کی پیش گوئی کی ہے وہ آج تک حرف بہ حرف درست ثابت ہوتی رہی ہیں۔ لوگ شاید اسی لیے اس کے قریب جاتے ہوئے کتراتے ہیں۔"

"کیا تم بھی علم نجوم، دست شناسی اور پیش گوئیاں کرنے والوں کو مانتے ہو؟"

"ماننا نہ ماننا ایک علیحدہ بات ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس بات سے بھی واقف ہوں کہ جادو برحق ہے لیکن اسے کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ انسان کو سوائے خدا کی ذات کے کسی پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے لیکن تم دوسرے مذہبوں کے بارے میں ٹانگ نہیں اڑا سکتے۔ اپنے اپنے اعتقاد اور مذہبی باتوں پر عمل کرنا ہر فرقہ کا اپنا بنیادی حق ہے۔ کچھ لوگ خود ساختہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں، کچھ آتش پرست ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جو دیوی دیوتاؤں کو اپنا خدا مانتے ہیں، کچھ لوگ حشرات الارض کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، کوئی سورج کے آگے سجدہ ریز رہتا ہے اور کوئی بے جان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے۔ اسلام نے ہمیں تبلیغ کی اجازت ضرور دی ہے لیکن میانہ روی کے دائرے میں رہ کر۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہونے پر آمادہ نہ ہو تم اسے نیزے کی نوک پر ہوا میں بلند کرکے اپنی کامیابی کا جشن مناتے پھرو۔"

"آج پہلی بار تمہیں اپنے رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔"

"ابھی تم نے رنگ روپ دیکھے ہی کہاں ہیں؟" ندیم نے بے پروائی سے مسکرا کر کہا۔ "کسی سو سالہ سانپ کی طرح میں بھی کینچلی بدلتے رہنا زندگی کی ضمانت سمجھتا ہوں۔ ایک ہی رنگ کو دیکھتے دیکھتے دل اکتانے لگتا ہے۔"

"خوبصورت بات کی تم نے کیا تم اسے فلسفہ نہیں کہو گے؟"

"شاید۔" ندیم نے شانے اچکائے پھر سنجیدگی سے بولا۔

"لیڈی مکلارنس کے بارے میں ایک بات یاد رکھنا۔ وہ سفید چمڑی کی عورت ہے اور سفید چمڑی بھی میرے نزدیک دوغلے پن کی علامت ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"کاکا کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا وہ یقیناً درست ہوگا لیکن تمہاری ذات میں دلچسپی لینا۔ اس کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ لیڈی مکلارنس کے سلسلے میں تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"رام دیال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے موضوع بدل کر پوچھا۔

"کس سلسلے میں؟"

"عابد کے بارے میں اس کا اگلا قدم کیا ہو سکتا ہے؟"

"کوئی نئی حماقت۔" ندیم نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں قانون کی بساط کا کوئی معروف کھلاڑی نہیں ہوں پھر بھی اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کوئی قابل گرفت ناجائز تجارت کی شے اگر انسان کے اپنے گھر سے برآمد ہو تو اسے مورد الزام سمجھا جاسکتا ہے لیکن وہ اگر کسی اور کی تحویل میں ہو اور گھر سے باہر پکڑی جائے تو اسے کسی دوسرے کے کھاتے میں زبردستی نہیں ڈالا جاسکتا۔ سونے سے بھرا ہوا بریف کیس عابد کی تحویل سے اس وقت برآمد کیا گیا ہے جب وہ تمہارے دفتر سے کوسوں دور تھا۔ ایسی صورت میں رام دیال تمہیں اس کیس میں ملوث تو کرسکتا ہے لیکن قانون کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ تمہیں بھی سزاوار سمجھے۔"

"اور عابد کا وہ بیان، جس میں خاص طور پر مجھے ملوث کیا گیا ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"بحضور میں پھنس کر ڈوبتا ہوا شخص اکثر اتنا خود غرض ہو جاتا ہے کہ بچانے والے کو بھی ساتھ لے ڈوبتا ہے۔ عابد کا بیان بھی اسی مثال کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔"

"پھر عابد کا کیا بنے گا؟" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔ "کیا طاغوتی قوتیں اسے شکار کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی؟"

"قبل از وقت حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے قانونی مشیر سے عابد کے سلسلے میں مشورہ کرلینا چاہیے۔"

"میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اپنے وکیل سے عابد کے سلسلے میں تفصیلی بات کرچکا ہوں۔"

"اس کا کیا خیال ہے؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"قبل از وقت کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیس عدالت میں جانے کے بعد صفائی دفاع کی کوئی لائن مقرر کی جاسکتی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ عابد کو ناپاک اور سفلی طاقتوں نے مجھے کمزور کرنے کی خاطر اپنا نشانہ بنایا ہے۔ وہ قطعی طور پر بے گناہ تھا اور میں طے کرچکا تھا کہ اسے ہر قیمت پر بچانے کی کوشش کروں گا خواہ اس کے لیے مجھے انتہائی اقدام کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں ابھی اپنے خیال میں مستغرق تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے اس طرح لپک کر ریسیور اٹھالیا جیسے اسے کسی کے فون کا انتظار ہو۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانے لگا کچھ دیر تک گفتگو کرنے کے بعد اس نے ریسیور کو کریڈل پر واپس رکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کس کا فون تھا؟"

"ماسٹر کی کال۔"

"کوئی اہم بات؟"

"ہاں۔" ندیم نے بے پروائی سے کہا۔ "تمہارے رام دیال صاحب نے عابد کی ضمانت منسوخ کرانے کی خاطر ایک سیشن جج مسٹر کھنہ سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوسکی۔"

"لیکن؟"

"زیادہ سوالات سے پرہیز کی عادت اختیار کرو۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔" ندیم نے عجیب انداز میں کہا۔ "فی الحال صرف اتنا سمجھ لو کہ میں نے ماسٹر کو رام دیال کے پیچھے سائے کی طرح لگا رکھا ہے اور اگر رام دیال سیدھی طرح راہ راست پر نہ آیا تو پھر ماسٹر کو موقع محل کے اعتبار سے ہر قسم کی جوابی کارروائی کا پورا پورا اختیار ہوگا۔"

"مجھے تمہارے ماسٹر کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن قانونی نکتہ نگاہ سے اگر رام دیال کو جو عابد کے کیس میں تفتیشی افسر ہے کوئی جسمانی نقصان پہنچا تو ہماری پوزیشن قانون کی نگاہوں میں مشکوک بھی قرار دی جاسکتی ہے۔"

"ہونے کو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اس وقت یہاں بیٹھا تمہارے ساتھ مغز پچی کررہا ہوں اور ہوسکتا ہے کہ نسیم خواب گاہ میں ٹہل ٹہل کر میرا انتظار کررہی ہو۔" ندیم نے کہا پھر انگڑائی لیتا ہوا اٹھا اور اپنی اور اپنی خواب گاہ کی سمت چلا گیا۔

ندیم کے جانے کے بعد بھی میں اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا جو پلید قوتوں نے میرے خلاف تیار کیا تھا پھر میرے ذہن میں کاکا کا لفظ ابھر آیا۔ لیڈی مکلارنس کا بیان تھا کہ موہنی اور کاکا ایک ہی آتما کے دو روپ ہیں جبکہ گزرے ہوئے واقعات اور حادثات اس خیال کی نفی کرتے تھے۔

میرے مکان کو موہنی کے اشارے پر نذرِ آتش کیا گیا تھا۔ وہ میرے والد کی پراسرار موت کے بعد میری بے گناہ ماں کو بھی جلا کر راکھ کا ڈھیر کرنا چاہتی تھی۔ اس کا اعتراف خود موہنی کی بدروح نے کیا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ کالکا نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے بروقت میری ماں کو اگر گھر سے نکلنے کا اشارہ نہ کیا ہوتا تو وہ جل کر بھسم ہو چکی ہوتی۔

کیا سچ تھا اور کیا جھوٹ؟ یہ سوال میرے ذہن کو پریشان کر رہا تھا۔ اگر موہنی کے روپ میں میرے گھر کو نذرِ آتش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ مجھے ماں کے سائے سے محروم کر دیا جائے تو پھر کالکا کے روپ میں میری ماں کو کس مقصد کے تحت بچایا گیا تھا؟ اگر طاغوتی قوتیں میرے ساتھ محض چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی تھیں تو پھر والد کی موت سے انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ میری ماں کی طرح میرے والد کو بھی مرنے سے بچایا جا سکتا تھا لیکن اس وقت ایسا نہیں ہوا تھا۔

لیڈی مکلارنس اگر میری ہمدرد ہوتی تو وہ والد کی موت کے سلسلے میں بھی موہنی یا کالکا کی طاقتوں کی کاٹ کر سکتی تھی؟ عابد کی گرفتاری کے بعد ہی اسے یہ خیال کیوں ہوا تھا کہ مجھے کالکا اور موہنی کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے؟ وہ اس کا اظہار میرے والد کی موت سے قبل بھی کر سکتی تھی؟ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ کالکا کی مورتی اس کی لائبریری کی زینت بن چکی ہے لیکن وہ ایک ذرا سی غلطی کے سبب کالکا کی آتما کو اس کی مورتی میں قید کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی؟ اگر اس کی پیش گوئیاں بھی غلط ثابت نہیں ہوئی تھیں اور اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات پتھر کی لکیر ثابت ہوتی تھی تو پھر اس سے کالکا کو قابو کرنے میں غلطی کیوں کر ہوئی؟ میرے ذہن میں مختلف سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ روپ نگر سے لے کر عابد کی گرفتاری تک کالکا نے متعدد موقعوں پر میری مدد کی تھی اگر وہ مجھے مارنا چاہتی تو بہت پہلے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی تھی؟ پنڈت جسی دھر کے بارے میں بھی کالکا ہی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ وہ پہاڑوں کی غار میں بیٹھا اس کی تمام تر قوتوں کو تسخیر کرنے کی خاطر جنتر منتر کا جاپ کر رہا ہے۔ وہ چاہتی تو مجھے اس وقت بھی نشانہ بنا سکتی تھی جب میں پنڈت جسی دھر کو اس کے منڈل سے نکالنے کی حماقت کرنے کی خاطر کوہ غار تک پہنچ گیا تھا۔ اس وقت کمبل پوش بزرگ نے میری مدد کی تھی۔

موہنی اور کومل ورما بہت بعد کی پیداوار تھیں۔ کالکا اگر مجھے اپنے فریب حسن کا شکار کرنا چاہتی تھی تو وہ اپنے روپ میں بھی بہت کچھ کامیابی سرانجام دے سکتی تھی۔ اسے موہنی اور کومل ورما کو سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی؟ شنکر کو بھی میری نگاہوں کے سامنے کالکا نے زہریلی ناگن بن کر ڈس لیا تھا۔ کیا وہ سب کچھ ایک فریب تھا؟ کالکا کی دریافت بھی شنکر نے اپنے سفلی علم کی وجہ سے کی تھی۔ وہ چاہتا تو کالکا کو ہمیشہ مورتی ہی کی شکل میں اس دلدل میں پڑا رہنے دیتا جہاں سے اس کے اشارے پر میں نے اسے برآمد کیا تھا۔ کیا وہ سب کچھ بھی فریب تھا؟

میرا ذہن کسی آخری نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھا۔ لیڈی مکلارنس نے موہنی اور کالکا کو ایک ہی شخصیت کے دو پہلو بتا کر میرے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ میں اس گتھی کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کرتا اتنا ہی اور الجھتا جاتا پھر اچانک میرے دماغ میں ایک خیال ابھرا۔ میں نے کالکا کو تصور کی زبان سے آواز دی۔

"مجھے وشواس تھا کہ تم اپنی کالکا رانی کو ضرور یاد کرو گے۔" کالکا کی مانوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"پھر تو تمہیں شاید یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں نے تمہیں کیوں یاد کیا ہے؟"

"میں تمہارے من کے اندر نہیں جھانک سکتی پرنتو میرا خیال ہے کہ تمہیں عابد کا دکھ ہو رہا ہے۔"

"کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کرو گی؟"

"نہیں۔ ابھی میں موہنی سے پنجے نہیں لڑا سکتی مگر تمہیں ایک مشورہ دے سکتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"عابد کو بچانے کی خاطر اپنے من پر کوئی بوجھ ڈالنے کی کوشش مت کرو۔ چین سے بیٹھے تماشا دیکھتے رہو۔" کالکا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "وہ مہان شکتیاں جو تمہاری سہائتا کر رہی ہیں وہی عابد کو بھی سزا ہونے سے بچا لیں گی۔"

"تم اس قدر یقین سے کس طرح کیسے کہہ سکتی ہو؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"ایک بات پوچھوں شہباز؟"

"کیا؟"

"کیا تمہیں اپنی کالکا پر وشواس نہیں رہا؟"

"حالات نے مجھے الجھا دیا ہے۔" میں نے دیدہ و دانستہ پریشان کن لہجہ اختیار کیا۔ "موہنی مجھے چین کی سانس نہیں لینے دے رہی ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارے چاروں اور کیا جال بن رہی ہے۔"

"تمہیں یاد ہے کالکا! ایک بار میں تمہاری خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر پنڈت جسی دھر سے ٹکرانے نکل کھڑا ہوا تھا۔"

"ہاں۔ کالکا تمہارے اس اپکار کو نہیں بھول سکتی۔"

"اب تمہاری باری ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "موہنی کو میرے راستے سے ہٹا دو۔"

"میں تمہارے دکھ کو سمجھ رہی ہوں پرنتو ابھی تمہاری کالکا موہنی سے نہیں ٹکرا سکتی۔"

"ٹالنے کی کوشش مت کرو کالکا رانی۔" میں نے زہر خند سے کہا۔ "تم چاہو تو کھل کر میری مدد کرنے سے انکار کر سکتی ہو۔"

"آج تم بہت اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو۔" کالکا نے پوچھا۔ "کیا تمہارے من کے اندر میری طرف سے کوئی کھوٹ آ گیا ہے؟"

"ایک بات پوچھوں کالکا؟"

"پوچھو۔"

"تمہارا اور موہنی کا آپس میں کیا سمبندھ ہے؟" میں نے اس بار اکھڑ لہجہ اختیار کیا۔

"میں سمجھی نہیں۔" کالکا کے لہجے میں تجسس تھا۔

"میں نے کوئی مشکل سوال نہیں کیا۔ صرف تمہارا اور موہنی کا تعلق پوچھا ہے۔"

"تمہیں کس بات نے پریشان کر رکھا ہے؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" میں نے تلملا کر کہا۔

دوسری جانب سے فوراً کوئی جواب نہیں دیا گیا لیکن کچھ توقف کے بعد کالکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "میرے اوپر ایک اپکار کرو گے شہباز؟"

"اب کیا چاہتی ہو؟"

"کیول اتنا کہ تم مجھے اس دشٹ کا نام بتا دو جس نے تمہارے دل میں میری اور سے میل ڈالنے کی کوشش کی ہے؟"

"وہ بھی پنڈت جسی دھر کی طرح کوئی مہان شکتی ہے جو تمہیں اپنے قبضے میں کرنا چاہتی ہے۔" میں نے ڈھکے چھپے انداز میں جواب دیا۔ "کیا اب تمہارے اندر اتنی طاقت بھی نہیں رہی کہ تم اس کا کھوج لگا سکو؟"

"شہباز! کیا تم کالکا کی شکتی کو آزمانا چاہتے ہو؟" اس بار اس نے قدرے تیکھے لہجے میں کہا۔ "تم نے وہ کہاوت ضرور سنی ہو گی کہ ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ دیوی دیوتاؤں نے میری کچھ شکتی ضرور کم کر دی ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ اپنے دشمن کو نہ پہچان سکوں۔"

"پھر کیا سوچا ہے تم نے موہنی کے بارے میں؟" میں نے اس کی بات کی صداقت معلوم کرنے کی خاطر پوچھا۔

"وہ موہنی نہیں ہو سکتی۔ کوئی اور ہے۔"

"اور کون ہو سکتا ہے؟"

"تمہاری باتوں نے میرے راستے کے اندھیرے دور کر دیے ہیں شہباز۔" کالکا نے جواب دیا۔ "میں سمجھ گئی کہ اس دھرتی پر کالکا کی شکتی کو اپنے قبضے میں کرنے کے سپنے کون دیکھ سکتا ہے؟"

"کون ہو سکتا ہے؟" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"طوطے جیسی ناک والی وہی سفید چمڑی والی گندی عورت جس نے دو چار چمتکار دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ کیوں شہباز! کیا تمہاری کالکا نے اپنے دشمن کو پہچاننے میں غلطی تو نہیں کی؟"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے بہت جلد اپنے دشمن کا سراغ لگا لیا۔"

"اسی نے تمہارے من میں میرے خلاف کھوٹ ڈالنے کی کوشش بھی کی ہو گی؟"

"ہاں۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اس کا دعویٰ ہے کہ تمہاری مورتی اس کے قبضے میں ہے اور وہ بہت جلد تمہاری آتما کو بھی۔"

"اچھا کیا جو تم نے مجھے کوئی برا سمے آنے سے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا۔" کالکا کے لہجے میں کسی ناگن کی پھنکار تھی۔ "میں اب جا رہی ہوں۔ پرنتو میری ایک بات یاد رکھنا۔ پنڈت جسی دھر کی بات اور تھی اگر تم نے اسے میرے کارن منڈل سے نکالنے کا خطرہ مول لیا ہوتا تو وہ مجھے اپنے قبضے میں کرنے میں اوش کامیاب ہو جاتا۔ وہ بڑا مہان تھا مجھ سے بھی زیادہ لیکن وہ بڑھیا! میں دیکھتی ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

"تم نے عابد کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ نردوش ہے اس لیے اسے کچھ نہیں ہو گا۔"

"لیکن۔"

"میں بہت جلدی میں ہوں شہباز! اگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو بہت نقصان ہو گا۔"

پھر میں نے کالکا کو کئی بار آواز دی لیکن اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کی باتوں نے مجھے پہلے سے کچھ زیادہ الجھا دیا۔ میرا ذہن ایک بار پھر موہنی، کالکا اور لیڈی مکلارنس کی تکون میں پھنس کر چکرانے لگا۔

☆

دوسری صبح میں دفتر میں داخل ہوا تو وہاں پانچ نقاب پوش پہلے ہی سے میرے منتظر تھے۔ اتفاق ہی تھا جو میں نے اپنے گارڈز کی عدم موجودگی پر کوئی توجہ نہیں دی تھی ورنہ شاید خطرے کی بو سونگھ لیتا۔

ان پانچوں نے محفوظ پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ میں حسبِ معمول قدم بڑھاتا اپنی میز تک چلا گیا لیکن پھر یکلخت میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ان پانچوں نے بڑی سرعت سے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا۔ نقاب کے اندر سے

ان کی جھانکتی ہوئی نظریں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ ان سب کا تعلق جرائم کی دنیا سے بہت گہرا ہے۔ وہ بڑے مطمئن نظر آ رہے تھے شاید ان کے باقی ساتھیوں نے میرے آفس کے دوسرے اسٹاف ممبوں کو قابو کر رکھا تھا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا" ان میں سے ایک نے جو چھریرے بدن کا مالک تھا مجھے بڑے سرد لہجے میں حکم دیا۔ "کسی قسم کے دنگا فساد سے پرہیز کرنا ورنہ ہم تمہیں زندہ نہیں تو پھر مردہ ہی لے جائیں گے۔"

"کون ہو تم لوگ؟" میں نے اپنی بکھرتی سانسوں کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں تمہاری مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔" اس نے میری بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ ہمارے ساتھیوں نے تمہارے دفتر سے لے کر باہر تک ہر جگہ مورچے سنبھال رکھے ہیں۔ تمہاری ایک معمولی سی حماقت بھی تمہارے جسم سے تمہاری روح کا تعلق ختم کر سکتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم لوگ یہاں کسی نیک مقصد کے لیے نہیں آئے ہو گے۔"

"تم ہی سمجھدار معلوم ہوتے ہو۔"

"مجھے تمہارے ساتھ کہاں چلنا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"جہاں ہم چاہیں گے۔" اسی چھریرے بدن والے نے جواب دیا اس کے باقی چار ساتھی بدستور اپنی پوزیشن سنبھالے میرے اوپر رائفلیں تانے خاموش کھڑے تھے۔

"مجھے ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ "تم جس مقصد سے آئے ہو وہ یہاں بھی پورا کر سکتے ہو۔ کوئی لمبا کھڑاگ کھڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اس نے سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "اگر ہمارا مقصد صرف تمہیں ٹھکانے لگانا ہوتا تو ہم اسی وقت تمہیں زندگی کے تمام دکھوں سے آزاد کر دیتے جب تم نے پارکنگ لاٹ میں اپنا پہلا قدم گاڑی سے نیچے رکھا تھا لیکن ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔ ہم تمہیں زندہ ساتھ لے جانا پسند کریں گے لیکن تمہاری طرف سے اگر کوئی مزاحمت ہوئی تو ہمیں اس بات کی اجازت بھی حاصل ہے کہ تمہیں بلا ٹکٹ ایک لمبے سفر پر روانہ کر دیں۔"

"بہت خوب۔ گویا تم سب اجرتی قاتل یا دہشت گرد ہو جو کسی اور کے حکم پر عمل کر رہے ہو۔"

"میں تمہارے اندازے کی تردید نہیں کروں گا۔"

"مجھے اغوا کرنے کی خاطر تمہیں کتنی رقم کی آفر ملی ہے؟"

"بہرام اور خان جابر یاد ہیں تمہیں؟" اس بار چھریرے بدن والے کے بائیں جانب کھڑے ہوئے شخص نے بڑی حقارت سے کہا۔ "ہم بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے تم ہمیں خریدنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"شبرو۔" چھریرے بدن والا اپنے ساتھی پر غرایا۔ "میں نے تمہیں زبان بند رکھنے کا حکم دیا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کس کے اشارے پر یہاں آئے ہو۔"

"وقت مت ضائع کرو۔ ہمارے پاس فضول باتوں کا وقت نہیں ہے۔"

"مجھے اغوا کرنے سے تمہیں یا تمہارے باس مسٹر بھوشن کو کیا فائدہ ہوگا؟"

"یہ سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔" چھریرے بدن والے نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تم اس سے واقف ہو تو پھر یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"ہمیں تمہیں اس وقت تک اپنا مہمان رکھنے کا حکم ملا ہے جب تک عدالت سے مسٹر عابد کا کیس نپٹ نہیں جاتا۔ تمہاری حیثیت ہمارے لیے کسی معزز مہمان سے کم نہیں ہوگی۔ ہم تمہیں ہر قسم کا آرام پہنچانے کی کوشش کریں گے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا کہ تم ہماری شرافت کی زبان سمجھنے کی کوشش کرو دوسری شکل میں ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرنا پڑے گا۔"

"بھوشن کا خیال غلط ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "مجھے اغوا کرانے کے بعد بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوگا۔"

"یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"میں اپنی گاڑی میں چلوں گا۔ تم چاہو تو اپنے دو تین ساتھیوں کو بھی میرے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دے سکتے ہو۔ مجھے کوئی انکار نہیں ہوگا۔"

"نہیں۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

میرے پاس سوائے ان کے حکم کی تعمیل کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میرے بغلی ہولسٹر میں میرا خاموش طبع آٹومیٹک موجود تھا لیکن اس کو خود کار اسلحہ کے مقابلے پر استعمال کرنا موت کو دعوت دینے ہی کے مترادف تھا۔ پھر

اچانک مجھے تانگیر یاد آ گیا۔ پانڈے کے آفس میں اس نے بھی مجھے گولی مارنے کی خاطر ریوالور نکال لیا تھا لیکن پھر اس غیبی قوت نے اسے میرے اشارے پر عمل کرنے کو مجبور کر دیا تھا جو مجھے کمبل پوش بزرگ نے عنایت کی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اسی طاقت کے استعمال کے بارے میں غور کیا پھر چھریرے بدن والے کی آنکھوں میں پوری توجہ سے جھانکا مجھے اس وقت خود اپنے وجود کے اندر بھی لاوا ابلتا محسوس ہو رہا تھا جو صرف پانچ اجرتی قاتلوں کو تو کیا کسی آباد بستی کو بھی پوری طرح نیست و نابود کر سکتا تھا۔

میرے اندر چھپی قوتیں بیدار ہوئیں تو چھریرے بدن والے کے قدم لڑکھڑانے لگے اس کے چاروں ساتھی بھی اپنی جگہ کسی بے جان بت کی طرح بے حس و حرکت نظر آنے لگے وہ پوری طرح تسخیر ہو چکے تھے میرے اندر انتقامی جذبے کے شعلے ابل رہے تھے میں سوچ رہا تھا کہ چھریرے جسم والے کو حکم دوں کہ وہ اپنے باقی چاروں ساتھیوں کو جہنم میں جھونک دے ان کے بدن گولیوں سے چھلنی کر دے پھر اپنے ناپاک وجود سے بھی اپنی سانسوں کا رشتہ ہمیشہ کے لیے توڑ دے۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر اس کی نگاہوں میں جھانک رہا تھا۔ ان کی بے بسی قابل دید تھی۔ چند لمحے پیشتر وہ کسی بھرے بادل کی طرح گھن گرج رہا تھا لیکن اب مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ بھوشن کے لیے خان جابر کے بعد ان پانچ نقاب پوشوں کی لاش کا تحفہ بھی خاصا پریشان کن ثابت ہو سکتا تھا۔ تحکمانہ الفاظ میری زبان کی نوک تک آئے تھے کہ اچانک اجناء کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے اس نیک دل شخص کی آواز میرے کانوں میں گونجی جسے سفید ریش بزرگ نے میری حفاظت پر مامور کیا تھا۔

"سنبھلو میرے عزیز۔ تم غلط راستے کی طرف جا رہے ہو۔"

"لیکن۔" میں نے دل ہی دل میں کچھ کہنے کا خیال کیا لیکن میری بات کاٹ دی گئی۔

"پیر و مرشد نے جو تمہیں قوتیں عطا کی ہیں ان کا ناجائز استعمال کرو گے تو اور دشواریوں میں پھنس جاؤ گے۔"

"تو کیا خود کو موت کے حوالے کر دوں۔"

"نہیں۔ اس کی ذات پر بھروسا کرو۔ موت اور زندگی کے فیصلے اس کی طاقت کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

"اور جو یہ آئے دن قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا ہے؟"

"اس میں بھی اس باری تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہے وہ جو برائیوں کے راستے پر چلتے ہیں ان کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے اور یہ بات ہے کہ قدرت کچھ دنوں کے لیے ان کی رسی دراز کر دیتی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" میں نے بے بسی سے سوال کیا۔

"خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو۔ وہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا۔"

"میرے محترم۔ کیا آپ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟"

"پریشان مت ہو میرے عزیز۔ جو باتیں اور فیصلے لوح محفوظ پر رقم کر دیے جاتے ہیں وہ اٹل ہوتے ہیں۔ میرے کہنے پر عمل کرو۔ مارنے والے سے بچانے والا طاقتور ہوتا ہے۔"

میں نے اپنی نگاہیں چھریرے بدن والے کی نگاہوں سے ہٹالیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوبارہ حرکت میں آ گئے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" اس کا لہجہ پھر سفاک ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے تمہاری پیش کش قبول کر لینی چاہیے۔ بھوشن کا مہمان بننا میرے لیے باعث فخر ہوگا۔"

"دور اندیشی کا تقاضا بھی یہی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ان کے ساتھ ہو لیا۔ دفتر سے روانگی سے قبل انھیں میری تلاشی لینی چاہیے تھی۔ یہ ایک فطری عمل ہوتا مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ شاید انھیں اپنے اوپر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اعتماد تھا ورنہ ویسے بھی میرا ایک آٹومیٹک بیک وقت پانچ مسلح آدمیوں کے خلاف کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔

واپسی کے لیے انھوں نے عقبی راستہ اختیار کیا جو زیادہ تر ملازموں کے کام آتا تھا۔ غالباً وہ اسی راستے سے آئے تھے۔ مجھے بیرونی دروازے کے قریب ہی اپنا سیکورٹی گارڈ نظر آیا جو دیوار سے ٹیک لگائے ایک کرسی پر محو خواب تھا۔ اس کی رائفل اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان موجود تھی۔

"کیا تم نے اس غریب کو مار ڈالا ہے؟" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ یہ زندہ ہے۔ البتہ اسے دوبارہ ہوش میں آنے کے لیے ابھی مزید دو گھنٹے تک اسی پوزیشن میں رہنا پڑے گا۔"

عقبی گول زینوں سے اترتے وقت ان کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ دو نقاب پوش آگے تھے ان کے بعد میں تھا اور میری پشت پر تین نقاب پوش تھے۔ چھریرے بدن والا کسی خاص مصلحت کی بنا پر سب سے پیچھے تھا۔ ہم زینہ طے کرتے ہوئے نیچے آ گئے۔ حسب معمول اس حصے کی طرف اس وقت سناٹا ہی تھا۔ ملازموں کی آمد و رفت عموماً دوپہر کے بعد ہی شروع ہوتی تھی۔

"میں ایک بار پھر تمہیں تاکید کر رہا ہوں کہ کسی قسم کی چالاکی دکھانے کا مظاہرہ نہ کرنا ورنہ ہنگامی حالات پیدا ہونے کی صورت میں ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینے کا فیصلہ محفوظ رکھتے ہیں۔" چھریرے بدن والے نے تیزی سے میرے قریب آتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے جو وارننگ دی تھی وہ اس پر عمل بھی کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی

بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

"نمبر دو۔" مجھے وارننگ دینے کے بعد وہ اپنے اسی ساتھی سے مخاطب ہوا جس نے بہرام اور خان جابر کا حوالہ دیا تھا۔ "اگلی سیون کو اشارے سے کہو کہ گاڑی اسی طرف لے آئے۔"

نمبر دو اثبات میں سر کو جنبش دیتا ہوا آگے بڑھ کر داہنی جانب مڑ گیا۔ دو منٹ بعد ہی گہرے سرخ رنگ کی ایک کار داہنی جانب سے نمودار ہوئی لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میری توقع کے خلاف تھا۔ سرخ کار میں بھی ڈرائیور کے علاوہ ایک شخص اور موجود تھا۔ وہ بھی نقاب پوش ہی تھے۔ چھریرے بدن والے نے مجھے رائفل کی نال سے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا مگر اچانک اس کی پیشانی سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کے باقی تین ساتھی بھی سرخ کار سے ہونے والی فائرنگ کے نتیجے میں تیورا کر فرش پر گرے تھے۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ کسی ایک کو بھی سنبھلنے کا موقع نہیں ملا۔

"مسٹر شہباز۔ آپ فوری طور پر اپنے دفتر واپس پہنچنے کی کوشش کریں۔ ماسٹری کا یہی حکم ہے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے پائے۔"

"ماسٹری۔" میرے ذہن میں یہی ایک نام ابھرا تھا پھر میں نے بڑی سرعت سے واپس زینوں کی طرف پلٹ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ سرخ رنگ کی کار سے مجھے ہدایت ملنے کے بعد ہی اسے آنا "فانا" واپس موڑ لیا گیا تھا۔

اپنے آفس میں پہنچنے کے بعد میں نے انٹرکام پر وارثی سے رابطہ قائم کر کے اسے فوری طور پر ملنے کو کہا۔ وارثی میرے آفس میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

"آپ۔" اس نے مجھے دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں لیکن وہ۔"

"آپ لوگوں کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"وہ تعداد میں دو تھے جنہوں نے پورے عملے کو خود کار آتشی اسلحے سے کور کر رکھا تھا۔" وارثی نے کہا۔ "ان کی واپسی ابھی ایک منٹ پہلے ہی عمل میں آئی تھی۔"

"جو کچھ ہوا اسے بھول جائیں۔" میں نے موقع کی نوعیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "عملے کے دوسرے افراد کو بھی ہدایت کر دیں کہ اگر کوئی شخص تفتیش کی غرض سے یہاں آئے تو اس سے یہی کہا جائے کہ یہاں کوئی بھی قابل ذکر واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ آپ میری بات کا مقصد سمجھ رہے ہیں نا۔"

"جی ہاں مگر وہ۔"

"میرا سیکورٹی گارڈ بے ہوشی کے عالم میں عقبی دروازے کے قریب موجود ہے۔ اسے فوری طور پر کسی محفوظ کمرے میں پہنچا دیں۔" میں نے کہا۔ "اسے ہوش میں آنے میں غالباً دو گھنٹے لگیں گے۔ ہوش میں آنے کے بعد اسے بھی سختی سے ہدایت کر دیجئے گا کہ وہ بھی ہر حالت میں اپنی زبان بند رکھے۔"

وارثی نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر کے تیزی سے الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے فوری طور پر ندیم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے مایوس ہو کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا پھر بھوشن جوزف کے بارے میں سوچنے لگا جواب کھل کر سامنے آگیا تھا۔ میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

دوپہر کو کھانے کے وقفے کے بعد مجھے ندیم کی کال موصول ہوئی۔

"اور سناؤ کیا کر رہے ہو؟" اس کے لہجے میں بے پرواہی تھی۔

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔ "کیا ماسٹری نے؟"

"پریشان مت ہو۔" ندیم نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مطلع کچھ دیر کے لیے ابر آلود ہوا تھا لیکن اب آسمان بالکل صاف ہے۔ یقین نہیں آتا تو خود دفتر سے باہر نکل کر اس کی تصدیق کر لو۔"

میں سمجھ گیا ندیم فون پر گفتگو کرنے سے کترا رہا تھا۔ عقل مندی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ دشمن ہماری فون پر ہونے والی گفتگو بھی ٹیپ کر رہے ہوں لیکن ایک بات ابھی تک میرے ذہن کو پریشان کر رہی تھی کہ ندیم نے اس حملے کو اس قدر راز رکھنے کی تاکید کیوں کی تھی؟ اگر ہم اس حادثے کو فوری طور پر پولیس کی فائل پر لے آتے تو پولیس کی کارروائی بعد میں ہمارے کام بھی آسکتی تھی لیکن اب اس بات کو سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ندیم نے یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر وہ فیصلہ کیا ہوگا اور اب اس کے بیان کے مطابق آسمان بالکل صاف ہو چکا تھا جس کے معنی میں نے یہی اخذ کیے تھے کہ ماسٹری یا اس کی ٹیم کے دوسرے افراد نے ان تمام نقاب پوشوں کی لاشیں بھی کہیں ٹھکانے لگا دی ہیں۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ کیا اب پکنک کا ارادہ نہیں ہے؟" ندیم نے آسمان صاف ہونے والی بات کو نبھانے کی خاطر دریافت کیا۔

"پکنک ضرور ہوگی مگر اب اس کے تمام انتظامات میں کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" میں نے گھما پھرا کر اپنا مفہوم ظاہر کرنے کی خاطر کہا۔ "پکنک چونکہ میرے اعزاز میں ہے اس لیے اب اس کا بندوبست بھی مجھے کرنے دو۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر کام بھرپور طریقے سے سرانجام دیا جائے۔"

"نہیں تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کرو گے۔" ندیم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میرے آدمی انتظامات کر چکے ہیں۔ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ سراج آفس میں داخل ہوا۔

"ٹھیک ہے رات کو گھر پر بات ہوگی۔" میں نے کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

سراج اس وقت مجھے کچھ تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ جب سے اس کا تبادلہ ہوا تھا آج وہ پہلی بار مجھ سے ملنے دفتر آیا تھا۔ "اور سنائیے۔" میں نے رسمی انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ "آج کل کیسی گزر رہی ہے؟"

"میں اس وقت آپ سے کچھ ضروری بات کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔"

"خیریت۔" میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تقریباً ایک گھنٹے پہلے میرے ایک ماتحت نے جو آج کل رام کے انڈر کام کر رہا ہے مجھے ایک بہت ہی اہم اطلاع دی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"رام دیال کے بارے میں میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ ولد الحرام ایک نمبر کا کینہ اور تعصب پرست واقع ہوا ہے چنانچہ اب وہ بھوشن جوزف کے ساتھ مل کر مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"بھوشن جوزف کے بنگلے کے عقبی حصے سے آج صبح چھ سات نقاب پوشوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں جو سب پولیس کو کسی نہ کسی کیس میں مطلوب تھے اور ان کا تعلق بھی بہرام اور خان جابر کے گروہ سے تھا۔"

"یہ بات کس طرح معلوم ہوئی؟" میں نے دیدہ و دانستہ انجان بن کر بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"پولیس کو جو لاشیں ملی ہیں ان میں سے ایک کا تعلق خان سے تھا۔ غالباً وہ خان جابر کا کوئی رشتہ دار بھی تھا۔"

"بھوشن کا کیا بیان ہے؟"

"اس نے یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ کچھ لوگ اس کے خلاف خطرناک سازش کر رہے ہیں۔"

"پھر آپ کا [illegible] نام کہاں سے آگیا؟"

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ اس وقت جب میں ائرپورٹ پر بھوشن جوزف والے قیمتی مریض کو گرفتار کرنے کی غرض سے گیا تھا۔ خود بھوشن بھی وہاں لاشز کے ساتھ موجود تھا جنہیں بعد میں بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا تھا۔"

"ہاں میں یہ تفصیل آپ کی زبانی سن چکا ہوں لیکن بھوشن کی کوٹھی سے برآمد ہونے والی لاشوں کا بھلا آپ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"یہی تو جال بنایا گیا ہے میرے خلاف۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میرے ماتحت نے خبر دی ہے کہ جس وقت رام دیال فون پر بھوشن جوزف سے گفتگو کر رہا تھا اس وقت وہ بھی قریب ہی موجود تھا۔" سراج نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بھوشن نے لاشوں کے متعلق رپورٹ درج کرانے کی خاطر فون کیا تھا اور رام دیال نے جو بڑا شاطر واقع ہوا ہے مجھے اس کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ اس نے بھوشن کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ مریض کو حراست میں لینے میں مجھے مایوسی ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد میرا تبادلہ بھی ہیڈ کوارٹر ہو گیا اس لیے میں نے ان نقاب پوشوں کو گولی مار کر بھوشن سے انتقام لینے کی خاطر اس کی کوٹھی کے احاطے میں پھکوانے کی کوشش کی ہوگی۔"

"اور کیا بھوشن نے اس بات پر یقین کر لیا؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن رام دیال نے بہرحال میری ساکھ خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ سب وقتی پریشانی ہے۔" میں نے سراج سے کہا۔ "سات جرائم پیشہ افراد کو اس طرح گولی مار کر بھوشن کی کوٹھی میں ڈال دینا جہاں ہر وقت اس کے گارڈز شکاری کتوں کی طرح پہرہ دیتے ہوں گے ایک آدمی کے لیے ناممکنات میں سے ہی ہے۔ مجھے تو یہ کسی گروہ کا کام لگتا ہے۔" پھر یکلخت میں نے دوبارہ چونکنے کی بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں یہ سب کچھ اس آدمی کی حرکت تو نہیں جو بھوشن سے نصف جائداد کی خاطر اچانک سامنے آیا ہے۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے؟"

"ولیم پوکر۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ ولیم پوکر ہی کی حرکت ہوگی۔ اس طرح اس نے بھوشن پر اپنی طاقت کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"میرے لیے کوئی حکم۔"

"آپ غلط سمجھے۔" سراج نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "میں یہاں اپنی خاطر کسی سفارش کی غرض سے حاضر نہیں ہوا تھا۔ رام دیال کتنا ہی کھاگ سہی لیکن ابھی کل کا لونڈا ہے مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ خسارے میں ہی رہے

گا۔ میں اس وقت دراصل آپ کو مسٹر عابد والے کیس کے بارے میں یہ بتانے آیا ہوں کہ رام دیال نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طرف اس نے میرے خلاف بھوشن کے کان بھرے اور دوسری طرف دبی زبان میں آپ پر بھی اس بات کا شبہ ظاہر کیا ہے کہ عابد کا تعلق چونکہ آپ سے ہے اس لیے آپ یا آپ کے آدمیوں نے جوابی کارروائی کی خاطر۔"

"یہ کیسے ممکن ہے جبکہ میں بھوشن کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا اور پھر عابد کو جعلسازی کے کیس میں ملوث کرانے سے بھلا بھوشن کو کتنی رکعت کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو بعد کی بات ہے لیکن فی الحال تو رام دیال نے آپ کے خلاف بھی اس کے کان بھر دیے ہیں۔"

"چھوڑیے مسٹر سراج۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ "یہ بتائیے کہ آپ کیا پینا پسند کریں گے۔ چائے، کافی یا ٹھنڈا؟"

"بہرحال میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ بھی بھوشن اور رام دیال کی طرف سے محتاط رہیں۔" سراج نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "آپ کو حالات سے باخبر رکھنا میری اخلاقی ذمے داری بھی ہے۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی۔ لیکن آپ بہرحال اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ اب تک متعدد موقعوں پر گندی قوتیں میرے خلاف جال بنا چکی ہیں لیکن میرا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔"

"مسٹر عابد کے سلسلے میں آپ نے کیا اقدام کیا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "اب تو عدالت ہی میں رام دیال سے ملاقات ہوگی۔"

"کیا آپ نے خواب میں مسٹر عابد یا رام دیال کے انجام کے بارے میں کچھ نہیں دیکھا۔" سراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے یاد ہے کہ آپ کی اکثر باتیں جنہیں آپ اپنے خواب سے تعبیر کرتے ہیں یقینی طور پر درست ثابت ہوئی ہیں۔"

"یہ بھی نیلی چھتری والے کی مہربانی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔"

ہمارے درمیان دیر تک رام دیال، بھوشن، جوزف اور عابد والے کیس کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر سراج واپس چلا گیا۔ میری رگوں میں دوڑنے والے خون کی گردش پھر تیز ہو گئی۔ میرے ذہن میں دو نام صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ بھوشن، جوزف اور رام دیال۔

رات ندیم سے گھر پر ملاقات ہوئی تو میں نے ان لاشوں کے بارے میں دریافت کیا جو میری موت کی حسرت لیے میرے دفتر تک آئے تھے مگر اس کے بعد ان کے مردہ جسم بھوشن کی کوٹھی کے عقبی احاطے سے برآمد ہوئے تھے۔

"وہ ماسٹر جی کی اپنی مرضی تھی۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا وہ تمہارے احکام کی بجا آوری میں بھی اپنی مرضی شامل کر سکتا ہے؟"

"میں نے اسے صرف یہ حکم دیا تھا کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے اس کے آگے اسے اختیار حاصل تھا اس لیے کہ میں نے اس کے علاوہ کوئی اور ہدایت نہیں کی تھی۔"

"لیکن بھوشن جوزف ہی کی کوٹھی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟"

"یہی سوال میں نے ماسٹر جی سے کیا تھا۔ جانتے ہو اس نے کیا جواب دیا۔"

"کیا؟"

"وہ بھی میری طرح بھوشن کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کرنے کا خواہش مند ہے لیکن دن منٹ۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "تمہیں ان نقاب پوشوں کی لاشوں کا علم کس طرح ہو گیا؟"

"تمہاری فون کال کے بعد سراج میرے پاس دفتر آیا تھا۔" میں نے سراج سے ہونے والی تمام گفتگو دہراتے ہوئے کہا۔ "اگر سراج کا بیان غلط نہیں ہے تو رام دیال یقیناً طاغوتی طاقتوں کے اشارے پر ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔"

"طاغوتی قوتیں، شیطانی طاقتیں، سفلی کا گندا علم اور جنتر منتر، یہ سب میرے نزدیک کتابی اور لغو باتیں ہیں۔" ندیم نے جھلا کر جواب دیا۔ "اگر وہ طاقتیں واقعی اپنے ہر فیصلے پر عبور رکھتی ہیں تو پھر ہم دونوں اب تک کیوں زندہ ہیں؟"

"شاید اس لیے کہ ہمارے سروں پر ہمارے بزرگوں کا سایہ ہے۔"

"یہ بھی دل کو تسلی دینے کی خاطر ایک جواز ہے ورنہ سب سے بڑا سایہ خدا کی رحمتوں کا ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے نیک دل بندوں کو کسی کی حفاظت پر مامور کر دیتا ہے۔ ان صاحب علم بزرگوں کو جو اپنی تمام زندگی یادِ الٰہی میں گزار دیتے ہیں لیکن آخری سانس تک انہیں تشنگی کا احساس رہتا ہے۔ خدا ایسے برگزیدہ بندوں کو اپنی رحمتوں سے نواز کر محض وسیلہ پیدا کرتا ہے ورنہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے اشارے پر ہوتا ہے۔"

"میرے ساتھ اب تک جو کچھ ہوتا آرہا ہے اسے تم کیا کہو گے۔" میں نے قدرے جذباتی انداز میں پوچھا۔ "کیا میرے والد گنہگار تھے جو لقمہ اجل بنا دیے گئے؟"

"میں ان تمام واقعات اور حادثات کو مشیت ایزدی ہی کہوں گا۔"

"پھر ہم ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ سب کچھ اسی کی ذات پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

"تم اس وقت جذباتی ہو رہے ہو اس لیے فی الحال اس مسئلے کو پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھو لیکن تمہاری اطلاع کے لیے اتنا ضرور کہوں گا کہ اس نے انسان کو ہاتھ پاؤں ہلانے سے منع نہیں کیا۔ سیاہ و سفید کا فرق سمجھا کر اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے لیکن سزا اور جزا کا حساب اسی کے ہاتھ میں ہے۔"

ندیم کے سمجھانے سے میں سنبھل گیا۔ مجھے اپنی غلطی کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا سے توبہ قبول کرنے کی التجا کی پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے بولا۔

"عابد کے بارے میں تمہارے وکیل نے کیا مشورہ دیا ہے؟"

"ایک ہفتے بعد عدالت میں اس کیس کی پیشی ہوگی یہ بات مجھے میرے وکیل ہی نے فون پر بتائی تھی۔ ایک دو روز میں تمہیں عدالت کی جانب سے باقاعدہ سمن بھی مل جائے گا۔"

"اگر مجھے بھی اس کیس میں ایک فریق بنایا گیا ہے تو کیا میرے لیے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنی ضروری نہیں ہے۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ کیس کو عدالت میں پیش ہونے دو پھر دیکھ لیں گے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم کوئی خاص بات مجھ سے چھپا رہے ہو؟" میں نے ندیم کی نگاہوں میں جھانکا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً وہ لائن آف ایکشن جو تمہارے شیطانی دماغ میں وضع ہو چکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہی ہو لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ معمہ کا صحیح حل فلاں فلاں بینک میں محفوظ ہے جو حل بھیجنے کی آخری تاریخ گزر جانے کے بعد ہی بینک سے نکالا جائے گا۔ اس کے بعد ہی لوگوں کو اس سے مطلع کیا جائے گا۔" ندیم نے بڑی خوبصورتی سے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تمہیں کیا کہا جائے؟"

"ایک انتہائی وفا شعار اور سعادت مند شوہر یقین نہیں آتا تو نسیم سے پوچھ لو۔"

ندیم کی تقلید میں میری نگاہیں بھی دروازے کی جانب اٹھ گئیں جہاں نسیم کھڑی ندیم کے آخری جملے پر مسکرا رہی تھی۔

☆

عدالت میں ندیم بھی میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس کے کہنے پر اس وکیل کے وکالت نامہ پر دستخط کر دیے تھے جسے میری جانب سے پیش ہونا تھا۔ ہمارے سامنے رام دیال سینہ تانے بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار ہماری جانب اٹھ رہی تھیں۔ ان نگاہوں میں انتقام لینے کا بھرپور جذبہ بھی موجود تھا۔ رام دیال کے ساتھ ہی تھری پیس سوٹ میں ایک پستہ قد اور بھاری بھرکم شخص اور بھی تھا جو ظاہری شان و شوکت سے خاصا آسودہ حال نظر آرہا تھا۔ عابد پولیس کے نرغے میں ایک طرف بنچ پر بیٹھا تھا۔ "تم نے اسے پہلے بھی دیکھا ہے؟" ندیم نے مدھم لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ اس کا اشارہ سوٹ والے ہی کی جانب تھا۔

"کوئی خاص شخصیت؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ تمہارے سراج صاحب نے بھوشن کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"یہ بھوشن کا بزنس منیجر بھگوان داس ہے۔" ندیم نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بہرحال، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اب بھوشن مخالف فریق کی حیثیت میں کھل کر سامنے آرہا ہے۔"

میں نے بھگوان داس کو غور سے دیکھا۔ وہ رام دیال سے سرگوشی میں کوئی اہم نکتے پر ڈسکس کر رہا تھا۔ اسی وقت ہمارے کیس کی پیشی کی آواز پڑی اور رام دیال ایک بار پھر میری جانب حقارت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے عابد کی گرفتاری کے سلسلے میں عدالت کو وہی کہانی سنائی جو میرے نزدیک من گھڑت تھی پھر اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یور آنر موجودہ کیس میں مسٹر عابد کی حیثیت محض کیریر کی سی ہے۔ یہ درست ہے کہ ناجائز سونا اس کے بریف کیس سے برآمد ہوا ہے لیکن خود مسٹر عابد کے تحریری بیان کے مطابق جو میں سیل بند بریف کیس کے ساتھ عدالت کی تحویل میں دے چکا ہوں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ جو مال بریف کیس سے برآمد ہوا وہ دراصل مسٹر شہباز خان کا تھا جو اس وقت عدالت میں موجود ہیں۔ مسٹر عابد نے اپنے بیان میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ سونے کی ناجائز تجارت کا کام وہ مسٹر شہباز کے لیے کرتا تھا جس کا معاوضہ اسے تنخواہ کے علاوہ ملتا تھا۔ اس صورت حال اور ملزم کے تحریری بیان کی روشنی میں، میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ مسٹر شہباز کو شامل تفتیش کرے اور پولیس کو مسٹر شہباز کا ایک ہفتے کا ریمانڈ دیا جائے تاکہ کیس کی مکمل چھان بین کی جائے اور اس کیس کے اصل ملزم کو سامنے لا کر بے نقاب کیا جائے۔"

رام دیال اپنی دھواں دھار تقریر ختم کر چکا تو عدالت نے میرے وکیل سے پوچھا۔

"آپ کو پولیس کے پیش کردہ دلائل کے بعد کچھ کہنا ہے؟"

"یس یور آنر۔" میرے وکیل نے اٹھتے ہوئے کہا پھر رام دیال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ پولیس آفیسر رام دیال کو کٹہرے میں آنے کو کہے۔ اس لیے کہ میں ان سے کچھ ایسے اہم سوالات کرنا پسند کروں گا جس سے اس کیس کا اور مسٹر شہباز کے جسمانی ریمانڈ سے بہت گہرا تعلق ہے۔"

عدالت کے اشارے پر رام دیال کٹہرے میں آیا تو میرے وکیل نے جرح شروع کی۔

"مسٹر رام دیال! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے مسٹر عابد کا بیان کس مجسٹریٹ کے روبرو لیا تھا؟"

"مجھے چونکہ اس واردات کی اطلاع اچانک ملی تھی اس لیے اگر میں کسی مجسٹریٹ کو لانے کی کوشش کرتا تو۔۔۔"

"میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔" میرے وکیل نے تیزی سے رام دیال کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں ملزم کی گرفتاری اور کاغذی کارروائی [illegible] آپ نے ملزم کا بیان کسی مجسٹریٹ کے روبرو لینے کی [illegible] کی تھی؟"

"مسیر نامہ اور دو گواہوں کے دستخط کے بعد میں نے ملزم کو کسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔" رام دیال نے اکڑ کر جواب دیا۔

"کیا ملزم کی گرفتاری کے بعد آپ نے مسٹر شہباز سے جو آپ کی نظر میں اصل ملزم ہیں ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"جی نہیں۔"

"کیا میں اس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟"

"مسٹر شہباز روپ نگر میں میرے آفیسر رہ چکے ہیں اس لیے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ عدالت سے باقاعدہ ریمانڈ ملنے کے بعد ہی میں مسٹر شہباز سے کھل کر بات کروں گا۔"

"کیا آپ اس بات کو تسلیم کریں گے مسٹر شہباز جس وقت عدالت کی جانب سے جاری کیے گئے ضمانت کے کاغذات لے کر آپ کے پاس گئے اس وقت آپ نے مسٹر شہباز سے کہا تھا کہ اگر وہ آپ کو پچیس لاکھ کی رقم بطور نذرانہ پیش کر دیں تو آپ کیس کو وش اپ کر دیں گے۔"

"یہ سراسر الزام ہے۔" رام دیال نے تیزی سے کہا۔ "مسٹر شہباز سے میری اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ضمانت کے حکم نامہ پر عمل کرتے ہوئے ضروری کاغذی کارروائی کے بعد ملزم عابد کو چھوڑ دیا تھا۔"

"گویا آپ اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ آپ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہیں اور رشوت وصول کرنا آپ کے نزدیک پاپ ہے۔"

"جی ہاں۔" رام دیال نے تلملا کر جواب دیا۔ "آپ حکومت کے ایک ذمے دار آفیسر پر الزام لگا کر۔۔۔"

"ون منٹ مسٹر رام دیال۔" میرے وکیل نے رام دیال کے جملے کو کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا آج آپ کے پاس مسٹر عابد اور مسٹر شہباز کے علاوہ کوئی اور کیس بھی ہے، جس کی پیروی آپ کو کسی دوسری عدالت میں کرنی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا میں اس دوسرے کیس کے ملزم کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

"میرا خیال ہے آپ عدالت کا وقت برباد کر رہے ہیں۔" رام دیال نے میرے وکیل کو نفرت سے گھورا۔ "ملزم عابد کے کیس سے کسی اور کیس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا یہ بھی غلط ہے کہ آپ نے دوسرے کیس والے ملزم سے پولیس کی جانب سے نرم رویہ اختیار کرنے کی خاطر بیس ہزار کی رقم بطور رشوت قبول کی ہے؟"

"یور آنر۔" رام دیال کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے عدالت سے مخاطب ہو کر کہا۔ "وکیل صفائی میرے اوپر جھوٹا الزام لگا رہے ہیں۔"

"آپ نے ابھی مسٹر رام دیال کے خلاف جو الزام لگایا ہے کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود ہے؟" عدالت نے میرے وکیل سے سوال کیا۔

"اس کے جواب سے پیشتر میں مسٹر رام دیال سے ایک سوال اور کرنا چاہوں گا۔"

"اجازت ہے۔"

"مسٹر رام دیال۔ کیا آپ کسی محتاط اندازے کے بعد بتا سکتے ہیں کہ آپ کی جیب میں اس وقت کتنی رقم موجود ہوگی؟"

"زیادہ سے زیادہ سو سوا سو روپے۔" رام دیال نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔

"یور آنر۔" میرے وکیل نے مجسٹریٹ کو مخاطب کر کے کہا۔ "مسٹر رام دیال جھوٹ بول رہے ہیں۔ بیس ہزار کی رقم ہزار ہزار کے نوٹوں کی شکل میں اس وقت بھی مسٹر رام دیال کے پتلون کے سیدھی جیب میں موجود ہے جو میری اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ مسٹر رام دیال ایک ذمے دار اور دیانت دار پولیس آفیسر ہونے کے بجائے ایک راشی اور کرپٹ آفیسر ہیں۔ میری درخواست ہے کہ عدالت اپنی موجودگی میں مسٹر رام دیال کی جامہ تلاشی لے تاکہ سچ اور جھوٹ کا اندازہ ہو سکے۔"

عدالت میں جو افراد موجود تھے ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ بھگوان داس بھی اپنی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ رام

دیال کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اسے اپنی بے گناہی کا یقین تھا لیکن جب عدالت کے حکم پر اس کی جامہ تلاشی لی گئی تو اس کی مسکراہٹ بھی حیرت میں بدل گئی۔ اس کی پتلون کی سیدھی جیب سے ہزار ہزار کے بیس نوٹ برآمد ہوئے تھے۔ رام دیال کی بوکھلاہٹ اس وقت قابل دید تھی۔ میں نے ندیم کی سمت دیکھا جو اس وقت بھی بڑا بے پروا اور غیر متعلق سا نظر آ رہا تھا۔

"یہ کس طرح ممکن ہوا؟" میں نے مدھم لہجے میں ندیم سے پوچھا۔

"ماسٹر کی۔" ندیم نے آہستہ سے کہا پھر بھگوان داس کو دیکھنے لگا جو بڑے غصے میں بیٹھا اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔

عدالت کے حکم پر رام دیال کو پولیس کی حراست میں لے کر ضروری کاغذات کی کارروائی مکمل کی گئی پھر میرا کیس اگلی پیشی تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا جو دو روز کے بعد مقرر کی گئی تھی۔

"کیا وہ رقم۔۔۔؟" میں نے عدالت سے واپسی پر ندیم سے پوچھنا چاہا تو اس نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔

"عدالت کے احاطے میں ہی ماسٹر کی ہاتھ کی ماہرانہ صفائی کا نتیجہ تھی۔"

"لیکن اس سے میرے کیس پر کیا اثر پڑے گا۔"

"اس کے لیے ابھی ہمارے پاس دو دن کا وقت ہے۔ آرام سے سوچیں گے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "فی الحال وہی ہوا جو میں نے پلان کیا تھا۔ رام دیال کے سارے کس بل ایک ہی جھٹکے میں نکل گئے۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو سکا تھا کہ بیس ہزار کی رقم کس وقت اور کس طرح اس کی جیب تک پہنچی تھی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگلی پیشی کے بارے میں سوچنے لگا اس لیے کہ رام دیال کو پولیس حراست میں لے جانے کے باوجود میرے کیس کی صحت پر بظاہر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا اس لیے کہ رام دیال سونے سے بھرا بریف کیس اور عابد کا تحریری بیان پہلے ہی عدالت کی تحویل میں دے چکا تھا۔

دوسرے روز کے اخبارات میں رام دیال کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ گرما گرم خبریں موجود تھیں۔ پریس رپورٹرز نے نمک مرچ لگا کر بھری عدالت میں ایک پولیس انسپکٹر کی وردی سے برآمد ہونے والی رشوت کی رقم کے بارے میں لکھا تھا۔ اس خبر کے ساتھ ہی ایک تصویر بھی تھی جس میں بوشن کے بزنس منیجر بھگوان داس کو رام دیال کے ساتھ بیٹھا دکھایا گیا تھا۔ یہ تصویر میرے لیے خاص طور پر اہم تھی چنانچہ میں نے اسے تراش کر علیحدہ محفوظ کر لیا۔

اگلی پیشی پر عدالت میں لوگوں کا ہجوم کچھ زیادہ ہی تھا۔

رام دیال چونکہ پولیس کی حراست میں لایا گیا تھا اس لیے عدالت میں تعینات ایک دوسرے پولیس انسپکٹر کو کیس پیش کرنے کے فرائض انجام دینے پڑے۔ مجھے یہ دیکھ کر کسی حد تک مسرت ہوئی کہ آج رام دیال اور عابد ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ کیس کی ضروری کارروائی کے بعد عدالت کے سامنے اس بند لفافے کو کھولا گیا جس میں عابد کا تحریری بیان موجود تھا لیکن اس لفافے سے سوائے ایک سادے کاغذ کے اور کچھ برآمد نہ ہو سکا۔ مجھے اور ندیم دونوں کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی پھر اس وقت ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب عدالت میں تعینات پراسیکیوشن (PROSECUTION) انسپکٹر نے سیل بند بریف کیس کو کھولا۔ اس میں سے ناجائز سونے کے بجائے محض وہ دفتری کاغذات برآمد ہوئے جو عام طور پر عابد کے پاس ہوا کرتے تھے۔ میں نے عابد کی جانب دیکھا وہ بھی پھٹی پھٹی نظروں سے بریف کیس سے برآمد ہوتے دفتری کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ رام دیال کی حالت مجھ سے زیادہ خراب تھی اس کا چہرہ خوف کے مارے زرد پڑ گیا تھا۔

"کی ماسٹر۔" میں نے ندیم سے سرگوشی کی۔

"نہیں۔" ندیم نے حیرت سے جواب دیا۔ "یہ اس کی حرکت نہیں ہو سکتی۔"

"پھر؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

میرے ذہن میں سب سے پہلے کالکا کا خیال ابھرا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ عابد کو کچھ نہیں ہوگا۔ لیڈی سکالرس نے بھی مجھ سے یہی وعدہ کیا تھا اب وہ میرے معاملات میں دلچسپی لیتی رہے گی اس کے بعد جس وقت میں کمبل پوش بزرگ کی بخشی ہوئی قوت آزمانے جا رہا تھا اس وقت اجناء کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اس مہان شخص نے بھی مجھے روکا تھا اور یہی کہا تھا کہ سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا۔

بہرحال میرے ذہن میں کالکا کا وہ جملہ بطور خاص گونج رہا تھا۔ "وہ مہان شکتیاں جو تمہاری سہائتا کر رہی ہیں وہی عابد کو بھی سزا سے بچائیں گی۔" اور اس وقت میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ یقیناً قدرت کا کرشمہ ہی تھا۔

"یور آنر۔" میرے وکیل نے فوری طور پر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عدالت سے رجوع کیا۔ "میں ایک بار پھر عدالت سے پر زور درخواست کروں گا کہ انسپکٹر رام دیال کو کٹہرے میں لایا جائے۔ میں اس سے کچھ اہم سوالات کرنا چاہتا ہوں جس کا اس کیس سے بہت گہرا تعلق ہے۔"

منصف کی کرسی پر بیٹھے ہوئے مجسٹریٹ کی پیشانی پہلے ہی

شکن آلود ہو چکی تھی۔ اس نے بڑی حقارت بھری نظروں سے رام دیال کی طرف دیکھا پھر رام دیال کو عدالت کے حکم پر دوبارہ کٹہرے میں لایا گیا۔ رام دیال کی حالت قابل دید ہی تھی۔ اس کے قدم چلتے وقت بھی بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ چہرہ کسی بھٹی چڑھے ہوئے کورے کپڑے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔

"مسٹر رام دیال۔" میرے وکیل نے سوال کیا۔ "کیا یہ وہی بریف کیس ہے، جس کا ذکر آپ نے اپنی رپورٹ اور ضمیر نامہ میں کیا ہے۔"

"شاید۔" رام دیال نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید سے آپ کی کیا مراد ہے؟" میرے وکیل نے بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ اس بریف کیس کو جو آپ نے عدالت کی تحویل میں دیا تھا عدالت کی مرضی سے تبدیل کر دیا گیا اور ویسا ہی ایک اور بریف کیس رکھ دیا گیا جسے عدالت کے روبرو کھولنے پر وہی کاغذات برآمد ہوئے ہیں۔ جو عام طور پر مسٹر عابد کے پاس ہوا کرتے تھے؟"

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" رام دیال بری طرح بوکھلا گیا۔ "میں عدالت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے مسٹر عابد کا کوئی تحریری بیان بھی لیا تھا جس کا ذکر اور پچھلی پیشی پر میرے اور آپ کے درمیان ہونے والے سوال جواب کی صورت میں عدالت کی فائل پر موجود ہے؟"

"ہاں۔ میں نے ملزم عابد کا تحریری بیان لیا تھا۔"

"پھر۔" میرے وکیل کے لہجے میں طنز تھا۔ "عدالت کے روبرو کھولے جانے والے سیل بند لفافے سے محض ایک سادہ کاغذ کس طرح برآمد ہوا۔ کیا آپ کا شبہ ہے کہ عدالت نے اس بریف کیس کے ساتھ ہی مسٹر عابد کے تحریری بیان کو بھی تبدیل۔"

"نہیں۔" رام دیال نے بوکھلا کر جلدی سے کہا۔ "میں عدالت پر شبہ کرنے کا دھیان بھی من میں نہیں لا سکتا۔"

"ایک اہم سوال اور۔" میرے وکیل نے چبھتے ہوئے انداز میں دریافت کیا۔ "کیا آپ سوم رس۔ میرا مطلب ہے کہ شراب پینے کے عادی ہیں۔"

"جی ہاں۔" رام دیال کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے یہ تمام کیس نشے کی حالت میں محض اس لیے تیار کیا تھا کہ آپ مسٹر شہباز خان کو ہراساں کر کے کوئی لمبی رقم وصول کر سکیں؟"

"جی نہیں۔"

"کیا آپ کو اس وقت یہ بھی یاد نہیں کہ آپ نے ضمانت کے کاغذات پر مسٹر عابد کو رہا کرتے وقت مسٹر شہباز خان سے پچیس لاکھ کے عوض کیس کو خورد برد کرنے کی بات کی تھی جس کا ذکر میں نے پچھلی پیشی پر کیا تھا؟"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"پھر سچ کیا ہے؟" میرے وکیل کا لہجہ یکلخت سخت ہو گیا۔ "کیا آپ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ آپ ایک راشی افسر ہیں اور محض رشوت ہی کی خاطر آپ نے مسٹر عابد اور مسٹر شہباز کو ناجائز تجارت کے جھوٹے کیس میں پھانسنے کی کوشش کی تھی؟"

بازی نے اچانک ایسا رخ پلٹا تھا کہ رام دیال کے علاوہ عدالت میں موجود باقی افراد بھی انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔ عابد جس نے مجھ سے سونے کی موجودگی اور تحریری بیان کا خود ذکر کیا تھا وہ بھی آنکھیں پھاڑے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"میں عدالت سے پرزور درخواست کروں گا کہ حالات اور ان حقائق کی روشنی میں، جو عدالت کے سامنے پیش آئے ہیں مسٹر عابد کو باعزت طور پر اس کیس سے بری کیا جائے اور انسپکٹر رام دیال کو جو ایک متعصب اور راشی افسر ثابت ہو چکا ہے سخت سے سخت سزا دی جائے تاکہ سرکاری وردی اور عدالت کے وقار کو دوبارہ کوئی ذمے دار افسر مجروح کرنے کی حماقت نہ کرے۔"

پھر وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ عدالت نے باعزت طور پر عابد کو رہا کر دیا اور پراسیکیوشن انسپکٹر کو اس بات کی ہدایت جاری کی وہ رام دیال کے خلاف دھوکا دہی اور سرکاری معلومات میں فرض شناسی کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کرنے کا کیس بنائے۔ اس روز بھگوان داس عدالت میں موجود نہیں تھا۔

عدالت سے واپسی پر ندیم خاصا سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کوئی خاص بات؟" میں نے پوچھا۔

"جو کچھ رام دیال کے ساتھ پیش آیا وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا لیکن سونے کا کاغذات میں تبدیل ہو جانا اور عابد کا تحریری بیان کورے کاغذ کی صورت میں سامنے آنا۔ یہ سب کچھ میرے لیے حیرت انگیز ہی ہے۔"

"کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ باطل کے مقابلے میں حق کو فتح نصیب ہوئی۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"کہیں تمہاری کالکا یا موہنی نے تمہیں ٹریپ کرنے کی خاطر کوئی نیا جال تو نہیں بنا ہے۔"

"یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیوں رام دیال کے مقابلے پر میرا ساتھ دے سکتی ہیں۔"

"پھر۔" ندیم نے مجھے غور سے دیکھا۔ "اس رونما ہوئے

کرشمے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کمبل پوش بزرگ۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے اور یوں بھی کرشمے صرف خدا کے برگزیدہ بندے ہی رونما کر سکتے ہیں۔"

"میری حیرت کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"جس وقت سونے سے بھرا ہو بریف کیس اور عابد کا بیان رام دیال کی تحویل میں تھا میں نے اسی وقت رام دیال کو ذلیل کرنے کی خاطر اسی کے ایک ماتحت کو خرید کر سونے کو پیتل میں تبدیل کروا دیا تھا تاکہ عابد کے تحریری بیان کو پولیس کی جانب سے گھڑا ہوا قرار دیا جائے۔"

"اور وہ سونا کہاں گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کل رات تک وہ میرے ہی قبضے میں تھا لیکن آج صبح جب میں نے لاکر کھولا تو سونا وہاں نہیں تھا۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔"

"بھگوان داس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔ "عدالت میں آج اس کی عدم موجودگی کو تم کیا کہو گے؟"

"کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"بھوشن اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی آدمی قانون کی گرفت میں آئے۔" ندیم نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "خان جابر سے لے کر سرجن داؤدی کی موت تک کے تمام حقائق بھوشن کے سلسلے میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ گرگ جہاں دیدہ واقع ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اخبار میں رام دیال کے ساتھ بھگوان داس کی تصویر دیکھنے کے بعد اس نے بھگوان داس کو انڈر گراؤنڈ کر دیا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسے بھی راستے سے ہٹا دیا گیا ہو۔ بہرحال مجھے شام تک اس کی رپورٹ مل جائے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ جب تک بھوشن کا قصہ ختم نہیں ہوتا یہ آنکھ مچولی کا سلسلہ جاری رہے گا۔"

"غلط خیال ہے تمہارا۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "ترنجن لال، پانڈے اور بھوشن کے بعد کوئی نیا مخالف بھی سامنے آ سکتا ہے لیکن تم نے خاص طور پر بھگوان داس کے بارے میں کیوں پوچھا۔ کہیں تمہارے دماغ میں پھر کوئی کھچڑی تو نہیں پک رہی؟"

"زیادہ ذہنی بھی کبھی کبھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔"

"نہیں۔ تم فی الحال کوئی جوابی کارروائی نہیں کرو گے۔"

"تم شاید اس بات کو نظر انداز کر رہے ہو کہ اس ساری کہانی کا ہیرو میں ہی ہوں اور ہیرو کی زیادہ خاموشی تماش بینوں کے ذہن پر بہت گراں گزرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ندیم نے کچھ دیر خاموشی کے بعد کہا۔ "اگر تم خود کو ہیرو سمجھ رہے ہو تو پھر میں تمہیں جوابی کارروائی سے نہیں روکوں گا۔"

"میری ایک شرط اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے آدمی میرا تعاقب نہیں کریں گے۔"

"کل رات ماہ رخ کا فون آیا تھا۔" ندیم نے بڑی خوبصورتی سے میری بات ٹالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تمہارے سلسلے میں وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اپنی تشنگی بجھانے کی خاطر کوئی اور طریقہ اختیار کر لے۔ تم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ اس کا شمار ان شکاریوں میں کیا جاتا ہے جو یا تو اپنے پسندیدہ جانور کو ہر قیمت پر شکار کرتے ہیں یا پھر خود شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے ایک فکر اور بھی لاحق ہے۔ اگر کہیں عارفہ کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو اس معصوم کے دل پر کیا بیتے گی۔"

"تم اس اندیشے سے دبلے مت ہو۔ عارفہ میرا پرابلم ہے۔" میں نے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا پھر خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے علم تھا کہ ندیم میری نگرانی پر مامور اپنے آدمیوں کو درمیان سے ہٹانے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہو گا چنانچہ اس موضوع پر اس سے گفتگو کرنا فضول ہی تھا۔

٭

اس روز میں خواب گاہ میں لیٹا عارفہ سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک بہت دور سے کالکا کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے بار بار آوازیں دے رہی تھی۔ مجھے علم تھا کہ میں ندیم کے جس گھر میں اپنی والدہ اور عارفہ کے ساتھ رہتا تھا اسے کسی بزرگ نے کیل دیا تھا چنانچہ اس کے اندر کسی پلید روح کا داخلہ ناممکن ہی تھا۔ گندی اور بھٹکتی ہوئی ناپاک ارواح اور طاغوتی طاقتیں نہ تو اس مکان کے اندر داخل ہو سکتی تھیں نہ اس چار دیواری کے اندر ہونے والی باتیں سن سکتی تھیں تاوقتیکہ مکان کے اندر رہنے والے ان گندی قوتوں سے ہم کلام ہونے کی کوشش نہ کریں۔

کالکا کی آواز دیر تک میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ میں اٹھ کر چہل قدمی کے بہانے خواب گاہ سے باہر آ گیا پھر میں نے کالکا کی پکار کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا کالکا رانی۔ آج تمہاری آواز کے اندر مجھے کچھ پریشانی محسوس ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔ میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔"

"میرے لیے!" میں نے طنزیہ انداز میں تعجب کا اظہار

کیا۔

"میں جانتی ہوں شہباز کہ تمہیں ابھی تک اپنی کالکا پر وشواس نہیں آیا۔ موہنی اور طوطے کی نوک جیسی ناک والی سفید چمڑی والی بوڑھی اور پاپی عورت نے میرے خلاف تمہارے من میں میل ڈال دیا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں ہے۔"

"تم کالکا سے اتنے روکھے لہجے میں بات مت کرو شہباز ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔" کالکا نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ "تمہیں شنکر یاد ہے نا۔ وہ پاپی نہ جانے کتنے برسوں سے میری تلاش میں بھٹک رہا تھا پر تو اسے کامیابی نہیں ہوئی تھی پھر تم بیچ میں آگئے۔ میں نے تمہیں دیکھا تو میرا من تمہارے پیار میں تڑپ اٹھا۔ میں اس سنسار سے اپنے بندھن توڑ کر ایک مورتی کی شکل میں جیون بتا رہی تھی پرنتو تمہیں دیکھ کر مجھے ایک کنیا کے روپ میں تمہارے سامنے آنے کا خیال تڑپانے لگا اور پھر میں نے شنکر جیسے پلید اور پاپی کو بتا دیا کہ وہ مجھے کہاں پا سکتا ہے۔ اس دشٹ کے من میں یہ بات بھی میں نے ہی ڈالی تھی کہ کیول تمہارے علاوہ کوئی اور میری پوتر مورتی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا' پھر وہی ہوا جو تمہاری کالکا نے چاہا۔ کیا تمہیں وہ سب باتیں یاد نہیں ہیں؟"

"مجھے سب کچھ یاد ہے کالکا رانی۔" میں نے اپنے لہجے میں جان بوجھ کر لگاوٹ پیدا کی۔ "اس وقت تم نے مجھے کس لیے یاد کیا ہے؟"

"میں نے ایک بار تمہیں وچن دیا تھا کہ موہنی کو تمہارے ہاتھوں کومل ورما ہی کی طرح ختم کرانے کی کوشش ضرور کروں گی۔"

"ہاں۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔

"اب وہ سمے آگیا ہے جب میں اس پاپن کو تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔" کالکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اس کی چالیں جاننے کے لیے مجھے بہت پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔"

"کیا تمہیں تمہاری کھوئی ہوئی شکتیاں واپس مل گئی ہیں؟"

"نہیں' لیکن میں نے اپنی بچی کچی شکتی ہی سے یہ جان لیا ہے کہ اب موہنی تمہارے بجائے تمہارے متر کو نرکھ میں جھونکنے کے سپنے دیکھ رہی ہے۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟"

"کیوں؟" کالکا نے شکوہ کیا۔ "کیا تمہیں ابھی تک میری باتوں پر وشواس نہیں آیا؟ کیا میں نے تمہارے سیوک عابد کے لیے جو کچھ کہا تھا وہ سچ ثابت نہیں ہوا؟"

"لیکن وہ سونا۔"

"وہ موہنی کا فریب تھا جس کا جادو ٹوٹا تو وہ سونا بھی بھاپ بن کر ہوا میں اڑ گیا۔" کالکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "موہنی جانتی ہے کہ تمہارا متر اور اس کے سیوک ہر بار تمہیں اس کے بچھائے ہوئے جال سے بچا لیتے ہیں۔ اسی لیے اب موہنی نے تمہارے متر کو ختم کرنے کے لیے سوگند کھائی ہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ وہ میرے دوست کے خلاف کیا کرنے والی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے اس سمے تمہیں اسی کارن آواز دی ہے۔ میری بات دھیان سے سنو۔" کالکا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کل تمہارے متر کو ایک ہوٹل میں دعوت پر جانا ہے جہاں موہنی ایک نئے روپ میں موجود ہوگی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ اپنی شکتی کے زور پر تمہارے متر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس لیے وہ تمہارے متر کے ایک سیوک کے من میں گھس کر اس کو قتل کرنے پر تیار کرے گی پرنتو تم اگر چاہو تو اپنے متر کو بچا سکتے ہو۔"

"لیکن میں موہنی کو پہچانوں گا کس طرح؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ تم اپنی کالکا پر چھوڑ دو۔ میں تمہیں خاموشی سے اس کے نئے روپ سے کسی نہ کسی طرح خبردار کروں گی پھر تم اس پاپن کو اسی شکتی سے موت کے گھاٹ اتار دینا جو تمہارے شریر کے اندر یا باہر موجود ہے۔" کالکا نے کہا۔ "میں اسی شکتی کی بات کر رہی ہوں جس کے سہارے تم نے داور اور پھر کومل ورما کو نرکھ میں جھونکا تھا۔"

"لیکن میں ایسی کسی قوت سے۔"

"کالکا کی آنکھیں تمہارے اندر نہیں جھانک سکتیں' تمہاری اس مہان شکتی کو بھی نہیں کھوج سکتیں جو بار بار تمہاری سہائتا کرتی ہے پرنتو اب ایسا بھی نہیں ہے میں بار بار تمہاری وجے (جیت) کا کارن بھی نہ سمجھ سکوں۔"

"کیا تم میرے دوست کو نہیں بچا سکتیں؟"

"کبھی کبھی تم بالکل بالکوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ تمہاری یہی ادائیں اور بھولپن کالکا کے من میں کھب کر رہ گئی ہیں۔" کالکا نے بڑے پیار سے کہا۔ "بھولے ناتھ اگر کالکا تمہارے متر کو بچا سکتی تو تمہیں کس لیے آواز دیتی؟ کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ شنکر کو مارنے سے پہلے جب میں مہان شکتی رکھتی تھی تو تمہارے کہنے ہی پر تمہارے دشمنوں کا راستہ کاٹ دیتی تھی؟"

"احسان جتا رہی ہو۔"

"نہیں۔ کیول تمہیں یہ وشواس دلا رہی ہوں کہ دنیا والوں نے تمہارے من کو میری اور (جانب) سے میلا کر دیا ہے ورنہ

کالکا آج بھی اسی طرح تمہاری داسی ہے جیسے کل تھی۔ پرنتو مجھے وشواس ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میں ابھی نراش نہیں ہوئی ہوں۔"

"میں اپنے دوست کی زندگی کس طرح بچا سکتا ہوں؟" میں نے اصل مقصد کی جانب آتے ہوئے کہا۔

"تمہارا متر جس دعوت میں جا رہا ہے اس میں تم بھی چلے جاؤ لیکن اس طرح کہ وہاں کسی اور کو تمہاری موجودگی کی خبر نہ ہو۔" کالکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں ایسا روپ دھارنا ہوگا کہ موہنی کی پلید شکتی بھی تمہیں نہ پہچان سکے۔"

"کیوں۔ کیا تمہارے دیوی اور دیوتا موہنی کی مدد نہیں کریں گے؟"

"کوشش کریں گے لیکن میں تمہارے اور موہنی کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر دوں گی جو تمہارے اصلی روپ تک اس کی میلی نظروں کو نہیں پہنچنے دوں گی۔"

"حیرت ہے۔" میں نے قدرے مشکوک انداز میں کہا۔ "کیا دیوی اور دیوتا بھی اس دیوار کو نہیں توڑ سکیں گے؟"

"مجھے وشواس ہے کہ میں ان کے راستے کی کاٹ نہیں کروں گی۔" کالکا کے لہجے میں ایک کرب پیدا ہو گیا۔ "ہاں اگر دیوتاؤں نے میری چال جان لی تو پھر شاید تم اپنی کالکا کی آواز بھی کبھی نہ سن سکو گے۔ تمہاری کالکا کو آکاش اور زمین کے درمیان ایسی جگہ قید کر دیا جائے گا جہاں تک اور کوئی نہیں پہنچ سکتا' لیکن کالکا کو تمہارے کارن وہ قید بھی گوارا ہوگی۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ موہنی میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جائے گی؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"تمہارا من یہی کہتا ہے لیکن کل کیا ہونے والا ہے یہ کیول بھگوان کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کل تمہاری کالکا دیوی دیوتاؤں کے کشٹ کا شکار ہو کر تم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کالی کی شکتی مجھے میرے ارادوں میں سپھل (کامیاب) کر دے۔"

"میں تمہارا شکر گزار رہوں گا کالکا رانی کہ تم نے بروقت مجھے ایک خطرے سے آگاہ کر دیا لیکن۔" میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا شہباز؟" کالکا نے عجیب انداز میں کہا۔ "جو کچھ تمہارے من میں ہے آج کہہ ڈالو۔"

"تم نے ابھی تک میرے ایک سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ کیا؟"

"موہنی اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے؟"

"میں جانتی تھی کہ تم یہی پوچھو گے لیکن ابھی میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ کل اگر میں تمہاری سہائتا کر کے اپنا وچن پورا کرنے میں کامیاب ہو گئی تو تمہیں اپنے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔" کالکا نے بڑی حسرت سے کہا۔ "میں اب آنا چاہتی ہوں شہباز۔ موہنی کے بچھائے ہوئے جال کو توڑنے کی خاطر ابھی مجھے اور بھی کچھ جتن کرنے ہیں۔"

پھر کالکا کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ میں ایک بار پھر کالکا کے بھنور میں پھنس گیا۔ اس کی حقیقت کیا تھی؟ کیا وہ میرے ساتھ محض فریب کر رہی تھی یا پھر جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچ تھا؟ ماضی کے واقعات اس امر کی دلالت کرتے تھے کہ وہ پر خلوص ہے لیکن شنکر کی موت کے بعد اس کی کہانیوں میں کھوٹ بھی محسوس ہونے لگا تھا۔

"آپ یہاں اتنی دیر سے کیا کر رہے ہیں؟" عارفہ کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو کالکا کا سحر ٹوٹ گیا۔

"چہل قدمی۔"

"لیکن آپ کے چہرے کے تاثرات کچھ اور بتا رہے ہیں؟" عارفہ نے بڑے پیار سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی نہیں بتائیں گے کہ وہ کیا بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے؟"

"میں تمہاری خاطر پریشان ہوں۔" میں نے عارفہ کو ٹالنے کی خاطر خوبصورت جھوٹ کا سہارا لیا۔ "آخر تم کب تک اس چار دیواری کی قید میں رہو گی؟"

"جب تک آپ میرے ساتھ ہیں۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔"

جواب میں میں نے اس کے دونوں بازو تھام کر بڑی محبت سے اس کی نیلی جھیل جیسی خوبصورت آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکا پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر دوبارہ خواب گاہ میں آگیا۔

دوسری صبح میں نے ندیم سے پوچھا۔ "کیا آج تمہیں کسی ڈنر پر جانا ہے؟"

"ہاں۔" ندیم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اس ڈنر کا اہتمام ماہ رخ اور سلیمان شاہ نے کیا ہے۔ کیوں؟ کیا تمہیں ماہ رخ نے دعوت نہیں دی؟"

"دی تھی مگر میں نے ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے اسے ٹال دیا۔"

"کب تک اس غریب کا دل دکھاتے رہو گے۔" ندیم معنی خیز انداز میں بولا۔ "وہ ایک خوبصورت اور حسین عورت ہی تو ہے دانہ گندم تو نہیں ہے جسے چکھنے کے بعد تمہیں جنت سے

نکال دیا جائے گا۔"

میں نے ندیم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ویسے ندیم سے گفتگو کے درمیان میں نے ہوٹل کا نام بھی دریافت کرلیا تھا جہاں اسے ماہ رخ کے دیے ہوئے ڈنر میں شرکت کرنے جانا تھا۔

☆☆

ہوٹل کے دربار ہال کی رونق قابل دید تھی۔ ہر سمت رنگ و نور کا سیل تھا۔ خوشبوؤں کی مہک، خوبصورت خوش رنگ اور حسین چہرے محفل کی رونق کو دوچند کر رہے تھے۔ قہقہے کھنک رہے تھے۔ ساغر چھلک رہے تھے اور خود سر جوانیاں بڑی بے باکی کے ساتھ مہمانوں کی دل بستگی کا سامان فراہم کر رہی تھیں۔

میں ہال میں داخل ہونے کے بعد ایک لمحے کو یوں رک گیا جیسے کسی شناسا کی تلاش میں ہوں۔ میری نظر ماہ رخ پر پڑی۔ آج وہ قیامت نظر آرہی تھی۔ بجلی کی طرح مہمانوں کے درمیان کوندتی پھر رہی تھی۔ وہ میک اپ کا کمال تھا جس نے قدرتی رنگ و روپ کو عارضی جلا بخش دی تھی۔ وہ اپنی عمر سے بہت کم نظر آرہی تھی اس کے جسم پر جو تنگ لباس تھا وہ اس کی سرکش جوانی سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ خوبصورت ملبوسات میں ہوٹل کے بیرے بڑے مستعد نظر آرہے تھے۔ شراب کی ڈالیاں دیگر خورد و نوش کے ساتھ گردش میں تھیں۔ میں چند لمحے اس ہجوم بے لگام کو دیکھتا رہا جس نے غالباً "دربار ہال" میں داخلے کے وقت اپنی شرافت کا لبادہ اتار دیا تھا اور اب اپنے اصلی رنگ میں نظر آرہا تھا، لیکن مجھے ان بیہودگیوں سے کوئی غرض نہیں تھی، پھر میں نے ندیم کو دیکھا جو ایک خوبصورت اور بے حد حسین عورت کے شانوں پر ہاتھ رکھے بڑی بے تکلفی سے رازدارانہ انداز میں سرگوشیوں میں مصروف تھا۔

میں نے اس وقت ایسا میک اپ کر رکھا تھا کہ آئینے کے سامنے کھڑا ہونے کے بعد خود بھی اپنے آپ کو شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ وہاں بیشتر میزوں پر مختلف نام کی خوبصورت تختیاں تو رکھی تھیں یا پھر ریزروڈ کے کارڈز رکھے ہوئے تھے اس وسیع و عریض ہال میں ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم چار سو آدمیوں کی گنجائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اس خیال سے کہ کہیں کوئی مجھ پر شک نہ کرلے میں آہستہ آہستہ ہجوم کے درمیان خلط ملط ہوتا گیا۔ میری نگاہوں کا تجسس ہر اس لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا جو تنہا تھی اس لیے کہ مجھے موہنی کی تلاش تھی۔ جس کی گندی قوتوں نے میری زندگی کا سکون برباد کر رکھا تھا۔ میں ہجوم کے درمیان چکراتا پھر رہا تھا کہ ایک بیرے نے شراب کی ڈالی میرے سامنے لاتے ہوئے کہا۔

"سر آپ کیا لینا پسند کریں گے؟"

"سوری۔" میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اس سے شوق نہیں کرتا۔"

"پھر تیرہ نمبر کی میز آپ کے لیے مناسب رہے گی۔" بیرے نے یکلخت بڑی سنجیدگی سے کہا پھر ڈالی لے کر دوسری طرف چلا گیا۔

میں نے تیرہ نمبر کی میز کی جانب دیکھا جہاں ایک بے حد حسین اور الھڑ دوشیزہ تنہا بیٹھی ایک لبریز جام کو میز پر آہستہ آہستہ گردش دے رہی تھی۔ میں اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں ہجوم کے درمیان گھومتا رہا لیکن میری نگاہیں بار بار اسی لڑکی کی طرف اٹھ جاتی تھیں جو اس وقت دوسری خواتین کے مقابلے میں خاصی کم سن نظر آرہی تھی۔ دس پندرہ منٹ تک میں اس کے آس پاس چکراتا رہا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ نہ تو اس عرصے میں کسی نے اسے مخاطب کیا تھا نہ ہی اس نے میری طرح جام کو اپنے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ میں ابھی اس بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ بیرے نے خاص طور پر مجھ کو تیرہ نمبر کی میز کی طرف کیوں راغب کرنے کی کوشش کی کہ میرے کانوں میں اجناء کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے سیان شخص کی آواز گونجی۔

"میرے عزیز۔ بیرے نے تمہاری رہنمائی غلط نہیں کی۔ جس وقت اس نے تم کو اس نمبر کا حوالہ دیا تھا اس وقت اس کا ذہن کسی ناپاک قوت کے قبضے میں تھا بہرحال تم جس کی تلاش میں ہو وہ وہی لڑکی ہے۔ جس نے ایک نیا روپ اختیار کیا ہوا ہے۔ اپنی منزل کو سر کرنے میں دیر نہ لگاؤ ورنہ ایک سنہری موقع تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"موہنی۔" میرے دل و دماغ میں بس ایک ہی نام گونجا۔ کالکا نے اپنا وعدہ پورا کردیا تھا جس کی تصدیق بھی ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود صندلی انگوٹھی کی طرف دیکھا پھر میرے قدم آہستہ آہستہ لڑکی کی جانب اٹھنے لگے۔

میرے دل کی دھڑکنیں اور خون کی گردش ہر لحہ تیز سے تیز ہوتی جارہی تھی۔ مجھے اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں طاغوتی قوتیں موہنی کو وہاں میری موجودگی اور اس کے انجام سے باخبر نہ کردیں اور وہ میری دسترس سے دور نکل جائے۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کردی۔

موہنی اور میرا درمیانی فاصلہ گھٹتا جارہا تھا۔

تیرہ نمبر میز پر بیٹھی ہوئی کم سن اور حسین لڑکی ابھی تک اپنے سامنے رکھے ہوئے جام سے کھیل رہی تھی۔ وہ موہنی کا ایک نیا روپ تھا جس کی تصدیق اجناء کے قبیل سے تعلق رکھنے والے بزرگ نے بھی کردی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس بیرے نے مجھے تیرہ نمبر کی میز کی بابت اشارہ کیا تھا اس وقت اس کا ذہن کسی گندی قوت کے قبضے میں تھا۔ وہ یقیناً کالکا کی پراسرار قوت ہی رہی ہوگی جو میرے لیے کام کرنے کا وعدہ کر چکی تھی۔ وہ خود کھل کر سامنے نہیں آسکتی تھی اسی لیے اس نے ہوٹل کے بیرے کے ذہن کو ایک لمحے کے لیے تسخیر کر کے موہنی کی شناخت کے لیے میری رہنمائی کا ذریعہ بنایا تھا۔

میں موہنی کی پشت پر تھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ پہلے میری رفتار تیز تھی اس لیے کہ کہیں موہنی کو میری موجودگی کا علم نہ ہو جائے لیکن پھر مجھے کالکا کی بات یاد آگئی۔ اس نے کہا تھا وہ میرے اور موہنی کے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر دے گی کہ موہنی کی ننگی نظریں میری اصلیت کو نہیں بھانپ سکیں گی۔ موہنی کی موت کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ ندیم کا کون سا تخت تھا جسے موہنی اپنی کالی قوت کے جال میں پھانس کر ندیم کو قتل کرا دینے کا خواب دیکھ رہی تھی پھر میری یہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر قریب کی ایک میز پر قبضہ جمالیا جس پر ریزروڈ کا کارڈ موجود تھا۔ میں نے ایک نظر ندیم پر ڈالی جو ابھی تک ایک حسینہ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف تھا۔ میرے لیے اس وقت ندیم سے زیادہ موہنی پر نظر رکھنا ضروری تھا چنانچہ میں نے اپنی توجہ دوبارہ اس کی جانب مبذول کردی۔ وہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو بڑی قاتل نظروں سے دیکھ رہی تھی پھر اس کی مترنم آواز ابھری۔

"تمہیں یاد ہے کہ میں نے تم سے کیا درخواست کی تھی؟"

"ہاں۔۔۔ تمہیں حاصل کرنے کی خاطر مجھے ایک ایسے شخص کو قتل کرنا ہے جو اس وقت یہیں کہیں موجود ہے۔"

"پھر سوچ لو۔" موہنی نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنا ارادہ تبدیل کرلو۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔" نوجوان نے کسی معمول جیسے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہاری صرف ایک حسین مسکراہٹ کی خاطر میں کسی کو بھی جہنم رسید کرسکتا ہوں۔"

"ادھر دیکھو۔" موہنی نے گردن کی خفیف جنبش سے ندیم کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شخص جو نیلی ساڑھی میں ملبوس اس حسینہ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے وہی تمہارا شکار ہے۔"

نوجوان کے چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا دل و دماغ پوری طرح موہنی کے قبضے میں ہے۔ ایک نظر ندیم کی جانب ڈالنے کے بعد وہ دوبارہ موہنی سے مخاطب ہوا۔

"تم اس شخص کو کیوں مروانا چاہتی ہو؟"

"اس لیے کہ پہلے اس نے مجھے دھوکا دیا اور اب کسی دوسری کی زندگی برباد کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"کہو تو ان دونوں کو گولیوں سے چھلنی کر دوں؟" نوجوان کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"نہیں۔" موہنی نے جلدی سے کہا۔ "تم کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم قانون کی نظروں میں آ جاؤ اور میں ایک طویل عرصے تک تمہاری راہ تکتی رہوں۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" نوجوان نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "میں تمہارے حکم کے مطابق اس وقت میک اپ میں ہوں اس لیے قانون کی نظریں میرے اصلی چہرے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ میں اسے گولی مارتے ہی فرار ہو جاؤں گا۔"

"نہیں۔" موہنی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم ویسا ہی کرو گے جیسا میں چاہتی ہوں۔"

"تم کیا چاہتی ہو؟" نوجوان نے سعادت مندی سے پوچھا۔

میں اس نوجوان کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا پھر یکلخت مجھے ایک شاک سا لگا۔ میک اپ میں ہونے کے باوجود کم از کم میں اسے پہچان چکا تھا۔ وہ ندیم کے کیسینو کا بارٹنڈر تھا جو ندیم کے خاص آدمیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرے ذہن میں ندیم کے وہ جملے گونجنے لگے جو اس نے میری کار کو پیش آنے والے حادثے کے بعد مجھ سے ہسپتال میں کہے تھے۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ اب موہنی یا کاکا کی کالی طاقتیں اس کے کسی آدمی کو اپنا غلام نہیں بنا سکیں گی۔ یہ شاید اس کی خوش فہمی تھی اس لیے کہ اس وقت ندیم ہی کا ایک قابل اعتماد آدمی موہنی کے ساتھ بیٹھا اس کے قتل پر پوری طرح آمادہ نظر آ رہا تھا۔

"میری بات غور سے سنو۔" موہنی نے نوجوان سے کہا۔ "تم خاموشی سے جا کر اس کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔ میں کچھ دیر کے لیے ہال کی تمام بتیاں بجھا دوں گی اور تم اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے موت کے گھاٹ اتار کر فرار ہو جانا۔"

"گڈ۔" نوجوان نے مسرت کا اظہار کیا۔ "تم صرف حسین ہی نہیں خاصی ذہین بھی ہو لیکن ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔"

"وہ کیا؟" موہنی نے نوجوان کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم اس شخص کو اپنے راستے سے کیوں ہٹانا چاہتی ہو؟"

"صرف تمہاری خاطر۔" موہنی نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ "تم نہیں جانتے یہ شخص بہت بڑا بلیک میلر بھی ہے۔ اگر یہ زندہ رہا تو شاید میں تمہارے ساتھ خوشگوار زندگی نہ گزار سکوں گی۔ وہ قدم قدم پر ہمارے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرتا رہے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔" نوجوان نے اپنا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا پھر چونکتے ہوئے بولا۔ "کہیں اس شخص کا نام ندیم تو نہیں ہے جو ایک مقامی کیسینو کا مالک ہے۔"

"تمہیں یہ بات کس طرح یاد آ گئی؟" موہنی کے لہجے میں حیرت تھی۔ اسے یقیناً اس بات پر تعجب ہوا ہو گا کہ نوجوان کا ذہن جو اس کے خیال کے مطابق اس کے قبضے میں تھا ندیم کی شناخت کس طرح کر رہا تھا۔

"مجھے یہ بھی یاد آ گیا کہ میں کون ہوں۔" نوجوان نے اس بار موہنی کو حقارت سے تکتے ہوئے کہا۔ "میں اسی کے کیسینو کا بارٹنڈر ہوں جسے تم میرے ہاتھوں موت کی ابدی نیند سلانا چاہتی ہو لیکن میں نمک حرام نہیں ہوں۔ اب باس کی جگہ میں تمہیں دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کروں گا۔" نوجوان نے جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک پن پسٹل بھی موجود تھا۔

میرے لیے اب مزید انتظار کرنا مناسب نہیں تھا۔ ندیم نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کہ اب کوئی طاقت اس کے آدمیوں کو اپنا معمول نہیں بنا سکے گی۔ بارٹنڈر نے اچانک جو ایکشن لینے کی کوشش کی تھی وہ اس کے نمک حلال ہونے کا ثبوت تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے پن پسٹل سے نکلی ہوئی گولیاں موہنی کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی اس لیے کہ وہ وجود نہیں محض سایہ تھی۔

موہنی نے بڑی قہر آلود نگاہوں سے بارٹنڈر کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن کے علاوہ کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کا زہر بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ بارٹنڈر کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی لیکن میں نے اسے اس کی مہلت نہیں دی۔ تیزی سے اٹھ کر میں نے موہنی کا بازو تھاما پھر صندلی انگوٹھی اس کی پیشانی سے لگا دی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا منظر میں پہلے بھی دو موقعوں پر دیکھ چکا تھا۔ موہنی کا پورا وجود صندلی انگوٹھی کے لگتے ہی بھیانک آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے منہ سے بڑی بھیانک و کرب ناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں پھر وہ تیورا کر زمین پر گری۔ اس کا جسم بس لمحے بھر میں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اس کے بعد ہوا کا

ایک تیز جھونکا آیا اور اس کی راکھ کو بھی سمیٹ لے گیا۔

ہال میں موجود تمام افراد میری سمت متوجہ تھے۔ ملی جلی دہشت ناک چیخ و پکار کی آوازیں میرے کان میں گونج رہی تھیں۔ میرے لیے یہاں سے بچ کر نکلنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کو میں بوکھلا کر رہ گیا۔ پکڑے جانے کی صورت میں نہ صرف میرے میک اپ کا بھرم کھل سکتا تھا بلکہ میری شہرت بھی داغ دار ہو سکتی تھی۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ اچانک پورے ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا پھر کسی نے میری کلائی تھام کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "جلدی سے نکل چلو ورنہ بات بگڑ سکتی ہے۔" میں نے آواز کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ آواز سو فیصد "ماسٹری" کی تھی جس نے مجھے ایک بڑی مصیبت سے بروقت بچا لیا تھا۔

☆

اس رات ندیم سے میری ملاقات نہیں ہو سکی لیکن دوسری صبح جب میں دفتر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ رہا تھا وہ میرے سامنے آ گیا۔ میں اس کے چہرے کے تناؤ کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔

"خیریت؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا تم رات کو سکون کی نیند نہیں سو سکے؟"

"اگر سو گیا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات میں دربار ہال میں ہونے والی افراتفری کی خبر کے ساتھ تمہاری اصلی صورت کی تصویر بھی ضرور شائع ہوتی جس پر تم میک اپ کا لبادہ اوڑھ کر گئے تھے۔"

"میں شکر گزار ہوں کہ ماسٹری نے مجھے بروقت وہاں سے نکلنے میں مدد دی۔" میں نے ندیم کی جھلاہٹ میں چھپی ہوئی اس محبت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا جو اس کے دل میں میرے لیے موجود تھی۔ "رات جلدی میں ذاتی طور پر میں اس کا شکریہ ادا کرنا بھول گیا تھا اس لیے اگر تمہاری اس کی ملاقات ہو تو۔۔۔"

"دفتر جا رہے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ندیم کو بدستور گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ "کوئی خاص کام؟"

"میری گاڑی موجود نہیں ہے۔ اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو مجھے ڈراپ کرتے ہوئے نکل جانا۔" ندیم نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر دوسری جانب سے دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

"زحمت تو بہرحال ہو گی لیکن تسنیم کی وجہ سے تمہارا بوجھ مجبوراً اٹھانا پڑے گا۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ میں نے اسے زیادہ چھیڑنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ صبح کے اخبارات میری نظر سے بھی گزر چکے تھے جس میں دربار ہال میں ہونے والے ہنگامے کا ذکر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ موجود تھا۔ ان سرخیوں کے پیچھے یقیناً سلیمان شاہ اور ماہ رخ کی شخصیت کارفرما تھی ورنہ وہ خبر اتنی اہم بھی نہیں تھی کہ اسے پہلے صفحہ پر جگہ دی جاتی۔ خبر کے ساتھ سلیمان شاہ کا بیان بھی تھا جس میں ہوٹل کے سیکیورٹی کے نظام کو سخت الفاظ میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ماہ رخ کی تصویر بھی خبر کی زینت بڑھانے کے لیے شائع کی گئی تھی۔ ندیم کی جھلاہٹ اپنی جگہ جائز تھی۔ ماسٹری نے اگر میری مدد نہ کی ہوتی شاید اس وقت میں اتنے سکون سے نہ ہوتا لیکن میں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ محض ندیم کی زندگی بچانے کی خاطر کیا تھا ہر چند کہ ندیم کے کیسینو کا بارٹنڈر موہنی کے ٹرانس میں نہیں تھا مگر اول تو مجھے اس کا علم پہلے سے نہیں تھا اگر ہوتا جب بھی میں ندیم کی خاطر رسک ضرور لیتا اس لیے کہ بارٹنڈر کو اپنی کالی قوتوں کا نشانہ بنانے کے بعد موہنی ندیم کو قتل کرانے کی خاطر کوئی دوسرا ذریعہ بھی اختیار کر سکتی تھی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ کاکا کا تصور بھی میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ اپنی جگہ غلط نہیں تھا۔ موہنی اور میرے درمیان اس نے یقیناً کوئی ایسی دیوار حائل کر دی تھی جس کی وجہ سے موہنی کو وہاں میری موجودگی کا علم نہیں ہو سکا اور میں اسے جلا کر راکھ کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ میرے راستے سے ایک اور دشمن ختم ہو چکا تھا۔

"تم بغیر بلاوے کے اس دعوت میں شریک ہونے کیوں پہنچ گئے تھے؟" ندیم نے کچھ دیر خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"اس لیے کہ میں تسنیم کو بہن کہہ چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو اس نیلی ساڑھی والی حسینہ سے پوچھ کر ہی بتا سکتا ہوں تم جس کے ساتھ شیر و شکر ہو رہے تھے۔"

"تمہیں اس بات کی خبر کس طرح ملی تھی کہ دربار ہال میں میرے اوپر قاتلانہ حملہ کیا جائے گا؟" ندیم نے میری بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کیا؟" اس بار میرے چونکنے کی باری تھی۔ "کیا تم کو اس حملے کی خبر قبل از وقت مل چکی تھی؟"

"ہاں۔ مجھے اس کی اطلاع اسی بارٹنڈر نے دے دی تھی جسے گندی قوتوں نے میرے قتل پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا ہدف بنایا تھا۔"

"مجھے اس بات کی خبر ہوتی تو شاید وہاں جانے کی حماقت بھی نہ کرتا۔"

"لیکن مجھے اس کا علم تھا کہ تم ایسی کوئی حماقت ضرور کرو گے اسی وجہ سے میں نے ماسٹری کو تمہاری حفاظت پر مامور کیا تھا۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے جب مجھ سے کسی دعوت میں شرکت کے بارے میں دریافت کیا تھا مجھے اسی وقت

شبہ ہو گیا تھا۔ تمہیں موہنی یا پھر تمہاری کالکا دیوی نے اس متوقع حملے سے باخبر کر دیا ہوگا۔ کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ تمہیں اس کی اطلاع کس کے ذریعے ملی تھی؟"

"کالکا کے ذریعے۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا پھر اس حملے سے متعلق اپنے اور کالکا کے درمیان ہونے والی تمام تفصیل دہراتا چلا گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ موہنی کا قصہ پاک ہو چکا ہے؟"

"داور اور کومل ورما کے سلسلے میں بھی ایسی ہی صورت حال درپیش آئی تھی۔ وہ بھی جل کر راکھ ہونے کے بعد اپنا اپنا چیپٹر (Chapter) کلوز کر گئے ہیں۔" میں نے منڈلی انگوٹھی کا ذکر درمیان سے حذف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ موہنی کی بد روح بھی اب جہنم رسید ہو چکی ہے۔"

"تم نے موہنی کو جلا کر بھسم کر دینے کا ایکشن اتنی دیر میں کیوں لیا؟" ندیم نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس کی پلید قوت نے انکل کو موت کے گھاٹ اتارا تھا؟"

میں ایک لمحے کو گڑبڑا گیا۔ ندیم کا وہ سوال میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا لیکن کمبل پوش بزرگ نے مجھے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ میں منڈلی انگوٹھی کا ذکر کبھی زبان تک لانے کی کوشش نہ کروں ورنہ اس کی تاثیر جاتی رہے گی۔

"کیا کوئی ایسی ہی خاص بات ہے جو تم مجھ سے بھی چھپانا چاہتے ہو؟" ندیم نے شکوہ کیا۔

"نہیں۔ میں اس وقت کالکا کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" میں نے بڑی خوب صورتی سے بات بنانے کی کوشش کی۔ "دراصل موہنی کو جلا کر خاکستر کر دینے کا عمل اسی نے بتایا تھا۔"

"میری طرف غور سے دیکھو۔" ندیم جھلا گیا۔ "کیا میں تم کو صورت شکل سے اتنا ہی بے وقوف نظر آتا ہوں کہ تمہاری بات پر اعتبار کر لوں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ "کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں آ رہا؟"

"داور اور کومل ورما کو بھی تم نے ہی ختم کیا تھا۔" ندیم کے لہجے میں خنجر کی سی کاٹ تھی۔ "کیا موہنی کو جہنم رسید کرنے کے لیے تمہیں وہ جنتر منتر انکل کی موت اور آنٹی کو پیش آنے والے سانحے کے بعد بھی یاد نہیں رہے تھے؟"

"یہی بات میں نے کالکا سے پوچھی تھی۔" میں نے ایک جھوٹ کو چھپانے کی خاطر دوسرا جھوٹ بولا۔ "اس نے کہا تھا کہ ہر بات کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اس سے پیشتر سارے جنتر منتر بے کار ثابت ہوئے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں تمہارے جواب کو شکر میں

لپٹی ہوئی کسی تلخ گولی کی طرح آسانی سے ہضم کر لوں گا؟"

"وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "دنیا میں کوئی اولاد جان بوجھ کر اپنے ماں باپ کے کسی شقی القلب دشمن سے اعانت نہیں کر سکتی۔"

"کالکا کے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے؟" ندیم نے تلملاتے ہوئے پوچھا۔

"میں حالات کے پیش نظر یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "فی الحال صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس نے موہنی کے سلسلے میں جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔"

"کیا دیوی نے اس کی کھوئی ہوئی شکتی بحال کر دی ہے؟" ندیم کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"جواب میں اس سے پوچھنے کے بعد ہی دے سکتا ہوں۔"

"گاڑی یہیں روک دو۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا تمہارا ارادہ کیسینو جانے کا نہیں ہے؟"

"تھا مگر اب نہیں ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"اب میرا ارادہ یہاں سے کوئی ٹیکسی پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچنے کا ہے۔ بائی بائی۔" ندیم نے تیزی سے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ میری طرف کوئی توجہ دیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا آگے نکل گیا۔ اس کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میرا ردعمل بھی وہی ہوتا۔ اس کی خفگی فطری تھی لیکن میری مجبوری بھی اپنی جگہ غلط نہیں تھی۔ میں کمبل پوش بزرگ سے کیے ہوئے وعدے کو نہیں توڑ سکتا تھا چنانچہ میں

نے ایک لمبی سانس لی اور دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔

میرے ذہن میں کالکا کا تصور پھر ابھرا۔ میں نے اسے کئی بار آوازیں دیں لیکن اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید دیوی دیوتاؤں کو اس کی چال بازی کا علم ہو گیا تھا۔ کالکا نے آخری ملاقات میں یہی کہا تھا کہ اسے امید ہے دیوی دیوتا اس کی طرف سے کسی بغاوت کا شبہ نہیں کریں گے لیکن ان کو ذرا بھی شک ہو گیا تو کالکا کو آسمان اور زمین کے درمیان کسی ایسی جگہ قید کر دیا جائے گا جہاں کوئی دوسری طاقت اسے عتاب سے نہیں بچا سکے گی۔ موہنی کے سلسلے میں اپنا وعدہ پورا کرنے سے پیشتر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اب لیڈی مکلارنس کو بھی کوئی مناسب سبق ضرور دے گی جس نے میرے ذہن میں کالکا کے خلاف زہر بھرنے کی کوشش کی تھی۔ دوسری جانب لیڈی مکلارنس نے دعویٰ کیا تھا کہ کالکا کی مورتی اس کی ناقابل یقین لائبریری میں ایک شیشے کے بکس میں موجود ہے اور وہ بہت جلد کالکا کی روح کو بھی اپنے قبضے میں کر کے اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دے گی۔ حالات کے گراف کی لکیروں میں اتنے پیچ و خم تھے کہ ان کو سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔ کون صحیح تھا اور کون غلط اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کر سکتا تھا بہرحال ایک حقیقت اپنی جگہ سو فیصد درست تھی کہ کالکا نے موہنی کا کانٹا درمیان سے نکالنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔

دفتر پہنچنے تک میرا ذہن ان ہی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف رہا پھر میں نے دفتر پہنچ کر اپنے آفس میں قدم رکھا تو خلاف توقع ماہ رخ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس وقت بھی پوری طرح دل کاٹنے سے لیس تھی۔ اس کے جسم پر موجود تنگ لباس اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ کس قماش کی عورت ہے۔ اس کی نگاہوں میں شراب کے ساغر چھلک رہے تھے۔ اس کی جگہ کوئی عام عورت ہوتی تو شاید اب تک خاصی بدنام ہو چکی ہوتی۔ اخبارات اور رسائل میں اس کے سیکڑوں اسکینڈل چھپ چکے ہوتے۔ عام قسم کے اخبار کے پریس رپورٹر ہر وقت اس کی گھات میں لگے رہتے اور چٹپٹی اور گرما گرم خبریں شائع کر کے اپنی بزنس کو چمکانے کی کوششوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں حصہ لے رہے ہوتے۔ اسی ٹائپ کی عورتیں ان کے سرکولیشن کو بڑھانے میں سب سے اہم رول ادا کرتی ہیں لیکن وہ ماہ رخ تھی کوئی عام عورت نہیں تھی۔ سلیمان شاہ سے منسوب ہونے کے بعد گویا اس کی قاتلانہ حرکتوں کو باقاعدہ لائسنس مل گیا تھا۔ اس کا ماضی قصہ پارینہ بن کر رہ گیا تھا۔ اب کسی اخبار یا رسالے کو اتنی جرات نہیں تھی کہ وہ اس کے بارے میں کوئی غلط بات لکھ سکتے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ سلیمان شاہ کس حیثیت کا مالک ہے اور ماہ رخ کی خوابیدہ پلکوں کی محض ایک جنبش ان کے کاروبار

کو ہمیشہ کے لیے ٹھپ کرا سکتی تھی۔

"آپ... اور میرے دفتر میں؟" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سیاسی انداز میں کہا۔ "مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

"دل کے کسی نازک گوشے کو ٹٹول کر دیکھیے۔ ممکن ہے آپ کو میری موجودگی کا یقین آ جائے۔" اس نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ نے کیوں زحمت کی؟" میں نے اس کی آنکھوں کی ساحرانہ زد سے بچتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے ایک فون کر دیا ہوتا میں حاضر ہو جاتا۔"

"پہلے میں نے یہی سوچا تھا لیکن پھر ایک خوب صورت کہاوت یاد آ گئی۔"

"وہ کیا؟"

"کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔" اس نے بڑی نشیلی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے ایک خاص انداز میں کہا۔ "پیاسے کو خود چل کر کنویں تک جانا پڑتا ہے۔"

"آپ کی باتیں بڑی خوب صورت ہوتی ہیں۔"

"اور میرے بارے میں کیا رائے ہے؟" ماہ رخ نے اتنی بے باکی سے سرگوشی کی کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔

"آپ... آپ اپنی باتوں سے زیادہ خوب صورت ہیں۔"

"لیکن اتنی پرکشش بھی نہیں کہ کسی طاقت ور مقناطیس کی طرح آپ کو اپنی سمت کھینچ سکتی۔" اس نے بازاری انداز میں کہا۔ "اسی لیے خود کھنچی چلی آئی آپ کے قدموں میں۔"

"کیا پئیں گی آپ؟ کولڈ ڈرنک یا کافی؟" میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"کولڈ پینے سے انسان کے جذبات بھی کولڈ ہو جاتے ہیں۔" اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر جواب دیا پھر ہلکے لہجے میں بولی۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ میں کیا پینے کی عادی ہوں؟ لیکن یہ جگہ اس کے لیے کچھ مناسب نہیں رہے گی۔ کیا خیال ہے؟" آخری جملہ ادا کرتے وقت وہ میز پر دونوں کہنیاں ٹیک کر کچھ اتنا جھک گئی تھی کہ خود مجھے اس کے جسم سے نظریں چرانی پڑیں۔

"میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں پینے پلانے کی علت سے دور ہوں۔"

"میری خاطر بھی نہیں۔" وہ مجھے موم کرنے کی خاطر اپنے حسن کی پوری تپش استعمال کر رہی تھی۔

"جی نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"چلیے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے پرسکون کمرے میں بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔" اس کی رگ و پے سے خفگی پھوٹنے لگی۔ شاید وہ اپنے جذبات پر قابو پانے سے بھی قاصر

ہو گئی تھی۔

"ضرور چلتا۔" میں نے جلدی سے بہانہ تراشنے کی کوشش کی۔ "لیکن آج میرے پاس کچھ غیر ملکی صنعت کار آنے والے ہیں اگر میں آپ کے ساتھ چلا گیا تو مجھے لاکھوں کا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا۔"

"کبھی ہمارے ساتھ بھی ڈیل کر کے دیکھئے۔" وہ ایک ادا سے بولی۔ "اگر آپ کو کروڑوں کا فائدہ نہ ہو تو۔"

"آئی ایم سوری۔" میں نے دل پر قابو پاتے ہوئے اس کا جملہ کاٹا۔ "میں اس وقت کہیں جانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"مسٹر شہباز۔" اس بار ماہ رخ کے لہجے میں بھی تلخی شامل تھی۔ "آپ شاید اس بات کی اہمیت کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ اس وقت ماہ رخ آپ کے پاس چل کر آئی ہے۔ ہو سکتا ہے کل آپ کو مجبوراً میرے پاس آنا پڑے۔"

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک عرض کروں۔"

"جی۔" اس نے مجھے زخمی ناگن کی طرح گھورتے ہوئے سرد آواز میں کہا۔ "فرمائیے۔"

"دراصل میں شراب اور۔۔۔"

"میں آپ کو اس کے آگے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دوں گی۔" وہ یکلخت بل کھاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "فی الحال میں واپس جا رہی ہوں لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا۔ ماہ رخ نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ اب کنویں کو خود چل کر پیاسے تک جانے پر مجبور ہونا پڑے۔ اس وقت آپ میرے رحم و کرم پر ہوں گے۔ او کے بائی۔" اس نے قہر آلود نظروں سے مجھے دیکھا پھر تلملاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

ماہ رخ کے آخری جملوں میں جو دھمکی تھی میں اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔ ایک بار لندن میں گراہم کی داشتہ نے بھی مجھے اپنے آدمیوں سے اٹھوا لیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گرشیا نے مجھے خاموشی سے اغوا کرایا تھا اور ماہ رخ مجھے باقاعدہ چیلنج کر کے گئی تھی۔ میں کچھ دیر تک اس نئی افتاد کے بارے میں غور کرتا رہا پھر میں نے ندیم سے فوری طور پر رابطہ قائم کرنے کی خاطر کئی نمبر گھمائے لیکن اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بہر حال میں نے ایک بات طے کر لی تھی۔ حالات خواہ کتنے ہی سنگین اور اذیت ناک کیوں نہ ہوں میں ماہ رخ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔

دوپہر کو میں اپنے کاموں میں مصروف تھا کہ ندیم کی کال آئی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ تم مجھے کئی جگہ فون کر چکے ہو۔" اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ ابھی تک مجھ سے شاکی ہے۔

"کیا ابھی تک تمہارا غصہ نہیں اترا۔" میں نے اسے ستانے کی خاطر کہا۔ "اسی بات پر دوستی کا دم بھرتے ہو۔"

"کام کی بات کرو۔"

"میں تمہیں یہ اطلاع دینا چاہ رہا تھا کہ میں کل تمہاری رہائش گاہ سے امی جان اور عارفہ کو لے کر ایک مقامی ہوٹل میں منتقل ہو رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے فی الحال ایک پورا سوٹ بک کرا لیا ہے۔ دو چار ماہ میں مکان تیار ہو گیا تو وہاں چلا جاؤں گا۔"

"بکواس نہیں۔" ندیم نے میری دھونس کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "فون کرنے کا مقصد کیا تھا؟"

"تمہیں یہ بتانا مقصود تھا کہ آج صبح جب میں دفتر پہنچا تو ماہ رخ وہاں پہلے سے موجود تھی۔"

"اس کے آنے کا مقصد کیا تھا؟"

"ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر پوری تفصیل دہرا دی۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ وہ اگر ضد پر آ جائے تو سب کچھ کر سکتی ہے۔"

"تم ہی نے سب سے پہلے مجھے اس سے ملوایا تھا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"فکر مت کرو۔ میں ماہ رخ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ وہ تمہارا خیال دل سے نکال دے۔"

"اور اگر اس نے تمہاری بات بھی ماننے سے انکار کر دیا تو۔۔۔؟"

"پھر تمہیں اپنی زندگی کی خاطر تھوڑی بہت قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔" ندیم کا جملہ معنی خیز تھا۔ اس کے لہجے میں اب وہ پہلے جیسا تناؤ بھی نہیں تھا۔

"کیا یہی بات تم عارفہ کے سامنے بھی کہہ سکتے ہو؟"

"کیا واقعی ماہ رخ نے تمہیں سنجیدگی سے دھمکی دی تھی؟" ندیم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے قدرے نفرت سے جواب دیا۔ "اسے غالباً سلیمان شاہ کی طرف سے ہر قسم کی چھوٹ ملی ہوئی ہے۔"

"میں تمہاری بات کی تردید نہیں کروں گا۔ شاید میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم بن چکے ہیں۔ جہاں سلیمان شاہ کی دال نہیں گلتی وہاں ماہ رخ کی بے باکی کا سحر کام کرتا ہے اور جہاں ماہ رخ کو کوئی کام پڑتا ہے وہاں سلیمان شاہ کا اثر و رسوخ کام آتا ہے۔" ندیم نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "دونوں ایک دوسرے کی نجی زندگی سے بخوبی واقف ہیں لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے پر انگلی نہیں اٹھاتے۔"

"گویا دونوں ہی ٹیم پروف ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تم نے۔"

"کیا تمہیں امید ہے کہ تمہارے سمجھانے سے وہ سمجھ جائے گی؟" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے چھت کی طرف گھورا۔

"ہو سکتا ہے مان بھی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس بات کو اپنی جھوٹی انا کا مسئلہ بنا لے۔"

"حیرت ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "تم اس فاحشہ عورت کے لیے انا کا لفظ استعمال کر رہے ہو؟"

"اونچی سوسائٹی میں اس قسم کی داداگیری کو انا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "یہ چونکہ میرا مسئلہ ہے اس لیے اب میں ہی اس کا کوئی حل تلاش کروں گا۔"

"کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھنا۔" ندیم نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم کو ابھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ ماہ رخ اگر اپنی تریاہٹ پر اتر آئی تو وہ کسی زخمی ناگن سے بھی زیادہ زہریلی اور خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"جو سپیرے زہریلے سانپوں کا زہر نکالنے میں مہارت رکھتے ہیں وہ اس فن کو ماں کے پیٹ سے سیکھ کر دنیا میں قدم نہیں رکھتے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا پھر فون بند کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ ندیم دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کر کے مجھے سمجھانے کی کوشش کرے گا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

شام کو آفس بند ہونے کے بعد میں واپسی کے ارادے سے اٹھ رہا تھا کہ واثق کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کچھ گھبرایا ہوا ہے۔ "کیا بات ہے مسٹر واثق؟" میں نے پوچھا۔ "آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں سر۔ بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

"ایک بات کہوں واثق صاحب۔" میں ٹھوس لہجے میں بولا۔ "بزنس میں نفع اور نقصان ہونا میرے نزدیک نہ کبھی مسرت کا باعث بنا ہے نہ کبھی کسی نقصان پر میں نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے اگر آپ اس وقت مجھے یہ بتانے آئے ہیں کہ کسی پروجیکٹ پر نقصان کے امکانات ہیں تو پلیز آپ اسے اپنے ہی لیول پر نمٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔"

"بات یہ نہیں ہے سر۔" واثق نے کہا۔ "دراصل میں آپ سے سائٹ نمبر تھری کے فورمین کے سلسلے میں کچھ کہنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

"کیا ہوا اکرم شاہ کو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔ اکرم شاہ میرا ایک بہت تجربہ کار اور دیانت دار ورکر تھا۔ پہلے وہ دانش کے ماتحت کام کرتا تھا پھر میں نے اسے دانش کی جگہ فورمین بنا دیا تھا۔ مخلص اور جاں نثار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قابل اعتماد بھی تھا۔ ماسٹر نولی اور دانش ہی کی طرح وہ بھی اپنے وجود میں کسی آہنی چٹان سے کم نہیں تھا۔ اسے تسخیر کرنا آسان نہیں تھا۔

"مجھے ابھی کچھ دیر پہلے اطلاع ملی ہے کہ اکرم شاہ کو بدمعاشوں نے خود کار اسلحے کے بل پر اغوا کر لیا ہے۔" واثق نے پریشان کن لہجے میں مجھے تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اکرم شاہ کے ساتھ جو افراد سائٹ نمبر تھری پر کام کر رہے تھے انہوں نے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اسلحے کے مقابلے پر ان کے قدم نہیں ٹک سکے۔ اغوا کرنے والوں نے خوف و ہراس پھیلانے کی خاطر ہوائی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ ہمارا ایک ورکر زخمی بھی ہوا ہے جسے فوری طور پر ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کا زخم تشویشناک نہیں ہے۔ ایک دو روز بعد اسے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔"

"آپ کو حادثے کی اطلاع کس نے دی ہے؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ہمارے ایک اوورسیر نے۔" واثق نے جواب دیا۔ "اس کے بیان کے مطابق بدمعاشوں کی ٹولی ایک ڈیلیوری وین میں آئی تھی جو لوگ گاڑی سے کود کر باہر نکلے وہ سب نقاب پوش تھے۔ ان کی تعداد چار تھی۔ انہوں نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ فائرنگ کر کے ورکروں کو دہشت زدہ کیا پھر اکرم شاہ کو گھسیٹتے ہوئے لے جا کر وین میں ڈال دیا۔ اکرم شاہ نے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن ایک نقاب پوش نے رائفل کا بٹ مار کر اسے زخمی کر دیا تھا۔"

"وین کا نمبر کیا تھا؟"

"اس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔"

"اور کوئی ایسی خاص نشانی جس کی بنا پر ہم مجرموں تک پہنچ سکیں۔" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں سر۔ وین کا رنگ سفید تھا لیکن اس پر کچھ تحریر نہیں تھا اور سفید رنگ کی وین اس شہر میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے قدرے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اپنے ذرائع سے مجرموں کو ٹریس کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"کام جاری رکھنے کے سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟" واثق نے دبی زبان میں کہا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کو تو علم ہے سر کہ سائٹ نمبر تھری پہاڑی علاقے میں ہے جہاں قرب و جوار میں کوئی آبادی نہیں ہے۔"

"فی الحال آپ کام جاری رہنے دیں۔" میں نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ "میں ورکروں کی حفاظت کا بندوبست بھی کرتا

ہوں۔"

موبی کو خلا کر راکھ کر دینے کے بعد میرا خیال تھا کہ مجھے سکون کا سانس لینے کا موقع میسر آجائے گا لیکن اکرم شاہ کے اغوا کی اطلاع نے پھر میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں کچھ دیر تک اس اغوا کی واردات کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے سراج کو فون کیا وہ دفتر سے نکل چکا تھا لیکن گھر پر مل گیا۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر اکرم شاہ کے اغوا کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سراج سے درخواست کی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کر کے سائٹ نمبر تھری پر پولیس کا حفاظتی دستہ تعینات کروائے تاکہ ورکر اپنا کام بغیر کسی خوف و ڈر کے جاری رکھ سکیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔" سراج نے جواب دیا۔ "متعلقہ تھانے کا انچارج میرے مداحوں میں سے ہے۔ میں ابھی اسے فون کر کے پولیس پارٹی کو تعینات کرائے دیتا ہوں لیکن اس واردات کے پیچھے آپ کو کن لوگوں کا ہاتھ نظر آرہا ہے؟"

"اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو شاید میں آپ کو زحمت نہ دیتا۔" میرے لہجے میں تھوڑی ترشی بھی شامل تھی۔ "میری ایک درخواست اور بھی ہے۔ میں اس واردات کی باقاعدہ رپورٹ درج کرانا پسند نہیں کروں گا۔"

"میں آپ کو ٹھنڈے دماغ سے کسی جوابی کارروائی کا مشورہ دوں گا۔" سراج نے کسی ماہر سراغ رسانوں جیسے انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ مجرموں کا مقصد یہی ہو کہ آپ طیش میں آکر کوئی غلط قدم اٹھائیں جو آپ کے لیے نقصان دہ اور مجرموں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔"

"میں بزنس مین ہوں مسٹر سراج۔" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "نفع اور نقصان کے بارے میں بھی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھتا ہوں۔ آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔"

"ویسے آپ کا شبہ کس پر ہے؟" سراج نے دریافت کیا۔ "مافوق قوتوں نے کہیں آپ کے خلاف پھر کوئی نیا جال تو نہیں بچھایا ہے؟"

"نہیں۔ یہ حرکت کسی انسان کی بزدلی کی علامت ہے۔"

"کہیں یہ کوئی انتقامی کارروائی تو نہیں ہے؟" سراج نے اپنے تجربے کی روشنی میں ایک شبے کا اظہار کیا۔ "ہو سکتا ہے نند رام دیال کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے اکرم شاہ کا اغوا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ رام دیال نے اپنی معطلی کے احکامات جاری ہونے سے پیشتر روشن جوزف کے ساتھ ساز باز کر کے مجھے اور آپ دونوں کو کسی تیسرے شکار کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے رام دیال اور بھوشن جوزف کے نام پر چونکتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میرے لیے کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنا آسان نہیں ہے۔"

"میں آپ کے کسی کام آسکوں تو مجھے ضرور یاد کر لیجیے گا۔"

"شکریہ مسٹر سراج۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں آپ سے مدد کی درخواست ضرور کروں گا۔" میں نے سراج کا شکریہ ادا کر کے پھر فون کریڈل پر رکھ دیا۔ دفتر سے اٹھنے سے پہلے میں نے واسی کو دوبارہ اپنے کمرے میں بلایا۔

"میں نے آپ کے حکم کے مطابق ہدایت جاری کر دی ہے کہ سائٹ نمبر تھری کا کام بند نہیں ہوگا۔" واسی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے وہاں پولیس کے دستے کی تعیناتی کا انتظام کروا دیا ہے۔" میں نے جواب دیا پھر تھوڑے توقف سے بولا۔ "مسٹر واسی، میں ایک خاص کام آپ کو سونپنا چاہتا ہوں لیکن رازداری شرط ہے اس کی بھنک بھی کسی کو نہ ملنے پائے۔"

"آپ حکم دیں سر۔"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ آج ہی اس اوورسیر سے ملاقات کریں جس نے آپ کو اغوا کی اطلاع دی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ نقاب پوشوں کا حلیہ کیا تھا۔ انہوں نے کس قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ قد و قامت کیا تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا کلیو ہمارے ہاتھ آجائے جو اکرم شاہ کی بازیابی میں ہمارے کام آسکے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں جناب۔"

"اگر کوئی کارآمد بات معلوم ہو تو آپ مجھے رات میں کسی وقت بھی فون کر سکتے ہیں لیکن اوورسیر کو سختی سے اس بات کی تاکید کر دیجیے گا کہ وہ اس واردات کے سلسلے میں کسی اور سے کوئی بات نہ کرے۔"

"میں اسے تاکید کر دوں گا سر لیکن ایک بات سمجھ میں

نہیں آرہی۔ اکرم شاہ کو اغوا کرنے سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

"آپ ماسٹر ٹونی اور دانش کو کیوں بھول رہے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ہی قابل اعتماد ورکر تھے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر آگیا۔

گھر جاتے وقت بھی میرے ذہن میں بیک وقت دو مسئلے چٹکیاں لے رہے تھے۔ ماہ رخ کی میرے دفتر میں آمد جو میرے لیے خلاف توقع تھی اور اکرم شاہ کا اغوا۔ ندیم نے مجھے ماہ رخ کے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا تھا۔ وہ ایک کامیاب شکاری تھی۔ اپنے شکاریوں کو اپنے سامنے بے بس کرنے میں مہارت رکھتی تھی۔ سلیمان شاہ سے شادی سے پیشتر بھی وہ چھوٹے موٹے شکار مار لیا کرتی تھی۔ اس کے حسن کا جال بلاشبہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں آنے والا کوئی بھی شکار محض پھڑپھڑانے کے علاوہ فرار کا کوئی راستہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کا اندازہ میں نے پہلی ملاقات میں لگا لیا تھا لیکن سلیمان شاہ سے شادی کر لینے کے بعد اس کا زمین پر کھڑے ہو کر شکار کھیلنا یا شکار کر کے پیچھے پیچھے بھاگنا دوڑنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اب اسے زندگی کی تمام مراعات حاصل تھیں۔ وہ بڑے آرام سے کسی خوب صورت مچان میں بھی بیٹھ کر بڑے سے بڑے شکار کو اپنا نشانہ بنا سکتی تھی۔ اس کے بے شمار ملازم اس کے لیے درندوں کا ہانکا لگانے کو آمادہ ہو سکتے تھے۔ میں تو کوئی درندہ نہیں تھا۔ کوئی خون آشام بھیڑیا نہیں تھا۔ محض ایک انسان تھا پھر ماہ رخ نے ایک انسان کے لیے اپنی چار دیواری سے باہر نکلنے کی زحمت کیوں مول لی تھی؟ وہ گھر بیٹھے بھی مجھے اپنے جال میں پھانس سکتی تھی لیکن شاید وہ اپنا مقام بھول گئی تھی یا پھر میرے سلسلے میں زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ میں دو تین بار اس کی زد میں آنے کے باوجود ابھی تک محفوظ رہا تھا۔ بہرحال اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے راضی بہ رضا خود کو اس کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا تو وہ مجھے زبردستی اٹھوا بھی سکتی ہے۔ میرے معاملے میں وہ حقیقتاً کسی آدم خور شیرنی کے روپ میں سامنے آچکی تھی۔ دوسرا مسئلہ میرے لیے اکرم شاہ کا اغوا تھا۔ میں ہر زاویے سے سوچنے کے بعد بھی ابھی تک کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ جن لوگوں نے اس واردات میں رنگ بھرا تھا وہ کون لوگ تھے؟ کیا ان کی اکرم شاہ سے کوئی ذاتی دشمنی تھی یا وہ اسے اغوا کرنے کے بعد مجھے اپنی قوت بازو کا تماشا دکھانا چاہتے تھے؟

اچانک اکرم شاہ کے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے ماسٹر ٹونی یاد آگیا جو میرے ایک اشارے پر بھڑکتی آگ کے شعلوں میں چھلانگ لگا سکتا تھا۔ خاصے دنوں سے میں اس کی عیادت کے لیے نہیں جا سکا تھا۔ ذہن الجھا ہوا تھا اس لیے میں نے غیر ارادی طور پر گاڑی کا رخ اس کی رہائش گاہ کی سمت موڑ دیا۔ وہ چونکہ میری وجہ سے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا اس لیے اس کے سارے اخراجات کمپنی برداشت کر رہی تھی۔ میں نے حکم دے رکھا تھا کہ ماسٹر ٹونی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہر طرح سے اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے لیکن یہ سب کچھ محض دل کا بہلاوہ تھا۔ میری ہمدردیاں یا میری دولت کی بھرمار بھی ماسٹر ٹونی کے ہاتھ پیر واپس نہیں دلا سکتے تھے۔

میں اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا تو وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھا شام کے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر زندگی کی ایک رمق دوڑ گئی۔ اخبار ایک جانب اچھال کر بولا۔

"باس۔۔۔ آپ زہے قسمت زہے نصیب۔"

"میں شرمندہ ہوں ماسٹر ٹونی۔" میں شرمندگی کا اظہار کیا۔ تھکے تھکے انداز میں ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "حالات اور واقعات نے اتنا گھیر رکھا تھا کہ مجھے تمہارے پاس آنے کی فرصت نہیں ملی لیکن میں اپنے آدمیوں سے برابر تمہاری خیریت دریافت کرتا رہتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے باس۔"

"تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"جب آپ جیسا مالک ہو تو پھر تکلیف کس چڑیا کا نام ہے۔" اس نے حسب معمول مسکرا کر جواب دیا۔

"ڈاکٹر روز آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں باس۔" ماسٹر ٹونی نے بڑی زندہ دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تو میرے زخم بھی خاصے بھر گئے ہیں۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ پندرہ بیس روز کی بات اور ہے پھر وہ میرے مصنوعی ٹانگ لگا دے گا جس کے بعد۔۔۔" ماسٹر ٹونی بڑا ہمت والا شخص تھا لیکن اس وقت اس کی آواز رندھ سی گئی اور اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"مجھے بتاؤ ٹونی۔" میں نے مضطرب انداز میں تیزی سے پوچھا۔ "تمہیں کس بات کا غم ہے؟"

"غم۔۔۔" اس نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ "باس سوری میں آپ کے نمک کا حق ادا نہیں کر سکا اور اب تو۔۔۔"

"حماقت کی باتوں سے پرہیز کیا کرو۔" میں نے اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تم میرے دفتر میں بیٹھ کر میرے ساتھ کام کرو گے۔ تم میرے لیے اب بھی اتنے ہی اہم ہو جتنے پہلے تھے۔"

ماسٹر ٹونی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی پلکوں کے گوشے ابھی تک نمناک نظر آرہے تھے۔

"تمہیں دانش کے بارے میں تو علم ہو گیا ہوگا؟"

"نہیں باس۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کی محنت رائگاں نہیں گئی۔" ٹونی نے نخوس لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ وہ بھی میرا ہی شاگرد ہے۔ کسی محاذ پر پیچھے نہیں ہٹے گا لیکن ـــ"

"لیکن کیا ـــ؟"

"ہم کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کو کن لوگوں نے مارا تھا؟" ٹونی کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"وہ مرا نہیں زندہ ہے۔" میں نے دبی زبان میں کہا تو ٹونی کا چہرہ اس طرح کھل اٹھا جیسے اسے برسوں پرانی کھوئی ہوئی کوئی نایاب شے مل گئی ہو۔

"وہ کہاں ہے باس؟" ٹونی نے شکوہ کیا۔ "مجھ سے ملنے بھی نہیں آیا۔"

"کسی خاص وجہ سے ہم نے اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا تھا لیکن اب خطرہ ٹل گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ چار دنوں میں کھل کر سامنے آ جائے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت میں تم سے ایک اہم سلسلے میں مشورہ کرنے آیا ہوں۔"

"آپ حکم دو باس۔" ٹونی اپنی معذوری کے باوجود سینہ ٹھونک کر بولا۔ "مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تو کیا ہوا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بھی آپ کے دشمنوں کو ایک ہی ہاتھ سے بھون سکتا ہوں۔"

"اکرم شاہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا۔

"وہ بھی اپنا ہی پٹھا ہے باس۔ نمک حرامی کبھی نہیں کرے گا چاہے جان چلی جائے۔" ٹونی نے پورے وثوق سے جواب دیا پھر فوراً ہی چونکتے ہوئے بولا۔ "باس آپ نے اس وقت اکرم شاہ کے بارے میں کیوں پوچھا؟ کوئی خاص بات؟"

"ہاں۔" میں نے پُر تامل سے کہا۔ "کچھ افراد نے اسے اغوا کر لیا ہے۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" ٹونی چونکا۔ "کل رات ہی تو وہ مجھ سے مل کر گیا تھا۔"

"یہ سانحہ آج رونما ہوا ہے۔" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "میں اس وقت تم سے یہی معلوم کرنے آیا تھا کہ کیا تم اس اغوا کے سلسلے میں کسی پر شک ظاہر کر سکتے ہو؟"

ماسٹر ٹونی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چھت کو گھورنے لگا جیسے کوئی بھولی بسری اہم بات کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ کچھ دیر بعد خود ہی بولا۔

"میں اکرم شاہ کو بھی بہت قریب سے جانتا ہوں۔ دل گردے کے معاملے میں وہ دانش سے بھی تیز ہے۔ سینہ تان کر گولی کھانے والے جی داروں میں اس کا شمار کیا جا سکتا ہے لیکن بس ایک خرابی بھی ہے اس میں۔"

"وہ کیا؟"

"اکرم شاہ لنگوٹ کا ذرا کچا تھا۔"

"کیا تم ایسی کسی لڑکی سے واقف ہو جس کی خاطر اکرم شاہ کو جذبہ رقابت کے تحت اغوا کر لیا گیا ہو؟"

"وہ بڑا نڈر اور بے خوف آدمی ہے باس۔" ٹونی نے سنجیدگی سے کہا۔ "غم کی طرح وہ لڑکیاں پالنے کا بھی عادی نہیں تھا۔ اس معاملے میں بڑا ہی ذلیل واقع ہوا تھا۔ ایک بار کسی لڑکی سے ملاقات کر لینے کے بعد دوسری بار اسے دیکھ کر یوں نظریں پھیر لیتا تھا جیسے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں ہو۔ میں نے کئی بار اسے اس سلسلے میں ڈانٹا ڈپٹا بھی تھا لیکن باس یہ عاشق ماشق کے چکر ہوتے ہی خراب ہیں۔ ایک بار آدمی اس لعنت کی بھنور پڑ جائے تو پھر اس کا نکلنا ذرا مشکل ہی ثابت ہوتا ہے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے کیا اسے کسی لڑکی ہی کی خاطر اغوا کیا گیا ہوگا۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔" ٹونی نے اپنے تجربے کی روشنی میں کہا۔ "جہاں رقابت کی آگ زیادہ بھڑکتی ہے وہاں گولی اندر اور دم باہر کا فارمولا استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی کو اغوا کرنے کا کھڑاگ مول نہیں لیا جاتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلتا ہوں، پھر کسی وقت آؤں گا۔"

"ون منٹ باس۔" ٹونی تیزی سے بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ میری طرح اکرم شاہ بھی کسی باسٹرڈ اسپرٹ کے عتاب کا شکار ہو گیا ہو۔"

"نہیں اب ایسا نہیں سوچا جا سکتا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

"تمہاری والی باسٹرڈ اسپرٹ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"گڈ گاڈ۔" ٹونی نے اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بناتے

ہوئے کہا۔ "آئی واز شیور باس۔ یہ کالی پیلی طاقتیں بہت دیر تک نہیں چلتیں۔ ایک نہ ایک دن اوپر والا ان کے کھیل تماشے کا بھی "دی اینڈ" کر دیتا ہے۔ گاڈ از گریٹ۔"

میں ٹونی سے مل کر واپس ندیم کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں اب وہ ماہ رخ سے زیادہ اکرم شاہ کا مسئلہ کھلبلی مچا رہا تھا۔ میں ہر امکانی پہلو پہ غور کر رہا تھا۔ اکرم شاہ کا اغوا اس کے دل پھینک ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا تھا لیکن اگر یہی بات تھی تو اسے اتنے لوگوں کی موجودگی میں ہانگ دہل اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی رہائش گاہ پر بھی سے ٹھکانے لگایا جا سکتا تھا پھر وہ کون لوگ تھے جو اس واردات میں ملوث تھے۔ کیا ان کا مقصد صرف مجھے مرعوب کرنا تھا؟

میں اپنے خیالات میں اتنا مستغرق تھا کہ مجھے اس تعاقب کا شبہ بھی نہ ہو سکا تھا جو شاید میرے دفتر سے نکلنے کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا پھر میں اس وقت چونکا جب ایک سنسناتی ہوئی گولی نے پچھلے شیشے کو ایک جھناکے کی آواز کے ساتھ سیکڑوں حصوں میں منقسم کر دیا تھا۔ شیشے سے ٹکرانے کے بعد شاید گولی نے سلپ ہو کر اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا ورنہ شیشے کا کباڑہ کرنے کے بعد میری گردن کا منکا بھی موڑ سکتی تھی۔ میں نے برق رفتاری سے گاڑی کو سڑک پر ایک لہرا دیا پھر عقب نما شیشے میں دیکھا۔ سفید رنگ کی ایک وین دندناتی ہوئی اب بھی میرے تعاقب میں تھی۔ روڈ سنسان تھی شاید میرے دشمنوں نے اسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ قسمت ہی تھی جو میں بچ گیا۔ اس کے بعد ایکسیلیٹر پر میرے قدموں کا دباؤ بڑھ جانا ایک فطری عمل تھا۔ میرا اور سفید وین کا فاصلہ گھٹنے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا پستول بھی نکال لیا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر جما کر میں نے دوسرے ہاتھ سے یکے بعد دیگرے تین فائر جھونک مارے۔ یہ عمل میں نے محض دشمنوں کو یہ باور کرانے کی خاطر کیا تھا کہ اب میں محتاط ہو گیا ہوں۔ ورنہ خوف کی حالت میں کسی تیز رفتار گاڑی سے کسی دوسری گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرد یا افراد کو نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں تھا اور خاص طور پر جب فائر کرنے والے پر ڈرائیونگ کی ذمے داری بھی عائد ہو۔

بہرحال میری جوابی کارروائی غیر موثر بھی ثابت نہیں ہوئی۔ سفید رنگ کی وین کی رفتار اب بتدریج کم ہونے لگی تھی پھر اچانک وہ بائیں جانب والی سڑک میں مڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میرے ذہن میں اس وقت صرف ماہ رخ کی دھمکی آمیز جملے گونج رہے تھے لیکن وہ اتنی جلدی کارروائی کر گزرے گی مجھے اس کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کاکا کو یاد کیا لیکن اس بار بھی دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔

☆

"نہیں۔" ندیم نے پوری توجہ سے میری باتیں سننے کے بعد کہا۔ "اکرم شاہ کا اغوا اور تم پر ہونے والا قاتلانہ حملہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور اس میں ماہ رخ کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں؟" میں نے ندیم کو شاکی نظروں سے گھورا۔

"تم شاید بھول رہے ہو کہ ماہ رخ نے تمہیں اغوا کرانے کی دھمکی دی تھی۔ جان سے مروانے کو نہیں کہا تھا۔"

"ہو سکتا ہے یہ غلطی اس کے آدمیوں سے سرزد ہو گئی ہو۔" میں نے دلیل پیش کی۔ "ممکن ہے وہ مجھے ہراساں کر کے دبوچنے کے فکر میں ہوں۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" ندیم نے بڑے وثوق سے کہا۔ "اگر وہ ماہ رخ کے آدمی ہوتے تو تم پر کم از کم گولی چلانے کی حماقت بھی نہ کرتے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے جھلا کر جواب دیا۔ "کیا وہ میرے قریب آ کر دست بستہ اس بات کی درخواست کرتے کہ اے سو گستاخ تو نے ہماری آقا زادی کے شیشہ دل کو اپنے انکار سے چکنا چور کر دیا ہے اس لیے شرافت اسی میں ہے کہ اپنی حماقت سے باز آ جا۔ ہمارے ساتھ خاموشی سے چل کر ہماری آقائے خورد آقا زادی کی خواہش پوری کر دے۔"

"کسی فلم کے لیے مکالمے لکھنا شروع کر دو۔ کامیاب رہو گے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو میں نے جھلا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس نے میرا ہاتھ تھام لیا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "تم کہو تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ جن لوگوں نے تمہاری گاڑی پر فائرنگ کی ہے وہ ماہ رخ کے آدمی نہیں ہو سکتے۔"

"کوئی دلیل؟"

"سفید گاڑی دونوں وارداتوں میں ملوث ہے۔" ندیم نے دلیل پیش کی۔ "فرض کر لو کہ ماہ رخ ہی کے آدمی اس سفید وین میں تھے جس پر سے تم پر فائرنگ کی گئی لیکن تم بال بال بچ گئے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماہ رخ کو اکرم شاہ کو اغوا کرانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"دہشت گردی کے واقعات میں ایسی حرکتیں جان بوجھ کر کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو۔ اس کے علاوہ غنڈہ گردی کرنے والے اگر ذہین ہوں تو ایک محاذ پر توجہ مبذول کر کے دوسرے محاذ کو بہ آسانی سر کر لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ماہ رخ نے بھی محض اپنی بے پناہ طاقت کا مظاہرہ کرنے کی خاطر پہلے اکرم شاہ کو اغوا کرایا ہو پھر مجھے اٹھوانے کی کوشش کی ہو۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں ماہ رخ سے

دوسری کو بات کرچکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونکتے ہوئے ندیم کو دیکھا۔

"اس کی حالت تمہارے حلقے میں کسی زخمی ناگن جیسی ہے۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم دونوں کے معاملے میں ٹانگ پھنسانے کی کوشش نہ کروں اس لیے کہ وہ تمہیں ہر قیمت پر شکار کرنے کا تہیہ کرچکی ہے۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

"گویا وہ مجھے اغوا کرانے کے بعد انتہائی بے شرمی سے اس بات پر مجبور کردے گی کہ میں——"

"تم مانو یا نہ مانو مگر ماہ رخ ہے بڑے کام کی چیز۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "انسان اکثر تاریکی میں کافی پر پاؤں پڑنے سے پھسل جاتا ہے خود کو سنبھال نہیں پاتا۔ اگر تم صرف ایک بار دن کے اجالے میں ذرا سا لڑکھڑا جاؤ تو کون سی قیامت آجائے گی۔"

"دانش کے بارے میں اب تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اگر تمہیں یقین ہے کہ موہنی کا قصہ پاک ہوچکا ہے تو دانش کو سامنے لانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"میرا ابھی مشورہ ہے کہ اب اسے کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع مل جانا چاہیے۔"

"لیکن تمہیں اس وقت اچانک دانش کا خیال کس طرح آگیا؟" ندیم نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"ماسٹر ٹونی اور اکرم شاہ کے بعد اب دانش کی اہمیت میرے لیے اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیا تم دانش کو پھر کسی محاذ پر آزمانا چاہتے ہو؟"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے ریسیور اٹھالیا۔ کچھ دیر تک وہ محض ہوں ہاں کرتا رہا اور دوسری جانب سے کہی جانے والی بات غور سے سنتا رہا پھر اس کے چہرے کے تاثرات تلخ ہوتے چلے گئے۔ اس نے غصے سے پوچھا۔ "تم لوگ اس وقت کہاں مرگئے تھے؟" جواب میں دوسری جانب سے کیا کہی گئی جو ندیم نے جھلاتے ہوئے فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

"کس کا فون تھا؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ندیم کے لب و لہجے سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے دوسری جانب سے کوئی اچھی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔

"ماسٹر ٹونی۔" ندیم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا ہوا ماسٹر ٹونی کو؟" میں تقریباً چیخ اٹھا۔

"اسے بڑی بے دردی سے قتل کردیا گیا اور وہ دونوں آدمی بھی کام آگئے جو تم نے اس کی خدمت پر مامور کیے تھے۔"

"ماسٹر ٹونی۔" میرے ذہن میں جیسے شیشے کی کوئی چیز ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔ ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچیاں میرے وجود کے ایک ایک حصے میں کچوکے لگا رہی تھیں۔ میری روح کو زخمی کر رہی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کو ندیم کی جانب غور سے دیکھا۔ میرے دل کے نہاں خانوں میں یہ خواہش بڑی شدت سے ابھری تھی کہ ندیم مسکرا کر ماسٹر ٹونی والی خبر کی تردید کردے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پھر میں نے ندیم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ تیزی سے اٹھ کر باہر کی جانب لپکا جہاں ابھی تک میری گاڑی پورٹیکو میں موجود تھی۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر بڑی جلد بازی میں انجن اسٹارٹ کیا پھر طوفانی انداز میں اسے پھاٹک سے نکالتا ہوا کھلی سڑک پر لایا اور رفتار تیز کرتا چلا گیا۔

میں اپنے آپ کو ماسٹر ٹونی کا قاتل سمجھ رہا تھا۔ میں نے اگر اس سے ملاقات نہ کی ہوتی تو شاید وہ بچ بھی سکتا تھا۔ وہ لوگ جو میرے تعاقب میں لگے تھے میرے سلسلے میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے ٹونی کو اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنا کر مجھے اپنی برتری کا احساس دلانے کی انتہائی بزدلانہ کوشش کی تھی لیکن آخر وہ لوگ کون تھے؟

☆

جائے واردات پر متعلقہ تھانے کے پولیس انسپکٹر ڈی ایس پی اور ان کے عملے کے افراد موجود تھے جو ضروری خانہ پری کرنے میں بہ ظاہر بڑی مہارت سے کام کر رہے تھے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ شاید مقتول اور اس کے مردہ ساتھیوں کی روح کو مطمئن کرنے کی خاطر اس قسم کی کارکردگی دکھانا ہر پولیس آفیسر کا فرض سمجھا جاتا ہے لیکن لاشوں کو دفنانے کے بعد ان کی تمام کارکردگی سرد خانوں میں پڑی ہوئی فائلوں کے انبار تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ کوئی قاتل اگر بدقسمتی سے شاذ و نادر ہی پولیس کے جال میں پھنس جائے تو اس کی بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے ورنہ پولیس قاتل کی تلاش میں اپنا وقت برباد کرنا کچھ اتنا ضروری بھی نہیں سمجھتی۔ اس کو اور بھی ہزاروں مسائل کا سامنا درپیش رہتا ہے۔

میں دور کھڑا پولیس کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ وہ جائے واردات اور مقتولین کی لاش کا ایک دوسرے سے فاصلہ ناپ رہے تھے۔ ان اشیا کی فہرست بڑی ایمانداری سے تیار کرنے میں مصروف تھے جو ان کے خیال میں مرنے والے سے زیادہ اہم تھیں۔ میں نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگالیا تھا کہ ماسٹر ٹونی اور اس کی خدمت پر مامور دونوں افراد کے جسم خاکی سے ارواح عالم بالا کی سمت پرواز کرچکی ہیں۔ دوسری شکل میں اگر ان کے اندر زندگی کے دس بارہ سانس باقی بھی رہ جاتے تو پولیس کی ضروری تفتیش اور کاغذی خانہ پری کے درمیان ہی اپنا وقت

پورا کرلیتے۔ شاید اسے بھی ضابطے کی کارروائی بھی شمار کیا جاتا ہے؟

یہ ایک المیہ ہے کہ پولیس افسران مقتول کی بچی کچھی سانسوں کو محفوظ کرنے یا اسے فوری طبی امداد فراہم کرنے کی بجائے قاتل کی تلاش اور ضروری ثبوت کو حاصل کرنے کے سلسلے میں تفتیشی کارروائیوں کو اتنا طول دیتے ہیں کہ آخری سانسیں گننے والا بھی خدا کو پیارا ہوجاتا ہے اور اس ناکردہ جرم کی پاداش میں اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم بھی انتہائی اہم تصور کیا جاتا ہے۔

بہرحال میں وہاں کسی رفاہی ادارے کے صدر کی حیثیت سے نہیں ٹونی کی خبر سن کر پہنچا تھا۔ مجھے اس کی موت سے زیادہ کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پولیس کے نوجوانوں نے اس پلنگ کے گرد حلقہ ڈال رکھا تھا جس پر ٹونی کی لاش موجود تھی۔ اس کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کردیا گیا تھا۔ قتل کرنے سے پیشتر شاید اسے تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار خراشیں نظر آرہی تھیں جن پر خون کی باریک باریک لکیریں ابھر رہی تھیں۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ وہ ٹونی کے کمرے سے بلند ہونے والی چیخ و پکار کی آوازیں سن کر وہاں پہنچے تھے لیکن پھر قاتل یا قاتلوں نے ان کو بھی موت کی نیند سلادیا۔

میرے اندر کا آتش فشاں انگڑائیاں لے رہا تھا۔ ٹونی کی کسمپرسی کی موت نے میرے وجود کے اندر سلگنے والے لاوے کو ہوا دی تھی لیکن میں بمشکل تمام صبر سے کام لے رہا تھا۔ اس عرصے میں ندیم بھی وہاں پہنچ گیا تھا اور میرے ساتھ ہی موجود تھا۔

چالیس منٹ کی کارروائی، ضروری ناپ و تول اور کسی متوقع نشان کی تلاش کے بعد لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کروادیا گیا پھر انسپکٹر جس کا نام چترویدی تھا میرے قریب آکر بولا۔

"مجھے کاغذی خانہ پری کے لیے آپ کا بیان بھی قلم بند کرنا ہے۔"

"اس سے کیا حاصل ہوگا؟" میں نے حقارت سے کہا۔

"مسٹر شہباز۔ مجھے اس کا علم ہے کہ آپ بھی کسی زمانے میں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ایک اعلیٰ عہدے پر تعینات رہ چکے ہیں۔" وہ شاید مجھے کسی طرح پہچانتا تھا اسی لیے نرمی سے بولا۔ "ضابطے کی کارروائی تو بہرحال کرنی پڑتی ہے۔"

"آپ مجھے کس طرح جانتے ہیں؟"

"میں آپ کے دوست مسٹر سراج کا ماتحت رہ چکا ہوں۔"

ٹونی کی لاش نظروں کے سامنے سے چلی گئی تو جیسے مجھ پر ایک عجیب سی غنودگی طاری ہونے لگی۔ جیسے میرے وجود کا ایک ایک حصہ مجھ سے چھین لیا گیا تھا۔ میں نے چترویدی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔ وہاں بھی در و دیوار سے ویرانی ٹپک رہی تھی جیسے ایکدم تمام رنگ پھیکے پڑ کے دھندلا گئے تھے۔

"جی۔" میں نے تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ "آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے۔"

"آپ قاتلوں کے سلسلے میں کسی پر اپنا شبہ ظاہر کرسکتے ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "قاتل وہی لوگ ہیں جو ٹونی کو مارنا چاہتے تھے یا پھر یوں سمجھ لیجیے کہ اس طرح وہ مجھ پر اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے خواہشمند تھے۔"

"کیا آپ کسی ایسے شخص کا نام بتانا پسند کریں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ قاتل صرف قاتل ہوتا ہے اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

"آئی سی۔" چترویدی نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو غالباً مقتول سے بہت زیادہ محبت تھی؟"

"شاید۔" میں نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"بہرحال کیا آپ ان لوگوں کا نام جانتے ہیں جنھوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟"

"دشمن۔" میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ "کسی کی زندگی لینے والے کو دشمن یا قاتل ہی کہا جاتا ہے۔ اس کا کوئی نام کوئی دھرم، کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ رنگ و نسل کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ انسانی خون سے ہولی کھیلنا اور بے جان لاشوں پر کھڑے ہوکر فاتحانہ قہقہہ لگانا اس کا ایمان ہوتا ہے اور یہ ایمان دولت کے انبار سے خریدا جاتا ہے۔"

"لیکن پھر بھی——"

"ان باتوں سے کچھ نہیں ہوتا ہے مسٹر چترویدی۔" میں نے سرد آواز میں کہا۔ "آپ قانون کا جھنڈا بلند رکھنے کے عادی ہیں۔ تفتیش کرنا اور مجرم کی شہ رگ تک پہنچنا آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ آپ پوری توجہ، خلوص اور دیانت داری سے کسی مجرم کے تعاقب میں ہیں۔ ایک سنسناتی ہوئی گولی پیچھے سے آکر آپ کی زندگی کا خاتمہ کردیتی ہے۔ آپ اس کو کیا نام دیں گے؟ قاتل یا دشمن؟"

"میں آپ کے دل کی کیفیت سمجھ رہا ہوں لیکن آپ کا بیان میرے لیے اہم بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

"پوچھیے۔" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ ندیم میرے ساتھ ہی موجود تھا لیکن اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی۔ کوئی خاص مصلحت ہی رہی ہوگی جو اس نے بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"مرنے والے سے آپ کی ملاقات کب سے تھی؟"

چترویدی نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تقریباً چار پانچ سال سے۔ مرنے والے کا نام ماسٹر ٹونی تھا اور وہ میرا سب سے قابل اعتماد ورکر تھا۔"

"کیا وہ شروع ہی سے اپاہج تھا؟"

"جی نہیں۔"

"پھر اس کی وہ حالت؟"

"یہ کالی اور ناپاک قوتوں کی کمینگی کا نتیجہ تھا؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں سمجھا بھی نہیں سکتا۔" میں جھلا گیا۔ "آپ اس سلسلے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مسٹر سراج سے مل سکتے ہیں۔ مرنے والے کی کیس کی ابتدائی تفتیش وہ بہت پہلے کر چکے ہیں۔"

"موجودہ واردات کے پیچھے آپ کو کس پر شبہ ہے؟"

"سوری۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اس سلسلے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں ابھی چالیس پینتالیس منٹ پہلے ٹونی سے مل کر گیا تھا۔ اس وقت وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "کیا یہ بزنس جیلیسی کا کوئی معاملہ ہو سکتا ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"آپ جس وقت مقتول سے ملے تھے اس وقت آپ کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔ میرا مطلب ہے کوئی ایسی اہم بات جو قاتل کی تلاش میں قانون کے کسی کام آ سکے؟"

"نہیں۔ میں صرف ٹونی کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔"

اسی لمحے ایک سپاہی اندر داخل ہوا اور انسپکٹر چترویدی کے کان میں کچھ کہہ کر واپس چلا گیا۔

"کیا آپ کا شبہ ان ہی سفلی اور کالی قوتوں پر ہے جس نے مقتول کو اپاہجوں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔

"مسٹر شہباز۔ میں آپ کی موجودہ دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا ہوں لیکن قانون کے بھی کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کوئی نہ کوئی ایسی بات جانتے ہیں جو ہمارے کام آ سکتی ہے۔"

"یہ آپ کا ذاتی خیال ہے۔ میرا نہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"جب میں پولیس کی ملازمت میں نہیں آیا تھا جب میرا خیال بھی یہی تھا کہ کسی دشمن کا حساب چکتا کرنے کے لیے انسان کو کسی دوسرے فریق کو درمیان میں نہیں لانا چاہیے لیکن پولیس کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد مجھے بھی اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔ اس لیے کہ پولیس کا محکمہ عوام کی خدمت کرنے اور مجرموں کی بیخ کنی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ ویسے بھی ایک عام آدمی کو اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کوئی ایسا اقدام کرے جو۔۔۔"

"مسٹر چترویدی۔" میں نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی آپ نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی تھی کہ کسی زمانے میں میں بھی ایک پولیس آفیسر رہ چکا ہوں۔"

"مجھے یاد ہے سر لیکن۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو کر ہونٹ چبانے لگا لیکن اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"لیکن کیا؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ کوئی اہم بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"انسپکٹر۔" میں نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا۔ "میں جانتا ہوں کہ تمہارا نام چترویدی ہے اور میں چتر (چالاک) اور وید (ہندوؤں کی مقدس کتاب) کے مطلب بھی جانتا ہوں لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان کی اپنی ذات کے اندر بھی وہ تمام تر صلاحیتیں موجود ہوں جو اس کے نام کے اعتبار سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ یار نامی آدمی کہیں کھیتوں میں ہل چلانے کے بجائے آرام سے اپنے عالیشان محل نما مکان میں بیٹھا چین کی بنسری بجا رہا ہوتا اور ٹانگ پر ٹانگ دھرے انگور کے خوشوں سے دل بہلا رہا ہوتا۔"

"کیا آپ میرے ایک سوال کا جواب دینا پسند کریں گے؟" انسپکٹر نے ایک بار پھر پہلو بدلا۔

"اس کا جواب سوال کی نوعیت پر منحصر ہے؟"

"کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ جس گاڑی میں یہاں تشریف لائے ہیں اس کا پچھلا شیشہ کس طرح ٹوٹا تھا؟"

میرے ذہن میں وہ سپاہی ابھر آیا جس نے کچھ دیر پہلے کمرے میں داخل ہو کر چترویدی کے کان میں کوئی بات کہی تھی۔ اس نے یقیناً اپنے نمبر بڑھانے کی خاطر انسپکٹر کو میری گاڑی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی اطلاع دی تھی۔

"یہ خبر بھی میں آپ ہی کی زبانی سن رہا ہوں۔" میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا پھر بے پروائی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے جلدی میں گاڑی بیک کرتے ہوئے شیشہ ٹوٹ گیا ہو یا پھر راستے میں کسی بچے کی شرارت اس کا نتیجہ رہی ہو لیکن میرے نزدیک شیشے کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی ایک لنگڑے کی ہے جو بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں مبتلا ہونے کے باوجود انتہائی بے دردی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔"

"اس واردات کی اطلاع آپ کو کب ملی تھی؟" اس نے میرے پیش کردہ جواز کو زبردستی حلق کے نیچے اتارتے ہوئے ایک نئے زاویے سے مجھے گھیرنے کی کوشش کی۔

"میں نے اس وقت گھڑی نہیں دیکھی تھی لیکن غالباً بیس یا شاید پچیس منٹ پہلے کی بات ہے جب کسی نامعلوم آدمی نے مجھے ٹونی کی موت کی اطلاع دی تھی۔"

"آپ نے وہ آواز پہلے بھی سنی ہے یا اس آواز کے ذریعے آپ کسی پر اپنے شبے کا اظہار کر سکتے ہیں؟"

"وہ آواز میرے لیے قطعی اجنبی تھی اور میں نے اسے پہلی بار سنا تھا۔" میرا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"پیغام کیا دیا گیا تھا؟"

"یور ٹونی از ڈیڈ ناؤ۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"اور کچھ؟"

"ہاں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس نے شاید یہ بھی کہا تھا کہ ٹونی کی موت کو آگ اور خون کی ہولی کی ابتدا سمجھا جائے اس کے بعد رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔"

"آپ شاید بزنس کرتے ہیں؟"

"کیوں کیا بزنس کرنا کوئی جرم ہے؟" میں اب الجھنے لگا تھا۔ ندیم بدستور خاموش بیٹھا تھا۔

"جی نہیں۔ شاید میرا مطلب نہیں سمجھے مسٹر شہباز۔ کاروباری دنیا میں بھی کاروباری رقابتیں بھی ہوتی ہیں۔ انسان دولت کے حصول کی ایک ریس میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی شدید کوشش کرتا ہے اور یہی شدت کبھی کبھی دشمنی کا رنگ بھی اختیار کر لیتی ہے۔"

"شاید۔ لیکن میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

انسپکٹر چترویدی یقیناً ایک چالاک، ذہین، محنتی اور دور اندیش آفیسر نظر آ رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے ہر ممکن زاویے سے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

"مجھے افسوس ہے آپ کا قیمتی وقت ضائع ہوا۔" چترویدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بہرحال آپ کو اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہوں اگر آپ کو کبھی میری ضرورت پیش آئے تو انکسار سے کام نہ لیں۔ میں آپ کے کسی کام آ کر خوشی محسوس کروں گا۔ ویسے رخصت ہونے سے پیشتر آپ کی خدمت میں ایک بات عرض کرنا ضروری چاہتا ہوں۔ میری ملازمت کا بیشتر حصہ سراج صاحب کے ساتھ گزرا ہے۔ اس لیے میں آپ کے بارے تھوڑی بہت معلومات تو بہرحال رکھتا ہوں۔" اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔ باہر آ کر میں اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگا تو ندیم نے کہا۔ "میری گاڑی میں آ جاؤ۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تمہاری گاڑی میرا ڈرائیور کچھ دیر بعد آ کر لے جائے گا۔"

میں خاموشی سے ندیم کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ماسٹر ٹونی کی موت نے میرے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ دانش ابھی تک زیر زمین تھا۔ اکرم شاہ کو اغوا کیا جا چکا تھا اور میں اس مثلث میں الجھ کر کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر تین نام ابھر رہے تھے۔

ماہ رخ۔ رام دیال اور بھوشن جوزف۔

ماہ رخ ایک حسین، خوب صورت اور زہریلی ناگن تھی۔ ممکن تھا جس وقت وہ مجھ سے ملنے آئی ہو اس وقت اس کے کچھ باڈی گارڈ بھی سادہ لباس میں رہے ہوں جنہوں نے میرا تعاقب کیا پھر اپنی ناکامی کی صورت میں مجھے خوف زدہ کرنے کی خاطر ماسٹر ٹونی پر چڑھ دوڑے ہوں۔ رام دیال پولیس کسٹڈی میں تھا لیکن اس کے بھی یقیناً کچھ چیلے ایسے ضرور ہوں گے جنہوں نے میرے مقابلے میں اس کی ذلت و رسوائی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا ہو گا اور محض اپنی جھوٹی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر میرے آدمیوں سے انتقام لے رہے ہوں۔ دل کی بھڑاس نکالنے کا محاورہ شاید ایسے ہی بزدلوں کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔

تیسری شخصیت بھوشن جوزف کی تھی جو ابھی تک میرے مقابلے میں ہر محاذ پر شکست کھاتا رہا تھا۔ میں نے یا حالات نے اس کے بہت سارے قیمتی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ ابھی تک کھل کر سامنے نہیں آیا تھا لیکن ممکن تھا کہ ماسٹر ٹونی سے اس نے اپنی کارروائی کا آغاز کیا ہو۔ ان تین ناموں کے علاوہ اور بھی ایک دو نام تھے جو میرے ذہن میں تھے۔

"ماسٹر ٹونی کی موت کا مجھے بھی بہت دکھ ہے لیکن۔۔۔"

"دکھ کسی مردہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "یہ سب محض دل کا بہلاوہ ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان الفاظوں سے ان کے رنجیدہ دلوں کو سکون مل جاتا ہو گا لیکن نہیں۔ ان کے زخم اور تازہ ہو کر رسنے لگتے ہیں۔"

"مجھے اس وقت تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو رہا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اپنے دشمنوں کے بارے میں غور کرتا رہا جو اب تک میری خاموشی اور شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے تھے لیکن وہ شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ کسی بھی نشے کی لت بڑی دیر تک قائم رہتی ہے۔ نشے کی اپنی علیحدہ ایک لذت ہوتی ہے جو بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹنے میں بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کے اثرات بلاشبہ کسی نوجوان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹتے رہتے ہیں لیکن یہی زہر وقتی طور پر اس کے لیے سکون کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ نشے کی حالت میں گرد و پیش کے حالات سے تمام دکھ درد سے بلکہ خود اپنے

آپ سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ میری بے بسی کی وجہ بھی یہی تھی کہ ابھی تک میں نے پلٹ کر اپنے دشمنوں پر بھرپور وار نہیں کیا تھا۔ جنونی کیفیت میں ان کے جسموں کی بوٹیاں نہیں نوچی تھیں۔ ابھی تک انسان ہی تھا درندہ نہیں بنا تھا۔ شاید یہی میری کمزوری تھی جس سے میرے دشمن بارہا فائدہ اٹھا چکے تھے۔ شیر کے منہ کو ایک بار خون لگ جائے تو پھر وہ آدم خور بن جاتا ہے۔ لوگ اس کے قریب جانے سے گریز کرتے ہیں مبادا کہ لقمہ اجل نہ بن جائیں لیکن ابھی تک میں نے خود کو بچائے رکھا تھا۔ ابھی تک میرے منہ کو خون نہیں لگا تھا لیکن اب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تھا۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے والا تھا۔ ٹونی کی موت نے میرے اندر سلگنے والے آتش فشاں کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ میں کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ پانی کی سطح بلند ہونے لگتی ہے تو محافظوں کی نگاہیں خطرے کے نشان پر منڈلانے لگتی ہیں لیکن اچانک سیلاب کا ایک ایسا ریلا آتا ہے کہ وہ ہرے بھرے کھیتوں کھڑی فصلوں کے علاوہ ان افراد کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے جن کی نگاہیں آخری وقت تک خطرے کے نشان پر ہوتی ہیں۔ مضبوط پشتے اور بند جو ہفتوں اور مہینوں کی ریاضت کا نتیجہ ہوتے ہیں پل بھر میں خس و خاشاک کی طرح پانی کے ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ ان کے وجود کا ایک معمولی سا سراغ بھی نہیں ملتا۔ کبھی یہ سارا عمل بتدریج ہوتا ہے۔ ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اور جب بات حد سے گزر جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا۔ باغی ہو جاتا ہے۔ قاتل بن جاتا ہے۔ اس کی دہشت گردی میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے پھر وہ پختہ ہو جاتا ہے تو انسانی زندگیوں کے ساتھ خون کی ہولی کھیلنا اس کا دلچسپ مشغلہ بن جاتا ہے۔ اس کے لیے موت اور زندگی دونوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

میں بڑی سنجیدگی سے حالات پر غور کر رہا تھا لیکن ٹونی کی موت کے بعد اب میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ وہ میرا سب سے جاں نثار اور قابل اعتماد ساتھی تھا جسے پہلے میرے دشمنوں نے ہاتھ پاؤں سے محروم کیا پھر اس کی حالت پر رحم کھائے بغیر اسے اپنی بربریت کا نشانہ بنا ڈالا۔ ٹونی کی لاش ابھی تک میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ حلقوں سے ابلی ہوئی اس کی آنکھیں جیسے مجھ سے خراج مانگ رہی تھیں۔ اس کے جسم پر نظر آنے والے گولیوں کے نشانات پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

"باس۔ یہ مردانگی نہیں ہے۔ سراسر بزدلی ہے۔ میں مفلوج ضرور تھا لیکن نامرد نہیں تھا۔ کاش وہ باسٹرڈ کے بچے ایک خودکار رائفل میرے ہاتھ میں بھی تھما دیتے پھر میں انہیں بتاتا کہ مرد کسے کہتے ہیں۔ دلیری کس چڑیا کا نام ہے۔ میں شاید اپنی بے بسی کی وجہ سے اپنا بچاؤ تو نہ کر سکتا لیکن دشمنوں کی کچھ نفری کو جہنم رسید کر کے دل کی حسرت ضرور پوری کر لیتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اس وقت شدید ذہنی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔" ندیم نے بڑی ہمدردی سے کہا۔

میں نے پلٹ کر ندیم کی سمت دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ میرا ایک عزیز، ایک دوست، ایک وفادار ساتھی درندگی کا نشانہ بنا دیا گیا تھا اور مجھے ذہنی سکون اور آرام کا مشورہ دیا جا رہا تھا۔

"تمہارا شبہ کس پر ہے۔" ندیم نے میرے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ کا مفہوم بھانپتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" میں نے بے دلی سے جواب دیا۔

"ماہ رخ۔" ندیم نے دبی زبان میں پوچھا۔

"شاید اسے بھی خارج از امکان نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اس کے علاوہ تم اور کس کی ذات پر شبہ کر رہے ہو۔"

"فی الحال میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے روکھی آواز میں جواب دیا۔ "ویسے ماسٹر ٹونی کی موت نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

"کیا تم نے اس سفید گاڑی کے نمبر دیکھنے کی کوشش کی تھی جس سے تمہارے اوپر فائر کیا گیا تھا۔"

"نہیں۔ مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا تھا۔"

"کیا اسی قسم کی سفید وین اکرم شاہ کے اغوا میں بھی استعمال کی گئی تھی؟"

"ہو سکتا ہے۔"

"کیا ان حملوں کے پیچھے تمہیں کندی ت کا ہاتھ بھی محسوس ہو رہا ہے؟"

"موہنی کے جل کے راکھ ہو جانے کے بعد بظاہر اس کے امکان نظر نہیں آتے۔"

"اور وہ تمہاری کالکا۔"

"موہنی کی موت کے بعد سے ابھی تک میرا اس کا رابطہ نہیں ہو سکا۔"

راستے میں ہمارے درمیان اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں لیکن ہم کوئی آخری نتیجہ اخذ نہیں کر سکے۔ گھر پہنچے تو ای نسیم اور عارفہ سب ہی پریشان تھے۔ ندیم نے سب کو تسلی دی پھر میں ڈرائنگ روم میں آگیا جہاں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ یہ نمبر اس کے علاوہ تھا جو ہمارے بیڈ روم میں موجود تھا اور اس کا علم مخصوص لوگوں کے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ ندیم میرے ساتھ تھا جس نے تیزی سے آگے بڑھ کر فون کا مائیک سسٹم آن کر دیا تھا۔

"ہیلو۔" میں نے ریسیور اٹھا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو میں اس وقت مسٹر شہباز سے بات کر رہا ہوں۔" دوسری جانب سے ایک اجنبی آواز ابھری۔ میں نے اس سے پیشتر اس آواز کو پہلے کہیں نہیں سنا تھا۔ ممکن ہے وہ آواز بنا کر بول رہا ہو۔

"ہاں۔ میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے اس بار ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

"مجھے تمہارے وفادار ساتھی ماسٹر ٹونی کی موت کا افسوس ہے لیکن وہ جس کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہا تھا اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ۔۔۔"

"کون ہو تم؟" میں نے غصیلی آواز میں سوال کیا۔

"اپنا دوست ہی سمجھو۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے مسٹر شہباز، کام کی بات کرو۔" دوسری جانب سے سرد لہجہ اختیار کیا گیا۔ "ہم نے تمہیں اس وقت نیک مشورہ دینے کی خاطر فون کیا ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"صرف ایک چھوٹی سی درخواست ہے مائی ڈیئر۔ تمہارے حق میں بہتر ہو گا کہ تم میڈم کی بات شرافت سے مان لو۔ دوسری شکل میں ہم کو تمہیں اس کی خواب گاہ تک پہنچانے کا فرض سونپا گیا ہے۔" بولنے والے کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "میرا خیال ہے کہ جو عیاشی ریوالور کی زد پر کی جائے اس میں کچھ زیادہ سواد نہیں ہوتا۔ تم شاید میری بات کا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔"

"میڈم سے تمہاری مراد ماہ رخ ہے؟" میں نے حقارت کا اظہار کیا۔

"تم جو چاہے نام دے سکتے ہو لیکن ہم خادم قسم کے بندے ہیں اس لیے ہر عورت کو میڈم ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"آئی سی۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے نفرت سے جواب دیا۔ "گویا تم ماہ رخ کے زر خرید کتے ہو؟"

"یہ بھی ایک اعزاز ہے مسٹر شہباز اس لیے کہ کتا بڑا وفادار جانور ہوتا ہے۔"

"کیا تم نے اس وقت صرف اپنی حیثیت کی وضاحت کی خاطر فون کیا تھا؟" میں جھلا گیا۔

"وفاداری کرنا ہمارا کام ہے لیکن میڈم کے تلوے تمہیں چاٹنے پڑیں گے۔" اس کے جواب میں زہر بھرا تھا۔ "یہ بھی اپنی اپنی قسمت کی بات ہوتی ہے۔"

"شٹ اپ۔" میں حلق کے بل چلایا۔

"ایک بات غور سے سن لو مسٹر شہباز۔" اس بار سفاک لہجے میں جواب دیا گیا۔ "ہم تمہیں صرف ایک ہفتے کی مہلت دے رہے ہیں۔ شرافت سے راہ راست پر آجاؤ ورنہ شاید اپنے بندوں کی لاشیں گننا بھی تمہارے لیے دشوار ہو جائے۔"

اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ میں نے ریسیور رکھ کر ندیم کی جانب استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ کسی نے تمہارے اور ماہ رخ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے جو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "ماسٹر ٹونی کی موت میں کم از کم ماہ رخ کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔"

"پھر فون پر خاص طور پر اس کا حوالہ کیوں دیا گیا؟ ایک ہفتے کی مہلت کس لیے دی گئی ہے؟" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "نہیں میرے دوست۔ میں عورت کے معاملے میں تم سے زیادہ تجربہ کار نہ سہی لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر وہ اپنی ہٹ پر آجائے تو پھر پانی میں ڈوبے ہوئے انسان کا بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور ماہ رخ بھی کسی زہریلی ناگن سے کم نہیں ہے۔"

"تم اگر چاہو تو میں ماہ رخ سے فون کر کے ماسٹر ٹونی کی موت کی تصدیق کر سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جوشن جوزف کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کرشن شرما، مائیکل اسٹرانگ، روڈی سومو، خان بابر، بہرام اور پھر ٹائیگر۔ یہ سب اس کے قیمتی مہرے تھے جو ایک کے بعد ایک پٹتے چلے گئے۔ آخری کیل رام دیال کے تابوت میں ٹھونکی گئی۔ کیا یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی نہیں کرتیں کہ ماسٹر ٹونی کی موت میں اس کے آدمی کا ہاتھ ہو اور اس نے ماہ رخ اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہو۔"

"لیکن ماسٹر ٹونی نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟"

"میں تمہارے خیال سے متفق ہوں لیکن تم روڈی سومو کی موت کو کس خانے میں فٹ کرو گے؟ کیا تمہاری اور اس کی براہ راست کوئی دشمنی تھی۔"

"اس کی بات اور ہے؟" میں نے کہا۔ "اگر وہ زبان کھول دیتا تو جوشن مصیبت میں پڑ سکتا ہے؟"

"ممکن ہے یہی صورت حال ٹونی کے ساتھ بھی پیش آئی ہو۔" ندیم نے دلیل پیش کی۔ "تمہارے دشمنوں نے اسے تمہارے خلاف خریدنے کی کوشش کی ہو اور بعد میں اس کے انکار پر اسے گولی مار دی ہو۔ ٹونی زندہ ہوتا تو ان لوگوں کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ جوشن بھی تمہاری طرح کاروباری آدمی ہے۔ وہ ہر قسم کے ناجائز دھندے کرتا ہے لیکن اپنے اثر و رسوخ سے ہر بار قانون کے پھندوں کو توڑ کر آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے بینک کھول کر اپنے تمام عیبوں کو چھپایا

ہے تاکہ کوئی اس کی ذات پر شبہ نہ کر سکے۔ وہ اس قدر دولت مند ہے کہ اسے خود اپنی ماہانہ آمدنی کا اندازہ نہیں ہے۔ وہ بہت سے اداروں کا سربراہ ہے۔ بہت ساری فلاحی انجمنوں کا بوجھ بھی اس نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ اپنی پوزیشن اور ریپوٹیشن کو برقرار رکھنے کی خاطر بے دریغ دولت خرچ کرتا ہے۔ آئے دن بڑے بڑے ہوٹلوں میں حکومت کے ایسے سربر آوردہ لوگوں کی دعوتیں کرتا رہتا ہے جو وقت پڑنے پر اس کے کام آ سکیں۔ کرشن شرما ہی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ وہ جس وقت بھوشن کے لیے کروڑوں کا مال لے کر ہوائی اڈے پر اترا تھا اس وقت لاء منسٹر بنفس نفیس بھوشن جوزف کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ تم اپنی آنکھوں سے سراج کی بے بسی کا تماشا بھی دیکھ چکے ہو۔ اتفاق ہی تھا جو وہ مریض ہمارے ہاتھ آگیا ورنہ قانون تو بہرحال اسے اپنی گرفت میں لینے سے مجبور ہو گیا تھا۔"

حنفی کا کفن میلا ہو لینے دو پھر اطمینان سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے بیزاری کا مظاہرہ کیا۔

"میں تمہیں کسی حماقت کی اجازت نہیں دوں گا۔" ندیم نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

"پھر میرے پاس ایک ہی طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں تمہاری ماہ رخ کے قدموں پر جا کر سر نگا دوں۔" میں تلملا کر بولا۔

"میں تمہاری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا رہا ہوں۔ ایسی حالت میں کسی انسان کی حس لطیف کو نہیں چھیڑا جا سکتا ورنہ ماہ رخ کچھ ایسی پیچیدہ کیس بھی نہیں ہے جس کے مسئلے کو حل نہ کیا جا سکے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ سراج کا فون آگیا۔ اس نے کم و بیش وہی تمام گفتگو دہرائی جو میرے اور چترویدی کے درمیان ہو چکی تھی۔ ماسٹر ٹونی کی موت کے سلسلے میں اس نے اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے دبی زبان میں مجھے مشورہ دیا تھا کہ انسپکٹر چترویدی اس کے خاص ماتحتوں میں رہ چکا ہے اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ سراج نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔ "وہ بہت ذہین اور ذمے دار آفیسر ہے۔ نڈر اور بے خوف بھی ہے اس لیے آپ کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اگر میں خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو چترویدی سے کیا مدد لے سکتا ہوں؟" میں نے سراج کو کاٹنے کی کوشش کی۔

"میرے لائق کوئی خدمت؟"

"بہت بہت شکریہ مسٹر سراج، ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو جلد ہی تکلیف دوں۔"

"میں اسے اپنی عزت افزائی تصور کروں گا۔"

سراج سے فون کا رابطہ ختم کرنے کے بعد میں باہر ورانڈے میں آگیا جہاں نسیم اور عارفہ امی جان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ عارفہ نے میری طرف غور سے دیکھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے میری ذہنی پریشانیوں کا اندازہ لگا چکی تھی اسی لیے اس نے مجھے اس موقع پر کریدنے کی حماقت نہیں کی۔ وہ میرے لیے ایک اچھی ہم سفر ثابت ہو رہی تھی۔

ندیم نے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر امی جان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ نسیم بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ بظاہر میں بھی دوسروں کے ساتھ گفتگو میں حصہ لے رہا تھا لیکن میرا ذہن ابھی تک ماسٹر ٹونی کے قتل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ندیم نے جو دلیلیں پیش کی تھیں اس کے الفاظ ابھی میرے وجود میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ بھوشن نے ابھی تک سامنے آکر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش نہیں کی تھی پھر بھی اس کی دوغلی شخصیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بھوشن کو نیچا دکھانے اور قانون کی گرفت تک پہنچانے کے لیے میں اپنے ذہن میں مختلف منصوبے بناتا اور توڑتا رہا پھر یکلخت میرے تصور میں گیتا کا تصور روشنی بن کر جگمگا اٹھا۔

گیتا کا نام ذہن میں ابھرتے ہی مجھے کرشن شرما یاد آگیا جو بھوشن جوزف کے جال میں پھنس گیا تھا پھر بھوشن نے اس کے پر کاٹ دیے تھے تاکہ وہ قفس کی خوب صورت تیلیوں کو توڑ کر فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔

وہ ایک وفادار ملازم تھا جو دو سال تک بھوشن کے لیے ڈرائیوری کے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔ اپنی آسانی کے لیے بھوشن نے اسے اور اس کی بیوی کو سرونٹ کوارٹر میں ایک کمرہ دے دیا تھا پھر شاید کرشن شرما کی بدقسمتی ہی تھی جو بھوشن کی نظر اس کی بیوی پر پڑ گئی۔ گیتا نوجوان تھی، خوب صورت تھی۔ اس کے اندر جنس مخالف کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کے تیکھے نقوش اور تراشیدہ نشیب و فراز دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتے تھے۔

بھوشن اس لائن کا پرانا اور شوقین کھلاڑی تھا۔ کئی بار وہ کرشن شرما کے بارے میں بھی غور کر چکا تھا کہ اسے اپنے کسی کالے دھندے سے لگا دے اس لیے کہ کرشن شرما قابل رشک صحت کا مالک تھا اور ڈرائیور کی وردی پہننے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک شان نظر آتی تھی لیکن وہ ضرورت سے زیادہ ایماندار واقع ہوا تھا اس لیے بھوشن نے بھی اس کی شخصیت سے کوئی رسک لینے کی کوشش نہیں کی لیکن گیتا کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس کے شیطانی ذہن میں ایک تیر سے دو شکار کرنے کا خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ اس نے کسی طرح گیتا کو

سزا یا غم دکھا کر اس کی زندگی برباد کر دی پھر اس کے بعد اس کی کچھ ایسی قابل اعتراض تصاویر بھی بنوالیں جس نے گیتا کے لبوں پر خاموش رہنے کی مہر ثبت کر دی پھر ایک دن موقع پا کر اس نے کرشن شرما کو اپنے ڈرائنگ روم میں طلب کیا۔ وہ پہلا موقع تھا جب کرشن شرما نے اس خوبصورت اور شاندار ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا جہاں کی آب و تاب دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

"بیٹھو کرشن شرما' آج میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ حکم دیں سرکار۔" کرشن شرما نے بھوشن کے قدموں میں دبیز قالین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم ایک ایماندار اور وفادار ملازم ہو۔" بھوشن نے جام اٹھا کر اعلیٰ قسم کی شراب کا ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔

"یہ سب آپ کی کرپا ہے۔ جب مالک آپ جیسا دیالو ہو تو سیوک کوئی غلط قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"میں تمہیں تمہاری ایمانداری کا ایک شاندار انعام دینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" بھوشن نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا پھر دبی زبان میں بولا۔ "تمہیں دھرتی سے اٹھا کر آکاش پر پہنچا دوں؟"

"میں سمجھا نہیں مالک۔" کرشن شرما نے آنکھ جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔ فوری طور پر اس غریب کے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ بھوشن نشے کی حالت میں اس کے ساتھ کوئی مذاق کر رہا تھا۔

"کرشن شرما۔" اس بار بھوشن نے کسی آدم خور چیتے کی مانند اپنی چمک دار آنکھیں کرشن ورما کے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ جائز کاروبار کی آڑ میں تمہارا یہ سفید پوش مالک بہت سارے کالے دھندوں میں بھی ملوث ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مالک؟" کرشن شرما کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اور اب میں تمہیں بھی ترقی دے کر اپنے ساتھ اسی کالے دھندے میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔" بھوشن نحوس لہجے میں بولا۔ "کہو۔ کیا تمہیں یہ بات منظور ہے؟"

"دو وقت کی روکھی سوکھی مل جاتی ہے۔ یہی ہم میاں بیوی کے لیے بہت کافی ہے۔" کرشن شرما نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "ہم جس حال میں بھی ہیں بہت خوش ہیں مالک۔"

"گویا تمہیں میرے حکم سے انکار ہے۔" بھوشن کی کشادہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں ڈرائیور ہوں مالک۔ مجھے بس ڈرائیور ہی رہنے دیں۔" کرشن شرما نے بھوشن کے چہرے کے تیکھے تاثرات دیکھ کر ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "بزرگوں کا کہنا ہے کہ جب کوئی چھوٹا پرندہ اونچی اڑان اڑنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"اور اگر تمہاری یہ بے ہودہ منطق سننے کے بعد بھی میں تم سے اصرار کروں تو؟"

"میں شما کی بنتی کروں گا۔" کرشن شرما نے ہاتھ جوڑ لیے۔ "میں جہاں ہوں مجھے وہیں رہنے دیجئے مالک' آپ کا بڑا اپکار ہوگا۔"

"تمہارے رہنے کے لیے ایک علیحدہ مکان ہوگا۔"

"مالک۔"

"سواری کے لیے تمہاری اپنی گاڑی ہوگی۔" بھوشن نے ایک اور چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "کل سے تم ایک نئی زندگی کا آغاز کرو گے لیکن۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں بدستور کرشن شرما پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر رقص ابلیس جاری تھا۔

"لیکن کیا مالک۔۔۔؟" کرشن نے شرماتے ڈرتے پوچھا۔

"کچھ عرصے کے لیے تمہیں اس نئے مکان میں بالکل تنہا رہنا ہوگا۔ جب تک تمہاری ٹریننگ مکمل نہ ہو جائے۔"

"اور گیتا کہاں رہے گی؟" کرشن شرما چونکا۔ ڈرائیور ہونے کے سبب وہ بھوشن کی نجی زندگی سے بھی تھوڑا بہت واقف تھا۔

"میرے پاس۔۔۔ شہزادیوں کی طرح۔" بھوشن کے ہونٹوں پر درندوں جیسی غلیظ مسکراہٹ تھی۔ "میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔"

کرشن شرما نے آج تک مالکوں کے آگے کبھی زبان نہیں کھولی تھی لیکن گیتا سے وہ بہت ٹوٹ کر محبت کرتا تھا۔ جب سے ان کی شادی ہوئی تھی وہ ایک رات بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں رہے تھے۔ اس نے کئی بار ہمت کی کہ گیتا سے علیحدہ رہنے والی شرط ماننے سے انکار کر دے لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی۔

"کیا سوچ رہے ہو کرشن شرما؟" بھوشن نے کسی کامیاب شکاری کی طرح اس کی طرف دیکھا جو پوری طرح اس کے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

"مالک۔۔۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پہلو بدل کر کہا۔ "میں آپ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں لیکن گیتا۔۔۔"

"وہی تو اصلی ٹرمپ کارڈ ہے۔" بھوشن کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

"ٹرمپ کارڈ۔ میں سمجھا نہیں۔" کرشن شرما نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"تاش کی پوری گڈی کا وہ سب سے اہم پتا جو ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لیے سب سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔"

"میں ابھی کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکتا مالک۔" کرشن شرما نے ہمت کی۔ "گیتا سے پوچھنے کے بعد بتاؤں گا۔"

"وہ تمہیں اب اپنے کوارٹرز میں نہیں ملے گی۔" بھوشن نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"خوب صورت اور سندر چیزیں صرف اپنے مقام پر شوبھا دیتی ہیں۔" بھوشن کہتا چلا گیا۔ "میں نے تمہاری گیتا کو کچھ دنوں کے لیے اپنی داسی بنا لیا ہے۔ وہ جس حال میں ہے اس حال میں دیکھ کر شاید تمہاری آنکھیں بھی چندھیا جائیں گی۔ تم اسے میرے پاس اپنی امانت سمجھ کر رہنے دو۔ جب ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تم پوری طرح ہمارے رنگ میں ڈھل چکے ہو تو وہ تمہیں مل جائے گی۔ اس وقت تک کے لیے گیتا کو اپنے ذہن سے نکال دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مالک۔ گیتا میری آتما ہے اور آتما کے بغیر شریر زندہ نہیں رہ سکتا۔" کرشن شرما نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔ آپ کی خاطر جان بھی دے سکتا ہوں لیکن گیتا کو میرے پاس ہی رہنے دیں۔"

"میری بات دھیان سے سنو کرشن شرما۔" بھوشن نے ایک سگار جلا کر اس کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے جس کاروبار کا ذکر کیا ہے اس میں آگے بڑھنے کے لیے تو کئی راستے ہوتے ہیں لیکن واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا اور تم جانتے ہو کہ میں ایسے کاموں میں کوئی رسک لینے کو تیار نہیں ہوں۔ ایک معمولی سی غلطی کروڑوں کا نقصان بن جاتی ہے اور ایک کروڑ کتنے ہوتے ہیں تمہیں ابھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔ تم نے تو کبھی پتھر کے ایک کروڑ ٹکڑے بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ بہرحال' جب تک تم ہمارے انڈر کام کرتے رہو گے گیتا ہمارے پاس بطور یرغمال رہے گی۔ یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ اور تم جانتے ہو کہ میں اپنے فیصلے بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"مالک۔" کرشن شرما نے بڑی ہمت کر کے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "آپ کی بڑی کرپا ہوگی اگر آپ میری چھٹی کر دیں۔"

"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔ بہتر ہے کہ ضد کرنے کے بجائے خوشی خوشی تیار ہو جاؤ اور عیش کرو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مالک' لیکن مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔"

"تم بھوشن جوزف کے حکم سے انکار کر سکتے ہو؟"

"میں بنتی کرتا ہوں مالک کہ۔۔۔"

"او کے۔" بھوشن زہر خند سے بولا پھر اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر کرشن شرما کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے کھول کر اچھی طرح دیکھ لو۔ اس میں تمہارے کام کی کچھ چیزیں ہیں۔ انہیں غور سے دیکھو پھر اس کے بعد بتاؤ کہ تمہارا فیصلہ کیا ہے۔"

کرشن شرما نے دھڑکتے ہوئے دل سے لفافہ کھولا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے اپنے قوت بینائی پر شبہ ہو رہا تھا جو گیتا کی تصویروں کو ایک نئے رنگ میں دیکھ رہی تھیں جسے لباس کی قید و بند سے آزاد کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں ایکسپوز کیا گیا تھا کہ گیتا ہی کی شکل واضح طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مستی کے ساغر چھلک رہے تھے۔ انداز میں بے خودی اور خود سپردگی میں بے شرمی اور بے حیائی اپنے عروج کو چھو رہی تھی۔

کرشن شرما ان تصاویر کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے گیتا کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ بدکرداری کا مظاہرہ کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں اسے نشے میں دھت کرانے کے بعد اس کی وہ گت بنائی گئی تھی۔

کرشن شرما کی آنکھیں ساون بھادوں کے بادلوں کی طرح برس پڑیں پھر اپنی عزت بچانے کی خاطر وہ بھوشن کے بچھائے ہوئے جال میں پوری طرح بڑی مضبوطی سے جکڑ گیا تھا۔

میرے ذہن نے جس کہانی کو جنم دیا تھا وہ کم و بیش کرشن شرما کی اس آخری خواہش کے فریم میں بالکل فٹ بیٹھتی تھی جس میں اس نے بڑی حیرت بھری آواز میں کہا کہ وہ بھوشن کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنا چاہتا ہے۔ اس نے بھوشن کے ساتھ کالے دھندے میں گزارے ہوئے کسی ایک لمحے کو بھی ہم سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ انتقام کی آگ اس کے جسم کے ایک ایک حصے سے شعلہ بن کر بھڑک رہی تھی لیکن ہماری ایک چھوٹی سی غلطی نے اس کی آخری خواہش نہیں پوری ہونے دی۔

ندیم نے کرشن شرما کی پوری ویڈیو فلم بنوا رکھی تھی جس میں اس کا تفصیلی بیان بھی موجود تھا۔ اس کے بعد ہم نے کرشن شرما کو اہم ثبوت کے طور پر سراج تک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اسے بڑی رازداری سے ہوٹل ایمبسڈر کے روم نمبر دو سو بائیس میں پہنچا کر سراج کو اس کی اطلاع دے دی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کرشن شرما کا بیان اور وہ ویڈیو فلم بھوشن کے چہرے سے شرافت کا نقاب اتارنے میں بڑی موثر ثابت ہوگی لیکن ندیم کو اس کے آدمیوں نے یہ اطلاع وقت گزرنے کے بعد دی تھی کہ ایمبسڈر ہوٹل میں بھی بھوشن کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ کرشن شرما کو مریض کی حالت میں دیکھنے کے بعد

ہوٹل کی انتظامیہ یا بھوشن کے سفید لباس والوں نے اس کی اطلاع اوپر تک ضرور پہنچادی ہوگی اور پھر اس سے پہلے کہ قانون کے آہنی ہاتھ بھوشن کی گردن دبوچنے کی خاطر کرشن شرما تک پہنچتے اسے قتل کروا دیا گیا تھا۔

میں بڑی سنجیدگی سے گیتا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ کرشن شرما کے بعد اب گیتا ہمارے کام آسکتی تھی۔ اس کا تحریری بیان کرشن شرما کی بنائی جانے والی ویڈیو کیسٹ پولیس کے لیے کارآمد ہو سکتی تھی۔ "لیکن کیا بھوشن نے متعدد اہم آدمیوں کو گنوا دینے کے بعد گیتا کو ابھی تک زندہ رکھا ہوگا؟" یہ ایک سوال میرے ذہن کو الجھا رہا تھا۔

ندیم نے مجھے اچانک اپنے خیالوں میں مستغرق اور گم صم دیکھا تو کہنی مار کر بولا۔

"یہ جناب اس قدر جمع حاضر اور واحد غائب کیوں نظر آرہے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔" میں چونکا۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" ندیم کے لہجے میں شوخی تھی۔

"کیا ہمیں بھی نہیں بتائیں گے کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے کھو جانے کا اصل راز کیا ہے۔" نسیم نے گرہ لگائی۔ "کوئی نئی لیڈی سیکریٹری رکھ لی ہے؟"

"اگر میری زندگی میں ایسا ہوا تو میں ہر قیمت پر عارفہ کا ساتھ دوں گا۔" ندیم نے سنجیدگی اختیار کی۔ "بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ میں اس نئی سیکریٹری کو چوٹی پکڑ کر دفتر سے نکال دوں۔"

"اور اگر وہ کوئی ماڈرن ہوئی اور چوٹی رکھنے کے خلاف ہوئی تو؟" عارفہ نے بھی مجھے چھیڑا۔

"میں اس کے وگ کا بندوبست بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے مجبوراً گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہائیں۔" نسیم نے مجھے گھورا۔ "تو کیا واقعی کچھ ایسے خطرناک جراثیم دفتر میں پرورش پارہے ہیں۔"

"کیوں تم لوگ مل جل کر میرے سیدھے سادے بچے کو تنگ کر رہی ہو۔" امی نے میری طرف داری کی تو میں نے "زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے انھیں اپنی باہوں میں سمیٹ لیا پھر ملازم نے آکر ڈنر تیار ہونے کی اطلاع دی تو ہم سب اٹھ کر ڈائننگ روم میں آگئے۔

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ خاموشی کے عالم میں تمہارے ذہن میں کس قسم کی کھچڑی پک رہی تھی۔" ندیم نے دبی زبان میں پوچھا۔

"اپنی بے بسی پر غور کر رہا تھا۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "دشمن سامنے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آرہے۔"

ندیم نے میری جانب تیز نظروں سے دیکھا پھر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

*

پانڈے ابھی تک ہسپتال میں تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے خطرے سے باہر قرار دے دیا تھا لیکن زخم ابھی بھرے نہیں تھے اس لیے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہی تھا۔ دفتر جاتے وقت میں کسی خیال کے تحت اس کی خیریت دریافت کرنے ہسپتال چلا گیا جہاں اس وقت اس کی خوب صورت اور حسین بیوی بھی موجود تھی۔ میں اسے ایک بار پہلے بھی کیلاش بن کر اس کی خواب گاہ میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت وہ زیادہ حسین نظر آرہی تھی۔

"یہ میری دھرم پتنی ہیں۔" پانڈے نے ہم دونوں کا تعارف کرایا۔

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" میں نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا پھر پانڈے سے بولا۔ "آپ کو کب تک چھٹی مل رہی ہے؟"

"ڈاکٹروں کی مرضی پر منحصر ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ویسے بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ ابھی تک سانس چل رہی ہے۔ اگر اس دشٹ کا ہاتھ ذرا بہک جاتا تو چتا کی آگ میں جل کر۔"

"بھگوان کے لیے۔" اس کی بیوی نے ٹوکا۔ "ایسے برے شبد زبان سے نہ نکالا کرو۔"

"مسٹر پانڈے۔" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "کیا آپ اس شخص سے پہلے سے واقف تھے جو آپ سے۔"

"نرمل۔" پانڈے نے میری بات کاٹتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ "تم ذرا دوسرے کمرے میں بیٹھو۔ مجھے شہباز جی سے کچھ کاروباری باتیں کرنی ہیں۔" پھر نرمل کے چلے جانے کے بعد پانڈے نے کچھ توقف سے کہا۔ "میں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری اور اس کی پہلی ملاقات تھی۔"

"اس کے باوجود آپ نے نہ صرف اسے پہچان لیا تھا بلکہ دس لاکھ کا چیک بھی دینے پر آمادہ ہو گئے تھے؟"

"جیون سے زیادہ کوئی چیز سندر نہیں ہے۔" پانڈے نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "رہا اس آدمی کو پہچاننے کا سوال تو مجھے موہنی نے فون پر اس کی آمد کی اطلاع دی تھی اس کا نام بھی بتایا تھا۔"

"کیا نام تھا اس کا؟" میں نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

"رندھیر لیکن وہ ٹائیگر کے نام سے مشہور تھا۔" پانڈے نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس کے بعد کہ وہ تفصیل بھی دہرا ڈالی جو میرے علم میں تھی۔

"پانڈے جی۔" میں نے اس بار قدرے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "کیا آپ مسٹر بھوشن جوزف کے نام سے بھی واقف ہیں۔"

"وہ۔ ان سے بھلا کون واقف نہ ہوگا شہر کا سب سے بڑا کاروباری شخص ہے اور ہائی سرکل میں بھی اس کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔"

"آپ کبھی ملے بھی ہیں مسٹر بھوشن سے؟"

"بزنس کنکشنز میں ایک دو بار آمنا سامنا ہوا ہے لیکن ہمارا انٹروڈکشن کبھی نہیں ہوا۔"

"ویسے آپ نے اس کے بارے میں کیا رائے قائم کی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" پانڈے نے کسمسا کر پوچھا۔

"کیا رندھیر یا ٹائیگر نے آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ رقم کس کو پہنچائی جانے والی تھی۔"

"جی نہیں۔" پانڈے نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو محض موہنی کے کارن وہ چیک کاٹا تھا۔ رقم کس کو جانی تھی اس کا مجھے کوئی علم نہیں۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ ان تمام معاملات کے پیچھے بھوشن کا ہاتھ ہے تو؟"

"کیا۔" پانڈے حیرت سے اچھل پڑا۔

"خان جابر، بہرام اور رندھیر یہ سب اسی کے آدمی تھے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "ابھی کچھ اور بھی ہیں جو ہماری نظر میں نہیں آسکے۔"

"لیکن آپ یہ بات۔"

"آپ نے شاید آج کا اخبار نہیں دیکھا جس میں ماسٹر ٹونی اور اس کے دو محافظوں کے قتل کی تفصیل موجود ہے۔"

"اوہ۔" پانڈے مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ "لیکن آپ کو یہ کچھ کیسے معلوم ہو گیا اور پھر ہم دونوں نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔"

"مجھ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا تھا لیکن میں بال بال بچ گیا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "موہنی کی موت نے بھوشن کو دیوانہ اور جنونی بنا دیا ہے۔ وہ مجھے اس کی موت کا ذمے دار سمجھ رہا ہے۔"

"اور سچ کیا ہے؟" پانڈے نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"سچ بھی یہی ہے کہ موہنی کو میں نے ہی جلا کر راکھ کیا ہے۔" میں نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "لیکن ابھی تک ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ آدمی کون تھا جو رندھیر اور آپ کے درمیان آیا تھا۔"

"اس کا نام کیلاش ہے۔ ممکن ہے اس نے مجھے اپنا فرضی نام بتایا ہو لیکن ایک بات بہرحال ماننی پڑے گی کہ وہ بھی کسی جادوگر سے کم نہیں ہے۔" پانڈے نے در پردہ میری ہی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کی سوگند میں نے اپنے جیون میں ایسا چمتکار پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اس کو راستے سے ہٹانے کے لیے رندھیر کے تیور اچانک ہی خراب ہو گئے تھے مجھے وشواس تھا کہ رندھیر کیلاش کو اسی طرح کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا جیسے قصائی بکرے کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس پر ابھی تک مجھے وشواس نہیں آسکا۔ کیلاش نے ایک نظر بھر کر رندھیر کو دیکھا تھا پھر وہ موم بن گیا۔ اس کے بعد کی کہانی میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ آج کی دنیا میں بھی آپ ان باتوں پر وشواس کر سکتے ہیں۔"

"ایسی کہانیاں اور واقعات ہر دور میں مشہور ہوتے رہے ہیں اور پھر آپ کوئل، ورما اور موہنی کو کیوں بھول رہے ہیں۔"

پانڈے نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا البتہ کسی اندرونی خوف کا احساس ہی تھا جو اس کے چہرے پر پھیل کر گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔ "آپ کچھ نہ سوچیں پانڈے جی۔" میں نے اس کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ایک اور ایک مل کر گیارہ بن جاتے ہیں۔ میں جو ہوں آپ کے ساتھ۔"

"بڑی کرپا ہے آپ کی شہباز جی ورنہ۔"

"آپ فی الحال آرام کریں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کسی وقت آؤں گا۔ البتہ ایک بات کا دھیان رکھیے گا۔ دس لاکھ کی رقم کوئی معمولی نہیں ہوتی جسے انسان آسانی سے فراموش کر دے۔ بھوشن کے بہت سارے قیمتی مہرے پٹ چکے ہیں اس لیے ابھی وہ اپنے بچے مہروں کو سمیٹ رہا ہے لیکن اب وہ جو وار کرے گا وہ بھرپور ہی ہوگا۔"

"لیکن اسے ہم سے آخر دشمنی کیا ہے؟"

"وہی جو کسی ڈاکو کو تجوری میں بھرے مال سے ہوتی ہے لیکن آپ بھگوان پر بھروسا رکھیں۔ وہ جو بھی کرے گا اچھا ہی کرے گا۔"

پانڈے کے چہرے پر اس بار بھی خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ مجھے بڑی تشکرانہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ جواب میں نے اس کو مسکرا کر وش کیا پھر کمرے سے باہر آگیا۔ دفتر جاتے ہوئے میرے ذہن میں ایک نیا خیال ابھرا۔ ندیم نے مجھے بتایا تھا کہ ایمبیسڈر ہوٹل کے بیشتر شیئرز کا مالک بھوشن جوزف ہی تھا۔ ایمبیسڈر کا شمار شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوتا تھا اس لیے ایک بات طے تھی کہ وہاں بھوشن کے خاص آدمی بھی ضرور تعینات ہوں گے جو آنے جانے والوں پر گہری نظر رکھنے پر مامور ہوں گے چنانچہ ایمبیسڈر میں رہ کر ان کو بہ آسانی دیکھا اور پرکھا جا سکتا تھا۔ بھوشن پر ہاتھ اٹھانے سے پیشتر میں اس کے بارے میں بہت ساری اطلاعات قبل از وقت جمع کرنے کا

ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں ندیم سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ میں نے طے کر رکھا تھا کہ اب جو کچھ کروں گا وہ تنہا ہی کروں گا۔

دن بھر میں حسب معمول دفتری کاموں میں الجھا رہا پھر اندھیرا پھیلنے کے بعد میں طے شدہ منصوبے کے تحت گھر جانے کی بجائے پبلک لائبریری میں چلا گیا۔ میرے بریف کیس میں میک اپ کا اچھا خاصا سامان پہلے سے موجود تھا۔ لائبریری کا باتھ روم جس کا ایک دروازہ پچھلی سمت بھی کھلتا تھا میرے لیے خاصا معاون ثابت ہوا۔ باتھ روم میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے جلدی جلدی ریڈی میڈ میک اپ کیا جس نے میرے چہرے میں ایسی نمایاں تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں کہ میں بھی اپنے آپ کو شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور باقی چیزوں کو بڑی احتیاط سے بریف کیس میں رکھ کر عقبی راستے سے باہر نکل گیا جہاں پر پارک واقع تھا۔ پارک کو عبور کر کے میں کھلی سڑک پر آ گیا پھر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ا۔ ایمبیسڈر کے لیے روانہ ہو گیا۔ گاڑی میں نے لائبریری کے باہر ہی چھوڑ دی تھی۔

ا۔ ایمبیسڈر کے پورٹیکو میں میری ٹیکسی رکتے ہی جو شاندار استقبال کیا گیا وہ خلاف از توقع نہیں تھا۔ اس وقت میری آنکھوں پر زیرو پاور کی شاندار عینک تھی اور ہونٹوں کے درمیان ایک اعلیٰ درجے کا پائپ اپنی خوشبو فضا میں بکھیر رہا تھا۔ میرے پاس سوائے ایک بریف کیس کے کچھ اور سامان نہیں تھا اس لیے میں نے پورٹر کو ایک بڑا نوٹ بطور ٹپ دیتے ہوئے خالص غیر ملکیوں جیسے انداز میں انگلیوں سے وش کیا پھر بریف کیس لے کر ریسپشن کاؤنٹر پر چلا گیا جہاں ایک نہایت خوب صورت اور حسین لڑکی موجود تھی۔ صورت شکل سے وہ جرمن نژاد لگ رہی تھی لیکن اردو اور انگریزی دونوں زبانیں بڑی روانی سے بول رہی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش خاصے تیکھے اور پرکشش تھے۔

"ویلکم سر۔" کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی حسینہ نے بڑے کاروباری انداز میں مسکراتے ہوئے کہا پھر رجسٹر کھولتے ہوئے بولی۔ "مے آئی نو یور گڈ نیم پلیز۔"

"پروفیسر موریس فرام ویت نام۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں ایک ریسرچ اسکالر ہوں۔ میرا قیام یہاں دو دن سے زیادہ نہیں رہے گا۔ اس کے بعد شاید میں جنوبی افریقہ کی طرف نکل جاؤں۔ میں نے اپنا سارا سامان پہلے ہی سے وہاں روانہ کر دیا ہے۔"

"ویتنام کی جنگ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے" لڑکی نے رجسٹر میں اندراج کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" میں نے پائپ کا کش لگاتے ہوئے بیزاری سے جواب دیا۔ "میں گزشتہ آٹھ سال سے افریقہ میں پائی جانے والی ایک ایسی سیاہ بیل کی تلاش میں ہوں جس کی جڑ کو اگر کچھ ادویات کے ساتھ ملا کر دیا جائے تو کینسر کا مرض حیرت انگیز طور پر ختم ہو جاتا ہے۔"

"میں آپ کی کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔" لڑکی نے اس بار بڑی تیزی سے اردو میں جواب دیا۔ "میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید گڑبڑا جاتا یا اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات اس کی اصلیت کے بھرم کو بے نقاب کر دیتے لیکن میں نے جواب میں لڑکی کو ایسی حیرت بھری نظروں سے دیکھا جیسے اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"آئی ایم سوری مسٹر موریس۔" لڑکی نے ایک ادا سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "میں جلدی میں مقامی زبان بول گئی تھی۔"

"اوہ۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا۔

"یور پاسپورٹ پلیز۔"

"اوہ یس۔" میں نے بریف کیس کاؤنٹر پر رکھ کر اس کی تمام چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھیں پھر بریف کیس بند کر کے جلدی جلدی اپنی جیبوں کی تلاشی لینے لگا انداز ایسا ہی تھا کہ جیسے میں اچانک پریشان ہو گیا ہوں۔

"آئی ایم سوری۔" میں نے تھک ہار کر لڑکی سے کہا پھر بریف کیس اٹھاتے ہوئے خود کلامی جیسے انداز میں بولا۔ "میں صرف دو روز کے لیے اپنے کسی واقف کار کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا لیکن شاید اب مجھے اپنے دوست یا میزبان کی دروازے پر دستک دینی پڑے گی۔"

"میں ایک طرح سے آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔" لڑکی نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"ہوٹل کے رجسٹر میں آپ کے اندراجات کے بغیر بھی میں آپ کو دو روز کے لیے ایک کمرہ دے سکتی ہوں لیکن اس کی کوئی رسید نہیں ہو گی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونکنے کی بڑی شاندار اداکاری کرتے ہوئے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ "کیا تم مجھے غیر قانونی حرکت کی ترغیب دے رہی ہو۔"

"نہیں۔" لڑکی نے جلدی سے وضاحت کی۔ "آپ کی حیثیت یہاں مالکان کے مہمانوں جیسی ہو گی۔"

"میں غالباً جلدی میں اپنا پاسپورٹ اور سفری کاغذات سامان میں رکھ کر لانا بھول گیا ہوں۔" میں نے ایک بار اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے پریشانی کا اظہار کیا۔

"ڈونٹ وری سر۔" لڑکی نے حسب دستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم اپنے غیر ملکی مہمانوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔"

"لیکن میں قانون پسند آدمی ہوں۔ غیر قانونی کام کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ آپ ہمارے مالکان کے مہمان کی حیثیت سے یہاں رہیں گے اس لیے آپ کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ آپ کی خدمت کرنا ہمارے فرائض میں داخل ہو گا۔"

میں کچھ تامل کے بعد لڑکی کی بات ماننے پر آمادہ ہو گیا پھر لڑکی نے ایک روم بوائے کو بلایا اور مجھے آٹھویں منزل کے ایسے کمرے میں پہنچایا جس کی سجاوٹ واقعی قابل دید تھی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد میں نے ڈنر کرنے کی خاطر ڈائننگ روم ہی کا انتخاب مناسب سمجھا جہاں بیٹھ کر میں مشتبہ ملازموں کو قریب سے دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کسی نے بطور خاص میری جانب توجہ نہیں دی تھی۔

ڈنر کرنے کے بعد میں ٹہلتا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا پھر میں نے ایک قریبی فون بوتھ سے گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ اتفاق ہی تھا جو دوسری جانب سے عارفہ نے کال ریسیو کی۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے بڑی مدھم آواز میں کہا۔ "تم پریشان مت ہونا۔ میں شاید دو تین روز تک گھر نہ آ سکوں گا۔"

"کیا مطلب؟" عارفہ کے لہجے میں الجھن تھی۔

"مطلب واپسی کے بعد بتاؤں گا۔" میں نے سرگوشی کی۔ "فی الحال میری بات غور سے سنو۔ میری گاڑی پبلک لائبریری کے باہر کھڑی ہے اس کو کسی ڈرائیور کے ذریعے منگوا لو۔ دفتر سے اگر کوئی فون آئے تو کہہ دینا کسی ضروری کام سے باہر گیا ہوا ہوں اور کوشش کرنا کہ ندیم کو بھی ان تمام باتوں سے دور ہی رکھا جائے۔ وہ اگر اصرار کرے تو اسے بھی یہی بتا دینا کہ میں کسی کاروباری کام کے لیے تم سے کہہ کر گیا ہوں۔ میری واپسی کب تک ہو گی یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ تو لاحق نہیں ہے؟" عارفہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بس میری ہدایت اور میری باتوں پر عمل کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ میں کل یا پرسوں تمہیں دوبارہ فون کروں۔ کوشش کرنا کہ تم زیادہ تر فون کے قریب ہی رہو۔"

"مگر ـــ" اب میں عارفہ کچھ دریافت کرنا چاہتی تھی لیکن میں رابطہ منقطع کرتا ہوا بوتھ سے باہر نکل آیا۔ قرب و جوار میں مجھے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس پر میں اس بات کا شبہ کر سکتا کہ وہ میری نگرانی پر مامور ہے۔ میں نے جیب سے سگار نکال کر ہونٹوں کے درمیان پھنسایا پھر لائٹر سے جلانے لگا لیکن اس وقت بھی میں بڑی احتیاط سے اپنے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

☆

رات کے تقریباً دو کا عمل تھا لیکن میں بدستور جاگ رہا تھا۔ میری آنکھیں چھت پر لگی تھیں اور ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ میں نے جلد بازی میں جو قدم اٹھایا تھا اب اس میں کئی جھول نظر آ رہے تھے۔ کسی گینگ کو ختم کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے کارندوں کو ختم کیا جائے۔ منصوبہ بندی کی کامیابی کا انحصار ہمیشہ گینگ لیڈر پر ہوتا ہے اگر اسے ختم کر دیا جائے تو پھر گینگ کے باقی افراد خود ہی تتر بتر ہو جاتے ہیں۔

میرے لیے سب سے اہم شخصیت بھوشن جوزف کی تھی جسے موہنی کی پراسرار قوت نے میرے خلاف کھڑا کیا تھا۔ میری اور بھوشن کی براہ راست کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن حالات کچھ ایسے تسلسل سے پیش آئے کہ ہم دونوں در پردہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ ایسی صورت میں اگر ڈائرکٹ بھوشن کو بساط سے ہٹا دیا جاتا تو اس کے باقی مہروں کی کوئی حیثیت باقی نہ رہ جاتی لیکن گیتا کے خیال نے مجھے کچھ زیادہ ہی جذباتی بنا دیا تھا پھر میں کچھ زیادہ محتاط ہو گیا تھا جو بھوشن سے براہ راست ٹکرانے کے بعد اپنا نام قاتلوں کی فہرست میں نہیں شامل کرانا چاہتا تھا بلکہ گیتا کے حوالے سے بھوشن کو قانون کے شکنجوں میں جکڑوانے کا خواہش مند تھا۔ یہی خیال مجھے اس ہوٹل تک لے آیا تھا لیکن شاید میں نے وہ اقدام سوچ سمجھ کر نہیں اٹھایا تھا۔

شیر کی کچھار میں گھس کر شکار کھیلنا دانش مندی کے منافی تھا۔ کرشن شرما کا انجام میرے سامنے تھا۔ اسے اسی ہوٹل میں داخل ہوتے ہی بھوشن کو اپنے آدمیوں کے ذریعے اس کی موجودگی کی اطلاع پہنچ گئی تھی چنانچہ اس سے پہلے کہ قانون کرشن شرما کو اپنے قبضے میں لے کر بھوشن یا اس کے گینگ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرتا' اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا تھا۔

عابد کے کیس میں عدالت میں بھوشن کے بزنس منیجر بھگوان داس کی رام دیال کے ساتھ موجودگی ہی اس بات کا ثبوت تھی کہ بھوشن میرے خلاف ایک محاذ کھول چکا ہے۔ اس کے بعد عابد کی باعزت رہائی کے حکم جاری ہونے اور رام دیال کو حراست میں لے جانے کے بعد بھگوان داس جس طرح اچانک منظر عام سے غائب ہوا تھا وہ اس شبے کو مزید تقویت

دینے کے لیے بہت کافی تھا کہ وہ بھی میرے خلاف سازش میں برابر کا شریک تھا۔

مجھے اے۔ میسنڈر میں قیام کرکے بھوشن کے سادہ لباس والوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے بجائے بھگوان داس کو تلاش کرنا ضروری تھا۔ بزنس منیجر کی حیثیت میں وہ یقیناً بھوشن کے بہت ساری کمزوریوں اور کاروباری راز سے واقف رہا ہوگا۔ اس کی شخصیت میرے لیے زیادہ اہم ثابت ہو سکتی تھی۔

میرا ذہن ابھی انھی باتوں میں الجھا ہوا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ سن کر میں یکلخت چوکنا ہو گیا۔ میں نے اپنے پستول کے دستے پر گرفت مضبوط کی اور برق رفتاری سے بستر سے رینگ کر عقبی سمت کھلنے والی بالکونی کے قریب پہنچ گیا۔ بالکونی کے دوسری جانب گہرا سناٹا طاری تھا۔ میں اس بات کا جائزہ پہلے ہی لے چکا تھا کہ بالکونی میں داخل ہونا آسان نہیں تھا۔ میری آنکھ اور کان دونوں بیرونی دروازے پر جمے ہوئے تھے۔ وہ ہلکی سی آہٹ میرا وہم نہیں تھا۔ دروازے کے باہر یقیناً کوئی موجود تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ میں نے طے کر لیا تھا اپنی زندگی بچانے کی خاطر کسی دشمن کو گولی مارنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

دس منٹ نہایت خاموشی سے گزر گئے اس عرصے میں مجھے کوئی دوسری آہٹ نہیں سنائی دی۔ باہر جو کوئی بھی تھا شاید ابھی تک اندر کی سن گن لینے میں مصروف تھا۔ مجھے یاد تھا کہ میں نے بستر پر لیٹنے سے قبل دروازہ لاک کر لیا تھا لیکن ہوٹل والوں کے پاس اس کمرے کی ڈپلی کیٹ چابی بھی ہو سکتی تھی۔ میں دم سادھے ایک پردے کی آڑ میں کھڑا رہا لیکن آدھا گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی کوئی دوسری آواز نہیں سنائی دی۔

میرے اعصاب کا تناؤ بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ میں خوف زدہ نہیں تھا لیکن انتظار کی زحمت میرے اعصاب کو ضرور متاثر کر رہی تھی پھر اچانک کوئی وزنی شے عقب سے میرے شانوں سے ٹکرائی اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی نوکیلی شے میرے کندھوں میں پیوست ہو رہی ہو۔ اس افتاد سے بچنے کے لیے بھی میں نے کسی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ تیزی سے نیچے جھک کر سر سائٹ کیا پھر غیر اختیاری طور پر پردے کی طرف رخ کرکے یکے بعد دیگرے تین فائر کر ڈالے۔ پستول بے آواز تھا اس کے باوجود گہرے سناٹے میں "پچ۔ پچ" کی آواز واضح طور پر ابھری تھی۔ دوسری جانب سے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے قالین پر لیٹے ہی لیٹے چار پانچ کروٹیں بدلیں پھر سوئچ بورڈ تک پہنچ گیا۔ کمرے کی لائٹ آن کرنے سے پہلے میں نے دو منٹ تک وہاں کسی دوسرے شخص کی موجودگی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ یا تو میری پشت سے ٹکرانے والا میری گولیوں کا

ابلیس مصر

★---- الماس ایم۔اے

اسلامی کہانیوں کا بہترین امتزاج

واضح رہے کہ اس مجموعہ کی تین کہانیوں کو نہ صرف قرآنِ حکیم سے اخذ کیا گیا ہے، بلکہ اِن کے بیشتر مکالے بھی قرآنِ حکیم سے ماخوذ ہیں۔

قیمت: -/100 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

شکار ہو کر موت کی ابدی نیند سو گیا تھا یا وہ زخمی ہو کر بے ہوش ہو چکا تھا۔

میں اپنی جگہ کسی آنے والے خطرے سے دوچار ہونے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے بالکونی کی طرف پستول والا ہاتھ بلند کیا اور سوئچ آن کر دیا۔ کمرہ تیز روشنی سے جگمگا اٹھا لیکن اس کے بعد میں نے جو منظر دیکھا اس پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ ایک سیاہ فام بلی تھی جو پشت کی جانب سے مجھ سے ٹکرائی تھی اور اب پردے پر پنجے گاڑے اس طرح فضا میں جھول رہی تھی جیسے اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔ اس کے جسم سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے جو زمین پر بچھے ہوئے قالین میں جذب ہو رہے تھے۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر مردہ بلی کو پردے سے الگ کیا پھر پوری قوت سے اسے بالکونی سے باہر اچھال دیا۔ تیس سیکنڈ بعد ہی مجھے اس کے زمین پر گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے کمرے کی لائٹ کو دوبارہ بند کیا پھر بستر پر آکر لیٹا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر چونک اٹھا۔ اتنی رات گئے مجھے کون کال کر سکتا تھا؟ میں نے ایک لمحے کے لیے سنجیدگی سے غور کیا پھر ریسیور اٹھا کر بدلی ہوئی آواز غنودگی کے لہجے میں بولا۔

"ہیلو۔"

"سوری سر۔" دوسری جانب سے ایک نسوانی آواز

ابھری۔ "میں نے شاید آپ کو سوتے میں ڈسٹرب کیا ہے۔"

"کون ہو تم اور اس وقت مجھے فون کرنے کا مقصد کیا تھا۔" میں نے کسی جھلائے ہوئے پروفیسر کے انداز میں جواب دیا پھر جان بوجھ کر ایک طویل جماہی لی جس کی مدھم سی آواز دوسری جانب بھی ضرور سنی گئی ہوگی۔

"میں کاؤنٹر سے نائٹ ڈیوٹی ریسپشنسٹ بول رہی ہوں سر۔" جواب بدستور انگریزی ہی میں ملا۔

"پھر میں کیا کروں۔" میں نے الجھتے ہوئے کہا۔

"میں معافی کی خواستگار ہوں سر لیکن ابھی ابھی مجھے نائٹ واچ مین نے اطلاع دی ہے کہ آپ کے کمرے کی لائٹ کچھ وقفے کے لیے جلی تھی پھر بجھا دی گئی اور ایک خون آلود مردہ بلی اوپر سے نیچے پھینکی گئی ہے۔"

"بلی اگر مردہ حالت میں پائی گئی ہے تو اس کا خون آلود ہونا بھی قدرتی بات ہے لیکن میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے بدستور جھلائے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارے اس فائیو اسٹار ہوٹل میں کسی بلی کی موت ایک سوئے ہوئے پروفیسر کی نیند سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟"

"واچ مین کا خیال تھا کہ روشن ہونے والی لائٹ اور مردہ بلی کا تعلق آپ ہی کے روم سے ہے۔"

"اپنے واچ مین سے کہو کہ وہ ڈیوٹی آورس میں نشہ کرنے کی عادت ترک کر دے ویسے زیادہ نشہ کرنے والے بھی اکثر ذہنی مرض کا شکار ہوتے ہیں۔" میں نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری۔" دوسری جانب سے معذرت طلب انداز اختیار کیا گیا۔

میں نے جواب دیے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک بار پھر اٹھ کر بیرونی دروازے کو چیک کیا جو بدستور لاک تھا۔ اس کے بعد میں اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا لیکن میرا ذہن کسی آنے والے خطرے کی پیشین گوئی کر رہا تھا۔ میں نے شاید بھوشن کے ہوٹل میں قیام کرکے عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔

دوسری صبح میری آنکھ فون کی متواتر بجنے والی گھنٹی سے ہی کھلی تھی۔ میں نے دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس وقت ساڑھے دس بج رہے تھے میں نے کروٹ بدل کر ریسیور اٹھا لیا۔

"یس۔"

"میں روم سروس کا انچارج بول رہا ہوں سر۔" دوسری جانب سے ایک مردانی آواز ابھری۔ "کیا آپ بریک فاسٹ اپنے بیڈ روم میں لینا پسند کریں گے۔"

"ٹھیک دس منٹ بعد۔"

"اوکے سر۔"

ریسیور کریڈل پر رکھ کر میں جلدی سے اٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے لباس تبدیل کرنے میں بھی خاصی عجلت سے کام لیا تھا۔ میرے بریف کیس میں ایمرجنسی کے طور پر صرف ایک ہی جوڑا تھا جو میں رات کو پہن کر سویا تھا لیکن اب میں دوبارہ پروفیسر سورس والے لباس میں آگیا تھا۔ گزشتہ رات کے واقعات کے بعد میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہو گیا تھا اس لیے پستول کو باقاعدہ لوڈ کرکے جیب میں ڈال لیا تھا تاکہ فوری ضرورت کے وقت مجھے ایک لمحے کی دیری بھی نہ برداشت کرنی پڑے۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ میں نے اٹھ کر میجک آئی کے ذریعے باہر کا جائزہ لیا جہاں ہوٹل کے یونیفارم میں ایک اسٹیورڈ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے دروازے کا لاک کھول دیا۔ اسٹیورڈ نے پہلے مجھے جھک کر سلام کیا پھر اندر آیا اور ٹرے سے ناشتے کی پلیٹیں نکال کر بڑے سلیقے سے میز پر سرو کرنے لگا۔ اس کی یونیفارم کی پشت پر آنکھ کا بندسہ کڑھا ہوا تھا۔ شاید وہ ہوٹل کی آٹھویں منزل پر قیام کرنے والوں کی سروس پر مامور تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے۔" میں نے گفتگو کا آغاز کرنے کی خاطر پوچھا اس کے ساتھ ہی جیب سے سگار نکال کر بے پروائی سے جلانے میں مصروف ہو گیا۔

"تامحن۔" اس نے آہستہ سے مہذب لہجے میں جواب دیا۔

"تامحن!" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اچھے خاصے جسمانی اور کسرتی بدن کا مالک تھا۔ اس کی گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ خاصا پڑھا لکھا بھی معلوم ہوتا ہے۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں روم سروس کا اسٹاف یوں بھی تعلیم یافتہ طبقے سے انتخاب کیا جاتا ہے لیکن تامحن مجھے عام ہوٹل اسٹیورڈ کے مقابلے میں کچھ مختلف نظر آ رہا تھا۔ ممکن ہے وہ میرا وہم ہی رہا ہو۔ میں نے سگار جلا کر اس کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا تعلق کہاں سے ہے' میرا مطلب ہے کہ تم کس ملک کے باشندے ہو؟"

"انڈیا۔" تامحن نے مختصراً جواب دیا۔

"یور آر انڈین؟" میں نے دیدہ و دانستہ حیرت کا اظہار کیا۔

"کیوں؟" وہ ناشتا سرو کرنے کے بعد میری جانب پلٹا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ "کیا انڈین ہونا کوئی جرم ہے۔" اس کے جملے میں ہلکی سی تلخی بھی شامل تھی۔

"اوہ نو!" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا لیکن کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں زیادہ تر وہی لوگ روم سروس کا فریضہ انجام دیتے ہیں جو غیر ملکی ہوتے ہیں اور کئی زبانیں جانتے ہیں تاکہ انھیں کسی کسٹمر کو

اٹینڈ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"میں بھی انگلش کے علاوہ جرمنی اور فرنچ زبانیں بڑی روانی سے بول سکتا ہوں۔" ناتھن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ویسے اے۔ مسٹر، میں مجھے ملازمت محض میری قومیت اور تجربے کی بنا پر ملی ہے۔"

"تجربہ تو خیر ایک علیحدہ بات ہے لیکن یہ قومیت۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔ "قومیت کی بنیاد سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"اس ہوٹل میں کئی شیئر ہولڈرس ہیں سر لیکن سب سے زیادہ شیئر ایک انڈین ہی کے پاس ہیں۔ انہی کی مہربانی سے مجھے یہ جاب ملی تھی۔" ناتھن نے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ نے کیا مسٹر بھوشن جوزف کا نام نہیں سنا۔"

"بھوشن ــــ اوہ ــــ جوزف۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "کیا یہ نام بھی دو الگ الگ قومیت سے تعلق نہیں رکھتے؟"

"آپ کا ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے سر۔" ناتھن نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی دوسرے کسٹمرس کو بھی اٹینڈ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" میں نے کسی غائب دماغ پروفیسر کا رول ادا کرتے ہوئے کہا۔ "مالک کوئی بھی ہو۔ مجھے بھلا اس سے کیا غرض۔"

"دوبارہ کب حاضر ہوں سر؟" ناتھن نے دریافت کیا۔

"آں ــــ ہاں۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا پھر کچھ توقف سے بولا۔ "میں زیادہ ناشتا کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ صرف دو توس اور ایک کپ چائے میرے لیے بہت ہے۔ تم آدھے گھنٹے بعد آسکتے ہو۔"

پھر وہ جانے کے لیے مڑا تو میں نے اسے روکتے ہوئے جیب سے سو کا ایک نیا نوٹ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس مقامی کرنسی میں سب سے چھوٹا نوٹ یہی ہے۔"

"سوری سر۔ میں ٹپ لینے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ میری تنخواہ ہی اتنی کافی ہے کہ سکھ چین سے گزر ہو جاتی ہے۔"

"میں تمہیں ٹپ نہیں انعام دے رہا ہوں۔" میں نے اسے شیشے میں اتارنے کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا قیام یہاں صرف دو روز ہے لیکن ہو سکتا ہے مجھے تم سے کوئی کام پڑ جائے۔ اس کے علاوہ میں عمر میں تم سے بڑا ہوں۔ تمہیں میرا انعام خوشی کر قبول کر لینا چاہیے۔"

"واپسی میں سوچوں گا سر۔ اس وقت جلدی میں ہوں۔"

پھر ناتھن تیزی سے کمرہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ جاتے ہوئے وہ ڈور ناب کے اس پش بٹن کو دبانا نہیں بھولا تھا جس کے بعد کمرہ اندر سے دوبارہ لاک ہو گیا تھا۔ میں نے سو کا نوٹ جیب میں رکھنے کی بجائے میز پر چارہ سمجھ کر ڈال دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں جس مقصد سے اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا اس میں ناتھن میرے لیے خاصا کارآمد ہو سکتا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اسے کسی طرح گول مول لفظوں میں بھگوان داس کے بارے میں کریدنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے قابو میں آجانے کے بعد میری منزل بڑی حد تک آسان ہو سکتی تھی۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے محتاط انداز میں میجک آئی کے ذریعے باہر دیکھا پھر ناتھن کو دیکھ دروازہ کھول دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑی مستعدی سے ناشتے کے برتن سمیٹے۔ سو کا نوٹ اس کے سامنے پڑا تھا لیکن ناتھن نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ برتن ٹرالی میں رکھ کر جانے کے لیے مڑا تو میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اپنا انعام نہیں لیا۔"

"مجھے اپنا انعام مل چکا ہے سر۔" ناتھن نے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے جواب دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کے جواب میں بارود کی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ہونٹوں پر بڑی پُر پیچ سی مسکراہٹ انڈ رہی تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"مجھے ہوٹل سے جو تنخواہ ملتی ہے وہی بہت ہے۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"لیکن میں نے تم سے انعام کی بات کی تھی۔"

"کارکردگی اچھی ہو تو مالکان کی طرف سے انعام بھی مناسب ملتا ہے۔" اس کے لب و لہجے میں پھر کوئی ایسی خاص بات تھی جسے سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میرے وجود کے اندر کہیں سرخ بتی بار بار جل بجھ رہی تھی۔

"میں تمہاری بات کا مقصد نہیں سمجھا۔" میں نے خود کو مطمئن کرنے کی خاطر کہا۔ "کیا روم سروس کے علاوہ بھی تم کچھ اضافی کام سرانجام دیتے ہو۔"

"جی ہاں۔ میں اس بات کا خاص دھیان رکھتا ہوں کہ رہائشی کمروں کی سجاوٹ اور اس کے ساز و سامان کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"سمجھانا چاہتا ہوں سر۔" ناتھن نے بالکونی کے قریب لٹکے ہوئے پردے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "پردے کے علاوہ مجھے قالین پر بھی خون کے کچھ جمے ہوئے قطرے نظر آ رہے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم چاہو تو واش روم اور وارڈ روب میں بھی جھانک کر دیکھ لو۔ تمہیں یہاں کوئی لاش نہیں ملے گی۔"

"پھر یہ خون؟"

"ایک بلی کا تھا جس کے بارے میں مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ آٹھویں منزل کی بالکونی تک کس طرح پہنچ گئی۔"

"لیکن نائٹ ڈیوٹی والی ریپشنسٹ کو آپ نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی۔"

"شاید نیند کے سبب ذہن سے نکل گیا ہو۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"بہرحال آپ نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی ہے۔" ناتھن نے مجھے میری غلطی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو رہائشی کمرے میں کسی قسم کا آتش گیر مادہ لانے کی اجازت نہیں۔ البتہ اگر انتظامیہ آپ کو اس بات کی اجازت دے دے تو اور بات ہے۔"

"میں یہاں ایک دن اور ایک رات کا مہمان اور ہوں اس کے بعد ــــ"

"مجھے معلوم ہے سر لیکن روم سروس پر ڈیوٹی دینے والا اسٹاف اگر ایسی کوئی بات مالکان کے علم میں لے آئے تو اسے اچھا خاصا معقول انعام دیا جاتا ہے۔" اس بار ناتھن کے لہجے میں لالچ کا عنصر زیادہ شامل تھا۔

"میں تمہیں ہوٹل انتظامیہ سے ملنے والے انعام سے دگنی رقم دینے کو تیار ہوں۔"

"کوئی خاص وجہ۔" اس نے مجھے تولنے کی کوشش کی۔

"ہاں۔ اول تو یہ کہ میں اس مختصر قیام کے دوران کسی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا اور اس کے علاوہ بھی تم میرے بہت کام آسکتے ہو۔"

"آپ حکم دیں سر۔" ناتھن دگنے انعام کا سننے کے بعد پھر رام ہو گیا تھا۔

"تم اس ہوٹل میں کب سے ملازم ہو؟"

"یہی کوئی دو ڈھائی سال سے۔" اس نے انگلیوں پر حساب لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔" میں نے دیدہ و دانستہ مایوسی کا اظہار کیا۔ "پھر تم شاید میرے زیادہ کام نہیں آسکو گے۔"

"آپ حکم دیں سر۔"

"کیا نام بتایا تھا تم نے اس ہوٹل کے مالک کا؟"

"مسٹر بھوشن جوزف۔" وہ ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"بھوشن ــــ جوزف ــــ" میں نے سر کھجاتے ہوئے غیر یقینی انداز میں جواب دیا۔ "نہیں۔ اس کا یہ نام بہرحال نہیں تھا۔"

"آپ کس کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں؟"

"تقریباً چار سال پہلے بھی میں نے ایک ٹرانزٹ پسنجر کی حیثیت سے اسی ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ اس وقت میری ملاقات تمہاری انتظامیہ کے کسی بڑے افسر سے ہوئی تھی لیکن اس کا نام اس کا نام یہ نہیں تھا جو تم بتا رہے ہو۔" میں نے پروفیسروں ہی جیسے انداز میں ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کے نام میں شاید ڈاس یا پھر ڈاس آتا تھا۔ بڑا دوست اور مہمان نواز آدمی تھا۔"

"آپ شاید مسٹر بھگوان داس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" ناتھن نے معصومیت سے کہا۔

"ہاں۔ ہاں وہی مجھے یاد آگیا۔ اس کا گڈ نیم بھگوان داس ہی تھا۔"

"وہ مسٹر بھوشن کے بزنس منیجر ہیں لیکن پلیز ــــ" ناتھن نے اس بار اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے قدرے مدھم آواز میں کہا۔ "روم ڈیوٹی اسٹیورڈس کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔"

"ڈونٹ وری۔ میں تمہیں اس انفارمیشن کے لیے دگنا انعام دینے کو تیار ہوں۔" میں نے دریا دلی سے کہا۔ "کیا تم مسٹر بھگوان داس سے میری ملاقات کرا سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے صرف ان کا پتا بتا دو۔ میں خود ہی ملاقات کر لوں گا۔ آئی پرامس یو۔ تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔"

"ون ہنڈریڈ۔ ڈالرز۔" ناتھن نے دبی زبان میں کہا۔ مجھے خوشی تھی کہ شکار آسانی سے میرے جال میں پھنس رہا تھا۔ میرے پاس ڈالر کے نام کی کوئی کرنسی اس وقت جیب میں موجود نہیں تھی۔ میں نے بس اچانک اس ہوٹل میں قیام کرنے اور بھوشن کے گرگوں کو تلاش کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا بہرحال میں نے بڑی فیاضی سے جیب سے اپنا پرس نکالتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ون ہنڈریڈ فقطی ڈالرز بھی دے سکتا ہوں۔ تم مجھے صرف میرے دوست کا پتا بتا دو۔"

"تمہارا دوست تم سے زیادہ دور نہیں۔ تم اسے نظر گھما کر بھی دیکھ سکتے ہو۔"

پشت سے آنے والی آواز سن کر میں اس طرح چونکا تھا جیسے کوئی انتہائی رومانٹک اور ہیجان انگیز سین چلتے چلتے اچانک ڈریکولا اپنی تمام تر خباثتوں کی ساتھ درمیان میں آگیا ہو۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ میری نگاہوں کے سامنے وہی پستہ قد اور بھاری بھرکم جسم والا شخص موجود تھا جسے میں عابد والے کیس کی پیشی پر عدالت میں انسپکٹر رام دیال کے ساتھ بیٹھا دیکھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت بڑی فاتحانہ چمک نظر آ رہی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو گن مین بھی تھے جو اس کے دائیں بائیں اسلحے لیے پوری طرح مستعد نظر آ رہے تھے۔ مجھے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ بند کمرے میں ان تین افراد کی موجودگی میرے لیے حیرت انگیز ہی تھی اس لیے کہ میری نظریں برابر بیرونی دروازے پر مرکوز

"ٹھہرو مت مائی ڈیئر۔" بھگوان داس نے اشارے سے تھمن کو باہر جانے کو کہا پھر دروازہ بند ہونے کے بعد ہی اس کی کرخت آواز دوبارہ ابھری تھی۔ "تم نے ہوٹل میں داخل ہو کر حماقت ہی کا ثبوت دیا ہے۔ خاص طور پر پاسپورٹ کی عدم موجودگی کا بہانہ ایک انتہائی بچکانہ حرکت تھی۔ اسی لیے تمہیں خصوصی طور کے اس کمرے میں ٹھہرایا گیا جو مالکان کے خاص مہمانوں کے لیے مخصوص ہے۔ ویسے میں تمہارے نشانے کی داد ضرور دوں گا۔ تم نے اندھیرے کے باوجود بلی پر کامیاب نشانہ لگایا تھا۔ تین میں سے دو گولیاں اس کے جسم پر ہی لگی تھیں لیکن ایک بلی کے نقصان سے اگر کوئی پاگل کتا ہاتھ آجائے تو اسے گھاٹے کا سودا نہیں کہا جاسکتا۔ میرا مشورہ ہے اب تم کسی چالاکی دکھانے یا ڈرامہ رچانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ ہم تمہارے بارے میں پوری تصدیق کرچکے ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس وقت کدھر سے ٹپک پڑے۔" میں نے بہ ظاہر خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ میری نظریں بدستور ان دونوں مسلح افراد پر لگی تھیں جو پلکیں جھپکائے بغیر ٹریگر پر انگلیاں جمائے مجھے سفاکانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بھگوان داس کے ایک اشارے پر میرے جسم کو آسانی چھلنی کردیا جاتا۔ بہ ظاہر میرے پاس فرار کا کوئی راستا بھی نہیں تھا۔

میرے پستول میں اب صرف تین ہی گولیاں بچی تھیں اور تھمن کے چلے جانے کے بعد میرے دشمنوں کی تعداد بھی تین ہی تھی اس لیے میں فوری طور پر کوئی رسک لینے کو تیار نہ تھا۔ پولیس ٹریننگ کے دوران میں بڑے بڑے تکلیف دہ مراحل سے گزرا تھا لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں اپنے تجربے کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتا۔

مجھے بس ایک لمحے کی تلاش تھی۔ وہ ایک لمحہ جو دو فریقین میں سے ایک کو فاتح اور دوسرے کو شکست خوردہ قرار دیتا ہے چنانچہ مجھے ایسے ہی کسی لمحے کی تلاش تھی اور اس کے لیے ضروری تھا کہ میں اپنے اعصاب کو قابو میں رکھوں اور بھگوان داس کو باتوں میں لگائے رکھوں۔

"کیا یہ جاننا اب تمہارے لیے ضروری رہ گیا ہے۔" بھگوان داس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ آئندہ کے لیے تمہارے لیے یہ انکشاف کا باعث بن سکتا ہے تو میں اصرار بھی نہیں کروں گا۔"

"اس کی چنتا مت کرو۔" بھگوان داس نے زہرخند سے جواب دیا۔ "ہم ظالم اور خونی ضرور ہیں۔ موت اور زندگی ہمارے لیے آنکھ مچولی کے کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے

لیکن اس کے باوجود ہم مرنے والے کی آخری اچھا ضرور پوری کرتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ پاپ کرنے والوں کو پن (نیکی) کے کام کرنے کا بھی دھیان رکھنا چاہیے۔"

"مسٹر شہباز۔ اس خیال کو دل سے نکال دو کہ تم اب کسی بھی صورت میں یہاں سے زندہ بچ کر نکل سکو گے۔ ویسے ہم تمہاری آخری اچھا ضرور پوری کریں گے۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے وہ عجیب انداز میں مسکرایا پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ پولیس ملازمت کے دوران تم ایک کامیاب کھلاڑی رہ چکے ہو لیکن کبھی کبھی اچھے کھلاڑی بھی ڈاج کھا جاتے ہیں۔ تم بھی ڈاج کھا گئے۔ تم نے واش روم میں لگے ہوئے ٹائیلس پر شاید زیادہ دھیان نہیں دیا۔ اسی کی ٹائلوں کے اندر ایک چور دروازہ بھی ہے جو دوسرے کمرے میں کھلتا ہے لیکن اس کا کنٹرول دوسرے کمرے میں ہے۔ ہم اسی راستے سے تمہاری سیوا کرنے کے کارن آئے ہیں۔"

"آئی۔ سی۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "گویا تھمن بھی تمہارے گینگ ہی کا ایک فرد ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم خاصے ذہین ہو لیکن اپنی ذہانت کے باوجود ہمارے ماؤس ٹریپ میں آ پھنسا

"بھوشن جوزف کو مجھ سے کیا دشمنی ہے؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔" اس نے تلخ آواز میں جواب دیا۔ "اس ہوٹل میں تمہارا بھیس بدل کر قیام کرنے کا مقصد کیا تھا۔ کیا تم ہماری ٹوہ میں نہیں تھے؟"

"میں صرف یہ معلوم کرنے کی غرض سے آیا تھا کہ انسپکٹر رام دیال کو حراست میں لے جانے کے بعد تم اچانک انڈر گراؤنڈ کیوں ہوگئے تھے؟"

"صرف یہ دیکھنے کی خاطر کہ میرے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد تمہارے پیٹ میں کیا کھلبلی مچتی ہے۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ "کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تمہیں میری کھوج کس لیے تھی؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم بھوشن کے لیے کتنے اہم آدمی ہو۔"

"یہ معلوم کرنے کی بھی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔" وہ میری نگاہوں کے سامنے سینہ تانے کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔

"سوری مسٹر بھگوان داس۔" میں نے شانے اچکائے۔ "اب جبکہ تمہارے کہنے کے مطابق موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے تو ان باتوں سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔"

"ہم تمہیں ماریں گے ضرور لیکن اتنی آسانی سے بھی نہیں۔" اس نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "چند روز تو ہمارے سیوک تمہاری آؤ بھگت کریں گے اس کے بعد شاید باس خود تمہیں اپنے ہاتھوں سے مارنا زیادہ پسند کریں گے۔"

ٹھیک اسی وقت واش روم سے کسی چیز کے گرنے کی آواز ابھری۔ شاید بھگوان داس کے کچھ ساتھی وہاں بھی موجود تھے وہ آواز میرے لیے زندگی کی نوید سے کم نہیں تھی۔ ایک لمحے کو تینوں ہی کی توجہ واش روم کی جانب مبذول ہوگئی۔ وہی لمحہ میرے لیے بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ میں نے بجلی کی رفتاری سے پستول نکال کر ایک مسلح فرد پر فائر کیا۔ میرا نشانہ خطا نہیں گیا۔ اس کی بائیں کنپٹی سے خون کا فوارہ ابلا اور وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر اس طرح لڑکھڑا کر گرا کہ بھگوان داس بھی اپنا بیلنس برقرار نہ رکھ سکا۔ تیسرے مسلح آدمی نے پلٹنے کی کوشش کی تھی لیکن اتنی دیر میں میں سمر سالٹ کرتا ہوا اس کے شانے تک پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتا میری سیدھے پاؤں کی ٹھوکر بھرپور انداز میں اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اس نے اٹھنے میں حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ میرے پستول سے دوسری آواز نکلی اور وہ بھی اچھل کر دوسری طرف ڈھیر ہوگیا۔ اب کمرے میں صرف میں اور بھگوان داس رہ گئے تھے۔ میرے پستول میں ایک گولی باقی رہ گئی تھی۔ میں نے اسے جلد بازی میں ضائع کرنے کی حماقت نہیں کی۔ بھگوان داس کو پستول کی زد میں لیتا ہوا دبے قدموں لپکا۔ واش روم کے اندر ایک سرسری نظر ڈالی۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا پھر بھی میں نے دروازے کو اندر سے بولٹ کرلیا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ بھگوان داس کو بھی اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ بازی کا رخ اتنی تیزی سے بدل لے گی۔ اب وہ میرے رحم و کرم پر تھا۔

"اب تمہارا کیا خیال ہے بھگوان داس۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ "کیا اب بھی تمہارے سیوک میری آؤ بھگت کرسکیں گے؟"

"اپنی وقتی کامیابی پر اتنا گھمنڈ مت کرو مسٹر شہباز خان۔" وہ سپاٹ آواز میں بولا۔ "تم ابھی ہوٹل سے باہر نہیں گئے ہو اور شاید زندہ بچ کر جا بھی نہیں سکو گے۔"

"خود اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے سفاک انداز میں دریافت کیا۔

"مجھے اپنی موت کا اتنا غم نہیں ہوگا جتنی اس بات کی خوشی ہوگی کہ تمہاری زندگی اب اپاہجوں کی طرح گزرے گی۔" وہ بڑی بے پروائی سے بولا۔ "شاید اب تم سارا جیون آکاش کسی صورت بھی نہ دیکھ سکو گے۔ باس تمہیں بڑی اذیت ناک موت مارے گا۔ تمہیں شاید اس کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہے۔"

"خطرناک کھیلوں میں موت اور زندگی کا خیال رکھنے والے بازی کبھی نہیں جیت سکتے۔" میں نے سرد آواز میں جواب دیا لیکن بھگوان داس نے جو کچھ کہا وہ غلط بھی نہیں تھا۔ ہوٹل میں بھوشن کے اور بھی بہت سارے ساتھی ہوں گے۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا۔ میں نے خلاف توقع جو بازی اپنے حق میں کی تھی وہ ایک پل میں پلٹ بھی سکتی تھی۔ میرے ہاتھ سے دو خون ہوچکے تھے۔ بھگوان داس کو زندہ چھوڑ دینے کے بعد بھی یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی تھی کہ وہ مجھے ہوٹل سے بچ کر نکل جانے میں کوئی مدد کرے گا۔

پھر میں نے فیصلہ کرلیا۔ جہاں دو خون میرے ہاتھ سے ہوئے تھے وہاں ایک اور بھی کیا جاسکتا تھا۔ بھگوان داس میرے چہرے کے تاثرات بھانپ رہا تھا۔ شاید موت اس کا مقدر بن چکی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالنے کی کوشش کی لیکن اس کا بھی وہی انجام ہوا جو اس کے دو ساتھیوں کا ہوچکا تھا۔ میں نے تینوں لاشوں کو کھینچ کر واش روم میں منتقل کیا پھر دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔

راہداری اس وقت میری قسمت سے خالی ہی پڑی تھی۔ میں نے لفٹ کی جانب قدم اٹھائے اور گراؤنڈ فلور کا بٹن دبانے کے بجائے تھرڈ فلور کا بٹن دبا دیا جہاں سے ملازموں کے لیے عقبی زینوں کے ذریعے نیچے جانے کا راستہ موجود تھا۔ مجھے خلاف توقع ہوٹل سے باہر نکلنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہوٹل کے ایک دو چار ملازمین نے مجھے دیکھا ضرور تھا لیکن کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید وہ بھوشن کے سادہ لباس والے نہیں تھے۔

پانچ منٹ بعد ہی میں خطرے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا ندیم کے کیسینو کی طرف جا رہا تھا تاکہ پروفیسر مورس کے میک اپ سے نجات حاصل کر سکوں لیکن شاید ندیم کو ان معاملات سے باخبر کرنا میرے لیے مناسب نہ ہوگا۔ ایسا کرنے کی صورت میں اس کے آدمی پھر میرے پیچھے نگرانی کرنے کی خاطر سائے کی طرح لگ جاتے جبکہ میں اپنی مشکلات کا سامنا تنہا کرنا چاہتا تھا' چنانچہ میں نے ٹیکسی واپس پبلک لائبریری کی سمت مڑوالی۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے ڈرائیور کو کرائے کے علاوہ دس روپے بطور ٹپ دیے وہ بے حد خوش ہو گیا۔ میں نے ایک بار پھر وہی طریقہ کار اختیار کیا۔ واش روم میں جا کر جلدی جلدی اپنا ریڈی میڈ میک اپ اتارا اور پھر شہباز خان والے حلیے میں آ گیا۔ اس کے بعد میں عقبی راستے سے نکل کر پارک میں آیا اور بڑے اطمینان سے چہل قدمی کرتا ہوا کھلی سڑک پر پہنچ کر دوسری ٹیکسی پکڑی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بھگوان داس اگر زندہ میرے ہاتھ آ جاتا تو اس کے ذریعے میں بھوشن کے بہت سارے کمزور پہلوؤں سے واقف ہو سکتا تھا لیکن چویشن ایسی ہی پیدا ہو گئی تھی کہ اگر میں اسے گولی نہ مارتا تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے میں ایک پل کی بھی سستی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ مجھے اس کی موت کا افسوس تھا لیکن اس بات کی خوشی بھی تھی میں زندہ سلامت اس ہوٹل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بھگوان داس کے بعد اب میرے لیے گیتا کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مجھے اس بات کا بھی بڑی شدت سے احساس تھا کہ بھگوان داس کی موت کی اطلاع جب بھوشن تک پہنچے گی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ گیتا کی بازیابی اب خاصی مشکل ہو گئی تھی۔ اول تو غالب امکان اس بات کا تھا کہ اسے کرشن شرما کی موت کے بعد ہی ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔ دوسری شکل میں اگر وہ زندہ تھی تو اس پر نگرانی اور سخت کر دی گئی ہوگی' بہرحال میں طے کر چکا تھا کہ گیتا کو بازیاب کرنے کی خاطر میں ہر ممکن کوشش ضرور کروں گا خواہ اس کے لیے مجھے براہ راست بھوشن سے براہ راست ہی کیوں نہ ٹکرانا پڑے۔

ناصر کو ہوٹل میں میری حیثیت کا علم ہو چکا تھا اس لیے بھگوان داس اور اس کے ساتھیوں کی موت کی اطلاع بھوشن تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی ہوگی۔ میرا ذہن برابر اسی خیال میں غرق تھا۔ بھگوان داس نے میری اصلیت معلوم کرنے کی خاطر ایک بلی کی جو قربانی دی تھی اس میں وہ کامیاب رہا تھا۔ شاید اسی کامیابی کے نشے نے اسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ ورنہ وہ اگر عقل مندی سے کام لیتا تو مجھے کسی چوہے کی طرح بہ آسانی پکڑ سکتا تھا۔ اسے ڈرامہ رچانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی لیکن شاید قسمت مجھ پر مہربان تھی جو اس وقت کھلی فضا میں ٹیکسی میں بیٹھا آزادی کے سانس لے رہا تھا۔

واش روم میں کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز میری آزادی کا پروانہ بن گئی تھی ورنہ بھگوان داس اور اس کے ساتھی مجھے اپنے نرغے میں لینے میں کامیاب ہو چکے تھے لیکن وہ وزنی شے کیا تھی؟ کس نے گرائی تھی؟ یہ سوال ابھی بھی میرے ذہن میں گونج رہا تھا کہ اچانک لیڈی مکارنس کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"میرے عزیز۔ میں تمہیں آزادی کی مبارک باد پیش کرتی ہوں لیکن اس بات کی تاکید بھی کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ اب تمہیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔"

"تمہیں ان حالات کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

"تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ اس وقت تک تمہارے معاملات میں دلچسپی لیتی رہوں گی جب تک اس طاقت کا سراغ نہ لگا لوں جو تمہاری مدد کرتی ہے۔ اس کے بعد تمہاری حیثیت میرے لیے ایک عام آدمی سے زیادہ مختلف نہیں ہوگی۔"

"کیا تمہیں میرے ارادوں کا علم ہو گیا تھا۔"

"میں تمہارے دل میں نہیں جھانک سکتی لیکن تمہاری نقل و حرکت پر نظر رکھنا میرے لیے بچوں کے کھیل جیسا ہے۔" لیڈی مکارنس کے جواب میں تکبر تھا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وقت اور فاصلوں کی قید میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

"بھگوان داس کی موت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی سانپ کے منہ پر پاؤں رکھ کر اسے اور زیادہ خطرناک بنا دیا جائے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بھوشن کو اپنے دست راست کی موت کی اطلاع مل چکی ہے لیکن ابھی تک اسے اس بات کا علم نہیں ہوا کہ پروفیسر مورس کے پیچھے کس کی شخصیت کام کر رہی تھی مگر اس کے ذہن میں سب سے پیشتر تمہارا ہی نام ابھرا ہے اور چند گھنٹوں بعد وہ اس کی تصدیق کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا کہ پروفیسر مورس کے بھیس میں تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"پریشان مت ہو۔ اس کا جواب شاید بھوشن خود ہی تمہیں دے دے گا۔" لیڈی مکارنس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "جو چالاک لوگ محض ایک بلی کے ذریعے تمہارے اور اپنے شبے کی تصدیق کر سکتے ہیں ان کے پاس اور بھی بہت ذرائع ہو سکتے ہیں۔"

"کیا تمہیں ان ذرائع کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

"لیڈی مکارنس گھپ اندھیروں میں گرد آلود فرش سے گری کھوئی ہوئی سوئی بھی تلاش کر سکتی ہے۔" وہ نخوت بھرے لہجے میں بولی۔ "میری نظریں دنیا کے کسی کونے میں بھی بلا روک ٹوک پہنچنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ کہو تو اس ٹیکسی کا نمبر بھی بتا دوں جو اس وقت تمہارے استعمال میں ہے۔"

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ واش روم میں ہونے والی آواز—"

"اتفاق ہی سمجھو جو اس وقت میرا دھیان اچانک تمہاری طرف چلا گیا تھا۔" اس نے جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ آواز جسے سن کر تمہیں اپنے بچاؤ کی مہلت ملی تھی وہ میں نے ہی پیدا کی تھی۔ میں چاہتی تو تمہیں بچا بھی سکتی تھی۔ بھگوان داس اور اس کے ساتھیوں کی موت کے لیے میری آنکھوں کا ایک اشارہ بھی بہت تھا لیکن میں خون خرابے کی عادی نہیں ہوں۔ تم سیکرٹ سروس کے چیف انسپکٹر دل کو کیوں فراموش کر رہے ہو جو بھیس بدل کر میرے خلاف مکارنس کے قتل کی تفتیش کرنے میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں چاہوں تو اسے بھی کسی چیونٹی کی طرح اپنے پیروں تلے کچل سکتی ہوں لیکن میں بچوں کے کھیل تماشے دیکھ کر زیادہ خوشی محسوس کرتی ہوں۔ اسی لیے میں تمہاری بہادری بھی دیکھنا چاہتی تھی۔ ہاں' ناکامی کی صورت میں تمہاری مدد ضرور کرتی۔"

"گیتا کے بارے میں تمہاری معلومات کیا کہتی ہے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا وہ زندہ ہے اور میرے لیے بھوشن کے خلاف ایک اہم ثبوت ثابت ہو سکتی ہے؟"

"کیا سب کچھ مجھ سے ہی پوچھو گے؟" اس بار اس کے جواب میں بڑا گہرا طنز تھا۔ "کیا اپنی کاکا کے لیے کچھ باقی نہیں چھوڑو گے جس نے تمہاری خاطر موہنی کو کس قدر آسانی سے جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دینے میں تمہاری مدد کی تھی۔"

"ہاں" کاکا نے مجھ سے موہنی کی موت کا موقع فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا جس کو پورا کرنے میں اس نے کسی فریب سے کام نہیں لیا۔"

"فریب۔" لیڈی مکارنس کا لہجہ یکلخت تلخ ہو گیا۔ "کیا تم اس قابل ہو کہ فریب اور سچائی میں تمیز کر سکو؟"

"لیکن کاکا نے—"

"نہیں میرے عزیز۔" اس نے ایک بار پھر میرا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے جواب دیا۔ "اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کرو۔ یہ دنیا جس میں ہم سانس لے رہے ہیں ایک تجربہ گاہ ہے۔ کامیاب وہی ہے جو اپنا ذہن اور اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ذہن میں ابھی تک کیا شبہ منڈلا رہا ہے۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم کوشل ورما' موہنی اور میری شخصیت کو ایک ہی کردار کے مختلف روپ سمجھ رہے ہو؟"

"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"مجھے تمہارا جواب پسند آیا میرے عزیز۔" لیڈی مکارنس نے برا ماننے کے بجائے خوشی کا اظہار کیا۔ "جو لوگ سچائی کے راستے پر چلنے کے عادی ہوں جیت انہی کی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے جیتنے کی خاطر بہت کچھ ہارنا بھی پڑتا ہے۔"

"کیا تم ایک کام کر سکتی ہو؟"

"کہو۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں نے نسیم کو بہن بنایا ہے' وہ مجھے بہت عزیز ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو مگر کیا تم یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ اس کے چہرے پر پیشانی کا وہ داغ کس کی شرارت کا نتیجہ تھی۔"

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس کی پیشانی کا وہ داغ دور ہو جائے جس کے بارے میں ڈاکٹر ابھی تک کوئی یقینی بات کہنے سے گریز کر رہے ہیں۔"

"صرف آج کی رات اور انتظار کرو۔ ہو سکتا ہے کہ کل صبح تمہاری پریشانی دور ہو جائے۔" اس نے عجیب لہجے میں جواب دیا۔

"کاکا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں تھوڑے توقف سے بولا۔ "اس نے کہا تھا کہ موہنی کی موت کے بعد ہو سکتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لیے دوبارہ مورتی کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے یا آسمان اور زمین کے درمیان معلق کر دیا جائے۔"

"اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ عتاب دیوتاؤں کی جانب سے نازل ہوگا۔"

"ہاں۔"

"لیڈی مکارنس نے آج تک اپنی شکست بھی تسلیم نہیں کی یا یوں سمجھ لو کہ مجھے زندگی میں ہمیشہ جیت ہی ہوئی ہے۔" وہ بڑے پر اعتماد اور نخوت بھرے لہجے میں بولی۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہاری کاکا کی مورتی میری لائبریری میں شیشے کے شوکیس میں بند ہے۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ میری ایک ذرا

ہی عدم توجہی کی بنا پر اس کی روح میرے قبضے سے نکل گئی تھی لیکن مجھے کامل یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کی روح بھی میرے قبضے میں ہوگی اور میں تمہیں اس سے گفتگو کرنے کا ایک نادر موقع ضرور فراہم کروں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ کالکا دیوتاؤں کے عتاب کا شکار نہیں ہوئی۔"

"اس کا جواب بھی تمہیں بہت جلد مل جائے گا۔ کسی خاص مصلحت کی بنا پر میں اس وقت تمہارے سوال کا جواب دینا پسند نہیں کروں گی۔"

"بھوشن سے میری پیدا ہونے والی دشمنی کے بارے میں تمہاری کیا پیشین گوئی ہے۔ کیا مجھے سرنڈر کر جانا چاہیے یا۔۔۔" میں نے جان بوجھ کر جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"اس کا فیصلہ تمہیں خود کرنا ہوگا۔"

"تم نے مجھے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ تمہاری زبان سے نکلی ہوئی کوئی بات یا پیشین گوئی غلط ثابت نہیں ہوتی۔" میں نے لیڈی مکارنس کو اکسانے کی خاطر کہا۔

"تمہارا دوست حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ میں اسے بھی پسند کرتی ہوں۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا۔" میں نے پیشین گوئی کے سلسلے میں اپنا سوال پھر دوہرایا۔

"وقت کا انتظار کرو میرے عزیز اور اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی عادت ڈالو۔ فی الحال میں تم کو یہی مشورہ دے سکتی ہوں۔"

پھر لیڈی مکارنس نے مجھ سے اپنا رابطہ توڑ دیا۔

☆

گھر پہنچتے ہی عارفہ نے مجھے بتایا کہ سراج کا فون میرے لیے کئی بار آچکا ہے۔ وہ مجھے یقیناً کوئی خاص خبر سنانا چاہتا تھا ورنہ متعدد بار فون کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہ کرتا۔ عارفہ کے بیان کے مطابق وہ کل بھی میری غیر موجودگی میں بار بار فون کرتا رہا تھا۔ میں نے عارفہ کو حالات کے پیش نظر سختی سے ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ فون پر کسی سے اپنا نام ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کالکا کو ابھی تک اس بات کا شبہ تھا کہ وہ زندہ ہے۔ موہنی نے بھی اعتراف کیا تھا کہ اپنے آدمیوں کے ذریعے عارفہ کے جل مرنے کی اطلاع کے باوجود نہ جانے کیوں اسے اس کا یقین نہیں آسکا تھا کہ عارفہ مر چکی ہے۔ کالکا کو بھی اگر عارفہ کے میرے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے کی خبر ہو جاتی تو وہ بھی اس کے بہت سارے مطلب اخذ کر سکتی تھی۔ اس نے مجھے کھلے لفظوں میں چیلنج کیا تھا کہ اگر میں اس کا نہ ہو سکا تو وہ اپنی کالی قوتوں سے کسی اور کو بھی میرا نہ بننے دے گی۔ بہرحال میں نے عارفہ کو ایک بار پھر تاکید کر دی کہ وہ خاص خاص موقعوں کے علاوہ کال ریسیو کرنے کی حماقت نہ کرے۔

میں خاصا تھکا ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے میں نے غسل کر کے لباس تبدیل کیا۔ ایک کپ گرما گرم کافی پئے اور پوری طرح تروتازہ ہونے کے بعد سراج کو فون کیا لیکن مجھے اس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ اس کی بحالی دوبارہ اسی جگہ ہو گئی ہے جہاں وہ عتاب میں آنے سے پیشتر تھا۔ مجھے اس خبر پر خوشی ہوئی۔ شاید سراج نے یہی خوش خبری سنانے کی خاطر مجھے فون کیا تھا۔ میں نے دوسرے نمبر پر ڈائل کیا تو کال خود سراج نے ریسیو کی تھی۔

"واپسی مبارک ہو۔" میں نے اسے مبارکباد دی۔ "لیکن اتنی جلدی یہ سب کچھ ہوا کیسے۔ میرا مطلب ہے کہ ایک بار اگر کوئی پولیس آفیسر عتاب کا شکار ہو جائے تو اتنی جلدی اس کی گلو خلاصی کے صرف دو ہی طریقے ممکن ہیں۔ یا تو لمبا مال خرچ کیا جائے یا پھر کوئی اتنی اونچی سفارش جسے ٹالا نہ جا سکے۔"

"کل آپ کہاں تھے۔ میں نے کئی بار آپ کو مختلف نمبروں پر آزمایا تھا لیکن ہر طرف سے یہی جواب ملا کہ آپ موجود نہیں ہیں۔"

"کچھ توڑ جوڑ کام نپٹانے میں مصروف تھا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر اصل مقصد کی طرف آگیا۔ "آپ نے اتنی جلدی اپنی واپسی کی وجہ نہیں بتائی۔"

"مجھے خود بھی ابھی تک یقین نہیں آسکا کہ مسز سلیمان شاہ اچانک میرے اوپر اس قدر مہربان کیوں ہو گئیں جبکہ۔۔۔" سراج نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے دل میں ابھی تک ندیم کی طرف سے غبار موجود ہے۔

"اس مہربانی کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔ "ویسے بائی دی وے آپ کو اس بات کا احساس کس طرح ہوا کہ ماہ رخ ہی کی وجہ سے آپ کا تبادلہ دوبارہ اسی سیٹ پر ہوا ہے۔ ممکن ہے اس میں بھوشن کی کوئی سازش ہو۔"

"تعیناتی کا آرڈر دیکھ کر میرے ذہن میں بھی یہی خدشہ ابھرا تھا لیکن پھر مسز سلیمان شاہ نے بذات خود فون کر کے مجھے اطلاع دی کہ اس نے بہت اوپر سے میری واپسی کے احکامات جاری کرائے تھے۔"

"پھر تو ڈبل مبارک ہو۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کی تو باقاعدہ لاٹری نکل آئی ہے بقول شخصے اب تو آپ کی پانچوں گھی میں اور سر۔۔۔"

"میں اب سر کڑاہی میں ہونے کی عمر سے گزر چکا ہوں۔" سراج نے میرے جملے کا مفہوم سمجھتے ہوئے جواب دیا پھر بے حد سنجیدگی سے بولا۔ "آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ مسز سلیمان کی مہربانی کی اصل وجہ کیا تھی؟"

"میرا خیال ہے کہ دل آجانے کے لیے عمر کی قید کا ابھی تک کوئی قانون وضع نہیں ہوا۔" میں نے بذلہ سنجی کا ثبوت دیا۔

"کل صبح ہی مجھے ٹرانسفر آرڈر ملے تھے پھر چارج ہینڈ اوور کرنے سے پیشتر مسز سلیمان شاہ کا فون بھی موصول ہوا تھا۔" سراج نے میرے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "دوسری حیرت کی اطلاع یہ ہے کہ نیا چارج سنبھالنے کے ایک گھنٹے بعد ہی مجھے محترمہ کا فون دوبارہ موصول ہوا تھا۔"

"پھر آنے کی دعوت دی ہوگی۔"

"میں اس وقت بے حد سنجیدہ ہوں شہباز صاحب۔" سراج نے کہا۔ "جانتے ہیں محترمہ نے کیا کہا تھا۔"

"ابھی تک میں نے علم غیب میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"مسز سلیمان شاہ نے نہایت سنجیدگی سے یہ رپورٹ دی ہے کہ کچھ لوگ انہیں اغوا کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"یہ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اتر رہی۔" میں نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ماہ رخ کے تعلقات اوپر تک ہیں۔ اس کا مجھے بخوبی علم ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو اس کے ساتھ سیکورٹی گارڈز کی ایک فوج ہوتی ہے ایسی صورت میں اسے اغوا کی اطلاع پولیس رجسٹر میں درج کرانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہی سوال مجھے بھی پریشان کر رہا ہے۔" سراج نے کہا۔ "ویسے ابھی تک میں نے رپورٹ درج نہیں کی۔ مسز سلیمان شاہ کا یہی حکم تھا کہ جو کچھ بھی کیا جائے انتہائی رازداری سے کیا جائے۔ اس کا کوئی ذکر پولیس کے کسی ریکارڈ پر لانے کی سختی سے تاکید کی ہے۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" میں نے سراج کو دلاسہ دیا۔ "جب آپ کو ماہ رخ کے اغوا کی باقاعدہ رپورٹ ملے تو دو چار ہسٹری شیٹرز اور دس نمبر کے غنڈوں کو اٹھا کر بند کر دیجیے گا۔ دنیا دکھاوے کی خاطر دو چار جگہ چھاپے ماریے گا۔ اتنی دیر میں مجھے قوی امید ہے کہ سلیمان شاہ کے شکاری کتے مجرموں کی بو سونگھتے ہوئے ان کی شہ رگ تک خود ہی پہنچ جائیں گے۔"

"آج صبح ہی صبح ایک نئی اطلاع ملی ہے۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ "مسٹر بھوشن نے فون کر کے اطلاع دی ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے ا۔ سپینڈ ہوٹل میں اس کے بزنس منیجر بھگوان داس اور اس کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ میں اسی طرف جا رہا ہوں۔"

"آئی سی۔" میں نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔ "گویا کسی خاص پارٹی اور بھوشن کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب اس کا کروڑوں روپے کا قیمتی مریض کرشن شری اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔" میں نے یونہی ایک شبے کا اظہار کیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ ناجائز تجارت کے میدان میں کوئی دوسری پارٹی بھی سرگرم عمل ہو اور کسی وجہ سے اس کے اور بھوشن کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی ہو۔ خان جابر اور بیرام وغیرہ کے قتل کی وارداتیں بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہوں؟"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیا میں آپ کے کسی [illegible] آسکتا ہوں۔"

"فی الحال مجھے ا۔ سپینڈ پہنچنے کی جلدی ہے۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر بھوشن کا فون دوبار آچکا ہے۔ وہ خاص طور پر بھگوان داس کی موت پر پاگل ہو رہا ہے۔ میں ہوٹل سے واپسی پر آپ سے دوبارہ بات کروں گا۔" پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میرا اندیشہ غلط نہیں تھا۔ بھوشن جوزف کو بھگوان داس کی موت کی اطلاع مل چکی تھی۔ لیڈی مکارنس نے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ پروفیسر ہورس کے میک اپ میں میرے ہونے کا جواب بھوشن ہی دے گا۔ یہ بات بہرحال میری تشویش کا سبب تھی لیکن میں پریشان نہیں تھا۔ محض شبے کی بنا پر کسی کو عمر قید یا پھانسی کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ بھگوان داس نے گفتگو کے دوران مجھے شہباز کے نام سے ضرور مخاطب کیا تھا مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا کہ اس نے جسے شہباز کے نام سے پکارا تھا وہ میں ہی تھا ہو سکتا ہے اس نے محض قانون کو دھوکا دینے اور مجھے بلاوجہ پھانسنے کی خاطر ایسا کیا ہو لیکن دل کو یہ تمام تسلیاں دینے کے باوجود لیڈی مکارنس کے کہے ہوئے کچھ جملے میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔

میں عارفہ سے بیٹھا گفتگو میں مصروف تھا کہ نسیم اور ندیم کمرے میں داخل ہوئے۔ میرا خیال تھا کہ ندیم مجھ سے رات کی غیر حاضری کے سلسلے میں ضرور پوچھے گا لیکن خلاف توقع اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ غالباً وہ موہنی کی موت کے بعد کالکا کے سلسلے میں میرے الٹے سیدھے جواب سے ابھی تک خفا تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میرے چہرے کے تاثرات کو اس وقت بھی پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ رات کو کہاں تھے۔" نسیم نے بڑی محبت اور اپنائیت سے پوچھا پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "عارفہ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کسی ضروری کام سے دو تین روز کے لیے باہر جا رہے تھے۔"

"ہاں۔" میں نے بات بناتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

تمہاری پیشانی کے داغ کی خاطر کسی پہنچے ہوئے فقیر نے مجھے مخصوص تعداد میں ایک عمل پڑھنے کو کہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس میں دو تین دن بھی لگ سکتے ہیں لیکن تمہاری قسمت کی بات ہے کہ عمل کی وہ تعداد ایک رات ہی میں پوری ہو گئی۔"

ندیم نے مجھے غور سے دیکھا پھر اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ شاید وہ میری بات کو محض ایک خوب صورت بہانہ سمجھا تھا۔

"اس عمل سے کیا ہو گا؟" عارفہ نے معصومیت سے دریافت کیا۔

"فقیروں کی باتیں فقیر ہی جانیں' بہرحال اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ عمل پورا ہونے کے بعد ایک رات ڈھلتے ہی دوسری صبح داغ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔"

"آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟" نسیم نے پرامید نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔" میں نے لیڈی مکارنس کی پیشن گوئی پر یقین کرتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا۔ "صرف آج رات کی بات ہے کل صبح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بھی سامنے آجائے گا۔"

"اس کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔" ندیم نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "اگر فقیر کی کہی ہوئی بات درست ہوئی تو کیا بزنس پر قرار رکھو گے یا ماتھے پر قشقہ کھینچ کر کسی پرانے برگد کی چھاؤں میں دھونی مار کر بیٹھنے کا ارادہ ہے؟"

"اس کا فیصلہ کل صبح فقیر سے دوبارہ ملاقات کرنے کے بعد ہی کر سکوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ عمل کی تعداد پوری کرنے کی خاطر تم نے کل کی رات کسی ویرانے یا جنگل میں گزاری تھی؟"

"وہ عمل مجھے ساحل سمندر پر بیٹھ کر پڑھنا تھا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

ندیم نے میرے جواب پر مجھے غصے سے دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر پھر ارادہ ترک کر کے اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ عارفہ نے ندیم کے جانے کے بعد پوچھا۔

"کیا بات ہے کیا ندیم بھائی آپ سے کسی بات پر ناراض ہیں؟"

"اس کا جواب تم اپنے بھائی سے ہی پوچھنا۔" میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں سونا چاہتا ہوں۔ رات پر سمندر کے کنارے بیٹھے بیٹھے ریڑھ کی ہڈی میں درد شروع ہو گیا ہے۔ مجھے نیند آجائے تو براہ کرم مجھے جگانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"شہباز بھائی۔" نسیم نے ایک بار پھر مجھے غور سے دیکھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ میری پیشانی کا داغ صبح تک غائب ہو جائے گا؟"

"امید پر دنیا قائم ہے۔ تم بھی قائم رہو۔ اس میں بہ ظاہر کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔"

میں نسیم اور عارفہ کو پریشانی کے عالم میں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں آگیا پھر ایسا گھوڑے بیچ کر سویا کہ دوسری صبح ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ نسیم اور عارفہ دونوں میری خواب گاہ میں ہی موجود تھیں۔

"خیریت۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ صبح ہی صبح دھاوا بولنے کی کیا وجہ ہے۔"

"آپ نے نسیم کی پیشانی کی جانب نہیں دیکھا۔" پھر عارفہ کے یاد دلانے پر میں نے نظریں گھما کر نسیم کی پیشانی کی جانب دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہاں سیاہ دھبے کا کوئی نام و نشان بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ لیڈی مکارنس نے جو کچھ کہا وہ حیرت انگیز طور پر درست [illegible] ہوا تھا۔ نسیم کی خوب صورت آنکھوں میں خوشی کے آنسو مچل رہے تھے۔

"سراج کی کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔" میں نے اچانک چونکتے ہوئے عارفہ سے پوچھا۔

"دن بھر میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو پچاسوں بار فون آچکا ہے لیکن ہم نے آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے آپ کو جگانے کی کوشش نہیں کی۔"

میں نے تیزی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا' جلدی جلدی ناشتہ کیا پھر سراج کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ا۔ سپینڈر کی تفتیش کے بعد سراج نے بھگوان داس کے قتل کے بارے میں کیا نتیجہ اخذ کیا تھا؟